دلچسپ اور سنسنی خیز کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ
جاسوسی ڈائجسٹ کراچی

مارچ 2019

نگران اعلیٰ
معراج رسول

صفحات 290
قیمت 100 روپے

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

جاسوسی ڈائجسٹ

مدیر اعلیٰ
عذرا رسول

مدیر : لبنیٰ خیال
نائب مدیر : ڈاکٹر نعیم اختر

منیجر اشتہارات
محمد شہزاد خان
0333-2256789

سرکولیشن منیجر
سید منیر حسین
0333-3285269

07
چینی نکتہ چینی
مدیر اعلیٰ
قارئین کی گرم فرمائیاں اور کج ادائیاں نامہ و پیام، محبتیں، عنایتیں اور شکایتیں

14
وبائی دہشت
امجد رئیس
لہو میں ڈوبی خوں رنگ سازش کے اسرار و رموز ایک ناقابل فراموش ناول کے نشیب و فراز

73
ایمانداری کا دھندا
منظر امام
نرم گرم انداز میں احبا گر ہونے والے کاروباری داؤ پیچ.....

77
حماقت
تنویر ریاض
سبزیوں اور لڑکیوں سے محبت کرنے والوں کا ماجرا.....

87
خاکستر
شاکر لطیف
ایک فریب کار کی حیلہ سازیاں..... وہ جرم بے وفائی کا مرتکب تھا.....

100
انگارے
طاہر جاوید مغل
سطر سطر رنگ بدلتی... ایک لہو رنگ اور دل گداز داستان

139
فریبِ زن
ڈاکٹر سبا ارشد
ایک خاص زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کے متمنی قارئین کے لیے منفرد کہانی

143
تحفہ
جمال دستی
اس دعوت کا احوال جہاں لوگوں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی.....

153
درخت کی تلاش
عکس فاطمہ
برف کی گہرائی میں دبے جرم کے ان مٹ نشانات

162
آوارہ گرد
ڈاکٹر عبدالرب بھٹی
تحیر... سنسنی اور ایکشن میں ابھرتا ڈوبتا دلچسپ سلسلہ...

195
یومِ سیاہ
غزالہ یاسمین
قدرت کے قانون سے ٹکرانے کے نتیجے میں رونما ہونے والے حوادث

211
روشن لکیر
سرور اکرام
دل کی گہرائیوں میں چھپی خواہش کی تکمیل کے مراحل

22[illegible]
اپنا اپنا دکھ
تمکین رضا
ہمارے ارد گرد بکھرے کرداروں میں سے ایک کردار کی المیاتی عکاسی

226
دل و جاں اور...
محمد اکرم مپال
تبدیلی دل کے کڑے امتحان سے گزرنے والے شخص کی داستانِ عشق

261
بے دست و پا
سید شکیل کاظمی
حصولِ زر کے ساتھ حصولِ عشق کے معاملات۔ ایک تیکھا سرورق

*
تراش خراش
ادارہ و قارئین
اقتباسات، گدگدیاں، مسکراہٹیں اور قہقہے سب کچھ آپ کی تفریحِ طبع اور تواضع کے لیے

https://www.urdutubes.com/

پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ، کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

جلد 49 • شمارہ 03 • مارچ 2019 • زرِ سالانہ 1200 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 100 روپے •
خط و کتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر 229 کراچی 74200 • فون (021) 35895313 E-mail:jdpgroup@hotmail.com

Digitized by Google

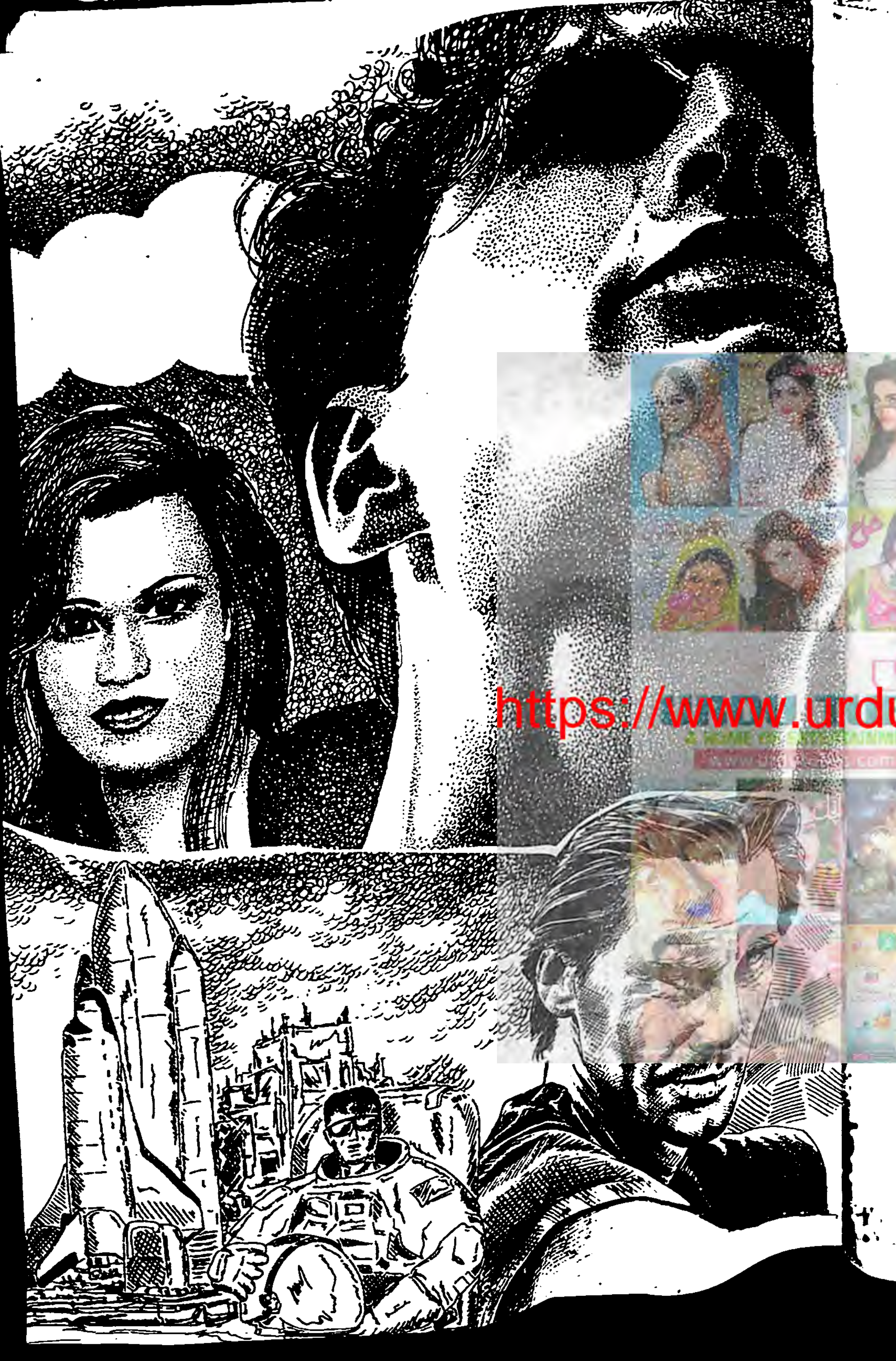

اپنے وقت کے مایہ ناز لکھاری رابرٹ لڈلم کے ناول کا انتخاب

وبائی دہشت

امجد رئیس

ہر دور کے انسان کے لیے ایک میدانِ عمل ہوتا ہے... جہاں انسان ہر طرح کے کردار میں نظر آتا ہے... یہی کردار کسی بھی داستان کی جان ہوتے ہیں... یہ مصنف کا کمال ہوتا ہے کہ وہ قارئین کے سامنے زندہ اور جیتے جاگتے کرداروں کو سامنے لاکر کھڑا کر دیتا ہے... ایسے کردار جن کے پاس ذہن بھی ہے اور روح بھی... چاہے تو نفرت کرے یا محبت... بہادر بنے یا بزدل... نیک یا بدباطن... بے لوث یا مفاد پرست... مادہ پرست بنے... عالمی بساط پر پھیلے ایسے ہی کرداروں کی حیلہ سازیاں... جو ہر پل مہروں کے مانند متحد و متحرک تھے... ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک... جزیرہ در جزیرہ... زمین سے فضا اور فضائوں سے خلا تک کا زہریلا کھیل جاری تھا... جرم اور قانون کے محافظوں کا ٹکرائو اور لمحہ بہ لمحہ بڑھتی کشمکش ان کے اضطراب و اختیار کو للکار رہی تھی... کبھی مجرموں کا پلڑا بھاری تھا تو کبھی سازشوں کی راہ میں کھڑے کھلاڑی اپنے عزم... ہمت اور شکستگی کے جذبے سے دور موت سے پنجہ آزما تھے... پل پل رنگ بدلتی داستاں کے ہزار رنگ...

لہو میں ڈوبی خوں رنگ سازش کے اسرار و رموز......

ایک ناقابلِ فراموش ناول کے نشیب و فراز......

https://www.urdutubes.com/

فورٹ میڈ NSA کے ہیڈکوارٹر میں چھٹی منزل پر [illegible] پرائس اپنے شاندار آفس میں موجود تھا۔ فورٹ میڈ، میری لینڈ میں واقع ہے اور بحیثیت ڈپٹی ڈائریکٹر وہ ایجنسی کے روزمرہ کے آپریشن کا ذمے دار تھا۔

اس کی ہدایت پر اسٹاف نے ماسکو میں ہونے والی گڑبڑ پر نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ روسی، اب تک خونریزی کا سرا چیچن باغیوں سے جوڑ رہے تھے۔ یہ صورتِ حال پرائس کے لیے موافق تھی۔ روسی جتنی دیر ماسکو میں اُلجھے رہیں گے، بریا اور ٹریلور کو نکلنے میں اتنی ہی آسانی ہوگی اور اصل بات بھی منظرِ عام پر نہیں آئے گی یا آتے آتے بہت دیر ہو جائے گی۔

''آجاؤ۔'' دستک پر پرائس نے جواب دیا۔

ایک جوان فربہ عورت نے، لائبریرین کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ پرائس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ماسکو میں ہمارے ذرائع نے تازہ ترین اطلاع دی ہے...... جنرل کیروف، شریمیٹوف ائرپورٹ کی وڈیو ریکارڈنگ میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔''

پرائس نے سینے میں گھٹن محسوس کی۔ تاہم آواز کو ہموار رکھنے میں کامیاب رہا۔ ''واقعی؟ کیوں؟ ٹیپ کے اندر کیا ہے؟''

Digitized by Google

''کوئی نہیں جانتا لیکن روسیوں نے اس پر سرخ جھنڈا رکھ دیا ہے۔ بظاہر ریکارڈنگ بہت خراب ہے۔''

پرائس کا دماغ برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔

''اب کیا حکم ہے، جناب؟''

''ریکارڈنگ کو فوکس کرو۔ چھوٹی سے چھوٹی خبر ملے تو فوراً مطلع کرو۔''

''یس سر۔''

اُن کے باہر جاتے ہی پرائس نے کمپیوٹر سنبھالا...... وہ ڈولس آنے والی فلائٹس دیکھ رہا تھا۔ وڈیو ٹیپ میں دلچسپی کی واحد وجہ اس کے علم میں تھی۔ یقیناً بریا ریکارڈنگ پر ہے اور وہ اکیلا نہیں ہے جس کے ساتھ بھی ہے، وہ صرف ایڈم ٹریلور ہوسکتا ہے۔

امریکن فلائٹ 1710 کے پہنچنے میں چھ گھنٹے کا وقت تھا۔ پرائس جانتا تھا کہ فوٹو کے تجزیے یا عکس کی بہتری کے لیے روسی ٹیکنالوجی اور سوفٹ ویئر پسماندہ ہیں۔ صورت حال کی وضاحت میں وہ کافی وقت ضائع کردیں گے۔ جب تک ٹریلور کی فلائٹ ورجینیا میں لینڈ کرچکی ہوگی۔ پرائس نے چرمی نشست سے کمر نکالی۔ وہ عینک ہٹا کر اس کی کمان سے کنپٹی پر دستک دے رہا تھا۔ ماسکو کا ہنگامہ بہت بُرا رہا۔ ٹرین اسٹیشن سے بریا کا نکل جانا قریب قریب معجزہ ہی تھا۔ مزید براں شریمیٹوف ائرپورٹ پر بروقت اسمال پاکس ٹریلور کے حوالے کرنا بھی حیران کن رہا۔ روسیوں نے بہت تیزی دکھائی تھی۔

لیکن جیسے ہی جنرل کیروف نے ریکارڈنگ پر ٹریلور کی شناخت کی...... بریا کے ساتھ اس کا لنک پکڑا...... وہیں بات بگڑتے دیر نہیں لگے گی۔ کسٹم اور امیگریشن ڈیٹا بینک سے معلومات لے کر وہ دریافت کرلے گا کہ ٹریلور کب ملک میں داخل ہوا اور کب باہر نکلا۔ وہ فوراً CIA اور FBI کے رابطے آفیسر سے ایمبیسی میں ملے گا۔

ٹریلور، بریا کے ساتھ دیکھا گیا...... ہم کیا جواب دیں گے؟ لیکن کیا کیروف کو شک ہوجائے گا کہ ٹریلور ہی حقیقی کوریئر تھا۔ وہ سوچ رہا تھا...... روسی پاگلوں کی طرح بریا کی بُو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ ٹریلور...... ٹریلور......؟ ٹریلور کا کیا کیا جائے؟

رفن ائر پانچ گھنٹے میں ''ڈولس'' پہنچے گی۔ روسیوں نے کڑیاں ملالیں تو وہ الارم بجادیں گے اور FBI کا جال ڈولس ائرپورٹ پر جا کر گرے گا...... پانچ گھنٹے، تھوڑا وقت ہے۔ پرائس نے خود سے سرگوشی کی۔ امریکا میں بریا کی موجودگی ماسٹر پلان کا حصہ ہے۔ امریکا میں اس کی موجودگی کو اتفاق کا نام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ٹریلور اور بریا کا لنک ثابت ہوگیا تو یہ ایک عظیم ناکامی نہیں بلکہ تباہی ثابت ہوگی۔

پرائس نے رچرڈسن کا خفیہ نمبر ملانا شروع کیا۔

☆☆☆

میجر جنرل کیروف چوبیس گھنٹے سے تک ددو میں لگا ہوا تھا۔ تین چیزیں اسے آرام کرنے سے روک رہی تھیں۔ دردکش ادویات، لارا کی ناقابلِ یقین غداری اور آئیون بریا کو پکڑنے کی نہ بجھنے والی پیاس۔

کیروف اپنے آفس کی کھڑکی سے باہر گھورتے ہوئے اب تک کے حالات پر نظرثانی پر مجبور تھا۔ اسمتھ کا دور افتادہ خدشہ تھا کہ سینٹ پیٹرس برگ کو بھی زیرِ نظر رکھا جائے...... جبکہ ابھی تک کیروف کا دل نہیں مان رہا تھا۔ پولیس، ملیشیا اور سیکیورٹی فورسز کے آٹھ ہزار سے زائد جوان شہر کے کونے کونے میں صرف ایک چہرہ تلاش کررہے تھے۔ کیروف کے خیال میں تمام تر صورتِ حال کے پیشِ نظر بریا کے لیے بہتر تھا کہ وہ زیرِزمین چلا جائے۔

کیروف نے کلین سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سینٹ پیٹرس برگ کو نظرانداز نہیں کرے گا...... وہ سینٹ پیٹرس برگ میں فیڈرل سیکیورٹی فورس اور پولیس کو ٹاسک دے چکا تھا۔ اس نے ایک [illegible] پھر [illegible] دہرایا [illegible] ائرپورٹ...... [illegible] کوئی اہداف تھے۔ ائرپورٹ سیکیورٹی ڈویژن کے لیے بھی احکامات دوبارہ جاری کیے گئے۔

☆☆☆

دو گھنٹے بعد امریکن 1710 نے اُڑان بھری۔ ٹریلور نے سکون کا سانس لیا۔ ڈنر کے بعد اس نے وائن استعمال کی...... واش روم میں ہاتھ، دانت برش کیے اور مطمئن انداز میں واپس پلٹا۔ بزنس کلاس میں آکر اس نے پردے برابر کیے اور نشست کی طرف جانے لگا۔ اچانک اسے رکنا پڑا۔ ایک کیلکولیٹر اس کے قدموں میں آن گرا تھا۔ اس نے جھک کر کیلکولیٹر اٹھایا اور مسافر کو پکڑا دیا۔ معاً اس کی نگاہ برابر میں کھڑکی کے ساتھ خوابیدہ مسافر پر پڑی اور ٹریلور کی سانس رک گئی۔ وہ پلک جھپکنا بھول گیا۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہ سن سکا کہ کیلکولیٹر والا مسافر اس کا شکریہ ادا کررہا ہے...... خوابیدہ مسافر جان اسمتھ تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' کیلکولیٹر والے نے آہستہ سے پوچھا۔ ٹریلور نے سر ہلایا اور تیزی سے فرسٹ کلاس میں داخل ہوکر پردے برابر کردیے۔ اس کے چاند جیسے سر پر

پسینا آگیا تھا، جسے اس نے رومال سے صاف کیا۔

''ناممکن! ایسا نہیں ہوسکتا! وہ کوئی اور ہے۔'' وہ پُرسکون ہونے کی ناکام کوشش کررہا تھا۔ اس کی حالت ابتر ہوگئی تھی۔

''سر، آپ کو مدد درکار ہے؟'' فضائی میزبان کی آواز آئی۔

''نہیں...... شکریہ۔'' وہ بولا۔ اسے ہیوسٹن کی مڈبھیڑ یاد آئی۔ ریڈ نے تنبیہ کی تھی کہ ''اسمتھ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اسمتھ کو بھول جائے۔'' ریڈ نے یہ بھی یقین دلایا تھا کہ وہ اسمتھ کو دوبارہ نہیں دیکھے گا۔

لیکن...... ن...... ن...... وہ تو اسی کے ساتھ سفر کررہا ہے۔ کیا وہ شروع سے اس کا تعاقب کررہا ہے؟ سوال در سوال...... قطار در قطار...... اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ اس نے تصور کی آنکھ سے فلاسک اور اس کے اندر پوشیدہ زرد رنگ کے سیال عفریت کو دیکھا۔ خوف اور دہشت نے اسے مفلوج کردیا تھا۔

اس نے منطقی انداز میں سوچنے کی کوشش کی کہ اتفاق ہوسکتا ہے۔ ورنہ اسے گراؤنڈ پر ہی پکڑ لیا جاتا۔ ایک کے بعد دوسرا سوال سر اٹھاتا...... کیا ''ڈولس'' ائرپورٹ پر اس کے لیے جال بچھایا گیا ہے؟ اس کا سر چکرانے لگا۔ ٹریلور [illegible] آیا۔ اسمتھ اسی جہاز میں اتنے قریب؟ ٹریلور کا دماغ کیسے کام کرسکتا تھا۔ یہ کوئی سائنسی فارمولا نہیں تھا۔ یہ دوسرا میدان تھا۔ اسمتھ کا میدان۔ ریڈ، پرائس اور رچرڈسن کا میدان۔

اسے وضاحت درکار تھی، رہنمائی کی ضرورت تھی، سہارا چاہیے تھا۔ اس نے کمبل سے ہاتھ نکال کر اِن فلائٹ فون کی جانب بڑھایا...... آپریشن کے دوران اس نازک مرحلے پر کسی بھی قسم کی گفت وشنید پر سختی سے پابندی تھی لیکن وہ مجبور تھا۔ اسمتھ محض چند میٹر کے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ اس کا ہمسفر تھا۔ کیسا ہمسفر تھا؟ ہمسفر نہیں گویا بھوت تھا۔ خونخوار درندہ تھا؟ لہٰذا اس وقت کسی اصول کی پابندی ممکن نہیں تھی۔ وہ بریا نہیں ٹریلور تھا اور ٹریلور نے اصول توڑ دیا۔ کریڈٹ کارڈ نکالا...... چند سیکنڈ میں رابطہ قائم ہوگیا۔

☆☆☆

جدید ترین آڈیو وڈیول، فلیٹ اسکرین مانیٹرز، پروفیشنل وڈیو DVD (ڈی وی ڈی) ایڈیٹنگ یونٹ...... سافٹ ویئرز، کمپیوٹرز...... رینڈی، سرخ بالوں والے چھریرے بدن ساشا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ساشا گھنٹوں سے اپنے کام میں منہمک تھا۔ اس کی یکسوئی اور مہارت متاثرکن تھی۔ رینڈی محض تماشائی تھی۔ گاہے بگاہے وہ ساشا کے لیے کوک کی بوتل لا کر رکھ دیتی۔ جسے ختم کرکے وہ پھر اپنے کام میں ڈوب جاتا۔

رینڈی مبہوت ہوچکی تھی۔ وہ ایک انتھک شکاری کے مانند ایک کے بعد دوسری...... پکسل (Pixel) گرا رہا تھا۔ بظاہر کوئی نتیجہ نکلتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن غیرمحسوس انداز میں دھیرے دھیرے شبیہ واضح ہوتی گئی اور ایک آدمی کا چہرہ سامنے آیا۔ ساشا نے آخری بار کی بورڈ کو ہٹ کیا اور سر گھما کر گردن کے کڑاکے نکالے۔

''یہ ہے، رینڈی۔'' اس نے کہا۔ ''اس سے زیادہ میں بھی کچھ نہیں کرسکتا۔''

رینڈی نے اس کا شانہ دبایا۔ ''تم پہلے ہی شاندار نتیجہ نکال چکے ہو۔'' وہ اسکرین پر نظر آنے والے بدشکل آدمی کو گھور رہی تھی۔ موٹے ہونٹ، پھولے ہوئے گال، دہری ٹھوڑی، انڈے کے مانند شفاف بڑا سا سر اور دو حلقوں سے ابلتی ہوئی آنکھیں۔

''یہ بدنما شکل کسی اچھے آدمی کی نہیں ہے۔'' ساشا نے تبصرہ کیا۔ ''کوئی شیطانی، منحوس عنصر ہے اس کے تاثرات میں۔''

''کیا مطلب؟''

''کیا یہ ٹرین اسٹیشن پر بھی تھا؟''

''نہیں، مجھے نہیں معلوم۔'' رینڈی نے سچائی کے ساتھ کہا اور ساشا کو گلے سے لگا لیا۔ ''تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ کچھ دیر بعد ہم باہر جا کر کھائیں پئیں گے اور تفریح کریں گے۔''

''ان کا کیا ہوگا؟'' ساشا نے لارا کے لیپ ٹاپ اور سیل فون کی جانب اشارہ کیا۔

''بعد میں دیکھیں گے۔'' رینڈی نے جواب دیا۔

تنہائی میسر آتے ہی رینڈی نے ایمبیسی کے سینئر فارن سروس آفیسر سے محفوظ ای۔لنک پر رابطہ کیا اور ہنگامی درخواست کی کہ اس آدمی کے بارے میں تمام معلومات فراہم کی جائیں۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ تیس منٹ کے اندر جواب آنا چاہیے تھا۔ اس نے شبیہ فیکس کردی۔

وہ اسمتھ کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ یہ انڈے نما آدمی اس کے لیے کتنا اہم ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

''سکون سے رہو۔ ٹریلور، سکون سے رہو۔''

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

''پرائس اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' ٹریلور نے مطالبہ کیا۔ پرائس نے کسمسا کر ذہن کو ہر دوسرے خیال سے پاک کر دیا اور صرف اسمتھ کے بارے میں سوچنے لگا۔

''اس نے تمہیں نہیں دیکھا ہے؟'' پرائس نے حوصلہ افزا انداز اختیار کیا۔ اور تم نے احتیاط کی تو وہ دیکھ بھی نہیں سکے گا۔''

''بہت بڑا سوال یہ ہے کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟''

پرائس کیا کہہ سکتا تھا۔ ''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ ''لیکن ایک بات یاد رکھو کہ اس کا تم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ اس کے پاس کوئی معمولی سی وجہ بھی نہیں ہے جس کے تحت وہ تمہارے اندر دلچسپی لے۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' ٹریلور بھڑکنے لگا۔ ''تم سمجھتے ہو کہ مجھے نہیں معلوم کہ ''ہے ڈیز'' پروجیکٹ میں اس کا کیا کردار تھا؟ وہ وینس میں بھی نظر آیا تھا۔''

''اسمتھ اب یو ایس ایمرڈ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔'' پرائس نے جواب دیا۔ ''تم شاید نہیں جانتے کہ اسمتھ کی منگیتر ہے ڈیز پروجیکٹ کی غارت گری کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔ اس کی بہن ماسکو میں وینچر کیپٹل فرم میں کام کرتی ہے۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ اسمتھ ذاتی وجوہات کی بنا پر ماسکو جا سکتا ہے؟''

''ممکن ہے۔''

''میں نہیں جانتا...... یہ اتفاقات مجھے بُرے لگتے ہیں۔'' ٹریلور بڑبڑایا۔ ریڈ بھی ہیوسٹن میں اتفاقات کی بات کر رہا تھا۔

''غور سے سنو۔ جتنی جلدی ہو سکے ائرپورٹ سے نکل جانا۔ باہر گاڑی تمہیں اٹھانے کے لیے موجود ہو گی...... پُرسکون رہو۔ گاڑی میں سوار ہوتے ہی مجھے کال کرنا۔'' پرائس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

''کلین ہیئر۔''

''کیروف اِن ماسکو۔ کیسے ہیں سر؟''

''فائن جنرل۔''

''ایک اطلاع ہے۔'' کیروف نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ ''بریا سینٹ پیٹرس برگ پہنچ گیا تھا۔ میری ناکامی ہے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے ہوا؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ کسی اور فلائٹ سے نکل گیا؟''

''یس سر۔''

''کون سی؟''

''فن ائر، سر...... فلائٹ میں امریکی ٹور گروپ ہے۔ بریا امریکی پاسپورٹ پر انہی کے ساتھ ہے۔ پاسپورٹ پر نام جان اسٹاک ہے۔ وہ دس گھنٹے قبل پرواز کر چکا ہے...... ڈولس ائرپورٹ پہنچنے میں پندرہ منٹ بچے ہیں۔''

''جنرل میں بعد میں بات کرتا ہوں۔'' کلین نے فون بند کر دیا۔ کلین اس وقت جائے ملاقات سے قریب تھا۔ واشنگٹن کی حدود سے نکل کر وہ تھرمونٹ، میری لینڈ پہنچا تھا۔ وہاں سے ہائی وے 77 پر سفر کرتے ہوئے، فاریسٹ رینجرز اسٹیشن پہنچا۔ جب آرمی کی گاڑی نے مداخلت کی۔ کلین نے بیوک سیڈان روک کر آئی۔ ڈی دکھائی اور آگے روانہ ہو گیا۔ یہ وہی لمحہ تھا جب کیروف کی کال آئی تھی۔

آر ڈی اے کے نام سے معروف علاقہ وفاقی اہلکار اور ان کے خاندان استعمال کرتے تھے...... واشنگٹن سے آنے والے صدارتی ہیلی کاپٹر پر کلین کی نظر پڑی...... مخصوص جگہ پر وہ گاڑی سے اتر گیا۔ سیکرٹ سروس کے آدمی نے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا [illegible] کیمپ ڈیوڈ کے نام سے [illegible] اور واشنگٹن سٹی سے 62 میل کے فاصلے پر ہے۔ سرسبز پہاڑی علاقہ ہے۔ کیمپ ڈیوڈ میں صدر کا آفس گھر کی طرز پر ڈیزائن کیا گیا تھا۔ چیف ایگزیکٹو (صدر) سیموئل ایڈم کاسٹیلا، پائن کی نفیس ڈیسک کے عقب میں مصروفِ کار تھا۔ اس نے اٹھ کر اپنے معتمدِ خاص سے ہاتھ ملایا۔

''نیٹ (ناتھن) عموماً میرا ابتدائی جملہ ہوتا ہے کہ تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ لیکن تم بتا چکے ہو کہ معاملہ اہم ترین نوعیت کا ہے۔''

''میں آپ کی نجی مصروفیات میں دخل اندازی پر معذرت خواہ ہوں لیکن اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔''

''کیا یہ ہیوسٹن سے متعلق ہے؟''

''سر، مجھے ڈر ہے کہ ایسا ہی ہے۔''

پریزیڈنٹ نے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔ ''مختصر اور تیز بتاؤ۔''

صورتِ حال کی بھرپور عکاسی کرنے میں کلین نے پانچ منٹ لیے۔

''تمہاری تجاویز...... مشورہ؟''

''فائر وال۔'' کلین کی آواز کھنچ گئی۔ ''کوئی ایک

مسافر بھی ٹرمنل سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔''

فائر وال کا مطلب تھا FBI، FAA، اور پینٹاگون کا مشترکہ فولادی اشتراک۔ جس کا واحد مقصد امریکا میں دہشت گردی کو نیست و نابود کرنا تھا...... وہ دونوں جانتے تھے کہ اگر وارننگ تیس منٹ قبل بھی مل جاتی تو فائر وال کے خصوصی اور موثر ترین انتظام کو توڑنا یا دھوکا دینا ناممکن تھا۔ کلین بخوبی آگاہ تھا کہ خاصی تاخیر ہو گئی ہے۔ کاش جنرل کیروف اپنے سارے پتے ماسکو کی میز پر نہ رکھتا تو صورتِ حال مختلف ہوتی...... پندرہ منٹ مختصر وقت تھا...... تقریباً گزر چکا تھا۔ طیارہ فضا میں ہو گا یا لینڈ کر چکا ہو گا۔ اب بہترین قدم یہی رہ گیا تھا کہ ہر وردی پوش اور سادہ پوش ایجنٹ کو میدان دست خیز میں جھونک دیا جائے۔ کچھ ائرپورٹ پر ہی ہوں گے۔ چند قریب...... اور بقیہ کو فاصلہ طے کرنا پڑے گا۔ سینٹرل کمانڈ پوسٹ سے FAA ہر مسافر کی تفصیل فیکس کر دے۔

پریزیڈنٹ نے ایک ثانیے کے لیے کلین کی آنکھوں میں دیکھا اور فون کی طرف ہاتھ بڑھایا...... چند سیکنڈ بعد وہ FBI کے سربراہ جیری میتھیوز سے بات کر رہا تھا۔

''تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ ڈولس ائرپورٹ پر فائر وال کرا دو۔ مشکوک فرد کی تفصیل فیکس کروا [illegible] جیری کو ہدایات دیں۔ ''اس کا اصل نام آئیون بریا ہے۔ قومیت سرب ہے۔ وہ جعلی امریکی پاسپورٹ پر جان اسٹاک کے نام سے سفر کر رہا ہے...... وہ امریکی شہری نہیں ہے۔ جیری، ذہن میں رکھنا یہ پانچویں سطح کی صورتِ حال ہے (لیول فائیو سچویشن) پھر کہہ رہا ہوں...... لیول۔ فائیو۔''

پانچویں سطح کا مطلب تھا کہ مشکوک شخص مسلح اور خطرناک ہے۔ صورتِ حال انتہائی درجہ نازک اور قومی سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔

پریزیڈنٹ کاسٹیلا فون رکھ کر مڑا۔ ''فائر وال سے بچنا ناممکن ہے۔ مگر میں سمجھ رہا ہوں کہ تاخیر ہو گئی ہے۔''

''سر، تاخیر والی بات ٹھیک ہے۔ مجھے یہاں آتے ہوئے راستے میں ہی کیروف کی جانب سے اطلاع ملی تھی۔ اس وقت جہاز اترنے میں محض پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔ اگر وہ نکل گیا تو ہمیں بیک اَپ پلان پر جانا پڑے گا۔'' وہ دونوں امکانات اور ممکنہ اقدامات و خطرات پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ جب فون نے نغمہ سرائی کی۔

''جیری؟'' کاسٹیلا خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کلین کو مخاطب کیا۔ وہ فائر وال سے آٹھ منٹ قبل نکل گیا...... کیا مشورہ ہے؟''

اچانک کلین خود کو مزید بوڑھا محسوس کرنے لگا۔ بریا ایک بار پھر بہت قریب سے نکل گیا تھا۔ آٹھ منٹ اسے بہت طویل وقفہ لگا...... لامتناہی......

''بیک اَپ پلان۔'' وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا۔

پریزیڈنٹ دوبارہ فون کی جانب متوجہ ہوا۔ ''جیری، احتیاط سے سنو......'' بات ختم کر کے اس نے کلین سے سوال کیا۔

''کتنی اسمال پاکس غائب ہوئی ہے؟''

''مشرقی ساحلی پٹی کو غارت کرنے کے لیے کافی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔''

''ویکسین کی سپلائی کتنی ہے بشمول یو ایس ایمرڈ میں ملٹری کے استعمال کے لیے موجود ویکسین......؟''

''ناکافی۔ بریا نصف ملین افراد کو متاثر کر سکتا ہے۔ مزید ویکسین کی تیاری میں کئی ہفتے درکار ہیں۔''

''برطانیہ، کینیڈا، جاپان...... وہاں سے خریدی جا سکتی ہے؟''

''ان کے پاس ہم سے بھی کم ہے۔ اور جو ہے وہ ان کی آبادی کے تحفظ کے لیے ہے...... عرصہ قبل WHO نے ویکسین کی تیاری بند کرا دی تھی۔''

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''کیا بریا کے یہاں آنے کا اصل مقصد وائرس کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا ہے؟'' پریزیڈنٹ نے استفسار کیا۔

''نو، سر...... یہی ایک امید کی کرن ہے۔ بریا پیسے لیتا ہے اور کام کرتا ہے۔ وہ ایک قاتل، سہولت کار اور رابطہ کار ہے...... رقم کے عوض اس کی خدمات میں چند اور چیزیں بھی شامل ہیں مثلاً اغوا......''

''سہولت کار؟'' کاسٹیلا نے لفظ دہرایا۔ ''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ اسمال پاکس یہاں کسی کے حوالے کرے گا؟''

''میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ یہ ایک مشکل تصور ہے۔ کیونکہ اگر دہشت گرد کیمیائی یا وائرس اٹیک کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے بہتر ہوتا کہ وہ بائیو ویپن ملک کے باہر اسمبل کرتے۔'' کلین نے کہا۔

''لیکن اسمال پاکس اصل حالت میں بھی انتہائی

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

مہلک ہے۔ اگر نیویارک کے آبی ذخیرے میں شامل کر دیا جائے تو ہولناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا...... اگر ہوا سے اسے زرعی زمین کی مٹی تک پہنچا دیا جائے تو غارت گری کا تناسب مزید بڑھ سکتا ہے...... تاہم مجھے شک ہے کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ سازشی عناصر وائرس کو اصلی حالت میں استعمال نہیں کرنا چاہتے۔ پہلے مذکورہ عناصر ''اسٹیج ٹو'' میں اس پر تجربات کر کے اس کی ہلاکت خیزی میں اضافہ کریں گے۔ رشیا میں اسٹیج ٹو کی سہولت موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وائرس کو امریکا لایا گیا ہے...... ظاہر ہے کہ وہ لوگ CDC یا ہماری ملٹری لیب کو استعمال نہیں کریں گے۔ اس کے دو مطلب نکلتے ہیں...... اول یہ کہ منصوبہ کافی عرصے سے زیرِ عمل تھا۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ انہیں ایک تیسری جدید ترین لیب کی ضرورت ہے جس کے لیے وقت چاہیے...... اور ہمیں بریا کے علاوہ اس تیسری لیب کا بھی سراغ لگانا ہے۔'' کلین خاموش ہو گیا۔

''بریا کتنی دور جا سکتا ہے؟''

''فائر وال کے پلان B کی موجودگی میں بریا کو محدود ہونا پڑے گا۔ اس کی کوشش ہوگی کہ ڈلیوری دے کر واپسی کی فکر کرے۔'' اسمتھ نے کہا۔ لیکن یہ امریکا ہے۔ اس کی انگریزی بھی اچھی نہیں ہے۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ ہمارے ہی ملک سے اسے مدد فراہم کی جائے گی۔ ممکن ہے اسے یہاں بلوانے کا کوئی اور مقصد بھی ہو۔ میں حیران ہوں کہ یہ معاملہ کب سے اور کتنی رازداری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ عین وقت پر ڈانکو نے اپنی جان دے کر پیچیدگیاں کھڑی کر دیں۔'' کلین نے تاسف کے ساتھ اظہارِ حیرت کیا۔

''میڈیا کو تاریکی میں رکھنا ضروری ہے۔'' صدر نے حتمی انداز میں کہا۔

''یس سر۔ کیروف نے رشیا میں یہ کام کامیابی سے کیا ہے۔ جب آپ روسی صدر سے بات کریں تو استفسار کر سکتے ہیں کہ انہوں نے روسی میڈیا کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے کیا اقدامات کیے ہیں؟''

''ہونہہ...... ماسکو میں بریا کے ساتھ دوسرا آدمی کون تھا؟''

''وہ ایک وائلڈ کارڈ ہے...... اس کی شناخت کی کوشش بارآور ہو جاتی ہے تو یقیناً مفید رہے گی۔'' کلین نے جواب دیا۔

☆☆☆

ٹریلور، فرسٹ کلاس مسافروں میں سب سے آگے تھا۔ اس کے عقب میں جو مسافر تھے، ان کے باعث، بزنس کلاس کا کوئی مسافر اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ تیز قدمی سے امیگریشن بوتھ تک پہنچا۔ بوتھ سے پرے کسٹم پوائنٹس تھے۔ ٹریلور کو ہجوم کی ضرورت تھی لیکن ڈولس، کینیڈی یا لاس اینجلس کے مانند معروف ائرپورٹ نہیں تھا۔ نہ ہی وہاں اس وقت کوئی بین الاقوامی فلائٹ متوقع تھی۔

وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھا اور کاغذات پیش کیے۔

آفیسر نے کاغذات دیکھتے ہوئے عام سے سوالات کیے۔ ٹریلور نے مرحوم ماں کے بارے میں صاف گوئی سے بتا دیا۔ آفیسر نے سر ہلا کر کسٹم فارم پر قلم سے کچھ لکھا اور اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

ٹریلور کے پاس سامان تھا۔ لیکن اس کے پاس سامان کی فکر کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اسے جلد از جلد ٹرمینل سے نکلنا تھا۔ اس نے ہمت کر کے شانے پر سے عقب میں جھانکا۔ اسمتھ امیگریشن بوتھ پر تھا...... وہ بوتھ ڈپلومیٹس اور فضائی عملے کے لیے مخصوص تھا...... وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟ وہ پینٹاگون کا آدمی ہے جو ملٹری ID پر سفر کر رہا ہے......؟

اپنا کارڈ لے کر وہ تیزی سے چلنے لگا۔

[illegible] کی عدم موجودگی کی طرف تھا۔ ٹریلور نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اسمتھ اسی ایجنٹ کی طرف آ رہا تھا۔ ایڈم ٹریلور کا دل پھر بے قابو ہونے لگا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ بھاگنا شروع کر دے۔ اس نے اسمتھ کی نظر سے بچنے کے لیے کوریڈور میں دایاں موڑ کاٹا۔

''نہیں جناب۔'' عقب سے ایجنٹ کی آواز آئی۔

''بائیں جانب۔'' ٹریلور بوکھلا کر بائیں جانب مڑا اور تقریباً بھاگتا ہوا ٹرمینل کو ملانے والی روشن سرنگ میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆

''ڈاکٹر اسمتھ؟''

اسمتھ، کسٹم ایجنٹ کے قریب پہنچ گیا۔ ''یس؟''

''آپ کے لیے کال ہے...... اس طرف آئیے۔'' ایجنٹ نے انٹرویو روم کا دروازہ کھولا۔ جہاں مشکوک افراد سے سوال جواب کیے جاتے تھے۔ فون کی طرف اشارہ کر کے ایجنٹ واپس بوتھ کی طرف چلا گیا۔

''اسمتھ بول رہا ہوں۔''

''جان، رینڈی ہیئر۔''

''رینڈی!''

''سنو، زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہم نے وڈیو امیج کو صاف کر لیا ہے اور تصویر سفارت خانے بھیج دی ہے۔ پریشانی کی بات نہیں ہے۔ اس کا نام ایڈم ٹریلور ہے۔ میں نے اس کے پس منظر کے بارے میں تفصیلات طلب کر لی ہیں۔''

''کیا نام بتایا؟'' اسمتھ نے سختی سے ریسیور پکڑ لیا۔

''جان، اس کی ماں روسی تھی۔ کچھ عرصے قبل اس کا انتقال ہو گیا تھا...... وہ اس کی یاد میں یہاں آتا رہتا ہے۔''

''پلیز رینڈی، ایڈم ٹریلور نام ہے؟''

''ہاں، اور وہ تمہارے ساتھ امریکن 1710 پر ہی ہے۔''

اسمتھ سناٹے میں رہ گیا۔ ''رینڈی، تم نے بہت بڑا کام کر دیا ہے۔ میرے پاس شکریے کا وقت بھی نہیں ہے۔''

''اچھا، وہ لیپ ٹاپ اور سیل کا کیا کرنا ہے؟''

''ساشا کو لیپ ٹاپ پر لگا دو...... کچھ ملے تو بتانا...... فی الوقت میں جا رہا ہوں۔''

اسمتھ، آفس سے باہر نکلا اور سیدھا اس ایجنٹ کے پاس پہنچا۔ ''مجھے تمہاری مدد چاہیے۔'' اسمتھ نے ملٹری کارڈ نکالا۔ ''ایڈم ٹریلور نام [illegible] ایک مسافر اسی فلائٹ [illegible] یہاں [illegible] ہوا [illegible] سنسنی خیز اور خونریز ڈراما جو یوری ڈانکو کی موت سے وینس میں شروع ہوا تھا، اس وقت امریکا میں کلائمکس اور شاید حتمی موڑ پر تھا...... اسمتھ نے تیزی سے حلیہ بھی بتا دیا۔

''عجیب آدمی تھا۔ اس کے پاس سامان بھی نہیں تھا۔ ابھی دو منٹ پہلے نکلا ہے؟'' اسمتھ اس کی بات سنتے سنتے حرکت میں آ چکا تھا...... بھاگتے بھاگتے اس نے کلین کا نمبر ملایا۔

''کلین ہیئر۔''

''سر، اسمتھ بات کر رہا ہوں۔ بریا کے ساتھ جو آدمی تھا، وہ امریکی ہے۔ نام ڈاکٹر ایڈم ٹریلور۔ وہ ناسا (NASA) کا سائنس داں ہے...... وہ اسی فلائٹ پر تھا......''

''کیا وہ تمہاری پہنچ میں ہے؟''

''وہ مجھ سے دو منٹ آگے ہے...... بریا خالی ہاتھ ہے۔ وائرس ٹریلور کی تحویل میں ہے۔ ہم بہت بڑا دھوکا کھا گئے۔''

''جان، اسے پکڑو...... میں صدر کے ساتھ ہوں...... ابھی رابطہ کرتا ہوں۔'' کلین کی آواز آئی۔ ''بریا، فائر وال کا جال بچھانے سے چند منٹ پہلے نکل گیا تھا۔''

''اسے علاقے میں گھیریں۔ وہ اب بھی نہایت اہم مہرہ ہے۔'' اسمتھ مسافروں میں راستہ بناتا ہوا ٹریلور کے پیچھے لپک رہا تھا۔ دو منٹ سے قبل کلین نے پھر رابطہ کیا۔

''جان، وہاں ہمارے FBI ایجنٹ موجود ہیں؟''

''نہیں سر...... ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میں اس کے سر پر ہوں۔''

''او کے، جان گڈ لک۔''

مسافروں کے احتجاج کی پروا کیے بغیر اسمتھ دوڑنے والے انداز میں متحرک تھا۔ اسی بھاگ دوڑ میں کچھ دیر کے لیے ٹریلور، اسمتھ کی نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اسمتھ نے بے قراری سے ہر جانب نظر ماری۔ معاً وہ شیشوں کی دوسری جانب سائڈ واک پر نظر آیا۔ جہاں نجی گاڑیاں، کیبس اور سرکاری لیموز (لیموزین) کھڑی تھیں۔ اسمتھ نے دوڑ لگائی۔ ٹریلور ایک سیاہ رنگ کی لنکن سیڈان کے کھلے ہوئے دروازے کے قریب تھا۔ لنکن کے شیشے بھی سیاہ رنگ کے تھے۔

''ٹریلور!'' اسمتھ دہاڑا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ لنکن اسٹارٹ حالت میں تھی۔ اب وہ باقاعدہ دوڑ رہا تھا۔

اپنا نام سن کر ٹریلور پلٹا۔ اسمتھ کو جھپٹتے دیکھ کر اس کی آنکھیں وحشت سے پھٹ پڑیں۔ ہاتھ میں موجود بیگ اس نے سینے سے چپکا لیا اور کھلے دروازے سے لنکن میں کود گیا۔ اسمتھ زخمی درندے کے مانند غرایا اور آخری جست بھری۔ اس کا ہاتھ سامنے کی جانب پھیلا ہوا تھا۔ ٹریلور کے اندر جاتے ہی لنکن کے چیختے ہوئے پہیے گھومے اور وزنی گاڑی آگے کی جانب اچھلی...... اسمتھ کی انگلیوں نے ہینڈل کو چھوا لیکن دروازہ بند ہو رہا تھا اور گاڑی متحرک تھی۔ اس نے خود کو غیر متوازن ہونے سے بچایا اور گرتے گرتے بچا۔

آہ...... وہ...... شکار...... ایک بار پھر منٹوں، سیکنڈوں کے فرق سے نکل گیا تھا۔ اس مرتبہ شکار ایڈم ٹریلور تھا۔ کاش رینڈی کی کال چند منٹ پہلے یا پھر دورانِ پرواز مل جاتی تو ٹریلور کا فرار ناممکن ہو جاتا۔

لنکن، ٹریفک میں گم ہو گئی۔ دو پولیس اہلکار جھپٹے اور دائیں بائیں سے اسمتھ کو جکڑ لیا۔ اسمتھ کے تیس قیمتی سیکنڈ اپنی شناخت کرانے میں ضائع ہو گئے۔ انہیں پرے دھکیل کر اس نے فی الفور کلین کو کال کی......

''کیا تم نے نمبر دیکھ لیا تھا؟'' کلین نے بے چینی سے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

دریافت کیا۔
"نہیں۔ لیکن آخری تین ہندسے میرے ذہن میں ہیں اور بائیں کونے پر نارنجی اسٹیکر چسپاں تھا۔ سر، لنکن، گورنمنٹ ایجنسی میں رجسٹرڈ ہے۔"

☆☆☆

عقبی اور اگلے حصے کے درمیان سیاہ شیشہ حائل تھا جس کے باعث ٹریلور، ڈرائیور کو دیکھنے سے قاصر تھا۔ یہ بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ آگے پسنجر سیٹ پر کوئی ہے یا نہیں؟
"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" ٹریلور نے سوال کیا۔
عقبی حصے میں پوشیدہ اسپیکرز میں سے جواب آیا۔
"ڈاکٹر، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ آرام سے سفر کرو اور منزل تک پہنچنے سے پہلے کوئی بات نہیں ہوگی۔" عجیب سی آواز تھی۔ ٹریلور پہچاننے میں ناکام رہا۔ اس نے لاک ہٹانے کی کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔
'کیا ہو رہا ہے؟' اس نے سوچا۔
خود کو پُرسکون رکھنے کی اس کی ہر کوشش ہزیمت سے دوچار ہوتی آئی تھی۔ یہ حالت اس وقت سے تھی، جب سے اس نے جہاز میں اسمتھ کو دیکھا تھا۔ بعدازاں، امیگریشن، کسٹم، شٹل، بس کے قریب لنکن کی طرف...... گویا وہ کوئی شکاری بھیڑیا تھا...... ٹریلور کے نزدیک یہ ایک کرشمہ ہی تھا کہ وہ اسمتھ کی گرفت سے بال بال بچ نکلا تھا۔
"اب میں محفوظ ہوں۔ بھیانک خواب اختتام پذیر ہوا۔" اس نے خود کو تسلی دی۔ لیکن اس نے تعاقب کیوں نہیں کیا؟ کیا اسے علم ہے کہ اسمال پاکس میرے پاس ہے؟ نہیں، نہیں...... یہ ناممکن ہے۔ سوالات نے پھر یلغار کی۔ اس نے سر پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں...... جوابات اب منزل پر پہنچ کر ہی مل سکیں گے۔

☆☆☆

"جان، مجھے یقین ہے کہ تم نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔" کلین کچھ بے چین تھا۔ "لیکن اب ہمیں ایک نہیں دو افراد سے نمٹنا پڑے گا۔ بریا اور ٹریلور۔" کلین محفوظ لائن پر اسمتھ سے محوِ گفتگو تھا۔
"سر، میں سمجھ رہا ہوں لیکن جہاں تک ٹریلور کا معاملہ ہے ہمیں ایک "بریک" ملا ہے۔ وہ یہ کہ فرار ہونے کے لیے اس نے سرکاری گاڑی استعمال کی ہے۔"
"میں اس وقت بھی کمپیوٹر پر دیکھ رہا ہوں لیکن میں اب بھی کچھ قدرے اُلجھا ہوا ہوں کہ آخر وہ بھاگا کیوں؟"
"سر، احساسِ جرم کے تحت۔ میں اس معاملے میں قطعی پُریقین ہوں۔ اسے ہیوسٹن کی مڈبھیڑ یاد تھی۔ مجھے اس کا سامان بھی نظر نہیں آیا۔ یعنی عجلت کے باعث اس نے سامان کا انتظار بھی نہیں کیا۔ ایک بیگ تھا۔ جسے اس نے نومولود کے مانند سینے سے چپکایا ہوا تھا۔ اس میں کیا ہو سکتا ہے؟ میں نے آپ کو بتایا تھا۔" اسمتھ نے بات ختم کی۔
"ایک منٹ...... کمپیوٹر کچھ کہہ رہا ہے......"
پس منظر میں اسمتھ نے پرنٹر کی آواز سنی۔
"لنکن، جو ٹریلور کو اٹھانے آئی تھی، وہ ناسا کے پاس رجسٹرڈ ہے۔" کلین نے انکشاف کیا۔
اسمتھ دنگ رہ گیا۔
"جان، اگر اسے بھاگنے کی ضرورت آن پڑی تھی تو کیا وہ ایسی ٹرانسپورٹ استعمال کر سکتا تھا جسے بہ آسانی شناخت کر لیا جائے؟"
"یقیناً۔ کیونکہ اسے توقع نہیں تھی بلکہ گمان ہی نہیں تھا کہ مجھ سے یوں ٹاکرا ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے مجھے جہاز میں دیکھ لیا تھا اور بوکھلا کر گاڑی منگوا کر عجلت میں نکلنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی میرے آواز دینے پر وہ بدحواس ہو کر دوڑ پڑا۔ یہ اس کی آخری غلطی تھی جس نے ثابت کر دیا کہ وہ روس میں کیا کر رہا تھا اور شریمیٹوف ائرپورٹ پر بریا سے کیوں ملا؟" اسمتھ نے وقفہ لیا۔ [illegible]
وہ [illegible] زبان کھول [illegible]
ناتھن کلین نے فیصلہ کرنے میں وقت صرف نہیں کیا۔
"میں "فیڈرل بولو" (Bolo) کو الرٹ کرتا ہوں۔"
کلین انتہائی قدم اٹھانے جا رہا تھا۔ "بولو الرٹ" کا مطلب تھا کہ دارالحکومت سے سوئیل کے دائرے میں کسی بھی ایجنسی کے وردی پوش کے پاس ٹریلور کی تصویر پہنچ جائے گی اور احکامات کے مطابق اسے دیکھتے ہی اٹھا لیا جائے گا......
"اس دوران میں تم میرے پاس آجاؤ۔ پریذیڈنٹ کو بریا کے کیس پر بریفنگ دینی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام براہِ راست تم کرو۔ میں ابھی کے ساتھ ہوں...... ہم کیمپ ڈیوڈ میں ہیں۔"

☆☆☆

لنکن، وسکانسن ایونیو سے ہوتی ہوئی وولٹا پلیس کی طرف آگئی۔ گاڑی کے لاک کھل گئے۔ ڈرائیور نے اتر کر ٹریلور کی سمت والا دروازہ کھولا۔ ٹریلور ہچکچاہٹ کے ساتھ اترا۔ اور پہلی مرتبہ ڈرائیور کو دیکھا جس کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ سیاہ و سفید اینٹوں سے بنی

عمارت کی طرف چل پڑا۔ ٹریلور بھی حرکت میں آیا۔ ڈرائیور نے گیٹ کھولا اور کہا۔
"آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"
ٹریلور، گھاس کے قطعے کے درمیان بنے ہوئے پختہ راستے پر چل کر داخلی دروازے تک پہنچا۔ دروازہ خود وا ہو گیا۔ ٹریلور نے اندر قالین پر قدم رکھا۔
'بہت خوشی ہوئی تمہیں دیکھ کر۔' ڈیلن ریڈ کی آواز آئی۔ ریڈ کی آواز سن کر وہ غش کھاتے کھاتے بچا تھا۔
"گھبراؤ نہیں۔" ریڈ نے دروازہ بند کر دیا۔ "کیا پرائس نے نہیں کہا تھا کہ میں یہاں ملوں گا۔ اب سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔"
"نہیں ایسا نہیں ہے۔" ٹریلور اچانک پھٹ پڑا۔ "تم نہیں جانتے کہ ائرپورٹ پر کیا ہوا، اسمتھ......"
"میں سب جانتا ہوں۔" ریڈ نے قطع کلامی کی۔ "میں اسمتھ کو بھی جانتا ہوں...... اس کی نظر تمہارے بیگ پر تھی؟"
"ہاں۔" ٹریلور نے بیگ اس کے حوالے کیا۔ اور ریڈ کے پیچھے کچن میں چلا گیا۔
"لاجواب...... بہت بڑا کام کیا ہے تم نے...... بہترین۔" ریڈ نے [illegible] لیے کر فریج [illegible] سے فلاسک نکال کر میز پر رکھ دیا۔
"نائٹروجن چارج......" ٹریلور نے کہنا چاہا۔
"میرے علم میں ہے۔ چند گھنٹے باقی ہیں۔ تب تک ہم اسے محفوظ جگہ تک پہنچا دیں گے۔" ریڈ نے پھر بات کاٹی۔ "پریشان مت ہو۔ بیٹھ جاؤ، میں کچھ بناتا ہوں۔"
ریڈ نے گول میز کی طرف اشارہ کیا۔ ریڈ نے اسکاچ کے دو بڑے جام تیار کیے جن میں برف کی ڈلیاں تیر رہی تھیں۔ اس نے ایک مرتبہ پھر تعریفی کلمات ادا کیے اور جام بلند کیا۔
ٹریلور نے نفی میں سر کو جنبش دی اور جام اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں کہتا رہا ہوں کہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" ریڈ کی بے پروائی اُسے کھل رہی تھی۔ اس نے جلدی جلدی دو تین گھونٹ بھرے۔ "کیا تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ اتفاقی امر نہیں ہو سکتا کہ اسمتھ میرے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا۔ ماسکو میں کچھ نہ کچھ وقوع پذیر ہوا ہے...... انہوں نے مجھے بریا کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ بریا کے ساتھ میرا نظر آنا کیا جواز رکھتا ہے؟ پھر ائرپورٹ پر اس نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی۔ کیوں؟ ایک ہی وجہ ہے کہ اسے معلوم ہو گیا ہے......"
"اسمتھ لاعلم ہے۔" ریڈ نے ٹریلور کے جام میں مزید اسکاچ انڈیلی۔ "تمہیں وہم ہو گیا ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ ایسا ہوتا تو پوری FBI ائرپورٹ پر تمہارے استقبال کے لیے موجود ہوتی؟"
"میں احمق نہیں ہوں۔ میں سمجھ رہا ہوں لیکن "اتفاق" یہ کیسا اتفاق تھا......" ٹریلور جام اٹھاتے ہوئے بڑبڑایا۔
"پرائس کی بھی غلطی ہے۔" ریڈ نے اعتراف کیا۔ "تم نے جب جہاز پر سے فون کیا تھا تو اس نے تمہیں ہدایات دی تھیں...... ایک چُوک ہو گئی تھی۔ وہ تمہیں یہ کہنا بھول گیا کہ اگر اسمتھ سے مڈبھیڑ ہو تو بھاگنے کی کوشش مت کرنا...... زیادہ سے زیادہ اسے تجسس ہوگا۔ تمہارے دل میں چور تھا، بھاگنے کی وجہ سے کھیل بگڑ گیا۔"
"وہ اسمال پاکس کے بارے میں جان چکے ہیں۔" ٹریلور نے منہ بنایا۔
"یہ ٹھیک ہے لیکن وہ کوریئر کے معاملے میں غلط فہمی کا شکار ہیں۔ وہ تمہارے نہیں، بریا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"
"مجھ سے سوالات کیے گئے تو میں سنبھال نہیں سکوں گا۔"
"تمہیں صرف لاعلمی کا اظہار کرنا ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکے گا۔ تمہارا ریکارڈ گواہ ہے کہ تم اپنی مرحوم ماں کی قبر پر حاضری دینے جاتے رہتے ہو...... حتیٰ کہ پولی گراف ٹیسٹ میں وہ کچھ نہیں پکڑ سکتے۔ کیونکہ تم بریا کی شناخت سے بے بہرہ ہو۔ تم اس کا نام تک نہیں جانتے۔ ریکارڈنگ میں تمہارے ساتھ بریا کی جگہ کوئی عورت بھی نظر آسکتی تھی اور وہاں کوئی آواز نہیں ہے۔ صرف ایک خاموش ٹیپ ہے۔" ریڈ نے اسے سمجھایا۔
ٹریلور کچھ مطمئن دکھائی دیا۔ "میں تھک گیا ہوں۔ آرام کروں گا۔ کچھ عرصے کے لیے کوئی خلل نہ ہو۔"
"یہ بہتر ہے اور انتظام بھی کر دیا گیا ہے۔ فورسیزن کے سوئٹ میں آرام کرو۔ ڈرائیور تمہیں لے جائے گا۔ جتنا دل کرے وہاں رہو......" باہر نکلتے وقت اس نے پھر ٹریلور کے عظیم کارنامے کو سراہا۔
"رقم؟"
"ہوٹل میں تمہیں ایک لفافہ ملے گا۔ اس میں دو نمبر ہوں گے۔ ایک تمہارے اکاؤنٹ کا اور دوسرا زیورچ میں ڈائریکٹر کا ذاتی نمبر۔" ریڈ نے بتایا۔
ٹریلور ہاتھ ملا کر آگے بڑھ گیا۔ چند قدم چل کے اس

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

نے مڑ کے دیکھا، اہم داخلی دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ گیٹ سے باہر آ گیا۔ گاڑی ندارد تھی۔ اس نے سڑک پر دائیں بائیں دیکھا۔ گاڑی نصف بلاک دور کھڑی نظر آئی۔ وہ جتنا خیال کر رہا تھا، اس سے کہیں زیادہ تھکا ہوا تھا۔ وہ نڈھال انداز میں گاڑی کی طرف چل پڑا۔ اسے تاخیر سے احساس ہوا کہ عقب میں کوئی آ رہا ہے۔ وہ پلٹا، آنے والا شخص دو قدم دور تھا۔

''تم!'' ٹریلور، بریا کو دیکھ کر بدک گیا۔

''تمہاری یاد ستا رہی تھی۔'' بریا نے ایک قدم اور اٹھایا۔

ٹریلور کی چیخ، سسکی میں ڈھل گئی۔ لمحہ بھر کے لیے اسے یوں لگا جیسے حملۂ قلب ہوا ہے...... درحقیقت بریا کا مخصوص پتلا خنجر دل میں چھید کر گیا تھا۔ اسے اپنے خنجر اور مہارت پر کامل اعتماد تھا۔ اس نے نبض ٹٹولنے کی زحمت تک نہیں کی۔ طویل عرصہ ہو گیا تھا...... خونی خنجر کی کاٹ میں فرق آتا تھا نہ اس کی پیاس بجھتی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر ڈیلن ریڈ نے دروازہ بند کر کے ایڈم ٹریلور کو ذہن سے نکال دیا۔ وہ کچن میں پہنچا تو جنرل رچرڈسن اور ڈاکٹر کارل بائر وہاں موجود تھے...... غارت گر تکون مکمل تھی۔ البتہ چوتھا کونا انتھونی پرائس غیر حاضر تھا۔ رچرڈسن کے ہاتھ میں سیل فون تھا۔ ''بریا نے کام کر دیا ہے۔'' اس نے سیل فون بلند کر کے اطلاع دی۔

''ٹھیک ہے، وہ اپنے کام کا پکا ہے۔ اب نکلنے کی کرو۔''

''فلاسک کا بندوبست کر لوں، پھر چلتے ہیں۔''

کارل بائر نے فریزر میں سے فلاسک نکالی۔ ساتھ ہی ایک کولر تھا۔ بعد ازاں بائر نے خاص طور پر بنائے گئے موٹے دستانے ہاتھوں پر چڑھائے اور فلاسک کا پوشیدہ چیمبر کھولا جس طرح ریوالور میں گولیاں فٹ ہوتی ہیں۔ اسی طرح وائرس کے ایمپول اپنے خانوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی اشکال دیکھ کر بائر کے ذہن میں میزائل کا تصور ابھرا...... ننھے ننھے شیشے کے بنے ہوئے میزائل جو فائر کے لیے تیار تھے لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا۔ ان کی ہلاکت خیزی میں کئی گنا اضافہ کرنا باقی تھا جس کے بعد امریکا کے اسلحہ خانوں کا کوئی بھی نیوکلیئر میزائل ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

اگرچہ بائر چالیس برس سے اس قسم کی چیزوں سے کھیلتا رہا تھا لیکن پھر بھی، وہ ہر مرتبہ تمام تر حفاظتی تدابیر بروئے کار لانا نہیں بھولتا تھا۔ کام مکمل کر کے اس نے کولر بند کیا اور کوڈ لاک لگا دیا۔ کوڈ الفا نیومرک تھا (ہندسے اور حروف) آخر میں اس نے درجہ حرارت متعین کیا اور کھڑا ہو گیا۔

''شریف حضرات، گھڑی چل پڑی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

وولٹا پلیس کی تعمیراتی قطار میں ہر عمارت کے عقب میں ایک گیراج تھا جو گلی میں کھلتا تھا۔ ریڈ اور رچرڈسن نے کولر گیراج میں منتقل کیا جہاں ایک وولوو (Volvo) اسٹیشن ویگن کھڑی تھی۔ بائر پیچھے رہ کر جائزہ لے رہا تھا کہ وہاں کوئی نشانی نہ رہ جائے۔ انگلیوں کے نشانات اور فارنسک کے معاملات کی اسے پروا نہیں تھی۔ کیونکہ ان کے نکلنے کے بعد NSA کی خصوصی ٹیم وہاں پہنچ کر ہر نشان مٹا دیتی۔ ایسی کئی گمنام محفوظ کمین گاہیں (سیف ہاؤس) NSA کے زیر استعمال تھیں۔ خصوصاً واشنگٹن میں صفائی کے لیے آنے والی ٹیم کے مصروف اوقاتِ کار میں یہ ایک معمول کی بات تھی۔ بائر، ٹریلور کی روح کا شکریہ ادا کر کے وولوو میں ریڈ اور رچرڈسن کے ساتھ آن ملا...... اگلے منٹ میں تینوں عمارت چھوڑ چکے تھے۔

☆☆☆

https://www.urdutubes.com/

پیٹر [illegible] آرٹ گیلری میں تصاویر دیکھتے ہوئے اسمتھ سے بات کر رہا تھا۔ وہ اپنے اطراف سے غافل نہیں تھا۔

''جان...... پیٹر بات کر رہا ہوں۔''

پینتالیس سو میل دور اسمتھ ہائی وے 77 پر تھا......

''بولتے رہو۔''

پیٹر نے فرانکو گریمالڈی سے ملاقات اور بعد کا احوال گوش گزار کیا۔ اس میں، پیٹرک ڈریک اور ٹریوس نکولس کے ساتھ خونی مڈبھیڑ کا احوال بھی تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ وہ امریکی فوجی تھے؟'' اسمتھ نے استفسار کیا۔

''سو فیصد۔'' پیٹر نے جواب دیا۔ ''میں نے پوسٹ آفس کی نگرانی کی تھی۔ نکولس نے جو نمبر بتایا تھا، اسی باکس نمبر پر ایک افسر آیا تھا۔ میں اسے بھی چھاپ لیتا لیکن موقع نہیں تھا اور نہ میں بیس میں گھس سکتا تھا۔'' پیٹر نے وقفہ لیا۔ ''ویسے جان، تمہارے فوجی بھائی کیا چکر چلا رہے ہیں؟''

''تم نے حیران کن اطلاع دی ہے۔ میری شدید

آرزو ہے کہ میں تمہارے سوال کا جواب دینے کے قابل ہوتا۔''

امریکن ملٹری ملوث ہے۔ فوجی بحیثیت قاتل خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس انکشاف نے ایک نئے زاویے کا اضافہ کر دیا تھا...... پہلے سے پیچیدہ صورتِ حال، پیچیدہ تر ہو گئی تھی۔

''اگر نکولس اور اس کا ساتھی ایک اسمگلر کے کہنے پر قاتل کا کردار ادا کر رہے تھے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ کوئی ان کو اس کے لیے ادائیگی کر رہا تھا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' پیٹر نے ہم خیالی کا اظہار کیا۔

''کوئی آئیڈیا ہے کہ ادائیگی کرنے والے تک پہنچا جا سکے؟''

''ایک ترکیب ہے۔'' پیٹر نے سمجھانا شروع کیا۔

پیٹر سے بات ختم کر کے اسمتھ دس منٹ بعد کیمپ ڈیوڈ کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ ملٹری پروٹوکول کے ساتھ وہ روز ہیڈ پر گیسٹ روم میں آیا۔

ناتھن کلین وہاں فون پر مصروفِ گفتگو تھا۔ اس نے اسمتھ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد فون رکھ کے اس نے اسمتھ کو دیکھا۔ ''دوسری طرف کیروف تھا۔'' اس نے اسمتھ کو بتایا۔ ''کیروف الٹے قدموں چل کر کچھ پانے کی کوشش میں [illegible] ہے۔ یاردینی کے رابطے تلاش کیے جا رہے ہیں۔ قسمت کی دیوی اب تک روٹھی ہوئی ہے۔ یاردینی خاموش طبع آدمی تھا۔ وہ پیسے خرچنے کے لیے اِدھر اُدھر جاتا تھا، نہ مغرب کی پُرتعیش زندگی کے خوابوں کا اس نے کبھی اظہار کیا۔ کوئی مشکوک ای میل نہیں، کوئی فون کال بھی نہیں۔ کبھی اسے غیر ملکی سے ملتے نہیں دیکھا گیا۔ تاہم میں ناامید نہیں ہوں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ بغیر کسی رابطے کے وہ اتنی زہریلی سازش کا حصہ بن گیا؟''

''اس کا مطلب جس نے بھی یاردینی سے رابطہ کیا، وہ حد درجہ محتاط تھا۔'' اسمتھ نے کہا۔ ''نیز وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ صحیح آدمی سے رابطہ کر رہا ہے جس کی کوئی فیملی نہیں ہے، جو کرپٹ ہے اور وہ اپنا منہ بند رکھ سکتا ہے۔''

''ہاں، ایسا ہی ہے۔''

اسمتھ نے تیزی سے پیش آنے والے واقعات کی تفصیل سے کہانی سنا دی۔ روس سے ڈولس ایئرپورٹ تک۔ وہ پیٹر والی تازہ خبر تک آیا تو کلین کا ایک ابرو پیشانی پر چڑھ گیا۔ آگے اسمتھ نے نئی تجاویز پیش کیں۔ فون کال نے مداخلت کی...... کلین نے مختصر بات کی۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اسمتھ بغور باس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''بولو (Bolo) ٹریلور تک پہنچ گئے تھے۔'' کلین نے اطلاع دی۔

''لیکن؟'' اسمتھ نے سوال اٹھایا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اچھی خبر نہیں ہے۔ کلین نے رابطہ ختم نہیں کیا تھا۔ ایک ہاتھ ماؤتھ پیس پر رکھا ہوا تھا۔ ''لیکن یہ کہ وہ مارا جا چکا ہے۔ کوئی گواہ نہیں۔ نہ کوئی اشارہ...... کچھ بھی نہیں۔ کسی نے کچھ نہیں دیکھا۔'' اس نے سرگوشی میں بتایا اور فون پر ہدایات دینے لگا۔

''مجھے سراغ رساں کی رپورٹ اور کرائم سین کی تصاویر درکار ہیں۔ فوٹو فوراً فیکس کر دو اور ہاں ''بولو الرٹ'' منسوخ ہے۔''

''واشنگٹن ڈی سی کی پولیس نے وسکانسن کے قریب وولٹا پلیس کے علاقے میں ٹریلور کی لاش دریافت کی ہے۔ بظاہر رہزنی کی واردات ہے۔ پاسپورٹ اور آئی ڈی اپنی جگہ پر ہے۔ وجہ ہلاکت خنجر کا کاری وار ہے جو دل تک پہنچ گیا تھا، والٹ خالی تھا، رقم اور کریڈٹ کارڈز غائب ہیں۔''

''لاش کے آس پاس کچھ ملا...... مثلاً اس کا بیگ؟'' اسمتھ نے ناامیدی کو چھپاتے ہوئے سوال کیا۔ جواب نفی میں ملا۔

''والٹ اور پاسپورٹ اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ ٹریلور کی شناخت میں آسانی ہو۔'' اسمتھ نے آنکھیں بند کر لیں۔ ''بریا...... جو بھی ٹریلور کو استعمال کر رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ ٹریلور حلقے کی کمزور کڑی ہے۔ کام نکلتے ہی انہوں نے کمزور کڑی سے جان چھڑا لی اور اس کے لیے بریا کو استعمال کیا گیا ہے۔''

''کن لوگوں کی بات کر رہے ہو؟''

''سر! ابھی میں اندھیرے میں ہوں۔ تاہم اسمال پاکس کی ڈیلیوری مکمل ہو چکی ہے۔ ساتھ ہی ٹریلور کا کردار بھی ختم ہو گیا۔''

''بریا کا نام تم نے کیوں لیا؟'' کلین نے وضاحت چاہی۔

''کیروف کے مطابق دوبدو لڑائی میں، یہ بریا کا اسٹائل ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ واشنگٹن میں موجود ہے۔ فائر وال نافذ ہونے کے بعد اس کے لیے یہاں سے نکلنا قریب قریب محال ہے...... سازشی ٹولے کے لیے بہتر یہی تھا کہ وہ

بریا کو ہی استعمال کریں۔ کیونکہ بریا ہمارے لیے اجنبی ہے۔ فنگر پرنٹس تک نہیں ہیں۔ اس کی چالوں اور طریقۂ واردات سے ناآشنا ہیں۔ کیروف ہی اسے بہتر جانتا ہے۔ دوسرے نمبر پر میں ہوں۔ میں نے اسے دیکھا بھی ہے اور کچھ کچھ سمجھا بھی ہے...... سازشی ٹولے کے لیے وہی بہترین ہے۔"

"یعنی شریمیتوف ائرپورٹ پر درحقیقت اسمال پاکس کا تبادلہ ہوا تھا اور سب بریا کے تعاقب میں لگے رہے؟"

اسمتھ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جہاز میں ٹریلور میرے ہی ساتھ محض پچیس تیس فٹ کے فاصلے پر وائرس لیے بیٹھا تھا اور میں بے خبر سوتا رہا۔" اسمتھ نے یہ جملہ کبیدگی کے ساتھ ادا کیا۔ "اس سے بڑھ کر ستم ظریفی اور کیا ہوسکتی تھی۔"

☆☆☆

پریذیڈنٹ کو عام سے لباس میں دیکھ کر اسمتھ نے حیرت محسوس کی۔ کلین نے اسمتھ کا تعارف کرایا۔

"مسٹر اسمتھ، تمہاری شہرت...... تم سے آگے چلتی ہے۔" پریذیڈنٹ نے ستائش کی۔

"تھینک یو سر۔"

"جستہ جستہ، کلین کے ذریعے میرے علم میں ہے۔ خاصا خوفناک معلوم ہوتا ہے...... تازہ صورتِ حال کیا ہے؟" پریذیڈنٹ کا انداز پُرسکون اور آواز ہموار، نگاہ کلین پر تھی۔

کلین نے ٹریلور کے قتل سے آغاز کیا۔ نیز کس طرح یہ قتل تمام ترہنگامے میں فٹ ہوتا ہے۔

"ٹریلور۔" پریذیڈنٹ نے کہا۔ "کیا اس قتل کے سہارے سازشی عناصر تک پہنچا جاسکتا ہے؟"

"سر، افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ بھرپور کوشش کے اور وسائل کے باوجود میں زیادہ پُرامید نہیں ہوں۔ پسِ پردہ جن افراد سے سامنا ہے، وہ بہت محتاط اور تجربہ کار ہیں۔ روس میں کیروف نے یاردینی پر انتھک کام کیا لیکن نہیں معلوم ہوسکا کہ اس کی خدمات خریدنے والا کون تھا یا تھے۔ اسی طرح ٹریلور کے ساتھ معاملہ رہا...... تنخواہ اور مراعات سے ہٹ کر وائرس کی ڈیلیوری کے لیے کس نے اسے کتنی ادائیگی کی۔ دونوں بدقسمت رہے کہ اپنے ماسٹرز کی جانب سے سونپی گئی ذمے داری کو پورا کرنے کے باوجود کچھ حاصل نہ کرسکے۔ الٹی جان گنوائی۔ سازشیوں کی پہنچ بہت اوپر اور دور تک ہے۔ روس سے لے کر ہیوسٹن میں ناسا تک۔ یہ اشارہ ہے کہ انہیں خاص امتیازی پوزیشن حاصل ہے۔ وہ روسیوں اور ہمارے طریقہ کار و انداز سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ ہمیں ایک ہی سبقت حاصل ہے کہ اور وہ آپ کا آئیڈیا تھا...... کوورٹ سون۔ میں اور میرے ایجنٹ سب کی آنکھ سے اوجھل ہیں۔"

"تمہارے خیال میں یہاں سے کون ایسی منصوبہ بندی کرسکتا ہے کہ روس میں بائیوپرٹ میں نقب لگائی جائے اور چوری شدہ آئٹم کامیابی سے امریکا بھی منتقل ہوجائے؟"

"یہ بات شکوک سے بالاتر ہے کہ اسمال پاکس وائرس امریکا پہنچ گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے نمونے ہمارے پاس بھی ہیں۔ مثلاً CDC میں اور ملٹری لیب...... لیکن وہاں سے چرانا کم خرچ بالانشین ہونے کے باوجود خطرات سے پُر ہے۔ لہٰذا انہوں نے اتنا لمبا چوڑا منصوبہ بنایا۔ جس میں وقت بھی صرف ہوا۔ اب جبکہ چرانے والا اور اسے امریکا منتقل کرنے والا دونوں قیدِ حیات سے آزاد ہوچکے ہیں تو پیچھے قاتل رہ جاتا ہے جو مغرب کے لیے اجنبی ہے۔ آپ سے مؤدبانہ اختلاف کروں گا کہ سازش میں کوئی عرب فیکٹر نہیں ہے۔ مزید اضافہ کروں گا کہ وائرس نہ صرف بذاتِ خود خطرناک [illegible] بلکہ [illegible] تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ہمارا [illegible]ن بھی دشوار تر ہوگیا ہے۔ آخری بات...... امریکی فوجیوں کی شمولیت نے ایک نیا معما کھڑا کردیا ہے۔" کلین کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

"امریکی فوجی...... ملٹری......؟" پریذیڈنٹ نے ٹھہر کر کہا۔

کلین نے اسمتھ کی جانب دیکھا۔ اسمتھ نے سسلی میں پیٹر کا مختصر احوال بیان کردیا۔

"میں ان دونوں فوجیوں کا پس منظر دیکھوں گا...... ہر چیز کا تجزیہ کروں گا۔" کلین نے عندیہ دیا۔ "آپ کے سوال کے جواب میں، یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ملٹری ملوث ہے۔"

پریذیڈنٹ نے بمشکل کلین کے جواب کو ہضم کیا تھا۔

"درندے، وحشی۔" پریذیڈنٹ نے دھیمی آواز میں کہا۔ "مسٹر کلین یقین نہیں آتا۔ اگر ایسا ہی ہے تو "کیوں"...... اسمال پاکس "کیوں؟"۔ وہ جو بھی ہیں، کیا ارادے ہیں اُن کے؟"

کلین اپنی فرسٹریشن کو چھپا نہ سکا۔ "مسٹر پریذیڈنٹ یہ بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ "کون" اور "کیوں" دو سوال

Digitized by Google

ہیں۔ تیسرے ایک بلا قاتل کے روپ میں واشنگٹن میں آزاد گھوم رہی ہے۔"

"مسٹر پریذیڈنٹ۔" اسمتھ نے قطع کلامی کی۔ "قاتل ہمارے کام آسکتا ہے۔"

"اسمتھ، وضاحت کرو۔"

"سازشی ٹولے نے دو آدمی مروا دیے جو ہمارے ہاتھ آسکتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے مخصوص قاتل یعنی بریا کو استعمال کیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ بریا کو پیش بینی کے طور پر محفوظ رکھیں گے۔ کسی اور کو منظر سے ہٹانے کی ضرورت پڑی تو بریا کو آگے کیا جائے گا۔"

"پھر؟"

"منصوبہ سازوں تک پہنچنے کے لیے بریا ہمارے لیے آخری کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ہم اسے زندہ پکڑنے میں کامیاب ہوگئے تو امید ہے کہ ایک سمت مل جائے گی۔"

"اگر ہم نے کئی محکمے بریا کے شکار پر مامور کردیے تو کیا اس میں پبلسٹی کا خطرہ نہیں ہے؟ اور کیا وہ بھڑک کر زیرِزمین نہیں جائے گا؟ اس کے سرپرست اسے ہر سہولت فراہم کریں گے؟"

[illegible] جو [illegible] ہم چونکہ بریا نے واشنگٹن کی سڑک پر ایک امریکی کو قتل کیا ہے...... یعنی وہ دہشت گرد نہیں، قاتل ہے۔ اگر ہم قتل کی کڑیاں بریا سے جوڑ دیں تو پانچ ریاستوں کے تمام قانون نافذ کرنے والے ادارے اس کے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"بات وہی ہے، وہ روپوش ہوجائے گا؟" پریذیڈنٹ نے اعتراض کیا۔

"نہیں، سر۔ بریا کو کنٹرول کرنے والے ہمارے محکموں اور ان کے طریقہ کار سے آگاہ ہیں۔ وہ انہیں ہینڈل کرلیں گے۔ ساتھ ہی وہ آرام محسوس کریں گے کہ ہر کارروائی ان کی نظر میں ہے۔" کلین نے اسمتھ پر نگاہ ڈالی۔

"دوسری طرف اگر ہم پبلسٹی کے بغیر بریا کے شکار کے لیے نکلے تو اس کے سرپرست خود کو اندھیرے میں محسوس کریں گے۔" اسمتھ نے اضافہ کیا۔ "انہیں خدشہ ہوا کہ اندھیرے کا تیر بریا کو نشانہ بنانے والا ہے تو پھر بریا کا انجام بھی یاردینی اور ٹریلور کے مانند ہوگا۔"

"گڈ...... میں فرض کروں گا کہ آپ لوگوں کے پاس بریا کو قابو کرنے کے لیے کوئی منصوبہ ہوگا؟"

"یس سر۔" اسمتھ نے پلان کی وضاحت کا آغاز کیا۔

☆☆☆

انسپکٹر مارکو ڈیونٹی نے وینس میں اپنی اقامت گاہ پر سیکیورٹی سسٹم کو غیرفعال کیا اور اندر قدم رکھا۔ خانساماں اور ملازم کی جگہ دو معمر خواتین تھیں...... بوجہ سیکیورٹی سسٹم ازبس ضروری تھا۔ ڈاک اکٹھی کرکے اس نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ کلب چیئر میں نشست جما کر اس نے ایک لفافہ چاک کیا جو ادفن باخ بینک، زیورچ سے بھیجا گیا تھا۔ بیلنس شیٹ نکال کر اس نے اکاؤنٹ میں رقم چیک کی...... "امریکی اتنے اچھے نہیں ہیں، تاہم ادائیگی کے معاملے میں پکے ہیں۔" وہ بڑبڑایا اور لفافہ ایک طرف رکھ دیا۔

وہ کیا کھیل رہے ہیں، ڈیونٹی کو کوئی غرض نہیں تھی۔ نہ ہی اسے ردکو برادرز کی موت سے دلچسپی تھی۔ یہ سچ تھا کہ اس کے ضمیر نے اس وقت چبھن محسوس کی جب اسے پیٹر ہاول کا سودا کرنا پڑا۔ پیٹر سسلی روانہ ہوگیا تھا۔ پھر اس کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس دوران میں ڈیونٹی کا اکاؤنٹ امریکی ڈالرز کے بل پر صحت پکڑتا رہا۔

وہ اٹھ گیا۔ شاور لے کر تازہ دم ہوا اور کھانے کی طویل میز پر آگیا۔ جہاں اس کی پسندیدہ اشیا کھانے کے لیے چن دی گئی تھیں۔ عمررسیدہ خواتین، چوتھی منزل پر اپنے کمروں میں جاچکی تھیں۔ وہ خیالات میں غلطاں ہاتھ منہ چلا رہا تھا۔ پیٹ پوجا کا آغاز اس نے اسٹرابری سے کیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چھٹیاں لے کر موج کرنے کس مقام کا انتخاب کرے۔

"شام بخیر، مارکو۔"

پھل، ڈیونٹی کے حلق میں پھنستے پھنستے رہ گیا۔ وہ غیر یقینی نظروں سے پلک جھپکائے بغیر پیٹر کو اندر آتے دیکھ رہا تھا۔ پیٹر کی چال ڈھال ایسی تھی، جیسے اسے وہاں دعوت پر مدعو کیا گیا ہو۔ وہ اطمینان سے میز کے دوسرے کونے پر بیٹھ گیا۔

ڈیونٹی کو معاً ہوش آیا۔ اس نے جیکٹ کی اندرونی جیب سے بریٹا نکال کر سیدھا کیا۔

"تم یہاں کیا کررہے ہو؟" اس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"یہ کیا کررہے ہو مارکو، میرے دوست؟ میں یہاں نہیں آسکتا...... کیا انہوں نے تمہیں میری موت کی اطلاع دی ہے؟"

ڈیونٹی کے نقوش بگڑ گئے۔ "مجھے نہیں معلوم تم اس

https://www.urdutubes.com/

طرح کیوں بات کر رہے ہو؟''

''اچھا...... پھر یہ گن مجھ پر کیوں تان رکھی ہے؟''

پیٹر نے آہستگی سے مٹھی کھولی اور ہتھیلی پر موجود چھوٹی سی وائل میز پر رکھ دی۔ ''ڈنر سے لطف اندوز ہو رہے ہو...... اچھی مہک ہے اور اسٹرابری...... خوب، بہت خوب۔ اسٹرابری کا ذائقہ خوب ہوگا؟''

ڈیونٹی کی نظریں وائل پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر نگاہ ہٹ کر پیالے میں بچی ہوئی اسٹرابریز پر چلی گئی۔ اس نے وحشت ناک خیالات کو ذہن سے دور رکھنے کی کوشش کی۔

''کیا تم اندازہ لگا رہے ہو کہ میں نے ان میں زہر ملا دیا ہے...... کیوں، میرے دوست...... میں تمہارا سیکیورٹی سسٹم توڑ سکتا ہوں تو ذرا سی ایٹروپن (زہر) ملانا تو معمولی بات ہے؟''

ڈیونٹی کا بریتا، ہاتھ میں لرز اٹھا۔ وہ آگاہ تھا کہ ایٹروپن (Atropine) بیلا ڈونا فیملی کا نباتاتی زہر ہے۔ بے ذائقہ اور بے بو۔ جو مرکزی اعصابی نظام پر حملہ آور ہو کر ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔ اس نے عالمِ ہیجان میں تیزی سے یاد کرنے کی کوشش کی کہ زہر کس رفتار سے اثر انداز ہوتا ہے۔

''میرے دوست، تمہارے قد اور وزن کے حساب سے زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ خرچ ہوں گے۔ زیادہ ملاوٹ کرتا تو وقفہ مزید کم ہو جاتا۔'' پیٹر نے دھیرے سے وائل میز پر بجائی۔ ''تاہم تریاق یہاں ہے، میرے پاس۔''

''پیٹرو، سمجھنے کی کوشش کرو......'' ڈیونٹی نے اٹالین انداز میں اس کا نام لیا۔

''ہاں، ضرور...... سمجھاؤ میری کیا قیمت لگائی تھی؟ رقم کس نے دی؟ کچھ ہے سمجھانے کے لیے تو بتاؤ اور اگر نہیں سمجھا سکتے تو پھر خود کو مردہ خیال کرو۔'' پیٹر کے لہجے میں درشتگی آ گئی تھی۔

''لیکن میں تمہیں مرنے سے پہلے ختم کر سکتا ہوں۔'' ڈیونٹی پھنکارا۔

پیٹر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بشاور لیتے وقت گن کہاں رکھ گئے تھے؟'' پیٹر کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

ڈیونٹی نے ٹریگر دبایا۔ کلک کی آواز کے سوا کچھ نہیں تھا، وہ ٹریگر دباتا گیا، تاہم گولی کے نام پر کوئی شے برآمد نہ ہوئی۔ کلک کی آوازیں اس کی سماعت سے یوں ٹکرائی تھیں جیسے اس کے تابوت میں کیلیں ٹھونکی جا رہی ہوں۔

''پیٹرو۔ میں قسم کھاتا ہوں۔''

پیٹر نے ہاتھ بلند کیا۔ ''وقت کم ہے تمہارے پاس، ضائع مت کرو۔ امریکی فوجیوں نے روکو برادرز کو ہلاک کیا تھا۔ کیا تم نے ان کی مدد کی تھی؟''

ڈیونٹی نے ہونٹوں پر زبان پھیر یری۔ ''میں نے ان کو اتنا بتایا تھا کہ روکوز کس طرح فرار ہوں گے۔''

''ہدایات تم کو کون دیتا تھا؟''

''فون پر...... آواز الیکٹرونک ڈیوائس کی مدد سے ہر مرتبہ بدل دی جاتی تھی۔ پہلے مجھے روکوز کی مدد کے لیے کہا گیا تھا۔ دوسری مرتبہ فون فوجیوں کے حوالے سے آیا تھا۔''

''اور میرے لیے؟''

ڈیونٹی بدحواس ہونے لگا۔ ''اور تم......'' اس نے سرگوشی کی۔ اس کا حلق خشک ہونے لگا۔ معاً اسے احساس ہوا کہ اس کی حرکتِ قلب میں اضافہ ہو رہا ہے۔

''پلیز، پیٹرو...... وہ تریاق......''

''ادائیگی کیسے ہوتی رہی؟''

''ہر ویزل...... اوفن باخ بینک، زیورچ۔ خدا کے لیے، پیٹرو تریاق دو۔''

پیٹر نے اس کا سیل فون میز پر اس کی جانب دھکیلا......

''کال [illegible] ایشیا کا ہک ضرور اس کے نمبر سے واقف ہوگا۔ اسپیکر آن رکھنا۔ میں کو ڈسننا چاہتا ہوں۔'' سیل فون پھسلتا ہوا ڈیونٹی تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے پھرتی سے نمبر ملایا...... وہ مستقل وائل میں محفوظ تریاق کو گھور رہا تھا۔

''پلیز، پیٹرو...... پلیز......''

☆☆☆

لیئر جیٹ کونا ائرپورٹ پر اترا تو جزیرے پر شام ڈھلنے لگی تھی۔ بائر کی زیرِ نگرانی تین افراد نے وائرس والا کولر گاڑی میں منتقل کیا۔ پینتالیس منٹ بعد وہ بیورز رمٹ کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہے تھے۔ آرمی کے لیے مختص میڈیکل ریسرچ کمپلیکس، بائر نے بہ آسانی حاصل نہیں کیا تھا۔ اس کے لیے اسے سو ملین ڈالرز سے زائد رقم خرچ کرنی پڑی تھی۔ مزید یہ کہ ایک سال تک گفت و شنید کے بعد مطمئن ہو کر امریکیوں نے کمپلیکس بھاری رقم کے عوض بیورز رمٹ کے حوالے کیا تھا۔

بائر نے تعمیرات میں حسبِ ضرورت ردّوبدل کیا...... اس وقت کئی منزلہ عمارتی سلسلہ تین زونز پر مشتمل تھا۔ سب سے گہرا زون لیبس کے لیے مخصوص تھا۔ جہاں... مہلک وائرس پر تجربات کیے جاتے تھے...... ''کلوس جانش'' بائر کا معتمدِ خاص تھا۔ وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ انہوں نے نارنجی رنگ کا محفوظ لباس پہنا ہوا تھا۔ بکس نما کولر کو ٹرالی پر منتقل کر کے لیب میں محفوظ کیا گیا۔

بائر اسکرین پر تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ کلوس جانش وائرس محفوظ کر کے واپس اوپری منزل پر آ گیا۔

''تم اور تمہاری ٹیم تیار ہے؟''

جانش نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا انداز مودبانہ تھا۔

''لیکن تجربہ آج نہیں کریں گے۔'' بائر نے کہا۔ ''ہم منزل کے قریب ہیں۔ انسانی تاریخ کا عظیم تجربہ۔ روسی، جس کا تصور نہیں کر سکتے اور امریکی ہمت نہیں کرتے۔ ہم وائرس میں جینیٹک تبدیلی لائیں گے۔ ماضی اور مستقبل کی کوئی بھی ویکسین کام نہیں کرے گی۔ یہ میدانِ جنگ کا ناقابلِ شکست ہتھیار ہوگا...... بائیو ویپن۔ حد درجہ مضبوط قرنطینہ کے علاوہ کوئی حل نہیں ہو سکتا۔ آبادی متاثر ہوگی تو سرحدیں بند کرنی پڑیں گی۔ پانی، کھانے یا ہوا میں چھوڑ دیا گیا تو لوگ ساحل پر آئی ہوئی مچھلیوں کی طرح [illegible] لوگ بھاگیں گے [illegible] سرحدیں بند ہوں گی۔ پھر ویکسین کی بھیک مانگی جائے گی جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ سب ٹھیک رہا تو بھکاریوں کے دامن میں ڈالنے کے لیے ہم نئی ویکسین پر کام کریں گے لیکن بھکاری اسے مفت میں حاصل نہیں کر سکیں گے۔''

کلوس، باس کی بڑھکیں سن رہا تھا اور سر ہلاتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

میگان اولسن نے اپنی سرخ مستنگ کار مخصوص جگہ پر کھڑی کی۔ جو ناسا کے ممبرز کا پارکنگ ایریا تھا۔ یہ ممبرز خلائی شٹل کے پروگرام سے وابستہ تھے۔ کار لاک کر کے وہ ایڈمن بلاک میں چلی گئی۔ اس نے ڈنر کے دوران ڈیلن ریڈ کا پیغام وصول کیا تھا۔ پیغام کے آخر میں ارجنٹ کا لفظ اس کے لیے بوریت کا سبب رہا تاہم اسے مثبت ردِعمل پیش کرنا تھا۔ ریڈ کے دفتر کا دروازہ لاک نہیں تھا۔ وہ دستک دے کر اندر چلی گئی۔ وہ اس وقت چھٹی منزل پر تھی۔

آفس دو حصوں میں تقسیم تھا۔ دفتری کام کے لیے جگہ سے ہٹ کر بڑا کانفرنس روم تھا۔ جہاں بیضوی شکل کی بڑی سی میز موجود تھی۔ میگان نے پلکیں جھپکائیں۔ میز کے اطراف میں جو افراد براجمان تھے، ان میں شٹل مشن پائلٹ، فرینک اسٹون اور کمانڈر ربل کیرول نمایاں تھے۔ ان کے ساتھ مشن ڈائریکٹر، ہیری لندن اور ڈپٹی ڈائریکٹر آف ناسا، لورنی ایلن بائی تشریف فرما تھے۔ آخری الذکر دونوں حضرات حلیے اور لباس سے تھکے نظر آ رہے تھے۔ جیسے لمبی فلائٹ سے آئے ہوں۔ میگان نے سوچا کیا ارجنسی ہو سکتی ہے۔ جبکہ شٹل کی روانگی میں محض اڑتالیس گھنٹے رہ گئے تھے...... لندن اور ایلن کو یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔

''میگان۔'' ریڈ کی آواز آئی۔ ''مختصر نوٹس پر آنے کا شکریہ۔ میرا خیال ہے کہ تم حاضرین سے واقف ہو۔''

ایک دوسرے سے ہائے، ہیلو کی بھنبھناہٹ ابھری......

ریڈ نے گردن کی پشت کا مساج کیا پھر میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر چوکس ہو گیا۔ درحقیقت اس کی توجہ میگان پر تھی۔

''کیا تم تک خبر پہنچی ہے؟''

میگان نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کیسی خبر؟''

''ایڈم ٹریلور کا آج واشنگٹن میں قتل ہو گیا ہے۔'' اس نے افسردہ انداز میں بتایا۔ ''رہزنی کی واردات کے دوران وہ مارا گیا۔''

''اوہ، میرے خدا، کیسے؟ کیا ہوا تھا؟''

''پولیس کے پاس بتانے کے لیے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ وہ تفتیش کر رہے ہیں۔ ٹریلور ابھی روس کے سفر سے آیا ہی تھا۔ ہوٹل میں اس کی ریزرویشن تھی۔ میرا خیال ہے کہ ہیوسٹن پہنچنے سے قبل وہ ایک رات ہوٹل میں گزارنا چاہتا تھا۔ وہ وسکانسن ایونیو کے قریب ٹہل رہا تھا۔ محفوظ علاقہ ہے۔ پتا نہیں کس مردود نے اسے نشانہ بنا ڈالا۔'' ریڈ نے ہاتھ کی انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کی۔ ''بعدازاں کسی راہ گیر نے پولیس کو اطلاع دی...... ہمارا بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔'' اس کے لہجے میں تاسف کا عنصر موجود تھا۔

''ڈیلن، جو کچھ بھی ہوا، اس نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا ہے۔'' ایلن نے کہا۔ ''لیکن ہم اپنے پروگرام سے عین وقت پر ہٹ نہیں سکتے۔''

ریڈ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہاتھ لہرایا۔ اور دوبارہ میگان کی طرف متوجہ ہوا۔ یک لخت میگان کی رفتارِ قلب میں اضافہ ہو گیا۔

''تم ٹریلور کی بیک اَپ ہو۔ موجودہ صورتِ حال میں تمہاری ڈیوٹی کو فعال کیا جاتا ہے۔ کیا تم تیار ہو؟''

https://www.urdutubes.com/

میگان کا حلق خشک ہوگیا۔ تاہم اس نے مضبوط لہجے میں اعتماد سے کہا۔ ''یقیناً...... اگرچہ مجھے توقع نہیں تھی کہ اس انداز میں مجھے شامل ہونا پڑے گا۔ لیکن ہاں میں تیار ہوں۔''

''تم نہیں جانتی ہو، یہ سن کر ہم سب کو کتنی خوشی ہوئی ہے۔'' ریڈ نے سب پر نظر دوڑائی۔ ''کوئی سوال؟''

فرینک اسٹون نے کہا۔ ''ووٹ آف کانفی ڈینس کے سوا کچھ نہیں۔''

چند منٹ میں ہی سب نے اعتماد کا اظہار کردیا۔

''میں اپنی بہترین صلاحیتوں سے کام لوں گی۔'' میگان نے سب کا شکریہ ادا کیا۔

''اوکے۔'' ریڈ بولا۔ ''میں دوسروں کو بھی بتا دوں گا۔ آرام کریں۔ کل صبح ملاقات ہوگی۔''

تھوڑی دیر بعد وہاں صرف ریڈ اور میگان رہ گئے۔

''ریڈ، تم بائیو میڈیکل ریسرچ پروگرام کے چیف ہو۔'' میگان نے ستواں آواز میں کہا۔ ''تم اور ٹریلور دونوں کافی قریب تھے۔ اب شٹل میں ٹریلور کی جگہ میں ہوں...... تم کیا محسوس کرتے ہو؟''

''وہ ٹیم کا ایک اہم حصہ تھا، میں اس کی کمی محسوس کروں گا۔ جہاں تک تمہارا تعلق ہے، تم سے بہتر بیک اپ مجھے نظر نہیں آتا۔'' ریڈ نے جواب دیا۔

☆☆☆

میگان اپنے اپارٹمنٹ پہنچی تو دروازے پر ایک نوٹ، ٹیپ سے چپکا ہوا تھا۔ وہ بھونچکا رہ گئی۔ تاہم جلد ہی خود پر قابو پاکر واپس پلٹی اور ایک بلاک دور کافی شاپ میں پہنچی۔ اس وقت وہاں تقریباً سناٹا تھا۔ گنتی کے گاہکوں میں اس نے فوراً اسے تاڑ لیا۔

''جان!''

وہ کونے والے بوتھ میں تھا۔ اٹھ کر بولا۔ ''ہیلو میگان۔''

''میرے خدا، تم یہاں کیا کررہے ہو۔'' میگان نے نشست سنبھالی۔

''میں بتاؤں گا...... سنا ہے کہ تمہیں مشن میں شامل کر لیا گیا ہے۔ موجودہ حالات میں یہ تمہارا حق ہے۔''

''شکریہ، لیکن مجھے توقع نہیں تھی کہ اسی طرح ہو گا...... مجھے امید تھی کہ تم کال کروگے۔ اب میرے پاس کم وقت بچا ہے۔''

''جانتا ہوں۔''

میگان نے اس پر جانچنے والی نگاہ ڈالی۔ ''کیا میں سمجھوں کہ اس وقت تم محض مبارکباد دینے آئے ہو...... اگرچہ میں خوش ہوں۔''

''میں یہاں ٹریلور کی وجہ سے ہوں۔'' اسمتھ نے جواب دیا۔

''میں سمجھی نہیں؟ میڈیا کے مطابق واشنگٹن پولیس کیس دیکھ رہی ہے۔''

''ہاں، ایسا ہے لیکن ٹریلور ناسا ٹیم کا اہم ممبر اور چیف میڈیکل آفیسر تھا۔ مجھے معلوم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے کہ اس کے پس منظر یا سرگرمیوں کی معلومات ہے، اس کی ہلاکت کی کوئی وجہ تلاش کرسکوں۔''

میگان کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ ''میں اب بھی نہیں سمجھی؟''

''میگان غور سے سنو، تم اس کی جگہ لے رہی ہو۔ تم نے اس کے ساتھ کام بھی کیا ہوگا۔ تم اس کے بارے میں کچھ بتا سکو تو کافی مدد ملے گی۔''

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''پہلی بات یہ کہ میری تمام ٹریننگ، ڈیلن ریڈ نے سپروائز کی تھی۔ جو خالص ریسرچ تھی۔ ریڈ بائیو میڈیکل ریسرچ پروگرام کا ہیڈ ہے۔ وہی چیف میڈیکل آفیسر...... ساتھ...... اس مفروضے کے ساتھ کہ کہیں مجھے ٹریلور کی جگہ نہ لینی پڑ جائے۔ لہٰذا، میں نے ٹریلور کے ساتھ براہ راست کام نہیں کیا۔ لیکن اس کا یہ مفروضہ درست ثابت ہوگا، وہ بھی اس انداز میں...... یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔''

''ہوسکتا ہے یہ مفروضہ نہ ہو۔'' اسمتھ نے معنی خیز جملہ کہا۔

میگان نے سنسنی محسوس کی۔ ''کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' وہ کوشش کے باوجود اپنے تاثرات پر قابو نہ پاسکی۔

''بتاتا ہوں...... تمہاری اپنی ذاتی رائے اس کے بارے میں؟ یا کوئی اس کا قریبی دوست؟ اس کے بارے میں کچھ اور...... کچھ بھی؟''

''جان، وہ ایک تنہائی پسند اور کم گو آدمی تھا۔ وہ ایک میڈیکل جینئس تھا۔ شاید اس کی شخصیت میں یہی ایک چیز تھی جو ابھر کر سامنے آئی۔ باقی کچھ نہیں۔'' وہ وقفے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔ ''کیا تمہاری تفتیش، شٹل کی روانگی پر اثرانداز ہوسکتی ہے؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔''

''میں زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتی ہوں کہ ان لوگوں

https://www.urdutubes.com/

کے نام فراہم کردوں جو براہ راست ٹریلور کے ساتھ کام کرتے رہے۔'' میگان نے پیشکش کی۔

''اوکے۔'' اسمتھ نے سر ہلایا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ پہلے ہی اس سے زیادہ معلومات حاصل کرچکا تھا۔ ایف بی آئی، ناسا اور نیشنل سیکیورٹی ایجنسی سے حاصل شدہ ریکارڈ وہ پہلے ہی چھان چکا تھا...... تاہم میگان نے نام گنوائے تو اس نے شکریہ ادا کیا۔

''تم کہہ رہے تھے...... شاید...... کہ میری شمولیت اتفاقی نہیں؟''

''میں غالباً وہمی ہوچلا ہوں۔ شاید اس لیے کہ کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا...... نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔ واپسی پر ایڈورڈ کے مقام پر تمہارا انتظار کروں گا۔ (ایڈورڈ ائرفورس بیس، کیلی فورنیا میں خلائی شٹل کا لینڈنگ اسٹیشن)

وہ مسکرائی۔ ''مجھے جانا چاہیے۔''

''ہاں۔'' جان نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ ''بحفاظت اپنے گھر یعنی زمین پر واپس آجانا۔''

☆☆☆

میگان خیالات میں کھوئی ہوئی واپس اپارٹمنٹ پہنچی۔ ٹریلور کی موت حادثہ تھی یا قتل...... قطعی غیر متوقع۔ پھر اچانک اسمتھ کی آمد۔ اسمتھ نے خوب صورتی سے بات گول ...... کے پیچھے ہوسٹن آیا ہے؟ اور کیوں؟ میگان کے پاس سوالات کے جواب حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ تھا۔

اپارٹمنٹ میں پہنچنے پر اس نے فی الفور خفیہ نمبر ملایا۔ یہ نمبر وہ کافی عرصے بعد استعمال کررہی تھی۔

''ناتھن کلین، ہیئر۔''

''سر، میگان اولسن۔''

''میرے خیال میں تمہیں اسپیس اسٹیشن کے آس پاس ہونا چاہیے۔''

''سر، چند گھنٹوں بعد نکلوں گی۔''

''نمبر کیوں ملایا؟''

''میرے خیال میں یہ بات آپ کو بتانی چاہیے کہ کچھ دیر پہلے جان اسمتھ میرے پاس آیا تھا۔'' میگان نے صورت حال سے آگاہ کیا۔ ''مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''کچھ نہیں۔ وہ یو۔ ایس۔ ایمرڈ میں اپنے تجربے کی بنیاد پر ملوث ہوا ہے۔''

''سر، میں نہیں سمجھی۔''

وقفے کے بعد کلین کی آواز آئی۔ ''میگان، غور سے سنو......'' اس نے میگان کو بتایا کہ ٹریلور روس اپنی مدفون ماں کی وجہ سے گیا تھا۔ اسی دوران بائیو پرٹ میں چوری ہوئی اور روسیوں نے ائرپورٹ کی ریکارڈنگ میں ٹریلور کو دیکھا جو چوری شدہ نمونہ لے جانے والے کے ساتھ کھڑا تھا۔

میگان کی شریانوں میں لہو کی گردش تیز ہوگئی۔ کلین نے مزید کہا۔

''اصل کوریئر نے نمونہ ٹریلور کے حوالے کیا۔ روسی اور ہم مغالطے میں غلط آدمی کا پیچھا کرتے رہے اور ٹریلور نمونہ لے کر واشنگٹن پہنچ گیا۔ اس کی افادیت ختم ہوگئی تھی۔ لہٰذا اسے قتل کردیا گیا۔'' کلین نے اختصار کے ساتھ بات مکمل کی۔ ''روسیوں اور ہم نے میڈیا کو حقائق سے بے خبر رکھا ہے۔''

میگان کی بے قراری بڑھ گئی۔ ''وہ کیا لے کر آیا تھا؟''

''اسمال پاکس!''

میگان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ قوت گویائی جیسے سلب ہوگئی۔

''میگان دھیان سے سنو۔ پہلے ٹریلور پر شک تھا لیکن اب مجھے یقین ہے کہ اس نے کیا حرکت کی اور بدلے میں جان گنوائی...... سوال یہ ہے کہ شٹل پروگرام میں ٹریلور کے ساتھ کوئی ملوث تھا یا نہیں؟''

''میں لاعلم ہوں سر۔'' میگان نے جواب دیا۔ ''تاہم میری رائے میں یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ تمام لوگ مشن سے نظریاتی وابستگی رکھتے ہیں اور پروفیشنل ہیں۔''

''کوورٹ۔ دن، اس مفروضے پر کام کررہی ہے کہ اسمال پاکس واشنگٹن کی حدود میں ہے۔ ٹریلور، لندن سے نان اسٹاپ فلائٹ کہیں کی بھی لے سکتا تھا...... مثلاً شکاگو، میامی، لاس اینجلس...... اس نے واشنگٹن منتخب کیا۔ اس کی ایک ہی وجہ ہوسکتی ہے کہ واشنگٹن میں کوئی محفوظ مقام ہے جہاں اسمال پاکس کا نمونہ محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ انتہائی ضرورت کے وقت ہی اسے نکالا جائے گا...... تب تک اسے مخصوص ماحول میں محفوظ کرنا ضروری ہے......''

''کیا آپ چاہیں گے کہ ان حالات میں، میں شٹل کے ساتھ جاؤں؟''

''بالکل۔ لیکن جب تک خلائی پرندہ اڑ نہیں جاتا، خود کو نارمل رکھنا۔ کوئی چیز مشکوک معلوم ہو تو فوراً مجھے اطلاع

Digitized by Google

دینا...... اور ہاں اگر ہماری دوبارہ بات نہ ہو سکے تو واپسی تک کوورٹ۔ون اور میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔گڈلک۔"

کلین نے رابطہ منقطع کردیا اور میگان خلا میں گھورتی رہ گئی۔اس کا یہ سوال نوکِ زبان پر رہ گیا...... "کیا اسمتھ بھی کوورٹ۔ون کا حصہ ہے؟" لیکن کوورٹ۔ون کی ہیئتِ ترکیبی ایسی تھی کہ یہ سوال کرنا لاحاصل تھا۔

دونوں نے نیک تمناؤں اور بحفاظت واپسی کی دلی خواہش کا اظہار کیا تھا۔کیوں؟ کیا محض اس لیے کہ خلائی مشن عموماً آخری وقت تک خطرناک تصور کیے جاتے ہیں؟ اگر کلین، واشنگٹن میں اسمال پاکس تلاش نہ کر پایا تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟ ان سوالات اور شٹل کی بحفاظت واپسی میں کوئی تعلق ہے؟

☆☆☆

ناسا سیکیورٹی آفس (ایڈمن) دوسری منزل......

ڈیوٹی آفیسر نے کارڈ لے کر کمپیوٹر پر اسکین کیا۔وہ پینٹا گون کا آئی ڈی کارڈ تھا، جو اسمتھ نے اس کے ہاتھ میں دیا تھا۔

"تمہارا کمانڈنگ آفیسر کہاں ہے؟" اسمتھ نے استفسار کیا۔

"جناب میں معذرت چاہتا ہوں۔شفٹ بدل رہی ہے۔کرنل بریوسٹر عمارت سے نکل گئے ہیں اور کرنل ریو کو آنے میں تاخیر کا سامنا ہے۔"

"میں ریو کا انتظار نہیں کرسکتا۔مجھے کلیئر کرو۔"

"لیکن جناب......"

"لیفٹیننٹ، میری کلیئرنس کون سی ہے؟" اسمتھ نے دبنگ انداز میں سوال کیا۔

"سر، کاسمک (Cosmic)۔"

"کاسمک کا مطلب؟"

"آپ کسی وقت بھی یہاں تازہ ترین رپورٹ سے لے کر کچھ بھی دیکھ سکتے ہیں۔" ڈیوٹی آفیسر نے جواب دیا۔

"گڈ، اب طریقہ کار کے مطابق مجھے لاگ اِن کرو۔ ریو کے علاوہ، تم کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ میں یہاں ہوں۔اگر ریو سے براہِ راست ملاقات ہو اور وہ بات کرنا چاہے تو کہنا کہ میں ریکارڈ روم میں بیٹھا ہوں۔"

"یس سر۔" آفیسر مرعوب ہو چکا تھا۔"اور کچھ جناب؟"

"اسٹاف کو ہدایت کرنا کہ مجھے نظرانداز کریں۔اپنا کام شروع کرو۔"

بلٹ پروف دروازوں سے گزرتے وقت اسمتھ سوچ رہا تھا کہ وہ اپنا تاثر ایک مشکوک آدمی کے طور پر کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

ڈیوٹی آفیسر، اسمتھ کے ہمراہ تھا۔ان کا سفر ایک فائر پروف دروازے پر ختم ہوا۔آفیسر نے کوڈ پنچ کر کے دروازہ کھولا اور اسمتھ نے اندر قدم رکھا۔ جہاں نو عدد تیز ترین کمپیوٹر موجود تھے۔کمپیوٹرز ڈیٹا اسٹوریج ٹاورز کے ساتھ منسلک تھے۔اسمتھ نے محسوس کیا کہ ریکارڈ روم کا اسٹاف متجسس نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ دوسروں سے ہٹ کر ایک ورک اسٹیشن پر آگیا۔

"یہ کرنل ریو کا یونٹ ہے۔" آفیسر نے کہا۔"آپ اسے استعمال کرسکتے ہیں۔"

"شکریہ، میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔کوئی مخل نہ ہو۔"

"سمجھ گیا جناب۔" اس نے ایک سیل فون اسمتھ کے حوالے کیا۔"جب آپ کا کام ختم ہو جائے تو تین صفر نو ملا لیجے گا۔میں آجاؤں گا۔"

اسمتھ نے کمپیوٹر آن کیا اور ایک فلاپی ڈسک نکال کر لگائی۔ڈسک وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔چند سیکنڈز کے اندر وہ تمام سیکیورٹی بلاکس کو گرا چکا تھا۔ناسا کا نیٹ ورک [illegible]
[illegible] کہاں رہتا تھا؟ کہاں کام کرتا تھا؟ اندرونی و بیرونی فون لاگ، ای میل...... وہ پیاز کی ہر تہ سے گزرنا چاہتا تھا۔رد عمل متعین کرنے کے لیے اسے ایک کلیو درکار تھا۔

روس میں ٹریلور کی موجودگی سے ناسا میں کون واقف تھا؟ اسمتھ نے منطقی سوال سے آغاز کیا۔

☆☆☆

ریڈ دفتر پہنچا تو وہ اسمتھ کی موجودگی سے بے خبر تھا۔اس کا ذہن صبح کے مصروف ایجنڈے پر تھا۔کمپیوٹر سے ابھرنے والی پنگ اشارہ کر رہی تھی۔اس نے غائب دماغی سے کی بورڈ کو چھیڑا۔دماغ ابھی تک مصروفیات میں الجھا ہوا تھا۔اسکرین پر ایک نام اچھل کر سامنے آیا۔معاً ریڈ ہڑبڑا کر اٹھا۔وہ نام ایڈم ٹریلور کا تھا۔کوئی ان کے نیٹ ورک میں گھسا ہوا تھا۔

ریڈ نے جھپٹ کر فون اٹھایا...... سیکیورٹی آفیسر، اسمتھ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ریڈ نے اعصابی کشیدگی ختم کرنے کی کوشش کی۔

"سر، کوئی مسئلہ ہے؟"

https://www.urdutubes.com/

''نہیں، کچھ نہیں۔'' ریڈ نے جواب دیا۔ ''ریو سے کہنا کہ مہمان کو ڈسٹرب نہ کرے۔'' ریڈ نے فون رکھ دیا...... مہمان ہے یا دراندازِ؟ اس نے گہری گہری سانسیں لیں۔ اسمتھ کا بھوت یہاں بھی پہنچ گیا۔ واشنگٹن میں پولیس، رہزنی کی واردات کے طور پر قاتل کے لیے سرگرداں ہے۔ میڈیا میں بھی کوئی انوکھی بات نہیں۔ اس منظرنامے نے ریڈ، بائز اور رچرڈسن کو مطمئن کر دیا تھا۔ پھر اسمتھ یہاں کیا کر رہا ہے؟

ریڈ نے گھونسا بنا کر میز کی چرمی سطح کو ٹھونکا۔ اسے یاد آیا کہ پرائس نے کیا بتایا تھا۔ جب ٹریلور نے جہاز میں اسمتھ کو دیکھا تو اس کی حالت بگڑ گئی تھی۔ اس وقت سازشی ٹولے نے فیصلہ کیا تھا کہ ٹریلور کا کوئی مناسب بندوبست کرنا پڑے گا۔ اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ٹریلور کی حالت کیوں بگڑی تھی۔ اس وقت ریڈ کے لیے بھی یہاں اسمتھ کی خبر دھماکا خیز ہی تھی۔ اسے لگا کہ ٹریلور کی جگہ وہ جہاز میں بیٹھا ہے۔ اسمتھ کے قریب۔

بوڑھے سوئس بائز کا مشورہ خوب تھا کہ احتیاطاً ٹریلور کا تمام ریکارڈ صاف کر دیا جائے۔ شاید کوئی سن گن لینے آ جائے...... اور آنے والا آ گیا تھا۔ ریڈ جتنا سوچتا جا رہا تھا، اس کی حیرانی کم ہو رہی تھی۔ اسمتھ کی شہرت ہی ایسی تھی۔ وہ ایک خطرناک شکاری بھیڑیا تھا...... جو آخری سانس تک شکار کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ ریڈ کی اعصاب زدگی کم ہوئی تو اس نے پیغا گون میں رچرڈسن کا نمبر ملایا۔

''ریڈ بات کر رہا ہوں...... جس مصیبت کے بارے میں ہم بات کرتے رہے تھے، وہ حقیقت میں ڈھل چکی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''تم اتفاق کرو گے کہ اسمتھ کا مسئلہ اب حل ہو جانا چاہیے۔''

☆☆☆

اسمتھ، رونالڈ ریگن ائرپورٹ سے نکلا تو سیکرٹ سروس کی سیڈان منتظر تھی...... کیمپ ڈیوڈ کی جانب وہ نصف سفر طے کر چکے تھے، جب متوقع کال موصول ہوئی۔

''پیٹر کیسے ہو؟''

''ابھی تک وینس میں ہوں۔ چند دلچسپ خبریں ہیں۔'' پیٹر نے ڈیونٹی اور سوئس بینکر کے بارے میں اختصار سے بتایا۔

''بہت اچھے...... سن رہا ہوں۔''

''کیا ہرویزل سے گپ شپ کروں؟'' پیٹر نے سوال کیا۔

''نہیں، ابھی نہیں۔ میں بتاؤں گا...... ذرا ڈیونٹی کی وضاحت کرو۔ کہیں وہ الارم نہ بجا دے؟''

''وہ شدید فوڈ پوائزننگ کے بعد کم از کم ایک ہفتے کے لیے اسپتال میں ہے۔ ٹھیک ہونے کے بعد وہ چپ رہے گا۔ اس کی دُم میرے ہاتھ میں ہے۔ تمام مالی ریکارڈ...... وہ جانتا ہے کہ میں ایک کال کر کے اسے برباد کر سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو کتنی دیر میں تم سوئٹزرلینڈ پہنچ جاؤ گے؟''

''دو گھنٹے میں۔'' پیٹر نے جواب دیا۔

''رائٹ، پیٹر میں تم سے رابطے میں رہوں گا۔''

بات ختم ہونے کے کچھ دیر بعد اسمتھ منزل پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے کلین کو منتظر پایا۔

رسمی مکالموں کے تبادلے کے بعد کلین نے موٹے کاغذ کی لپٹی ہوئی شیٹ کھولی۔ جس پر بریا کا اسکیچ بنا ہوا تھا۔ بریا کے نقوش میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اسے ہلاک کرنے والے کے لیے یہ ایک اہم بات تھی۔ کلین نے اسکیچ میں چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں کروا کے اسے مزید غیر نمایاں کر دیا تھا۔ یہی اسکیچ پولیس کو دیا گیا تھا۔ پولیس سے مڈبھیڑ ہو بھی جاتی تو فوری طور پر بریا کی شناخت ممکن نہیں تھی......

کے...... اسمتھ اور کلین دونوں آگاہ تھے کہ وہ رسک لے رہے ہیں۔ تاہم ان کی منصوبہ بندی میں اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ بریا روس میں نہیں امریکا میں تھا۔ اسمتھ کے خیال میں اب چالیس چلنے کی باری کوورٹ ون کی تھی۔

اسمتھ نے ویکسین کی پیش رفت دریافت کی۔

''پریذیڈنٹ کچھ نہ کچھ کریں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہراس اور شکوک نہ پھیلیں۔ ایک یا زائد ممالک کو بڑی مقدار میں آرڈر کرتے ہیں تو لازماً سوالات اٹھیں گے...... اسٹریٹجی ترتیب دی جا رہی ہے۔ تم بتاؤ ہیوسٹن میں کیا کر آئے ہو؟''

''سر، تالاب میں پتھر پھینک دیا ہے میں نے...... ٹریلور اور بریا کے پیچھے جو بھی ہے، وہ میری طرف سے ہوشیار ہو گیا ہے یا ہو گئے ہیں...... کوئی نہ کوئی ردِعمل آنا چاہیے۔''

''اور ٹریلور؟''

''وہ اس حد تک ہوشیار رہا کہ پیچھے کوئی نشان نہیں چھوڑا...... معمولی سا کلیو بھی نہیں۔'' اسمتھ نے جواب دیا۔

''کوئی بات نہیں ہمارا ایک اور مہرہ تیار ہے۔''

''سر، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ایک آواز آئی۔

اسمتھ نے چونک کر رخ پھیرا اور روسی کا حلیہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بھیس بدلنے میں بڑی فنکاری کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ وہ ناکامی و ناامیدی اور پچھتاوے کی سچی تصویر نظر آ رہا تھا۔ کسی کے لیے بھی اس پر دوسری نظر ڈالنا قطعی ناپسندیدہ تھا۔ ٹائی اور شرٹ پر خوراک اور کافی کے دھبے تھے۔ جوتے تقریباً گھسے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سستا سا بریف کیس بھی چٹخا ہوا تھا۔ لمبے بالوں کی وگ کوّے کا گھونسلا بنی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ میک اپ آرٹسٹ نے آنکھوں میں الکوحل کی سرخی بھی پیدا کر دی تھی۔

''مبارک ہو، جنرل۔'' اسمتھ متاثر نظر آیا۔ ''جواب نہیں، میں بھی پہلی نظر میں دھوکا کھا گیا تھا۔''

''امید ہے کہ بریا بھی دھوکا کھائے گا۔'' کیروف مسکرایا۔

وزنی لیکن کسرتی جسم والے کیروف کا ساتھ اسمتھ کے لیے مفید تھا۔ بائیوپریٹ اور ماسکو کے ہنگامے اور ناکامی کے بعد جنرل کیروف نے روسی صدر کو قائل کر لیا تھا کہ امریکا میں اس کی موجودگی ازبس ضروری ہے۔ بریا کے شکار کے لیے امریکی کیروف کے تجربے کو خوش آمدید کہیں گے......

کیروف کی موجودگی بے بدل تھی۔ کیروف نے واشنگٹن میں ایک سال گزارا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کن علاقوں میں لوگ نسلی بنیادوں پر تعداد میں زیادہ ہیں......

کلین نے بھی امریکی صدر کو کیروف کی اہمیت پر دلائل دیے تھے۔ امریکی صدر نے روسی ہم منصب سے بات کرنے کے بعد کیروف کو آنے کی اجازت دے دی تھی...... کیروف کی آنکھوں میں اسمتھ کچھ اور ہی دیکھ رہا تھا۔ لارا کی بے وفائی اور غداری نے مل کر سازشیوں، بالخصوص بریا کے لیے، کیروف کی دلی نفرت میں اضافہ کر دیا تھا۔ روس میں ناکامیوں نے اسے برہم کر دیا تھا۔ کیروف کے اندر چھپا فوجی بے چین تھا۔ اس کی عزتِ نفس شدید مجروح ہوئی تھی۔

''کہاں سے آغاز کرنا ہے، جان۔'' اس نے اسمتھ سے سوال کیا۔ اسمتھ نے اسے سمجھایا کہ پوشیدہ حریفوں سے کس قسم کا ردِعمل متوقع ہے اور ان دونوں نے مل کر کیا کرنا ہے۔ چونکہ روسی ایمبیسی کیروف کی آمد سے بےخبر تھی اس لیے اسمتھ اسے اپنی رہائش گاہ پر ہی ٹھہرانا چاہتا تھا۔ اسمتھ کا

مسکن ''گھونسلا'' بریا کے شکار کے لیے بیس کیمپ تصور ہو گا۔

''تمہیں یقین ہے کہ بیک اپ کی ضرورت نہیں ہے؟'' کلین نے تشویش کا اظہار کیا۔ وہ دونوں آدمیوں کو بغیر کور کے خطرات میں جھونکنا نہیں چاہتا تھا۔ اگرچہ اسمتھ کے مانند وہ بھی کیروف کی صلاحیتوں سے باخبر تھا۔

''سر، ہم یہ رسک نہیں لے سکتے کہ بریا شک میں پڑ جائے۔ اس خونی دھندے میں اس کی اپنی کلاس ہے۔'' اسمتھ نے کہا۔

''میں آپ کی تشویش کو سمجھتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اسمتھ کو آنچ نہیں آئے گی۔'' کیروف نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''جان، اگر بریا اپنی کمین گاہ سے نکل کر تمہارے لیے آتا ہے تو یقین کر دو وہ ہماری جیب میں ہو گا۔''

☆☆☆

نوّے منٹ بعد اسمتھ، فارم ہاؤس کی طرز پر بنے اپنے مسکن میں بیٹھا تھا۔ کیروف گیسٹ روم میں آرام کرنے لگا۔ اس دوران اسمتھ شاور لے کر تازہ دم ہو گیا۔ دونوں کافی لے کر کچن ٹیبل پر نقشہ کھول کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تبادلۂ

رئیل اسٹیٹ ایڈوائزر
DHA. KARACHI
DHA. City Karachi
BAHRIA TOWN KARACHI
پلاٹ، مکان، دکان، بنگلوز اور فلیٹ
کی خرید و فروخت کے لیے مستند نام
ریاض حسین
ایڈریس: راحت کمرشل لین 2
DHA PHASE 6 KARACHI
فون نمبر: 0300-3658964

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

خیال کے بعد ”ڈیوپون سرکل“ پر نشان لگا دیا گیا۔

اسمتھ نے ”برنگ ساور“ نکال کر شولڈر ہولسٹر میں فٹ کیا۔ کیروف نے پسٹل دیکھ کر نفی میں سر ہلایا اور واپس بیڈ روم میں گیا۔ وہ ایک عام سی سیاہ چھتری لے آیا۔ پینتالیس ڈگری کے زاویے پر چھتری پکڑ کے اس نے انگوٹھے سے دستے پر دباؤ ڈالا۔ پلک جھپکنے میں چھتری کی نوک پر ایک انچ کی تیز دھار نمودار ہوئی۔

”یہ ماسکو سے ساتھ لایا ہوں۔“ اس نے بتایا۔ ”یہ بلیڈ جیسی دھاری دار نوک، حیوانی مسکن دوا سپر ومیزن میں بجھی ہوئی ہے۔ یہ انتہائی سرعت کے ساتھ عمل پذیر ہوتی ہے۔ سوکلو کا جنگلی سؤر بھی سیکنڈوں میں غافل ہوجاتا ہے۔ نیز اگر اتفاق سے تمہاری پولیس مجھے روکتی ہے تو میرے قبضے سے گن جیسی کوئی چیز برآمد نہیں ہونی چاہیے۔“

اسمتھ نے ستائشی انداز میں سر ہلایا۔ اس کے اطمینان و اعتماد میں اضافہ ہوا تھا کہ کیروف خالی ہاتھ بریا سے بھڑنے نہیں جارہا۔ اسمتھ چارا تھا، اصل کام کیروف نے کرنا تھا۔

”میں تمہیں چالیس منٹ آگے رکھوں گا۔“ اسمتھ نے کہا۔ ”چالیس منٹ بعد میں روانہ ہوجاؤں گا۔“

☆☆☆

کیروف، واشنگٹن کی سڑکوں پر بظاہر ایک مجہول شخص کے مانند رواں تھا لیکن اس کے اندر ایک زخمی ناگ پھنکار رہا تھا۔ واشنگٹن کے قلب سے نزدیکی علاقے ترقی کے باعث تبدیل شدہ لگ رہے تھے۔ ”ڈیوپون سرکل“ بھی بدلا بدلا نظر آتا تھا۔ تاہم اس علاقے کی بنیادی خصوصیات اپنی جگہ پر تھیں۔ مخصوص طرز کے کیفے، بوتیک، میسوڈینسین بیکریز، ترکی قالین کی دکانیں، سربیا کے ایمپوریم، یونانی ریسٹورنٹس، یوگوسلادین کافی ہاؤس...... غیر مانوس ملک میں در آنے والے شخص کے لیے یہاں کیسی کشش تھی۔ چاہے وہ شخص اجرتی قاتل ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں آکر بریا کو لگے گا جیسے وہ اپنے ہی گھر میں ہے۔ بریا اس کشش اور سہولت کو نظرانداز نہیں کرسکتا۔ کیروف بھی محسوس کررہا تھا، جیسے وہ اپنے ہی علاقے میں ہے۔ جانی پہچانی زبانیں اور نسلی ہم آہنگی، کھانے اور موسیقی......

کیروف نے ایک اوپن ائر چوکور میز پر نشست پکڑی۔ میز پر چھتری تنی ہوئی تھی۔ آنے والی کرد شین عورت کو اس نے کافی کا آرڈر دیا۔ بریا اگر بھیس بدل کر بھی اس طرف آیا تو کیروف محض اس کی آنکھوں سے اسے شناخت کرسکتا تھا۔ بریا بھی کیروف کو دوسری نہیں تو تیسری جھلک میں پہچان سکتا تھا۔ لیکن ایسا کرنا اس کے لیے اس لیے دشوار تھا کیونکہ شعوری طور پر اس کے گمان میں نہ ہوگا کہ کیروف امریکا بلکہ عین واشنگٹن میں ہے۔ کیروف کو نفسیاتی برتری حاصل تھی۔ تاہم وہ بہرحال ایک طرح سے اندھیرے میں تھا...... نہیں جانتا تھا کہ اس وقت بریا کہاں پر ہے؟

کیروف کافی کا لطف لیتے ہوئے نظریں دوڑاتا رہا...... اسے زیادہ دیر ایک جگہ نہیں ٹکنا تھا۔ اگر اسمتھ کا پلان کامیاب رہتا ہے تو اس صورت میں بریا کو خنجر زنی کرتے ہوئے اس علاقے میں بہت سہولت محسوس ہوگی۔ اس کے اعتماد میں اضافہ ہوجائے گا۔ بعض اوقات اضافی اعتماد آدمی کی نگاہ پر پردہ ڈال دیتا ہے۔

☆☆☆

جہاں کیروف، بریا کی تاک میں منڈلا رہا تھا...... وہاں سے ٹھیک تین چوتھائی میل دور ایک فلیٹ کا دروازہ کھلا ہے۔ دو کمروں کا فلیٹ آخری منزل پر تھا۔ باہر ٹریلور کو لانے والی لنکن کا ڈرائیور کھڑا تھا۔ گیم شحیم لیکن خاموش ڈرائیور۔

بریا نے [illegible] اندر آ [illegible] اور دروازہ [illegible] کر دیا۔ ڈرائیور کا دیا ہوا لفافہ چاک کرکے بریا نے عبارت پڑھی۔ عبارت سرب زبان میں تھی۔ بریا اندر ہی اندر مسکرایا۔ امریکی سائنس داں اور روس کے یاروینی کی ہلاکت کی ادائیگی ہوچکی تھی اور حسب معمول فوراً ہوئی تھی۔ یہاں، اس مرتبہ امریکی عجلت میں دکھائی دے رہے تھے۔ عبارت کے مطابق ادائیگی پہلے ہی ہوچکی تھی۔ بریا نے ڈرائیور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دوسرے کمرے میں آگیا۔ دوسرے کمرے میں اس نے ڈیجیٹل کوڈ سیٹلائٹ فون نکالا...... اور اوفن باخ بینک، زیورچ میں ہرویزل سے بات کرنے لگا۔ بات مختصر تھی۔ اس کا اکاؤنٹ مزید پھول چکا تھا۔

وہ ڈرائیور والے کمرے میں واپس آیا۔

”تصویر؟“

ڈرائیور نے خاموشی سے تصویر پکڑائی اور عبارت والا لفافہ واپس لے لیا...... بریا، جان اسمتھ کی تصویر غور سے دیکھ رہا تھا۔ سیکیورٹی کیمرے کی تصویر کافی نمایاں تھی، روشن اور صاف۔ بریا پُرسوچ انداز میں مسکرایا۔

”کب؟“ اس نے تصویر واپس ڈرائیور کے پہلے

ہوئے ہاتھ پر رکھ دی۔

”جتنی جلد ہوسکے۔ تم تیار رہنا۔ کال کسی بھی وقت آسکتی ہے۔“ ڈرائیور کھڑا ہوگیا۔ ”اور کچھ؟“

”نہیں، تم جاسکتے ہو۔“

☆☆☆

برہنہ ڈاکٹر بائر آخری جراثیم کش کمرے سے باہر آیا...... چینجنگ روم میں لباس پہنا اور شیشے کی دیواروں والے میزنائن فلور پر آگیا۔ جہاں چیف آف اسٹاف کلوس جانش اس کا منتظر تھا۔

جانش نے خم ہوکر ہاتھ پھیلایا اور بائر کو تعظیم پیش کی۔ ”شاندار، بے نظیر...... میں نے اس سے پیشتر کبھی ایسی چیز نہیں دیکھی۔“

بائر نے اس سے ہاتھ ملایا۔ ”اور نہ ہم آئندہ کبھی ایسی شے دیکھ سکیں گے۔“ بائر نے کچھ دیر آرام کیا...... پھر واپس لیبارٹری میں چلا گیا۔ لیکن جوش اور انہماک کے باعث وہ تھکن سے عاری تھا...... اس کا ارتکاز توجہ آخری حد کو چھو رہا تھا۔ زندگی بھر کا علم اور تجربہ بائر نے جھونک دیا تھا۔

وائرس پہلے ہی مہلک تھا۔ اب وہ ایک ناقابلِ دفاع مہیب آتش فشاں میں تبدیل ہو [illegible] چکا تھا۔ آخری چند قدم ریڈ [illegible] زمین پر رہ جائے گا۔ تاہم ریڈ کی واپسی پر برسوں پرانا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے جارہا تھا۔ زمین کی طبیعیات (فزکس) اس کی عظیم الشان فتح میں حائل تھی۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے اسے ریڈ کا سہارا لینا پڑا تھا۔

☆☆☆

وقت اپنی رفتار سے سفر کررہا تھا۔ درمیانی شب بیت گئی تھی، تین بج رہے تھے۔ بارہ بجے کے بعد سے میگان تقریباً بیدار تھی۔ آٹھ گھنٹے بعد وہ شٹل میں ہوگی، یہ سوچ اسے ہیجان میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ بالآخر وہ کروٹیں بدل کر اٹھ بیٹھی۔ گراؤنڈ پر ٹہلتی ہوئی وہ کمپاؤنڈ میں نکل آئی۔

کیپ کناورل کی سیکیورٹی فول پروف تھی۔ تیز دھار آہنی باڑھ، سادہ پوش ائر پولیس اور ٹیلی ویژن کیمرے۔ اطراف میں پھیلے ہوئے محکمہ خفیہ کے سادہ پوش۔ فاصلے سے میگان نے سیکیورٹی جیپ کے کھانسنے کی آواز سنی۔ وہ واپسی کا ارادہ کررہی تھی کہ اس کی سماعت سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے گردن موڑی، ایک ہیولا عمارت کے سائے سے نکل کر روشنی میں آگیا تھا۔

”ریڈ؟“ میگان حیرت زدہ تھی۔ ”اس وقت کیا کررہا ہے؟“ وہ ہاتھ لہرا کر اسے آواز دینے ہی والی تھی جب موڑ پر اس نے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس دیکھیں۔ وہ خاموش رہی اور مزید پیچھے کھسک گئی۔ آنے والی گاڑی پر ناسا کا لوگو نمایاں تھا۔ ریڈ واپس سائے میں چلا گیا۔ سیڈان اس کے قریب رک گئی۔ ایک عمر رسیدہ شخص اتر کے ریڈ کے قریب آگیا۔

ریڈ کس کا منتظر تھا؟ کس کا؟ آنے والا کون تھا؟ اور وہ اس وقت یہاں کیونکر پہنچنے میں کامیاب ہوا؟ آٹھ گھنٹے رہ گئے تھے لانچنگ میں اور کئی گھنٹے پہلے ہی کیپ کناورل اور اطراف میں سرگرمیاں معدوم و معطل کردی گئی تھیں۔ میگان تو بیدار تھی۔ اب اس کی چھٹی حس بھی جاگنے لگی۔ شٹل کے کریو ممبر سے بیرونی آدمی کا اس طرح ملنا ایک غیر معمولی بات تھی۔ تمام ممبرز قواعد کے مطابق قرنطینہ کی حدود میں تھے۔ فیملی ممبر بھی نہیں مل سکتا تھا۔ میگان کو وہاں سے ہٹ جانا چاہیے تھا۔ وہ ایسا ہی کرتی اگر کوورٹ۔ ون کی رکن نہ ہوتی۔ اس کی چھٹی حس پوری طرح جاگ چکی تھی اور پلکیں جھپکا رہی تھی۔ وہ چھپ چھپا کر محفوظ حد تک قریب چلی گئی۔ تاہم مدھم سرگوشیاں سننے میں ناکام رہی۔ سیکنڈ کے کسی حصے میں اس نے ایک چمکیلی جھلک دیکھی۔ وہ کوئی سلنڈر نما شے تھی۔ جو عمر رسیدہ نے ریڈ کے حوالے کی۔ ریڈ نے فوراً ہی اسے اوورآل کی جیب میں منتقل کردیا۔

ریڈ گزشتہ چھ خلائی مشن کا تجربہ رکھتا تھا۔ وہ قواعد کے خلاف کیسے جاسکتا ہے؟ سیڈان جا چکی تھی۔ ریڈ کی طرح میگان نے بھی واپسی کی راہ پکڑی۔ وہ ریڈ کے ساتھ براہِ راست کام کرتی رہی تھی۔ وہ دوستوں کے مانند پیش آتا تھا۔ میگان نے ریڈ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور فوراً رد کر دیا۔ اسے ٹریلور اور گمشدہ اسمال پاکس یاد آگئی۔ اسمال پاکس، جس کی تلاش خاموشی لیکن شدت کے ساتھ جاری تھی۔ پھر کلین کی ہدایت ذہن میں آئی...... اپارٹمنٹ میں پہنچ کر اس نے کلین سے رابطہ قائم کیا۔

☆☆☆

وہاں موجود افراد کو احتیاط سے جانچنے کے بعد پاس دیے گئے تھے۔ سب خلا بازوں کی آمد کے منتظر تھے۔ کیمروں کی چکاچوند میں ٹیم باہر آگئی۔ وہ جانتے تھے کہ مشن پر جانے سے قبل آخری بار انسانوں کو دیکھ رہے ہیں۔ دوبارہ یہ موقع اس وقت ملے گا جب وہ خیریت سے زمین پر واپس آجائیں گے۔ خلابازوں نے میڈیا کی طرف دیکھ کر ہاتھ

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

ہلا یا۔

شٹل ڈسکوری روانگی کے لیے تیار تھی۔ خاص طرز کی گاڑی میں خلا بازوں کی ٹیم چند منٹ میں شٹل سائٹ پر پہنچ گئی۔ وہاں سے انہیں ایلیویٹر کے ذریعے 195 فٹ اوپر سفید کمرے تک بھیجا گیا۔ وہاں سے ضروری اشیا سے لیس ہوکر ٹیم کو شٹل میں داخل ہونا تھا۔

☆☆☆

شمال مشرق میں کئی میل دور...... اسمتھ نے کافی کا دوسرا کپ ختم کیا اور گھڑی دیکھی۔ کیروف، ڈیوپون سرکل میں پوزیشن لے چکا ہوگا۔ اسمتھ کھڑا ہوگیا۔ نکلنے سے پہلے اس نے مانیٹرز پر نظر ڈالی۔ جن پر بیرونی سیکیورٹی کیمرے مختلف مناظر دکھا رہے تھے۔ عقبی سمت میں وسیع لان تھا...... جھاڑیوں سے پاک۔ ایک سمت میں درختوں کی قطار تھی۔ بھنسڈا کونے میں تھا۔ باقی دو سمتوں کی دیواروں میں پتھریلے بلاک تھے۔ ان میں موشن سینسرز پوشیدہ تھے۔ اگر کوئی سینسرز سے بھی بچ نکلتا تو جدید ترین الارم سسٹم تھا۔ کوئی الارم سسٹم سے بچ کر دروازوں یا کھڑکیوں کو آزمانے سے قاصر تھا۔ بالفرض محال یہ رکاوٹ بھی دور ہوجاتی تو مسکن کے چاروں طرف دیواروں میں حساس پریشر پیڈز موجود تھے۔ وہ نہ صرف الارم کو فعال کردیتے، ساتھ ہی اسپرنکلر (فوارہ نما نظام) آن ہوکر مخصوص گیس کا اخراج شروع کردیتا۔ یہ گیس ٹارگٹ کو دس سیکنڈ میں لٹانے کی صلاحیت رکھتی تھی...... یہی وجہ تھی کہ اسمتھ خواب گاہ کی سائڈ ٹیبل میں گیس ماسک تیار رکھتا تھا۔

اگرچہ اس کا اندازہ تھا کہ بریا اسے ہلاک کرنے کے لیے دور مار رائفل استعمال نہیں کرے گا پھر بھی وہ محتاط تھا۔ دہری جانچ پڑتال کے بعد وہ عقبی سمت کچن میں آیا۔ گیراج کچن کے ساتھ ملحق تھا۔ اسمتھ نے کچن کاؤنٹر پر رکھے مانیٹر پر نظر ڈالی۔ بعدازاں کچن سے گیراج میں چلا گیا۔ گاڑی باہر نکال کر اس نے ریموٹ سے گیراج لاک کردیا۔

☆☆☆

کاؤنٹ ڈاؤن میں پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔ عملے کے مابین ہدایات اور احکامات کا تبادلہ ہورہا تھا۔ میگان نے آنکھیں بند کرکے دعائیہ کلمات ادا کیے۔ معاً شٹل لرز اٹھی...... سیکنڈ کے اندر ٹھوس بوسٹرز کی گڑگڑاہٹ...... اندر بوسٹرز کی گرج کم سنائی دے رہی تھی۔

میگان نے گراؤنڈ کنٹرول کی آواز سنی۔ ''ہیوسٹن، ہم ''ڈسکوری'' اٹھا رہے ہیں!''

بیرونی ٹینک نے شٹل کے مرکزی انجن کو فیڈ کیا۔ میگان کو یوں لگا جیسے وہ ہڈیاں کڑکڑا دینے والی رولر کوسٹر پر سوار ہے۔ اس سواری کو اب کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ شٹل اٹھنے کے کچھ دیر بعد ٹھوس بوسٹرز علیحدہ ہوکر سمندر میں گرے...... جہاں سے انہیں نکال لیا جانا تھا۔ ڈسکوری اب اپنے مرکزی انجنوں کے بل پر، کشش ثقل توڑنے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔ تیز سے تیز تر...... بلند سے بلند تر...... 3-G کا مطلب انتہائی دباؤ تھا۔ جس کے بعد ڈسکوری نے زمین کے مدار میں داخل ہوجانا تھا۔ دوسروں کی طرح میگان کو تربیت کے ساتھ تنبیہ کی گئی تھی۔ 3-G کا مطلب سمجھانے کے لیے کہا گیا تھا۔ سمجھو جیسے کوئی گوریلا تمہیں دبا رہا ہے۔ لیکن حقیقی تجربے کی بات ہی اور ہوتی ہے...... خلا بازوں کے مخصوص LES (لانچ انٹری سوٹ) جو پندرہ سے زائد اشیا پر مشتمل ہوتا ہے، یہ مشکل دباؤ برداشت کرپاتا ہے۔ میگان نے محسوس کیا کہ وہ گوریلے کے نہیں بلکہ ہاتھی کے نیچے ہے۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

چھ منٹ بعد ایک سو چوراسی میل کی ان دیکھی بلندیوں میں، مرکزی انجنوں نے کام بند کردیا۔ باہر ایندھن کا ٹینک الگ ہوگیا...... میگان دم بخود رہ گئی۔ کیسا سکوت اور سکون تھا؟ جیسے کوئی پرندہ فضائے بسیط میں پر ہلائے بغیر ساکت صامت محو پرواز ہو...... یا پھر کوئی مچھلی [illegible] [illegible] موزوں، کھڑکی سے دوسری جانب ستارے ہی ستارے...... وہ سمجھ گئی، ڈسکوری مدار میں ہے۔

☆☆☆

بریا، ڈرائیور کے ساتھ لنکن میں اپنی مہم پر تھا۔ ڈرائیور نے مزید اطلاعات اور ہدایات فراہم کی تھیں۔ لنکن، بھنسڈا کی طرف جارہی تھی۔ بریا نے تحریر پڑھ کر ڈرائیور کو واپس کردی۔

اسے ڈرائیور اور لنکن کی ضرورت تھی۔ واشنگٹن میں اس طرح کی ایگزیکٹو سیڈان گاڑیوں کی بہتات تھی۔ دوسرے فرار کی صورت میں وہ تنہا خود پر انحصار نہیں کرسکتا تھا، انجانے راستوں اور ٹریفک کی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا۔

مطلوبہ علاقے میں پہنچ کر سیاہ لنکن کی رفتار کم ہوگئی۔ ڈرائیور نمبر دیکھتا ہوا بھنسڈا تک پہنچ گیا۔ بریا نے بغور مکان اور اطراف کا جائزہ لیا۔ درختوں کی قطار دیکھی۔ عقبی سمت سے کھڑکیاں روشن دکھائی دے رہی تھیں۔ تاہم اندر کسی قسم کی حرکت نظر نہیں آئی۔

''دوسرا چکر لگاؤ۔'' بریا نے ڈرائیور سے کہا۔ دوسری مرتبہ بریا نے اطراف کے گھروں سے بھنسڈا کا موازنہ کیا۔ دوسرے گھروں کے فرنٹ لان...... کسی میں بائیسکل اور کہیں کھلونے نظر آئے۔ کہیں گیراج کے ساتھ باسکٹ بال کے ''ہوپ'' دکھائی دیے۔ بھنسڈا کا رقبہ زیادہ تھا...... وہ کونے میں الگ تھلگ تھا۔ بظاہر ویران تھا۔ نئی معلومات کی روشنی میں بریا نے سوچا کہ شکار اکیلا رہتا ہے...... اس کا کام تنہائی اور رازداری کا متقاضی ہے۔ اس قسم کی لوکیشن میں اسے خطرے کی بو آرہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ مکان مہلک انتہائی نظام سے لیس ہوگا۔ لنکن، بھنسڈا والی سڑک پر پیچھے نکڑ پر کھڑی تھی۔ انجن اسٹارٹ تھا۔ ڈرائیور باہر بونٹ سے ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ وہاں جوگنگ کرنے اور کتے ٹہلانے والے گھوم رہے تھے...... ڈرائیور کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی کا منتظر ہو۔

''دیکھ چکا ہوں...... کل صبح آئیں گے۔'' بریا نے ڈرائیور سے کہا۔ بریا سے کام لینے والے چاہتے تھے کہ اسمتھ کا صفایا کرنے میں دیر نہ کی جائے۔ تاہم بریا نے راہ میں حائل رکاوٹوں کو محسوس کرلیا تھا۔ اسمتھ آفس بھی نہیں جاتا تھا۔ اس کے آنے جانے کے کوئی متعین اوقات کار نہیں تھے۔ گھر میں گھسنا خطرناک تھا۔ ایک ہی صورت تھی کہ [illegible] ایک بات [illegible] سے بے نیاز تھا...... ڈرائیور نے جو تازہ معلومات فراہم کی تھیں، اس کے مطابق اسمتھ ہتھیار نہیں رکھتا تھا۔ بریا کو آس پاس رہتے ہوئے اس کا تعاقب کرتے ہوئے مناسب موقع تلاش کرنا تھا۔ سب سے اہم بات جو بریا کے علم میں لائی گئی تھی، وہ یہ کہ اسمتھ کو کسی خطرے کا احساس نہیں تھا۔

ڈرائیور نے سگریٹ بجھائی۔ بریا نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پینتالیس منٹ گزر چکے تھے۔

''وہ باہر نکل رہا ہے۔'' ڈرائیور نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ بریا نے ونڈ شیلڈ کے پار دیکھا۔ گیراج سے گہرے نیلے رنگ کی سیڈان نکل رہی تھی۔

''تیار رہو...... ہوشیاری کے ساتھ۔'' بریا نے کہا۔

☆☆☆

اسمتھ عقبی آئینے پر نظر رکھے ہوئے تھا...... چند میل گزرنے کے بعد وہ تاڑ گیا کہ کون سی گاڑی اس کا پیچھا کررہی ہے۔ اسمتھ نے کسی قسم کا شک محسوس نہیں کیا۔ یہ وہی ائرپورٹ والی لنکن تھی۔ اسمتھ نے سیل فون پر کیروف کو اطلاع کردی۔

''میں تیار ہوں، جان۔'' اس کا جواب آیا۔ سرخ بتی پر اسمتھ نے بریک لگا کر عقبی شیشے میں جھانکا۔ لنکن اور اس کے درمیان تین گاڑیاں تھیں۔ سبز اشارے پر آگے بڑھا اور رفتار میں اضافہ کرتا گیا۔ وہ دائیں بائیں راستہ بناتا ہوا تیز رفتاری سے جارہا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ بریا سمجھے، شکار عجلت میں ہے اور اس کی توجہ صرف اسمتھ پر مرکوز رہے، شکار عجلت میں ہو تو آسان ہدف بن جاتا ہے......

''وہ جلدی میں ہے۔'' بریا سوچ رہا تھا۔ ''کیوں؟''

''وہ ڈیوپون سرکل کی طرف جارہا ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔ جیسے وہ بریا کے خیالات پڑھ رہا ہو۔ بریا کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ اس کا اپارٹمنٹ اسی علاقے میں تھا۔ کیا اسمتھ وہیں جارہا ہے؟ کیا وہ جان چکا ہے؟

کنکٹی کٹ ایونیو پر اسمتھ کی گاڑی اور تیز ہوگئی۔ بائیں طرف آر اسٹریٹ پر مڑی پھر دائیں جانب ایس نمبر اسٹریٹ پر...... سیڈان کی رفتار کم ہونے لگی۔ ایس (S) اسٹریٹ کے آخر میں اسمتھ نے ایک جگہ پارکنگ میں کار روک دی۔ بریا نگرانی کررہا تھا۔ اس جانب مشرقی یورپ کے ریسٹورنٹس اور دکانیں تھیں...... واشنگٹن پہنچنے کے بعد یہی اس کے لیے واحد جگہ تھی جہاں وہ خود کو گھر پر محسوس کرتا تھا۔

یہاں وہ غالباً میری خبر لینے آیا ہے...... بریا نے سوچا۔ یا پھر کسی نے میری تصویر دیکھی ہے۔ بریا نے خبروں میں تصویر دیکھی تھی جس کے پیچھے پولیس لگی تھی۔ اس تصویر کی مدد سے کوئی اسے شناخت نہیں کرسکتا تھا۔ ہوسکتا ہے، یہاں کسی نے اسے دیکھا ہو۔ حالانکہ وہ کبھی کبھار ہی اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نکلتا تھا۔ وہ بھی رات میں۔ ''نہیں، نہیں...... اگر اسے یہاں میری موجودگی کا شک ہوتا تو اکیلا نہ آتا۔'' بریا نے فیصلہ کیا اور گاڑی سے اتر گیا۔

''یہیں رہنا...... یہیں واپس آؤں گا۔'' بریا نے ڈرائیور سے کہا۔ دکانیں، فوارے، کافی شاپس، ریسٹورنٹس، چھتریاں......

اسمتھ کو پتا تھا، کس طرف جانا ہے...... وہ باخبر تھا کہ موت اس کے تعاقب میں ہے اور زیادہ دور نہیں۔ پیجر، گردے کے قریب جیب میں تھا...... کیروف کی کال تھرتھراہٹ پیدا کرکے خاموش ہوگئی۔ یہ اشارہ تھا کہ بریا، اسمتھ کے پیچھے پچاس فٹ کے دائرے میں ہے......

اسمتھ کی چال دھیمی تھی اور وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

بریا نے بھی محسوس کیا کہ شکار نامانوس علاقے میں غیر آرام دہ حالت میں ہے۔ بریا کا ہاتھ جیکٹ کی جیب میں چلا گیا......

اسمتھ کا بیپر دو مرتبہ تھرتھرایا۔ اشارہ تھا کہ بریا اس کے پیچھے پچیس فٹ کے فاصلے پر ہے۔ اسمتھ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ شروع ہو گئی۔ اس کے اعصاب کی آزمائش تھی۔ بڑے نازک اور فیصلہ کن لمحات تھے۔ وہ مڑ کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نہ دوڑ لگا سکتا تھا۔ طویل بھاگ دوڑ اور خونریزی کے بعد فیصلے کی گھڑی آئی تھی۔ پیسٹری شاپ کے قریب سے گزر کر وہ ایک ریسٹورنٹ کی میز کی طرف گیا جس پر چھتری تنی ہوئی تھی...... وہ اب بھی اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ کیروف کا کہیں پتا نہیں تھا۔

بریا محض دس قدم کے فاصلے پر تھا۔ جب کیروف ایک ایمپوریم کی آڑ سے نکلا...... جان، بھاگنا مت...... جان، مجھ پر بھروسا کرو...... وہ بے آواز بریا کی پشت پر نمودار ہوا۔ عام سی چھتری اس کے ہاتھ میں تھی۔

اسمتھ سامنے دیکھ رہا تھا۔ سنسنی تمام بدن میں پھیل گئی تھی۔ اس کی حسیات بتا رہی تھیں کہ قاتل بہت قریب ہے...... شاید ایک گز یا دو گز دور...... عقب میں جھانکنے کی خواہش دبانے کے لیے اسمتھ کو سخت جدوجہد کرنی پڑی۔

بریا نے دستے کی مخصوص جگہ پر انگوٹھے سے دباؤ ڈالا اور طاقتور اسپرنگ نے خنجر کا پتلا اور لمبا بلیڈ باہر اُگل دیا...... نوک دار...... دھاری دار...... خونی خنجر، واشنگٹن میں دوسری بار ایکشن میں تھا۔ شکار دو قدم کے فاصلے پر تھا۔ پریشان، بے چین اور غیر مسلح۔ بریا نے ایک قدم بڑھانا تھا اور وار کرنا تھا...... اس کی تمام تر توجہ شکار پر مرکوز تھی۔

کیروف، بریا کے سر پر تھا۔ چھتری نے بے آواز اس کے ہاتھ میں قوس بنائی اور پنڈلی کے ساتھ چپک گئی۔ ایک قدم بڑھا کر اس نے پنڈلی اٹھائی۔ چھتری کو آگے دھکیلتے ہوئے، نیچے کی طرف حرکت دی...... چھتری کی نوک سے نوک برآمد ہوئی۔ کاٹ دار اور زہریلی......

شکاری بے خبر تھا کہ اصل شکاری پیچھے ہے...... اور آگے جو شکار ہے...... وہ شکار نہیں شکاری ہے...... درحقیقت دو شکاریوں کے درمیان شکاری نما شکار تھا......

خنجر والا ہاتھ اٹھا...... اِدھر کپڑے سے گزر کر پنڈلی میں گھسنے والی نوک نے گوشت کا ذائقہ چکھا...... بمشکل نصف انچ کی خراش پڑ گئی۔

جو وار آگے کرنا تھا، وہ پیچھے کرنا پڑا۔ اونٹ پہاڑ تلے آ گیا تھا۔ بریا نے اضطراری طور پر گھومتے ہوئے، زاویہ بدل کر اندھا دھند عقب میں خنجر گھمایا...... اس کی پھرتی اور ردِعمل قابلِ رشک تھا۔ تاہم کیروف اپنا کام کر کے دو قدم پسپا ہو چکا تھا۔ ایک ساعت کے لیے نظریں چار ہوئیں...... بریا کی آنکھوں میں الجھن تھی جو فوراً ہی غائب ہو گئی۔ اب وہاں حیرت تھی، ناقابلِ یقین حیرت...... روسی جنرل؟ بریا کو لگا جیسے واقعی وہ روس میں ہے...... اگلی ساعت میں حیرت بھی تحلیل ہو گئی۔ اس نے قدم بڑھایا...... لڑکھڑایا...... سریع الاثر زہر نے کام شروع کر دیا تھا۔ خنجر ہاتھ سے گرا اور نگاہ دھندلا گئی۔ وہ آگے کی طرف گرا۔ کیروف نے مسکراتے ہوئے سرب زبان میں قصیدہ خوانی کی اور اسے مضبوط بازوؤں میں سنبھال لیا۔ بریا نے منہ کھولا لیکن کوئی آواز برآمد نہ ہوئی۔

''آؤ میرے محبوب، تمہیں یہاں سے ہٹا لیں...... قبل اس کے کہ بھیڑ لگنا شروع ہو۔'' کیروف نے سرگوشی کی۔

اسمتھ، عقب میں سرگرمی محسوس کر کے پلٹ چکا تھا۔ دونوں نے مل کر بریا کو وہاں سے ہٹایا۔ کیروف بلند سرب زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ چند افراد متوجہ ہو کر ہمدردی سے سر [illegible]

☆☆☆

اسمتھ نے خوب سوچ سمجھ کر دوا منتخب کی تھی۔ بریا ان کے لیے بہت اہم تھا۔ دوا کے بغیر بریا سے کچھ اگلوانا اتنا آسان نہ تھا۔

بریا سفید رنگ کے علاوہ کچھ دیکھنے سے محروم تھا۔ ہر طرف چمک دار سفیدی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دوبارہ کھولیں تو سفید رنگ کی چمک میں اضافہ ہو گیا تھا۔ آس پاس تھرتھراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو تاریکی بھی سفید محسوس ہوئی۔ سفیدی میں کیروف کی شبیہ ابھری، جس کے ہاتھ میں چھتری تھی۔ وہ سرب زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر غائب ہو گیا۔

''پانی پی کر تم بات کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔'' قریب سے کیروف کی آواز آئی۔ وہ روسی زبان استعمال کر رہا تھا...... بریا کی جون بدل گئی تھی۔ وہ زندہ تھا لیکن بے اختیار۔ اسمتھ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ خالی خالی آنکھیں شیشے کی گولیوں کے مانند نظر آ رہی تھیں۔ تینوں ایک میز پر تھے۔ ٹیپ ریکارڈر آن تھا۔ کیروف کی گود میں جو گن تھی، اس کا رخ بریا کی جانب تھا۔ کیروف نے اسمتھ کو اشارہ کیا۔

''یاردینی کو ہلاک کرنے کے لیے تمہاری خدمات کس نے حاصل کی تھیں؟'' اسمتھ نے نرمی سے سوال کیا۔

''زیورچ کے ایک آدمی نے۔'' جواب آیا۔ جیسے کوئی روبوٹ بول رہا ہو۔

''تم زیورچ گئے تھے؟''

''نہیں۔ فون پر بات ہوتی تھی۔''

''اس کا نام کیا ہے؟''

''جیرالڈ۔''

''جیرالڈ ادائیگی کیسے کرتا تھا؟''

''رقم وہاں اوفن باخ بینک کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی تھی۔ جسے ہرویزل سنبھالتا تھا۔''

زیورچ...... ویزل...... اوفن باخ...... پیٹر نے بھی یہی نام بتائے تھے...... اسمتھ چونک اٹھا۔

''تم ہرویزل سے مل چکے ہو؟''

''ہاں۔ کئی بار۔''

''اور جیرالڈ سے؟''

''کبھی نہیں۔'' بریا نامی روبوٹ نے جواب دیا۔

اسمتھ نے کیروف کی جانب دیکھا۔ جس نے سر ہلا کر تصدیق کی کہ روبوٹ جو کہہ رہا ہے۔ ٹھیک کہہ رہا ہے۔

[illegible] تم [illegible] یاردینی سے ریلوے اسٹیشن پر کیا چیز حاصل کی تھی؟''

''جراثیم۔''

''وہ جراثیم تم نے ایئرپورٹ پر جس آدمی کو دیے تھے، اس کا نام کیا تھا؟''

''ڈیوڈ۔''

اسمتھ نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ ''تم نے ڈیوڈ کو واشنگٹن میں قتل کر دیا تھا؟''

''ہاں۔''

''کس کے کہنے پر؟''

''جیرالڈ۔''

''تم کسی امریکی سے ملے ہو؟''

''صرف اپنے ڈرائیور سے۔''

''نام؟''

''نہیں پتا۔''

''باتوں میں ڈرائیور نے جیرالڈ یا کسی اور کا ذکر کیا تھا؟''

''نہیں۔''

اسمتھ نے وقفہ دیا۔ منصوبہ سازوں نے رازداری کا فول پروف بندوبست کیا ہوا ہے...... کوئی رخنہ نہیں چھوڑا تھا۔

☆☆☆

آئیون بریا واپس نہ آیا۔ ڈرائیور نے مناسب وقت تک انتظار کیا پھر خاموشی سے لنکن چھوڑ کر وہاں سے کھسک لیا۔ اسے پتا تھا کہ جلد ہی لنکن چوری ہو جائے گی یا ڈیو پون پورٹ کے اُچکوں کے ہاتھ آ جائے گی۔ وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے فروخت کر دیں گے۔ اگر پولیس کے ہتھے چڑھی، تب بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ دستانے استعمال کرتا تھا۔ گاڑی میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اس کا تعلق گاڑی سے ثابت کرتی۔ ناسا کے کاغذات میں اس کا نام شامل نہیں تھا جس ڈرائیور کے نام گاڑی تھی، وہ کیلی فورنیا میں تھا۔

وہاں سے ہٹ کر ڈرائیور نے کال ملائی اور بھیجنے والوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ دوسری طرف سے ڈرائیور کو ہدایت ملی کہ وہ سیدھا ڈولس ایئرپورٹ پہنچے اور مخصوص لاکر سے دو بیگ نکالے...... جن میں کپڑے، رقم اور آئی ڈی ہو گی۔ ٹکٹ بھی ہو گا۔ وہ میکسیکو نکل جائے اور اگلے حکم تک وہیں قیام کرے۔

انتھونی پرائس نے ڈرائیور سے بات کر کے ڈاکٹر کارل بائر کا نمبر ملایا۔ بائر اسمال پاکس، ریڈ کے حوالے کر کے واپس ہوائی پہنچ چکا تھا...... پرائس نے اسے صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مسئلہ حل ہونے کے بجائے مزید بگڑ گیا ہے...... مجھے یقین ہے کہ بریا، اسمتھ کے پاس ہے...... بالآخر اسے زبان کھولنی پڑے گی۔'' پرائس نے تشویش ظاہر کی۔

''پھر کیا ہوا؟'' بائر نے کہا۔ ''بریا کے پاس بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور ٹریلو مر چکا ہے جس کے ساتھ کھوجی بھی اندھیرے میں چلے گئے ہیں۔''

''نہیں، بریا کا کچھ کرنا پڑے گا۔'' پرائس کی آواز بلند ہو گئی۔

''وہ اسمتھ کے پاس ہے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اسمتھ نے اسے حوالات میں نہیں رکھا ہو گا۔'' بائر نے سمجھانے کی کوشش کی۔

پرائس سوچ میں پڑ گیا۔ ''ٹھیک ہے، پھر شیڈول بدل دو۔''

''ایسا نہ کرنا ریڈ، اور ''کینڈرا کومیکٹ'' کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔'' بائر نے پھر اختلاف کیا۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

''ایسا نہیں کریں گے تو خطرہ بڑھ جائے گا۔ ریڈ، خلا میں تجربہ پرسوں کرے گا...... یہی تجربہ وہ آج بھی کر سکتا ہے۔''

''تمام تجربات کا شیڈول طے شدہ ہے۔''

''ریڈ ٹمٹ لے گا۔ شیڈول تبدیل کرنے کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔'' پرائس نے اصرار کیا۔

''ویری ویل۔ میں ریڈ سے رابطہ کرتا ہوں۔'' بائر نے آواز سے بدمزگی ظاہر نہ ہونے دی۔ رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ بائر ایلیویٹر کے ذریعے تہ خانے کے ذیلی حصے میں آگیا۔ اس کے کامپلیکس میں یہ مواصلاتی نظام کا قلب تھا۔ بائر نے اپنے نجی چیمبر میں آ کر کونسول کے بالمقابل نشست سنبھالی۔ کی بورڈ کو چھیڑا...... جائنا میں ژیان پوکا بنایا ہوا سیارچہ جسے فرانسیسیوں نے نیو گیانا کے مقام سے مدار میں بھیجا تھا...... بیدار ہو گیا۔ اب تک سوئے ہوئے سیارچے کا ایک ہی مقصد...... جس کے حصول کے بعد دھماکا خیز مواد از خود سیارچے کو تباہ کر دیتا اور اس کا نام و نشان مٹ جاتا۔ بائر نے پیغام تیار کیا۔ پیغام مائیکرو ٹرانسمیشن کے لیے تھا جس نے ناسا کی فریکوئنسی استعمال کی...... نینو سیکنڈ میں لیزر بیم کے مانند پیغام سیارچے سے ہو کر ڈسکوری میں ریلے کر گیا۔ فوراً ہی سیارچے کا وجود ناپید ہو چکا تھا۔ ناسا کی فریکوئنسی میں مختصر وقفے کے لیے چھیڑ خانی ہوئی تھی۔ اسے پکڑے جانے کا امکان تھا۔ تاہم...۔ ماخذ کا پتا لگانا ناممکن تھا...... حتیٰ کہ ریلے پوائنٹ بھی معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مائیکرو ٹرانسمیشن کے جھماکے کو دور خلا میں روپوش کسی بلیک ہول یا اجنبی ستارے کی کارستانی سے ہی موسوم کیا جا سکتا تھا۔ قباحت ایک ہی تھی کہ ریڈ جواب نہیں دے سکتا تھا۔ نہ کوئی دوسرا پیغام بھیجا جا سکتا تھا۔ دوطرفہ پیغام رسانی ناسا کے گراؤنڈ کنٹرول سے ہی ممکن تھی۔

☆☆☆

دو سو دو میل کی بلندی پر ڈسکوری 17,500 میل فی گھنٹا کی رفتار سے سفر کر رہی تھی۔ زمین کے گرد اس کا چوتھا چکر تھا۔ عملہ اپنے اپنے کام میں مصروف تھا۔ معاً کمانڈر بل کیرول کی الجھی ہوئی آواز آئی۔

''ریڈ، تم نے دیکھا؟''

''کیا بات ہے؟''

''پیغام ہے...... لیکن مشن کنٹرول خاموش ہے۔''

''حیرت ہے...... کیا پیغام ہے؟'' ریڈ نے سوال کیا۔

''بظاہر تجربات کا شیڈول تبدیل کیا گیا ہے۔ تم آگے ہو۔ اور میگان چوتھے نمبر پر......''

''مگر کیوں......؟'' میگان نے احتجاج کیا۔

''پریشان مت ہو۔ میں دیکھتا ہوں۔'' ریڈ نے تسلی دی۔

میگان ابتدا کرنے کے بجائے اب چوتھے نمبر پر چلی گئی تھی۔ برائے نام کششِ ثقل کی وجہ سے وہ نہایت آہستگی سے خلائی سوٹ میں حرکت پذیر تھی...... ریڈ پائلٹ اور کمانڈر کے پیچھے گویا معلق الٹا لٹکا ہوا تھا۔

''مجھے ابتدا کرنی ہو گی۔'' اس نے لاگ، میگان کی طرف بڑھایا۔ ''یہ آخری لمحات کی تبدیلی ہے...... میں بتانا بھول گیا تھا۔''

''میں مدد کروں؟'' میگان نے کہا۔

''پیشکش کا شکریہ۔ میرے خیال میں ضرورت نہیں ہے۔'' میگان کے ہیڈ سیٹ میں ریڈ کی آواز آئی...... پھر ریڈ نے حرکت کی۔

میگان مانیٹر پر اسے مڈ ڈیک کی طرف جاتے دیکھ رہی تھی۔ وہاں سے تیرتا ہوا وہ سرنگ میں داخل ہوا جو خلائی تجربہ گاہ سے جڑی ہوئی تھی۔ میگان نے اپنا رخ دھیرے سے بل کیرول کی جانب کیا۔

''پیغام کس [illegible] فرانس [illegible]

کوئی نام نہیں ہے۔ صرف نمبر ہے۔''

میگان نے خود کو سنبھالتے ہوئے کیرول کے شانوں پر معلق کیا اور اسکرین پر نظر ڈالی۔ چھ ہندسوں کا نمبر تھا۔ وہ الجھن میں پڑ گئی۔

''بھیجنے والا شاید عجلت میں تھا۔'' پائلٹ اسٹون نے رائے دی۔

میگان پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے یہ نمبر ریڈ کی ناسا آئی ڈی پر دیکھا تھا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ خود کو پیغام بھیج دے۔ کچھ گڑبڑ تھی۔

خلائی تجربہ گاہ میں آ کر ریڈ نے کیمروں کی آنکھ سے بچتے ہوئے کارل بائر سے وصول کردہ سلنڈر نکالا۔ ٹائی ٹینیم کے سلنڈر میں ایک ٹیوب تھی۔

بائیو ریک پر مصروفِ کار رہتے ہوئے اس کا ذہن پیغام کی وجہ بھی کھوج رہا تھا۔ یقیناً پیغام بائر نے بھیجا تھا۔ لیکن کیوں؟ روانہ ہوتے وقت آخری اطلاعات بریا کے بارے میں تھیں جسے اسمتھ کو ختم کرنے کا ٹاسک دیا گیا تھا۔ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ جو وجہ بھی تھی، وہ اتنی اہم تھی کہ بائر

پیغام بھیجنے پر مجبور ہو گیا۔ دوسرے پیغام کی ریڈ کو توقع نہیں تھی۔ ایسا کرنے سے الجھن شک میں بدل جاتی۔ نتیجتاً تفتیش شروع ہو جاتی تھی۔ جو کام معمرِ سوئس کارل بائر نے شروع کیا تھا۔ اس کی تکمیل ریڈ کو کرنی تھی۔ ریڈ نے ذہن کو خیالات سے پاک کر کے اپنے ٹارگٹ کی جانب ذہن کو یکسو کیا۔

☆☆☆

کلین کی نگاہ میں سنگ و آہن کی صلابت تھی۔ وہ روز بڈ کے لیونگ روم میں خاموشی سے اسمتھ کا بیان سن رہا تھا...... ''بدنام زمانہ قاتل بریا کا تعلق سوئس بینک کے اعلیٰ عہدیداران سے ہے؟'' اس نے سرگوشی کی۔

اسمتھ نے کیسٹ کی جانب اشارہ کیا۔ ''بریا سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان کے مطابق روس اور مشرقی یورپ کے متعدد جرائم پیشہ افراد نے اسے استعمال کیا اور وہ موٹی رقم وصول کرتا رہا...... بریا کو استعمال کرنے والے اعلیٰ عہدیداران ہیں۔''

''ٹھیک ہے...... کافی گند ہو گا اس کیسٹ میں۔ کسی دن ہمارے کام آ سکتا ہے۔ لیکن ایسا کوئی دن نہیں آئے گا، جب تک ہم اسمال پاکس کا سراغ نہیں لگا لیتے...... بریا اور کیروف اس وقت کہاں ہیں؟''

[illegible] کہ بریا کو اس کے ساتھ ماسکو جانے دیا جائے۔ اس کے لیے اسے تعاون درکار ہے۔ اسے اپنا پرانا حساب چکتا کرنا ہے۔''

''انتظامات کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن کیا تم پُریقین ہو کہ ہمارے لیے بریا کی ضرورت ختم ہو گئی ہے؟''

''شیور...... بریا ہمارے لیے بیکار ہے۔'' اسمتھ نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' کلین کھڑا ہو گیا اور دیوار کے قریب جا کر ایک تصویر کو گھورنے لگا۔ ''بدقسمتی سے بریا کو قابو کرنے کے باوجود ہم پھر سے بند گلی میں آ گئے ہیں۔ سوئس، مالی لین دین کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ اگر ہم نے حکومتی سطح پر بھی کوشش کی تو کوئی حوصلہ افزا نتیجہ برآمد نہیں ہو گا۔ دوسرے وقت بہت ضائع ہو جائے گا۔''

''سر، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... میں نے پیٹر کو احتیاطاً روکا ہوا ہے۔ اب وقت ہے کہ میں اسے حرکت میں آنے کا اشارہ کر دوں۔''

کلین نے پُرسوچ نظروں سے اسمتھ کی طرف دیکھا۔

''جان، اسے سمجھا دینا کہ رازداری کا خیال رکھے۔'' کلین نے گویا منظوری دے دی۔ اسمتھ ملحقہ کمرے میں چلا گیا جو دہاں کلین کے مواصلاتی نظام کا اعصابی مرکز تھا۔

اسمتھ نے لائن ملا کر اختصار کے ساتھ پیٹر کو بریا کے بارے میں بتایا اور زیورچ روانگی کا سگنل دیا......

''متذکرہ کیسٹ کی نقل بھی بھجوا رہا ہوں، کام آ سکتی ہے۔'' اسمتھ نے مزید بتایا۔ ''ہوٹل کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔''

''جان، اب میں زیورچ سے کال کروں گا۔'' پیٹر نے کہا۔ بات ختم کر کے اسمتھ واپس کلین کے پاس آ گیا۔

''جان، ڈاکٹر ڈیلن ریڈ کے بارے میں کیا رائے ہے؟''

اسمتھ نے چونکتے ہوئے اپنے باس کی طرف دیکھا۔

''سر......؟''

''ٹریلور کا تعلق ناسا سے...... ریڈ کا رشتہ ناسا سے......'' کلین نے احتیاط سے بات بڑھائی۔ ''شٹل کی روانگی سے قبل، رات میں دیر سے کسی نے ریڈ سے ملاقات کی۔ وہ کون تھا؟ ہم ابھی تک اندھیرے میں ہیں اور اصول و ضوابط کے خلاف وہ کیونکر ریڈ تک پہنچا؟ ملاقات پہلے سے طے شدہ تھی۔''

اسمتھ پلک جھپکائے بغیر کلین کو تک رہا تھا۔ وہ آگاہ تھا کہ ریڈ جس دنیا میں ہے، وہاں معلومات غیر ضروری طور پر شیئر نہیں کی جاتیں۔ وہ کوورٹ۔ ون کا باس تھا اور اس وقت وہ بالواسطہ طور پر اسمتھ کو بتا رہا تھا کہ ٹھیک ناسا کے دل میں کوورٹ۔ ون کا ایجنٹ بیٹھا ہے......

''میگان اولسن۔'' اسمتھ نے کہا۔ ''ڈسکوری کی روانگی سے فقط چند گھنٹے قبل...... کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ سر، آپ پہلے مجھے بتا دیتے۔''

''جان، ضروری نہیں تھا۔ جیسے میگان تمہارے بارے میں لاعلم ہے۔''

''پھر اب......؟''

''اب اس لیے کہ میگان کی اطلاع کے بعد میرے نزدیک ریڈ مشکوک ہو چلا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ٹریلور اور ریڈ کے مابین اصل تعلق کیا تھا؟''

''کیا میگان، ریڈ کی نگرانی کر رہی تھی؟'' اسمتھ نے سوال کیا۔

''نہیں، محض اتفاق ہے کہ اس نے اجنبی مہمان کو غلط وقت پر ریڈ سے ملتے دیکھ لیا۔ میں نے احتیاطاً اسے ہدایت

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

دی تھی کہ اپنے اطراف سے چوکس رہے۔"
"لیکن ریڈ تو اس وقت خلا میں ہے؟"
"میں کچھ اور چاہ رہا ہوں۔ ڈسکوری کی واپسی پر ریڈ کو بھی دیکھ لیں گے۔"

اسمتھ نے سوالیہ نظروں سے کلین کو دیکھا۔ کلین نے دو فائلیں نکال کر سامنے رکھ دیں۔

"یہ ان دونوں فوجیوں کی فائلیں ہیں جو پیٹر سے سسلی میں ٹکرائے تھے۔ پیٹر، ہرویزل سے زیورچ میں نمٹے گا۔ ریڈ کو واپسی پر دیکھ لیں گے۔ اس دوران میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ فوجیوں کی ڈوریاں کون ہلا رہا ہے؟ پریذیڈنٹ کو بھی اس معاملے میں تشویش ہے۔"

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" اسمتھ نے فائلوں پر نظر ڈالی۔

"انہیں پڑھ لو۔ بعدازاں وہی چال چلو جس پر بریا باہر آیا تھا۔ تالاب میں پتھر پھینکو یا مکڑی کے جالے کو چھیڑو...... دیکھتے ہیں کون سا مکڑا باہر آتا ہے؟"

☆☆☆

پیٹر ہاول، زیورچ کے ڈولڈر گرینڈ ہوٹل میں قیام پذیر تھا۔ وہ ہرویزل نامی بینکار سے ملنے کی تیاری میں مصروف تھا۔

"سوان دے۔" وہ بڑبڑایا۔ ایک بینکار کی کتنی تنخواہ ہوگی جو وہ "سوان دے" میں ڈنر کرتا ہے؟ سوچتے ہوئے اس نے بزنس سوٹ زیب تن کیا۔ آخری طائرانہ نظر ڈالی اور نکل کھڑا ہوا۔ وہ ٹیکسی پکڑ کر شہر کے قلب میں واقع مالیاتی ڈسٹرکٹ کی طرف جا رہا تھا۔

آٹھ بج رہے تھے، جب وہ سوان دے میں داخل ہوا۔ اندر کا ماحول شاہانہ تھا۔ چکا چوند کر دینے والا۔ فرنیچر سے کراکری اور باوردی ویٹرس تک ہر چیز خیرہ کن تھی۔ بغیر ریزرویشن کے وہاں ڈنر تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ دورانہ وار گھستا چلا گیا۔ استفسار پر رعب دار انداز میں بولا۔
"میں ہرویزل کا مہمان ہوں۔"
"جناب آپ جلدی آگئے ہیں۔ ویزل صاحب کی ٹیبل کچھ دیر بعد تیار ہوگی۔ آپ لاؤنج یا بار میں تشریف رکھیں۔ میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔"
پیٹر لاؤنج میں آگیا......
"کیا میں آپ کو جانتا ہوں؟"
پیٹر نے شانے پر سے عقب میں دیکھا۔ سوال کرنے والا دراز قامت اور چھریرے بدن کا مالک تھا۔ آنکھیں غیر معمولی سیاہ تھیں۔ عمر چالیس برس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔
"میرا نام پیٹر ہاول ہے۔" پیٹر نے جواب دیا۔
"اوفن باخ بینک میں اکاؤنٹ ہے؟"
"نہیں۔ کچھ اور کاروباری بات ہے۔" پیٹر نے ایک نام لیا۔ جو اس نے اسمتھ کی بھیجی ہوئی کیسٹ میں سنا تھا۔ پیٹر نے عمداً آواز دھیمی رکھی تھی۔ اس نے ہرویزل کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک دیکھی۔
"میری ٹیبل پر آؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔ پیٹر نے نشست چھوڑ دی۔ ایک منٹ بعد وہ گراں قدر کیبن میں تھا۔ جہاں تین فٹ تک قیمتی لکڑی اور اس سے اوپر چاروں طرف شیشہ لگا تھا۔ اندر ٹیبل پر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔
"ہاں...... بولو۔" ہرویزل نے سگار نکالا۔
"بینک اور اکاؤنٹ سے کوئی سروکار نہیں۔ براہِ راست تم سے کام ہے۔" پیٹر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ہرویزل نے سگار واپس رکھ کر پلکیں جھپکائیں۔
"میرے خیال میں تم غلطی پر ہو۔ تمہارا نام میں نے کبھی نہیں سنا۔"
"بریا کا نام تو سنا ہے...... یا نہیں؟"
جواب میں ہرویزل کھڑا ہو گیا۔ پیٹر نے ہاتھ دراز کیا اور کہنی کے قریب سے اس کا بازو تھام لیا۔ ہرویزل نے محسوس کیا [illegible]
"بیٹھ جاؤ۔" پیٹر دھیمے انداز میں غرایا۔ "فائدے میں رہو گے۔"
"تم ایسا نہیں کر سکتے...... ہمارے اپنے قوانین......"
"میں تمہارے قوانین کے لیے نہیں آیا۔ میری دلچسپی تمہارے گاہکوں کے اندر ہے۔" پیٹر نے بازو چھوڑ دیا۔
"میں نجی معاملات پر گفتگو نہیں کرتا۔" ہرویزل کہنی مسل رہا تھا۔
"لیکن اب تم کرو گے...... بریا کا نام یاد ہے یا کچھ اور نام گنواؤں؟ مجھے روپیا پیسا نہیں چاہیے۔ تم جانو تمہارا کام جانے۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ بریا...... آئیون بریا کو ادائیگی کون کرتا تھا؟"
"یہ ایک مجرمانہ حرکت ہے۔" ہرویزل نے اِدھر اُدھر دیکھا۔
"تم ایسے نہیں مانو گے۔" پیٹر نے ایک چھوٹا ریکارڈر نکال کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ آگے جھک کر ائرپیس اس نے ہرویزل کے کان میں لگا دیا۔ "سنو۔" پیٹر نے پلے کا بٹن دبایا۔

ہرویزل سنتا رہا، اس کی پیشانی پر شکنیں بڑھتی گئیں۔
"کسی نے میرا نام بھی لیا ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟" ہرویزل کی آواز مزید لٹک گئی۔
"کسی نے نہیں بلکہ بریا نے تمہارا نام لیا ہے۔"
"پھر کیا ہوا؟" ہرویزل نے مزاحمت کی کوشش کی۔
"پھر یہ ہوا کہ بریا ایک اجرتی قاتل ہے۔ اور وہ KGB یعنی روسیوں کے لیے بھی کام کرتا رہا ہے۔ مسٹر ویزل، تم روسیوں کی رقوم بھی ہینڈل کرتے رہے ہو......"
ہرویزل کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔
"اگر روسیوں کو علم ہو گیا کہ تم امریکیوں سے بھی بریا کے معاملے میں ڈیلنگ کرتے رہے ہو تو تم جانتے ہو کیا ہوگا...... روسی معاف نہیں کرتے نہ بھولتے ہیں۔ تمہاری کہانی ختم ہو جائے گی۔ قوانین کام آئیں گے نہ تمہاری پولیس۔ یہ تمام معلومات کہیں اور بھی محفوظ ہیں۔ میں ایسے ہی منہ اٹھا کر نہیں چلا آیا۔ مجھے تمہارے کاروبار سے کوئی غرض نہیں۔ نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے گا۔"
"کیا چاہتے ہو؟" ہرویزل نے جلد ہی ہتھیار ڈال دیے۔
[illegible] کر رہا ہے؟ امریکا میں کون بریا کی خدمات کے عوض ادائیگی کرتا تھا...... اس کا نام؟"

☆☆☆

ریڈ پانچ گھنٹے سے خلائی تجربہ گاہ میں موجود تھا۔ عملے کی حرکات اور آوازیں وہ ہیڈ سیٹ میں سن رہا تھا۔ میگان اپنا تجربہ کرنے کے لیے بے قرار تھی۔

ریڈ سوچ رہا تھا کہ اگر میگان یہ جان جائے کہ وہ تجربہ گاہ میں کیا کر رہا ہے تو اس کی بے قراری ختم ہو جائے گی۔ ریڈ زیادہ وقت لے رہا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو اسے عملے کی باتوں پر کان رکھنے تھے۔ دوسرے زمین پر ناسا کا گراؤنڈ کنٹرول عملے سے کیا گفت و شنید کر رہا ہے......

باکس میں ربر کے خاص دستانے منسلک تھے۔ اس کے ہاتھ پر دوسرے دستانے تھے۔ دونوں ہاتھ ربر کے خانوں جیسے دستانوں کے ذریعے باکس میں چلے گئے تھے۔ نظریں مائیکرو اسکوپ سے چپکی ہوئی تھیں۔ دونوں پیر اس نے فرش پر آنکڑوں میں پھنسائے ہوئے تھے جوش اور کام کی خطرناک نوعیت کے باعث اسے تھکنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ مائیکرو اسکوپ کے نیچے اسمال پاکس کا وائرس ہے جسے ہوائی کی نجی تجربہ گاہ میں سوئس سائنس داں کارل بائر نے ری انجینئر کیا تھا۔ وہ نہ صرف اس کی ہلاکت خیزی بڑھانے میں کامیاب رہا تھا بلکہ وائرس کے حجم میں بھی کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ اسے مہیب بائیو ویپن میں بدلنے کے لیے وہ مزید کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ وائرس کو خلائی تجربہ گاہ میں لے جائے۔ لہٰذا اس کے لیے برسوں کاوش کے بعد ایک سازشی ٹولا بنایا گیا جس میں روسی، سوئس اور امریکی شامل تھے۔ بائر، ریڈ، رچرڈسن، پرائس، لارا وغیرہ اہم مہرے تھے۔ لارا روس میں ماری گئی...... چند پیادے تھے۔ جیسے یاردینی اور ٹریلور وغیرہ...... پہلے مرحلے کا آغاز روس میں بائیو پرٹ سے ہوا اور وائرس امریکا پہنچا دیا گیا۔ بریا کی اہمیت پیادوں سے بڑھ کر تھی۔ تاہم وہ بھی خرچ ہو گیا۔ منصوبہ فول پروف تھا۔ لہٰذا کامیابی سے آگے بڑھتا رہا۔ دوسرے مرحلے میں بائر نے وائرس کی ہیئت تبدیل کی اور اسے ریڈ کے حوالے کر دیا۔ آخری مرحلہ ریڈ نے خلا میں طے کرنا تھا جس کے بعد وائرس ایک بھیانک عفریت میں تبدیل ہو جاتا۔ خلا میں کششِ ثقل برائے نام ہوتی ہے۔ جسے "مائیکرو گریویٹی" کی اصطلاح دی گئی۔ مائیکرو گریویٹی میں تجربات اتفاقیہ شروع ہوئے تھے۔ جب برسوں پہلے چند ابتدائی خلائی مشن میں سے ایک کے دوران خلاباز ایک بیگ بھول گئے تھے۔ بیگ میں سینڈوچ تھے۔ دو دن بعد جب بیگ کھولا گیا تو خلابازوں نے دیکھا کہ سینڈوچ غباروں کے مانند پھول چکے تھے۔ جیسے ان میں گیس بھر دی گئی ہو۔ یہ دریافت کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ بیکٹیریاز نے اپنا حجم بڑھا لیا تھا۔ سائنس دانوں کو نیا خیال سوجھا۔ اس مشاہدے نے ثابت کر دیا تھا کہ "مائیکرو گریویٹی" میں بیکٹیریا بہت تیزی سے پرورش پاتے ہیں۔

جب ناسا کی رپورٹ کارل بائر کی نظر سے گزری تو اس کا شیطانی ذہن فوراً وائرس کی طرف گیا۔ بیکٹیریا یوں ردِعمل پیش کرتے ہیں تو وائرس کیوں نہیں؟ اس وقت اس نے ایک "منصوبہ" بنایا اور شروع ہو گیا۔ منصوبے میں بہت وقت لگا۔ تاہم یہ مجبوری تھی۔ وہ اکیلا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اب ریڈ اس انسانیت سوز منصوبے کو آخری رنگ دینے جا رہا تھا۔ اور جو کچھ وہ مائیکرو اسکوپ میں دیکھ رہا تھا، اس

https://www.urdutubes.com/

مشاہدے نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں برفیلی سوئیاں بھر دیں۔ وائرس مزید دس گنا حجم بڑھا چکا تھا۔ ہلاکت خیزی بھی اسی حساب سے تھی۔ زمین پر اس سے بڑھ کر مہیب اور خوفناک ہتھیار دوسرا نہیں تھا۔ اسمال پاکس کا عام وائرس عمل پذیری کے لیے پانچ سے دس دن لیتا ہے۔ ریڈ جو کچھ دیکھ رہا تھا، اس کے بعد اس نے اندازہ لگایا کہ یہ دورانیہ گھٹ کر منٹوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ جس کا کوئی دفاع نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ غیر متاثر آبادی کو نئی ویکسین دی جائے۔ جس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بہ ظاہر وہ کارل بائر ویکسین پر کام کر رہا تھا۔

ریڈ کا آخری قدم بھیانک تھا۔ چند لمحوں کے لیے اس نے ہچکچاہٹ محسوس کی۔ تاہم یہ کیفیت جلد ہی ختم ہو گئی۔ اس نے مائیک میں کہا۔

''دوستو! میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں اور اب ڈنر ٹائم ہو گیا ہے۔''

''ہم کال کرنے والے تھے۔'' اسٹون کا جواب آیا۔ ''لذیذ کھانا تیار ہے۔''

ریڈ نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔ ''میرا انتظار کرو۔ سب افراد میس میں آجائیں۔''

''ہم منتظر ہیں۔''

ریڈ نے مائیک بند کر دیا، ائرپیس کھلا تھا۔ اسے اب بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف آوازیں سننی تھیں غیر انسانی آوازیں...... وہ اس کے لیے تیار تھا۔ اس کو دیکھنا تھا کہ خلا میں تیار کردہ عفریت کتنی تیزی سے کام کرتا ہے۔

وہ واپس بائیوریک پر آیا۔ اسمال پاکس کے تبدیل شدہ وائرس کا کچھ حصہ احتیاط سے ایک ٹیوب میں منتقل کیا اور اسے فریزر میں محفوظ کر دیا۔ پھر وہ تجربہ گاہ کے دوسرے حصے کی طرف گیا اور ایک لاکر کھولا...... جس میں ای ایم یو (EMU) سوٹ رکھا تھا۔ یہ سوٹ خلاباز، باہر خلا میں چہل قدمی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ دبیز لباس کو زیب تن کر کے ریڈ نے سر پر خاص ہیلمٹ لگایا۔ محفوظ ہو کر اس نے بائیوریک کا رخ کیا۔ اس نے اطمینان سے گلوباکس کی سیل توڑی...... اس سے قبل وہ ائرسپلائی کا پائپ مخصوص جگہ پر فکس کر چکا تھا۔ اس کے ذریعے وائرس شٹل کے تمام حصوں میں نفوذ کر سکتا تھا۔ گلوباکس کی ڈش میں موجود خوفناک حد تک جان لیوا مواد آزاد ہو گیا۔ وائرس، وائرس ہوتا ہے۔ حجم بڑھنے کے باوجود اس کے ذرات انسانی آنکھ سے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

☆☆☆

''میگان تم آرہی ہو؟'' کارٹر نے کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ وہ اور والس، میس میں تھے۔ ریڈ نے کو بھی آنا تھا۔

''ہاں۔ کیوں نہیں۔ میں پہنچ رہی ہوں۔''

اسی لمحے میس کے اندر ٹیم کے دونوں ممبرز کے ہیڈ سیٹ میں آواز آئی۔ ''ڈسکوری، دس از مشن کنٹرول۔ یہاں آلات لوئر ڈیک میں ائرلاک کی خرابی بتا رہے ہیں۔ کوئی چیک کر لے تو اچھا رہے گا۔''

''ٹھیک ہے، ہم سمجھ گئے۔''

میگان بھی سن چکی تھی۔ کارٹر نے میگان سے چیک کرنے کی درخواست کی۔ کیونکہ وہ میس سے باہر تھی اور خرابی سے قریب تھی جبکہ اسٹون، میس میں داخل ہو رہا تھا۔

''بھوک بہت لگ رہی ہے۔ خیر جاتی ہوں۔'' میگان نے جواب دیا۔ ائرلاک کی خراب دیکھنے کا مطلب تھا کہ ای ایم یو سوٹ پہن لے۔ اس کے بغیر وہاں جانا ناممکن تھا۔ لوئر ڈیک پر کارگو کے پیچھے ائرلاک تھا۔ میگان نے تیاری مکمل کی اور مڈ ڈیک سے لوئر ڈیک پر آگئی۔ ''وائرنگ کا مسئلہ ہے اور کچھ نہیں۔'' اس نے خود سے کہا۔

☆☆☆

''کارٹر، تھوڑا بہت شروع کرتے ہیں، ریڈ ابھی نہیں آیا۔'' والس نے کہا۔

کاک ٹیل کی طرف متوجہ ہوا۔ والس نے اورنج جوس سے آغاز کیا۔

''کہاں رہ گیا؟'' کارٹر نے اسٹون کی طرف دیکھا۔ ''ریڈ کہاں ہو؟'' اسٹون نے مائیک میں سوال کیا۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ اس وقت کارٹر کو کھانسی آگئی۔

''آہستہ کھاؤ۔'' اسٹون نے بروکولی کا ذائقہ چکھا۔ کارٹر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کھانسے جا رہا تھا۔

''شاید پھندا لگ گیا ہے۔'' والس اٹھا۔ اس نے کارٹر کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ کارٹر کا جسم لرز رہا تھا۔ معاً اس نے خون کی قے کی۔ خون نیچے جانے کے بجائے بے وزنی کی حالت میں تیرنے لگا۔

اسٹون اچھل پڑا۔ بے ساختہ اس کی چیخ نکل گئی۔ کچھ کہنے والا تھا لیکن کہنے کے بجائے اس نے اپنے مسلا۔ اسے لگا جیسے پورا جسم جل رہا ہے...... اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اس پر خون تھا......

اس وقت ٹیم کا چوتھا ممبر کیرول میس کے درواز

میں نظر آیا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ والس بھی دہشت کے عالم میں کارٹر اور اسٹون کو دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پیر پھینک رہے تھے...... جیسے تشنج کی کیفیت میں ہوں۔

''فلائٹ ڈیک چلو اور اسے سیل کر دو۔'' کیرول چلّایا۔

''لیکن......''

''گو...... و...... ناؤ۔''

''ڈسکوری...... ڈسکوری۔ کیا مسئلہ ہے؟'' گراؤنڈ کنٹرول کی آواز آئی اور کیرول کی آنکھ ناک سے جریانِ خون شروع ہو گیا۔

''ڈسکوری، ڈو یو کاپی...... ڈسکوری؟''

لوئر ڈیک پر میگان ائرلاک کے اندر تھی۔ اس نے چیخ پکار سنی اور ای ایم یو کے ٹرانسمٹ بٹن پر ہاتھ مارا۔

''اسٹون! کارٹر؟ والس؟''

کوئی جواب نہیں آیا۔ میگان، ائرلاک کے تاروں سے الجھ رہی تھی۔ اس نے خرابی کو نظرانداز کرتے ہوئے ڈور کھولنے کے لیے لیور کھینچا۔ دہشت نے اس کے ہاتھ پیر پھلا دیے۔ دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

ہیری لنڈن بھاگتا ہوا مشن کنٹرول کے ہال میں پہنچا۔ وہاں تمام ٹیکنیشن کنٹرول پر جھکے ڈسکوری کو پکار رہے تھے۔ لنڈن اپنی پوسٹ کی جانب لپکا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ جواب نہیں آرہا۔

''ویڈیو دکھاؤ۔'' وہ دہاڑا۔

''ممکن نہیں ہے سر۔ وہاں خرابی ہے۔''

''آڈیو!'' لنڈن نے ہیڈ سیٹ چڑھایا۔ حتی الامکان اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے وہ بولا۔

''ڈسکوری، میں مشن ڈائریکٹر بول رہا ہوں۔ جواب دو، پلیز۔ ڈسکوری۔ دس از مشن ڈائریکٹر...... جواب دو......''

''مشن کنٹرول، دس از ڈسکوری۔'' پھٹی پھٹی آواز آئی۔ ہیری لنڈن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''والس، تم ہو؟''

''یس سر۔''

''کیا ہو رہا ہے وہاں؟'' لنڈن منتظر تھا۔ دوسری جانب سکوت تھا۔

''کنٹرول...... ل......''

''ہاں۔ والس بولو۔ بتاؤ......''

''ہم سب...... سب مر رہے...... ہیں۔''

لنڈن کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

☆☆☆

ہیری لنڈن کو کام کرتے ہوئے تقریباً دو دہائی کا عرصہ گزر گیا تھا۔ جنوری 1986ء میں چیلنجر کا بدترین المیہ رونما ہوا۔ جب شٹل زمین سے اٹھنے کے بعد 73 سیکنڈ میں ہی پھٹ گئی تھی۔ ٹیم کے ساتوں ممبرز ہلاک ہو گئے تھے۔ اس وقت لنڈن مشن کنٹرول میں تھا۔ تمام مناظر اس کے حافظے پر نقش ہو گئے تھے۔ مشن کنٹرول کا ہر فرد رو رہا تھا۔ اس دن سے لنڈن ہمیشہ دعا کرتا رہا کہ اسے پھر کسی المیے کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

آج اسے پھر ایک المیے کا سامنا تھا۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے...... اس نے خود پر قابو پایا اور مائیک میں مختصر تقریر کی۔ لُبِ لباب تھا، کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہو سکتا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تقریر کے اختتام تک امید اور اعتماد نے گھبراہٹ کی جگہ لے لی تھی۔ کنٹرول روم کا عملہ اس کی ہدایات کے مطابق اپنے اپنے کام میں جت گیا۔

لنڈن کی پہلی کال پریذیڈنٹ کے سائنس ایڈوائزر رچ وارفیلڈ نے وصول کی۔ وارفیلڈ فوراً ہی صورتِ حال کی نزاکت کو سمجھ گیا۔ وارفیلڈ نے ایک درجن کے قریب سوالات کیے۔ آخر میں اس نے پوچھا۔ ''ارضی آبادی کو بچانے کے لیے شٹل کو خلا میں ہی تباہ کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

لنڈن کچھ دیر خاموش رہا پھر جواب دیا۔ ''ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن یہ حکم صرف پریذیڈنٹ جاری کر سکتے ہیں۔''

''آخری سوال...... آٹو پائلٹ کے ذریعے اسے زمین پر لایا جا سکتا ہے؟''

''یقیناً، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم ایسا چاہتے ہیں؟'' لنڈن نے سوال کے جواب میں سوال کیا۔

لنڈن کی دوسری کال سیفٹی رینج آفیسر کے لیے تھی پھر رچرڈسن اور انتھونی پرائس...... رچرڈسن، اسپیس سیکیورٹی ڈویژن کا کوآرڈی نیٹر بھی تھا۔ بعض شٹل مشن کی اصلیت خفیہ رکھی جاتی ہے۔ ایسے مشن این ایس اے، اسپانسر کرتی ہے۔ لہٰذا پرائس کو فون کرنا ضروری تھا۔ لنڈن کے پاس جو فہرست تھی، اس میں پرائس کا نام بھی شامل تھا۔ اگرچہ یہ مشن خفیہ نہیں تھا۔ اگلے دو گھنٹے اسی قسم کے رابطوں یا پھر مشن کنٹرول کو ہدایات جاری کرنے میں گزرے۔

https://www.urdutubes.com/

دفعتاً کسی نے آواز لگائی۔ ''ہیری، سرکٹ فوراً!''

لندن نے پکارنے والے کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ وہ فی الفور چینل فور پر آیا۔

''مشن کنٹرول دس از ڈسکوری۔ ڈُو یُو کاپی؟''

☆☆☆

ریڈ نے مشن کنٹرول سے ریڈیو رابطہ بند کر دیا تھا۔ صرف وہ خلا بازوں کی چیخ و پکار سن رہا تھا۔ جو منٹوں میں ناپید ہوگئی۔ دوسرے مرحلے میں اس نے رابطہ بحال کر کے مشن کنٹرول کو آواز دی۔

''دس از مشن ڈائریکٹر۔ حالات بتاؤ۔''

''لندن تم ہو؟''

''ہاں، میں ہوں۔''

''اوہ خدایا شکر ہے۔ لندن میں نے سوچا تھا کہ اب کبھی کسی انسان کی آواز نہیں سن سکوں گا۔''

''ریڈ اوپر وہاں کیا ہوا ہے؟''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تجربہ گاہ میں تھا۔ جو کچھ میں نے سنا، اُف...... وہ بھیانک تھا۔ ان کی چیخیں، یوں لگ رہا تھا کوئی ان کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ کمیونیکیشن بھی ڈاؤن ہو گیا...... میں خوف زدہ ہوں۔''

''پُرسکون رہو۔ خود کو سنبھالو۔ یہ بتاؤ تجربہ گاہ میں اور کون ہے؟''

''میں اکیلا ہوں۔''

''تم وہاں کسی ممبر سے بات کر سکتے ہو؟''

''نہیں، یہ ممکن نظر نہیں آرہا۔''

''ریڈ آخری پیغام والس کا تھا۔ ٹوٹے پھوٹے چند الفاظ۔ جس کے مطابق وہ سب مر رہے تھے۔ ہمارے اندازے کے مطابق کوئی بیکٹیریا یا وائرس آزاد ہو گیا ہے۔''

''تو...... و...... کیا کہہ رہے ہو۔ ہمارے تجربات میں ایسا کوئی مہلک وائرس وغیرہ شامل نہیں ہے۔''

''ریڈ، تم جا کر اُن کو دیکھو۔''

''نہیں ہیری، میں نے ان کی چیخیں سن کر ای ایم یو پہن لیا تھا لیکن یہاں سے نکلنے میں خطرہ ہے۔''

''ریڈ، ہم تمہیں بحفاظت واپس لے آئیں گے۔ میرا وعدہ ہے۔ تم ای ایم یو کے اندر رہو۔ تمہیں جا کر دیکھنا چاہیے۔ ہمیں تصاویر بھی چاہئیں۔ وڈیو فیڈ چیک کرنا۔''

''او کے ہیری۔ میں جاتا ہوں۔'' ریڈ نے دل میں کہا، آڈیو، وڈیو تو میرے کنٹرول میں ہے۔ وہ زیرِ لب مسکرایا۔

مڈ ڈیک پر کیرول، کارٹر اور اسٹون کی لاشیں دیکھ کر وہ لرز اٹھا۔ خوفناک، دل ہلا دینے والا منظر تھا۔ خون آلود لاشیں اِدھر اُدھر تیرتے ہوئے دیواروں سے، آلات سے ٹکرا رہی تھیں۔

ریڈ وہاں سے ہٹ کر مڈ ڈیک پر آگیا۔ جہاں والس کمانڈر چیئر میں بندھا ہوا تھا۔ وائرس نے ریڈ کی توقعات سے کہیں زیادہ سرعت اور ہلاکت کا مظاہرہ کیا تھا۔

''مش کنٹرول، دس از ڈسکوری۔''

بلاتوقف لندن کا جواب آیا۔ ''ہاں، ریڈ بتاؤ۔''

''سب ختم ہو گئے ہیں۔ میگان پتا نہیں کہاں ہے؟''

''ریڈ، مرنے والوں کی جسمانی حالت بتاؤ۔ بہت ضروری ہے۔''

ریڈ نے جو دیکھا تھا، بتا دیا۔

''میں لوئر ڈیک پر میگان کو ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، ہم منتظر ہیں۔''

☆☆☆

میگان کے ٹرانسمیشن سسٹم میں خلل تھا۔ تاہم اس نے ریڈ اور مشن کنٹرول کی بیشتر باتیں سن لی تھیں۔ غم و اندوہ کی لہر نے اسے نڈھال کر دیا۔ ساتھ ہی اسے اطمینان تھا کہ وہ ای ایم یو سوٹ میں [illegible]

میگان کے ذہن میں ان گنت سوالات بلبلوں کی طرح چکرا رہے تھے۔ ذہن ہٹا کر اس نے ائرلاک کے اُلجھے ہوئے تاروں کو دیکھا۔ ڈور پینل پر ہدایات کو پھر پڑھا۔ ایک بار پھر کوشش کی لیکن دروازہ برفانی سیل کے مانند جامد رہا۔

''آرام سے رہو، ریڈ آرہا ہے۔'' اس نے خود کو سمجھایا۔ اس نے مائیک کی طرف توجہ دی۔

''مشن ڈائریکٹر، لوئر ڈیک پر بھی کوئی نہیں ہے۔''

میگان نے ہیڈ سیٹ میں ریڈ کی آواز سنی۔ ''میں اسٹوریج کی طرف جا رہا ہوں۔''

میگان کو اندازہ تھا کہ آہنی دروازہ بیٹ کر وہ ریڈ کو متوجہ نہیں کر سکتی۔ مائیک کام نہیں کر رہا تھا۔ تاہم اس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دروازہ بجانے کی کوشش کی۔

''ائرلاک کو دیکھو، وہاں گڑبڑ تھی۔'' مشن کنٹرول نے کہا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' ریڈ نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس طرف نمودار ہوا جہاں میگان پھنسی ہوئی تھی۔

پورٹ ہول کی دوسری جانب اسے میگان کا چہرہ دکھائی دیا۔ میگان کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ ریڈ نے کمیونیکیشن کا انٹرکام موڈ تبدیل کیا اور کہا۔

''میگان تم سن رہی ہو؟''

میگان نے سر ہلا کر جواب دیا۔

''کیا تمہارا ٹرانسمیٹر ڈاؤن ہے؟''

میگان نے پھر سر ہلایا۔

''سمجھ گیا۔ بہرحال کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

میگان کی آنکھوں میں اُلجھن نظر آئی۔

''تم نہیں سمجھیں؟'' وہ بولا۔ ''تم کیسے سمجھ سکتی ہو؟ مختصر یہ کہ میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔''

میگان کا اپنی سماعت پر سے اعتبار اٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں غیر یقینی اور خوف کا عنصر ابل پڑا۔

ریڈ اسے اپنے کارنامے کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ تھی۔ میگان کو یوں لگا جیسے ائرلاک کی دوسری جانب ایک انسان نہیں کوئی ''ایلین'' موجود ہے۔ انسانوں کی دشمن کوئی خلائی مخلوق۔

''ناسا، آٹو پائلٹ کے ذریعے شٹل اتار لے گی۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ وہ اسے تباہ نہیں کریں گے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''ناسا کو یہ پتا ہے کہ مجھے بحفاظت نکالنا ہے اور اس کے بعد...... تم [illegible] میں [illegible] کے ساتھ کام کر رہی ہو۔ اتنا حق تو تمہارا بنتا ہے۔'' اس نے سرد آواز میں کہا۔ ''اور ہاں میں تمہیں کبھی بھلا نہیں سکوں گا۔''

ریڈ نے فریکوئنسی بدل کر مشن ڈائریکٹر سے رابطہ کیا۔

''مشن ڈائریکٹر، دس از ریڈ۔''

''کاپی، ریڈ۔''

''ہم...... میگان مل گئی ہے۔'' اس نے لرزاں آواز میں کہا۔ ''دوسروں کے مانند وہ بھی ختم ہو چکی ہے۔''

میگان پھٹی پھٹی آنکھوں سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ریڈ کی نئی اطلاع پر مشن کنٹرول میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھائی رہی۔

''مجھے افسوس ہے، ریڈ۔ کیا تم فلائٹ ڈیک پر آؤ گے؟''

''او کے...... کیا تم نے ''بلیک بک'' کھولی ہے؟''

''ہاں، کیا بات ہے؟''

''اس میں ایک نام ہوگا، ڈاکٹر کارل بائر۔ اگر یہ جراثیم یا وائرس کا معاملہ ہے تو اس سے نمٹنے کے لیے کارل بائر سے بہتر دوسرا آدمی نہیں ہے۔'' ریڈ نے کہا۔

''سمجھ گیا، ہم ڈاکٹر بائر کو لینڈنگ سائٹ پر تیار رکھیں گے...... اور تمہیں صحیح سلامت نکال لیں گے۔''

''راجر، مشن ڈائریکٹر۔''

☆☆☆

ماسکو میں آدھی رات کا وقت تھا۔ تاہم بے ڈیجیٹل کارپوریشن کے دفاتر میں روشنی تھی۔ کانفرنس روم میں رینڈی رسل نے کافی کا چوتھا کپ ختم کیا۔ وہ متواتر ساشا کی مصروفیت کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ نابغہ روزگار ساشا، لارا کے لیپ ٹاپ سے الجھا ہوا تھا۔ لیپ ٹاپ، اسمتھ نے روس چھوڑنے سے قبل رینڈی کو دیا تھا۔

ساشا توانائی کی سطح برقرار رکھنے کے لیے گھنٹے میں ایک آدھ بار کوک اور بسکٹ لے رہا تھا۔ تین مرتبہ رینڈی نے مشورہ دیا کہ بریک لے لیتے ہیں یا کل دیکھ لیں گے۔ تاہم وہ بھی ایک ضدی تھا۔ ہر مرتبہ اس نے رینڈی کا مشورہ رد کر دیا۔

''میں قریب پہنچ رہا ہوں۔'' وہ بڑبڑایا۔

رینڈی جان گئی تھی کہ الیکٹرانک کی دنیا میں کھونے کے بعد ساشا کے لیے وقت بے معنی ہو کر رہ جاتا تھا۔ رینڈی نے اکتا کر آخری مشورہ تنبیہ کے انداز میں دیا۔ ساشا نے ہاتھ اٹھایا۔ دوسرا ہاتھ کی بورڈ پر تھا۔

''چند منٹ...... اور......''

''یہ دیکھو!'' اس نے فخریہ انداز میں کہا اور انگلیاں چٹخائیں۔ رینڈی کو اپنی بصارت پر شک ہوا۔ بڑا مانیٹر جو چھ سات گھنٹے سے نہ سمجھ آنے والے کیڑے مکوڑوں جیسے کوڈز سے بھرا ہوا تھا۔ اچانک ای۔ میلو کی لڑی میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔

''ساشا، کیسے...... میں نہیں سمجھ سکی؟'' رینڈی اظہارِ حیرت کیے بغیر نہ رہ سکی۔

ساشا کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ''یہ کمپیوٹر جس کے زیرِ استعمال تھا، وہ ''کارنی وور'' سے رابطے میں تھا۔ ایف بی آئی کے تازہ ترین کوڈڈ پروگرام کا نام ''کارنی وور'' ہے۔ جو خلا سے متعلق ہے...... میں نہیں سمجھتا کہ امریکا سے باہر کسی اور کو اس کی خبر ہونی چاہیے یا خبر ہے......''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' رینڈی نے گویا سرگوشی کی۔ اس کی نظریں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہ کینڈرا کومپیکٹ کس بلا کا نام ہے؟''

☆☆☆

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

اسمتھ، تھسڈا کی اسٹڈی میں کلین کی دی ہوئی فائلیں کھولے بیٹھا تھا۔ ٹریوس نکولس اور پیٹرک ڈریک دونوں امریکی فوج میں سارجنٹ تھے۔ دونوں کا تعلق ٹیکساس سے تھا۔ دونوں صومالیہ، خلیج اور نائیجیریا کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ اسمتھ کی دلچسپی ان کی فٹنس رپورٹ پر مرکوز ہوگئی۔ رپورٹس، بیننگ (جارجیا) کے ایڈوانس وار فیئر اسکول کی تھیں۔ دونوں اپنی کلاس میں اول، دوم آئے تھے۔ انتہائی سخت جان افراد یہاں کے دشوار مراحل سے گزر پاتے تھے۔ حیران کن امر یہ تھا کہ دونوں غائب شدہ تھے۔ گزشتہ پانچ برسوں میں ایسا ہوتا رہا تھا اور مختلف وجوہات کی بنا پر غائب شدہ فوجیوں کی تلاش میں سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا۔ ان میں بیشتر دنیا بھر کے مختلف خطوں میں پھیلی ہوئی لڑائیوں میں مشغول رہے تھے لیکن نکولس اور ڈریک، پیٹر ہاول کے مطابق سسلی میں تھے۔ ڈریک، پیٹر کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ نکولس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ صرف ایک فون نمبر تھا۔ جو پیٹر نے مجروح نکولس سے حاصل کیا تھا۔

اگلے ایک گھنٹے تک اسمتھ منصوبہ بندی کرتا رہا اور ایک کے بعد دوسرا منصوبہ رد کرتا رہا۔ غلطی کی گنجائش نہیں تھی۔ بظاہر فون نمبر کا وجود نہیں تھا۔ نہ ہی اسمتھ یہ جانتا تھا کہ اگر اٹھایا گیا تو کون اٹھائے گا۔ اسمتھ کا بولا ہوا ہر لفظ اور ایکشن میں اس کی زندگی کے لیے خطرہ پوشیدہ تھا۔ وہ غور وفکر میں ڈوبا ہوا تھا...... دفعتاً فون کی گھنٹی نے اسے خیالات کی دنیا سے باہر نکال لیا۔ وہ رینڈی کا فون تھا۔

''رینڈی، وہاں کیا وقت ہو رہا ہے؟'' اسمتھ چونکا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ ساشا نے لارا کے لیپ ٹاپ کا راز کھول دیا ہے۔''

رینڈی کی آواز میں کچھ تھا۔ ''ٹھیک ہے رینڈی...... بتاؤ کیا نکلا ہے۔'' وہ دوسری طرف سے رینڈی کی وضاحت سنتا رہا۔ کینڈرا کومپیکٹ کے نام پر وہ الجھن میں پڑ گیا۔

''میں نہیں جانتا، یہ کس چیز کا نام ہے...... بہرحال تمام ای میلز وغیرہ مجھے بھیج دو۔''

''اور سیل فون؟''

''کوئی کام کی بات ہے؟''

''روسی ملٹری کے نمبرز ہیں۔'' رینڈی نے جواب دیا۔

''روانہ کردو۔''

''مجھے آگاہ کرتے رہنا...... آخر کیا ہو رہا ہے؟''

''ہاں، لیکن ابھی نہیں...... یہاں حالات تیزی سے کروٹ بدل رہے ہیں۔''

''او کے، میں بھیجتی ہوں۔''

پنگ کی آواز پر اسمتھ اپنے کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوا...... وہ رینڈی کی بھیجی ہوئی ای میلز کھنگالنے میں مشغول ہوگیا۔ بھیجنے والے کا کوڈ نیم اسفنکس اور وصول کرنے والے کا میفسٹو تھا۔ وہ یہی سمجھ پایا کہ پیغامات کے تبادلے کا تعلق کینڈرا کومپیکٹ سے ہے، نیز اسفنکس، لارا ٹیلون کا کوڈ نیم ہے۔ وہ دو سال سے ''میفسٹو'' سے رابطے میں تھی۔ وہ اس کو بائیو پرٹ سے متعلق معلومات فراہم کرتی رہی تھی۔ آخری چند ای میلز میں یوری ڈانکو اور آئیون بریا کا ذکر ان کے اصل نام کے ساتھ کیا گیا تھا۔

''میفسٹو کون ہے؟'' یہ سوال بار بار اسمتھ کے ذہن میں سر اٹھا رہا تھا۔ اس کا تمام ارتکاز اسکرین کی جانب تھا۔ وہ اچانک رک کر پیچھے کی جانب گیا اور مبارک باد کے نوٹ پر رک گیا۔ نوٹ کے مطابق ''میفسٹو'' تعریفی سند وصول کر رہا تھا۔ اسمتھ نے مبارک باد کی ای میل اور تاریخ پڑھی پھر......

''یو ایس ایمرڈ'' کا کوڈ استعمال کرکے پینٹا گون کی سائٹ پر جا دھمکا۔ گیارہ نومبر کی تاریخ تھی۔ تقریباً کی تصاویر اسکرین پر نمودار...... ہاتھ میں تعریفی سند تھی...... اس کے ساتھ ایک ...... تھا۔ اسمتھ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔

☆☆☆

''کیا تمہیں پورا یقین ہے؟'' کلین نے سوال کیا۔

''قطعی جناب۔'' اسمتھ نے جواب دیا۔ ''ای میل پر جو تاریخ تھی...... ویسی ایک ہی تقریب ہوئی ہے جہاں ایک ہی سند ایوارڈ کی گئی تھی۔ جنرل فریک رچرڈسن کو...... کوئی غلطی نہیں ہے۔''

''ہم آگے بڑھ رہے ہیں، جان۔'' کلین کی آواز میں دبا دبا جوش تھا۔ ''یہ ایک نیا موڑ ہے جو تمہیں اپنی راہِ عمل متعین کرنے میں آسانی فراہم کرے گا۔'' کلین کی آواز آئی۔

نیا منصوبہ بنانے میں اسمتھ نے دو گھنٹے صرف کیے اور تفصیلات کلین کے گوش گزار کردیں۔

''اس میں خطرہ بہت زیادہ ہے، جان۔ میرے خیال میں تمہیں تنِ تنہا اس آگ میں نہیں کودنا چاہیے۔''

''یقین کریں، سر...... اگر پیٹر ہوتا تو میں اسے ساتھ

رکھتا۔ لیکن وقت کم ہے اور یورپ میں اس کی ضرورت ہے۔''

''تمہیں کتنا وقت درکار ہے؟''

''جن جزئیات کا میں نے ذکر کیا ہے، آپ تیار رکھیں تو میں اپنا کام شروع کرتا ہوں۔'' اسمتھ نے جواب دیا۔

''میری طرف سے او کے سمجھو...... لیکن تمہیں ایک ٹرانسمیٹر پوشیدہ رکھنا چاہیے۔''

اسمتھ نے فون پر ہامی بھری۔ ''اگر کچھ غلط ہوا تو آپ کے علم میں ہوگا کہ میں کتنے فاصلے پر ہوں۔''

بعدازاں رابطہ منقطع ہوگیا۔ اسمتھ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ننھا فائبر آپٹک ٹرانسمیٹر نکالا۔ اسے گھورتے ہوئے اس کے خیالات بھٹکنے لگے۔ تصور میں یوری ڈانکو نظر آیا، اس کی بیوہ کا خیال آیا۔ وہ تمام افراد جو اَب تک کینڈرا کومپیکٹ کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھ چکے تھے اور آگے یہ راہِ اجل کہاں تک جائے گی یا وہ اس زہریلی سازش کو ختم کرنے میں کامیاب ہوجائے گا؟

اس نے ایک گہری سانس لی اور پیٹر کا دیا ہوا نمبر ملایا۔ نمبر کون، کہاں سے ملا رہا ہے، یہ کھوجنا ناممکن تھا۔ دوسری جانب گھنٹی بجنا شروع ہوئی۔ اسمتھ نے ہلکا سا تناؤ محسوس کیا۔

کچھ دیر بعد ایک غیر انسانی آواز ابھری۔ آواز الیکٹرونک ڈیوائس سے گزر کر آرہی تھی۔ صرف ایک لفظ......

''یس؟''

''میں...... ڈریک، زخمی ہوں...... واپس آگیا ہوں...... اندر آنا چاہتا ہوں۔''

☆☆☆

رچرڈسن نے فی الفور سگار بجھا دیا۔

''پھر کہو۔''

ٹوٹی پھوٹی آواز آئی۔ ''...... ڈریک...... زخمی...... اندر آرہا ہوں۔''

''سیف ہاؤس، الفا میں جاؤ۔ دہراتا ہوں سیف ہاؤس الفا۔ کاپی؟''

''کاپی!'' رابطہ منقطع ہوگیا۔

رچرڈسن بند فون کو گھورتا رہا۔ دفتر میں سکوت گہرا ہوتا گیا۔ بس دیوار گیر گھڑی کی ٹک ٹک......

ڈریک...... زخمی...... ناممکن......

رچرڈسن نے منجھے ہوئے کمانڈر کے مانند فیصلہ کیا۔ پہلی مختصر کال بیرک میں کی۔ دوسری کال NSA کے ڈپٹی ڈائریکٹر انتھونی پرائس کو۔ وہ دونوں افراد کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس دوران اس نے جدید ریکارڈنگ آلات کی مدد سے آنے والی کال پھر سنی۔ آواز انسانی تھی لیکن کافی بگڑی ہوئی...... ڈریک زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ سیف ہاؤس الفا تک پہنچ جائے گا۔ لیکن...... لیکن وہ تو مردہ ہے۔

کچھ دیر بعد دونوں افراد اس کے دفتر پہنچ چکے تھے۔ پرائس کے ساتھ دوسرا آدمی ایک مضبوط جسم والا فوجی تھا۔

''گڈ ایوننگ جنرل۔'' ٹریور نکولس نے سیلیوٹ کیا۔

''ڈرنک لو، سارجنٹ...... تمہیں ضرورت ہے۔''

جنرل نے بار کی جانب اشارہ کیا اور پرائس سے ہاتھ ملایا۔ پرائس نے نکولس کی جانب دیکھا۔ اس کا ایک ابرو سوالیہ انداز میں پیشانی پر چڑھ گیا۔ جواب میں رچرڈسن نے ریکارڈر کا بٹن دبایا۔ وہ دونوں افراد کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ نکولس کے چہرے پر شدید حیرت تھی اور پرائس کے تاثرات میں تشویش۔

''ڈریک کیونکر کال کرسکتا ہے؟'' پرائس نے مطالبہ کیا۔ ''کیا وہ زندہ ہے؟''

''سر، ڈریک کو میں نے اپنی آنکھوں سے مرتے دیکھا ہے۔ چھرے کا وار جان لیوا تھا۔'' نکولس نے جنرل کو دیکھا۔

''کیا تم آخری سانس تک اس کے پاس رہے تھے؟'' پرائس غرایا۔

''پرائس بس کرو۔'' رچرڈسن نے مداخلت کی۔ ''سارجنٹ میں نے تمہاری رپورٹ پڑھی تھی لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم خود مسٹر پرائس کو جزئیات بتاؤ۔''

''یس سر۔'' نکولس، پرائس کی طرف متوجہ ہوا۔

پرائس نے اس کی کہانی سنی۔ چند ایک سوالات کیے اور سوچ میں پڑ گیا۔

''نکولس نے احکامات کے مطابق ایکشن لیا۔'' رچرڈسن بولا۔ ''سوال یہ ہے کہ ڈریک کی جگہ کس نے لی ہے؟''

''پیٹر ہاول کے سوا کون ہوسکتا ہے۔'' پرائس نے جواب دیا۔

رچرڈسن نے نکولس کو دیکھا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' سارجنٹ نے اتفاق کیا۔ ''لیکن ایک بات مشکوک ہے...... اس نے سیف

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

https://www.urdutubes.com/

ہاؤس الفا کے بارے میں کیوں نہیں معلوم کیا؟"

"پھر؟"

"وہ اور اسمتھ ساتھ کام کرتے رہے ہیں...... لگتا ہے اس نے اطلاع اسمتھ تک پہنچائی...... کال اسمتھ نے کی ہو گی۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" رچرڈسن نے سر ہلایا۔

"اسمتھ......" پرائس نے دانت پیسے۔ "رچرڈ تم ایک بار ہمیشہ کے لیے اسمتھ کا مسئلہ ختم کیوں نہیں کر دیتے۔"

"ہاں۔" رچرڈسن کے جبڑے بھنچ گئے۔ "نکولس تم سیف ہاؤس پہنچو۔"

☆☆☆

اسمتھ، جوتوں سے لے کر ٹوپی تک تمام تر سیاہ لباس میں تھا۔ جھسڈا سے نکل کر وہ روانہ ہوا تو متواتر عقب میں نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ گاڑی نے پوٹومیک کراس کیا اور فیئر فیکس کاؤنٹی، ورجینیا میں داخل ہو گئی۔ رات کے اس پہر ٹریفک کم تھا۔ وہ تیز رفتاری سے سیف ہاؤس الفا کی طرف رواں تھا۔ تین چوتھائی میل کے فاصلے پر اس نے گاڑی درختوں کے جھنڈ میں روک دی۔ پشت پر موجود بیگ کو شانوں کی جانب سے ٹھیک کیا اور جاگنگ شروع کر دی۔

"الفا" سے کچھ دور آڑ میں رک کر اس نے جائزہ لیا۔ آہنی باڑ کی بالائی سطح تیز دھار اور نکیلی تھی۔ گیٹ پر موجود تالا وزنی اور زنگ سے پاک تھا۔ تالے کے علاوہ گیٹ کے دونوں حصوں کے درمیان تالے کے قریب موٹی زنجیر بھی لپٹی ہوئی تھی۔ لیمپ روشن تھے...... پارکنگ سنسان تھی۔

"زیرِاستعمال ہے لیکن استعمال میں نہیں۔" اسمتھ بڑبڑایا۔

اسمتھ کا واسطہ اس قسم کے مقامات اور عمارتوں سے پڑتا رہا تھا۔ اس نے احتیاط سے فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے عمارت کا چکر مکمل کیا۔ اس نے ایک جگہ منتخب کر لی جہاں باڑ دریا کے کنارے کو چھوتی تھی۔ وہ چکنی پہاڑی نما چٹانوں پر چڑھا اور جست لگا کر باڑ پار کر لی۔ کچھ دیر وہ پُرنم زمین کے ساتھ چپکا رہا۔ پھر اٹھ کر دوڑ لگائی اور ویران پارکنگ سے گزر کر دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ وہ بصارت سے زیادہ سماعت پر زور دے رہا تھا۔ حشرات الارض کی مدھم آوازوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ تاہم اس کی چھٹی حس اعلان کر رہی تھی کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اس کی مختصر کال نے مکڑجال کو مرتعش ضرور کیا تھا لیکن مکڑا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسمتھ نے دیوار کے ساتھ لگے لگے حرکت شروع کی۔

☆☆☆

تین منزل اوپر ٹریور نکولس، نائٹ ویژن کے ذریعے اسمتھ کے سائے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسمتھ کو باڑ پھلانگتے وقت ہی پکڑ لیا تھا۔ وہی منطقی گزرگاہ تھی۔ فوجی، فوجی کی ذہنیت سے واقف تھا۔ نکولس ہیلی کاپٹر کے ذریعے آیا تھا اور اسمتھ کے آنے سے کافی پہلے پہنچ گیا تھا۔ اس نے سیف ہاؤس کا اندر باہر سے خوب جائزہ لے کر اپنی حکمت عملی مرتب کی اور اسمتھ کا انتظار کرنے لگا۔

اسمتھ کے پہنچنے پر اس نے تاریک کھڑکی چھوڑ دی۔ کنکریٹ کے گرد آلود فرش پر کریپ سول شوز کسی قسم کی آہٹ پیدا نہیں کر رہے تھے۔ سیڑھیوں پر آ کر اس نے سائیلنسر لگا کولٹ ووڈس مین ہاتھ میں لے لیا۔ اعشاریہ بائیس کا خاموش کولٹ قاتل کا ہتھیار تھا۔ نکولس، اسمتھ کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ گولی کھاتے وقت وہ اسمتھ کے تاثرات دیکھنے کا خواہشمند تھا۔ اس کی آنکھوں میں موت کی دہشت دیکھ کر اسے خوشی ہوتی۔ پیٹر کے ہاتھوں ڈریک کی موت اسمتھ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ اپنے ساتھی کے ساتھ وہ پیٹر کو قتل کرنے گیا تھا [illegible] موقع دیا تھا۔ اس کے بجائے نکولس سوچ رہا تھا کہ پہلی گولی وہ اسمتھ کے پیٹ میں مارے گا۔ جیسے ڈریک نے پیٹر کے ہاتھوں پیٹ میں زخم کھایا تھا۔

دو منزل نیچے آ کر وہ لینڈنگ پر رک گیا۔ پھر گراؤنڈ فلور پر آ کر پھر تھم گیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہاں موجود دروازوں میں سے صرف ایک دروازہ بظاہر بند تھا۔ باہر سے اسے کھولنے کے لیے اسمتھ کو کچھ نہیں کرنا تھا۔ گراؤنڈ فلور کے ستونوں کی آڑ لیتا ہوا نکولس مخصوص دروازے کے قریب گیا۔ وہ اور اس کا ہتھیار دونوں پوری طرح تیار تھے۔

☆☆☆

اسمتھ ایک کے علاوہ تمام دروازوں کو آزما چکا تھا۔ بچے ہوئے اکلوتے دروازے کو گھور رہا تھا۔ اس اندازے کے مطابق فرضی ڈریک کو اسی دروازے سے گزرنا تھا۔ اسمتھ نہیں جانتا تھا کہ اس نے فون پر کس سے بات کی تھی۔ اندر کون اس کا یا مردہ ڈریک کا منتظر تھا...... ایک تھا یا اندر ایک سے زائد افراد تھے۔ کیا اسمتھ کو اکیلے جانا چاہیے تھا؟

اس نے سر جھٹکا اور پشت سے بیگ اتار کر کھولا

بیگ سے ربر کی گیند نما شے نکالی...... ساتھ ہی ہولسٹر سے "بگ ساور" نکال لیا۔ ایک ہاتھ میں بیگ اور گیند نما شے تھی، دوسرے ہاتھ میں گن...... اسمتھ نے پیر سے دروازے کے زیریں حصے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھلا تھا۔ اس نے پیر کا دباؤ بڑھایا۔ دروازہ کھلا...... اسمتھ نے ایک قدم اندر رکھا۔ دفعتاً کوئی شے اس کے سینے سے ٹکرائی۔ تصادم شدید تھا۔ وہ لڑکھڑایا بیگ ہاتھ کی گرفت سے نکل گیا۔ دوسرے تصادم پر وہ چکرا کر دیوار سے جا لگا۔ سینے میں چنگاریاں بھر گئیں۔ اس نے کھڑے رہنے کی کوشش کی لیکن گھٹنے مڑ گئے۔ دیوار کے ساتھ پھسلتے ہوئے اس نے ایک سایہ دیکھا جو ستون کی آڑ سے نکل رہا تھا۔ اسمتھ کے ہاتھ میں موجود گیند، اسٹن گرینیڈ تھا۔ انگوٹھے سے پن ہٹا کر اس نے کمزور تھرد کی۔ بگ ساور اس موقع پر استعمال کرنا حماقت تھی۔ وہ ٹھیک نشانہ لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ گیند اچھال کر اس نے آنکھیں بند کیں، کانوں پر ہاتھ رکھے اور دیوار کے ساتھ زمین سے چپک گیا۔

نکولس پُراعتماد شکاری کے مانند اسمتھ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نشانے پر دو گولیاں کافی سے زیادہ تھیں۔ اس کی سوچ میں رخنہ اس وقت پڑا، جب اس نے گیند نما شے اچھلتے دیکھی۔ جبلت اور تربیت کے باعث اس نے تیز ردِعمل پیش کیا۔ تاہم آنکھیں بند کرنے میں اسے ایک ساعت کی تاخیر ہو گئی۔ اسٹن گرینیڈ کسی سُپرنووا کے مانند پھٹا۔ بے پناہ روشنی نے نکولس کو اندھا کر دیا۔ آواز کی ان دیکھی لہر کے تصادم نے اسے زمین بوس کر دیا۔

نکولس جوان اور فٹ تھا۔ تربیت یافتہ تھا۔ آنکھیں کھولتے وقت وہ ہراساں نہیں تھا۔ اگرچہ کچھ دیکھنے سے قاصر تھا۔ نگاہ کے سامنے سفید چادر تنی ہوئی تھی۔ گن اس کے ہاتھ میں تھی۔ چند سیکنڈ بعد بینائی واپس آئی۔ تاہم اس نے فوراً اٹھنے سے پرہیز کیا۔ وہ اس بات سے آگاہ تھا کہ وہ اسمتھ کے سینے میں دو گولیاں اتار چکا ہے۔ اسے تھوڑا انتظار کرنا تھا۔

اچانک دور کہیں سائرن کی چیخ ابھرنا شروع ہوئی۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ نظر پوری طرح صاف نہیں تھی۔ تاہم وہ کھڑکیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ تاریکی میں درختوں کے درمیان دو سرخ دھبے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔

"لعنت ہے۔" اسمتھ اکیلا نہیں تھا۔ کس کو لایا ہے؟ کتنے افراد ہیں؟ وہ پلٹا۔ نگاہ صاف ہو چکی تھی۔ وہ اس طرف

شکستِ پا

زندگی کے نشیب و فراز میں انسان جانے کتنے محاذوں سے لڑتا ہے...... وہ بھی اپنوں کے درمیان منافقتوں اور مصلحتوں میں الجھا لڑتا رہا......
آخری صفحات پر **اسما قادری** کے خیالات کی پرواز

ہنگامہ زن

ماضی کے پوشیدہ گوشوں...... اور بند دریچوں میں پنہاں راز و نیاز...... تاریخی صفحات پر **الیاس سیتاپوری** کے قلم سے

رنگِ آسماں

زہریلے سانپوں اور گہری چالوں پر مشتمل خوفناک اور عبرت ناک واقعات کا سنگم...... **اے آر راجپوت** کا سحر انگیز انداز

وقت

خوشگوار مستقبل کی آس اور کربناک ماضی کی بھول بھلیوں میں گم شدہ لمحات کا احاطہ کرتے وقت کی مکاریاں۔ **حسام بٹ** کے قلم کا جادو

اور
مرزا امجد بیگ کا دبنگ انداز

اس کے علاوہ
تنویر ریاض، ماہ رخ ارباب، شاہ زین رضوان، اعتزاز سلیم وصلی، فہمی فردوس، منظر امام اور آصفہ ضیا احمد کی خوبصورت کہانیاں

Digitized by Google

بھاگا جہاں اسمتھ گرا تھا...... اسمتھ غائب تھا۔ سائرن کی آواز واضح ہو گئی تھی۔ اسمتھ کا بیگ وہیں پڑا تھا۔ نکولس نے بیگ اٹھایا اور بھاگتا ہوا عقبی دروازے سے نکل گیا۔ اسے خطرے سے دور ہونے میں دیر نہیں لگی تھی۔ دو عدد سیڈان گاڑیاں قریب پہنچ چکی تھیں۔

آنے دو...... انہیں لاش کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ نکولس نے سوچا۔

☆☆☆

میگان چینل کے ڈھیلے لٹکتے ہوئے تاروں کو گھور رہی تھی۔ مایوسانہ خیالات کو دور دھکیلنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔ اس نے تاروں کے ساتھ مختلف ڑمیٹلو کے کمبی نیشنز آزمائے تھے۔ ہر مرتبہ ناکامی کے بعد اس کا ذہن اُلجھ گیا تھا۔ شٹل کا ائرلاک ڈور مضبوطی سے اپنی جگہ پر موجود تھا۔ ایک چیز رہ گئی تھی، اس کا نائیک...... تاہم ابھی وہ اسے آزمانا نہیں چاہتی تھی۔

"پُرسکون رہو۔" اس نے خود کو ہدایت دی۔ "یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا...... تمہیں صرف تلاش کرنا ہے۔"

یہ امر پاگل کر دینے کے لیے کافی تھا کہ لاکڈ ڈور کے دوسری جانب محض چند فٹ دور ریڈ موجود تھا۔ جو ایمرجنسی لیور کے ذریعے دروازہ کھول سکتا تھا لیکن اس نے دوسروں کے مانند میگان کو بھی مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ میگان نے سرتوڑ کوشش کی تھی۔ اس کی ناکامیوں سے پیدا ہونے والی مایوسی میں دہشت کا عنصر ریڈ کی وجہ سے شامل ہو رہا تھا جو میگان کے زندہ وجود سے بے نیاز کئی گھنٹوں سے گراؤنڈ کنٹرول پر ہیری لنڈن سے رابطے میں تھا۔ وہ ہیری کو مرنے والوں کے بارے میں تفصیل سے بتاتا رہا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ جیسے کسی ہارر فلم کی منظرکشی کے بارے میں بتا رہا ہو۔ میگان کے لیے ریڈ کی شخصیت کا یہ رخ قطعی اجنبی اور بھیانک تھا...... غیر انسانی...... وہ انسان نہیں، خونی درندہ تھا۔ وہ عرصے تک اس درندے کے ساتھ کام کرتی رہی اور غافل رہی......

لیکن وہ اسمال پاکس، ڈسکوری پر کیسے لایا؟ کلین نے بتایا تھا کہ ٹریلورکس طرح بائیو پرٹ سے اسمال پاکس امریکا لایا۔ لیکن وہ تو واشنگٹن پہنچتے ہی مارا گیا تھا۔ اسمال پاکس کا نمونہ لانچنگ سائٹ پر کیسے پہنچا؟ پھر میگان کو وہ رات یاد آئی جب رات کی تاریکی میں ریڈ کسی اجنبی سے ملا تھا۔ اجنبی نے کوئی شے ریڈ کے حوالے کی تھی...... اس کے سوا اور کوئی توجیہہ پیش نہیں کی جا سکتی تھی۔ مدار میں پہنچنے کے بعد ریڈ نے اسمال پاکس، بائیو فریزر میں منتقل کر دی ہوگی...... خلائی تجربہ گاہ میں پہلا تجربہ میگان کو کرنا تھا۔ وہ پیغام کہاں سے آیا تھا، جس کی وضاحت کہیں سے نہیں ہوئی اور اسے اتفاق پر محمول کیا گیا...... لیکن پیغام کے مطابق ریڈ نے میگان کی جگہ لے لی۔ میگان وہ معما حل نہ کر سکی۔ ریڈ نے کسی کو زیادہ سوالات کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ کسی کو خبر نہ ہوئی کہ وہ خلائی تجربہ گاہ میں اسمال پاکس پر تجربہ کر رہا تھا۔ میگان نے دہشت ناک حقیقت کو قبول کر لیا تھا۔ ریڈ کے نزدیک وہ مردہ تھی۔ ریڈ کی کمنٹری کے مطابق ڈسکوری میں صرف ریڈ ہی زندہ بچا تھا۔

میگان نے ایک بار پھر وائرنگ چینل کی طرف توجہ مرکوز کر دی۔ زمین پر گراؤنڈ کنٹرول سے ریڈ نے جو باتیں کی تھیں۔ وہ میگان اپنے ہیڈ سیٹ میں سنتی رہی تھی۔ تاہم ریڈ کو پروا نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ میگان کا بچنا ناممکن ہے...... ہیری لنڈن شٹل کی واپسی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کچھ کرنے کے لیے میگان کے پاس کافی وقت تھا۔ وہ جہاں پھنس گئی تھی وہاں سے نکلنا ضروری تھا۔ اس کے بعد ہی وہ لوئر بے کے کمیونیکیشن یونٹ تک پہنچ سکتی تھی لیکن اگر وہ تاروں کی پیچیدگی میں ہی اُلجھی رہتی تو قیمتی وقت کا ضیاع تھا۔ اگر وہ چینل پر توانائی ضائع نہ کرتی [illegible] کھول سکتی تھی۔ لیکن اس میں خطرہ تھا۔ دروازہ کھلنے پر اس کے بچنے کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔

☆☆☆

اسمتھ لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ جیکٹ اتار کر اس نے دہری بلٹ پروف کے فیتے ڈھیلے کیے۔ بلٹ پروف، نوایم ایم تک کسی بھی گولی کو روکنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس کے باوجود نکولس کی اعشاریہ بائیس کی گولیوں کے دھکے ایسے تھے جیسے کوئی سانڈ سینے سے ٹکرایا ہو......

اپنی کار میں پہنچ کر اسمتھ نے پوزیشن بتانے والا گلوبل سسٹم آن کیا۔ فوراً ہی اسکرین پر فیئرفیکس کاؤنٹی کے نقشے کے ساتھ نیلا نکتہ حرکت کرتا نظر آیا۔ اسمتھ نے کلین سے رابطہ کیا۔

"سر، اسمتھ بول رہا ہوں۔"

"جان، تم ٹھیک ہو؟ مجھے دھماکے کی رپورٹ ملی ہے۔"

"مجھے گرینیڈ استعمال کرنا پڑا تھا۔"

"کہاں ہو تم؟"

"الفا" سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ مچھلی نے کانٹا نگل لیا ہے...... ٹارگٹ حرکت میں ہے۔" اسمتھ نے اسکرین پر نیلے نکتے پر نظر ڈالی۔ "آپ کے آدمی ٹھیک وقت پر پہنچے تھے۔"

"ویری گڈ۔"

☆☆☆

درختوں کے درمیان ایک میل کی ہائیکنگ کے بعد سارجنٹ نکولس اپنی کار تک پہنچ گیا۔ اطراف اور تعاقب سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ کی...... الیگزینڈریا کے نواح میں ہاورڈ جانسن موٹر لاج کے آخری یونٹ کے سامنے اس نے گاڑی روکی اور اندر داخل ہوا۔ رچرڈسن اور پرائس منتظر تھے۔

"رپورٹ، سارجنٹ؟"

نکولس نے کامیابی کی اطلاع کے ساتھ مختصر تفصیل بتائی۔

"کیا تم مطمئن ہو؟" پرائس نے مطالبہ کیا۔

"کیا چاہتے ہو؟" رچرڈسن نے مداخلت کی۔ "اسمتھ کا سر پلیٹ پر رکھ کے پیش کر دیا جائے؟" سارجنٹ تم جاؤ، ویل ڈن۔"

"تھینک یو سر۔"

[illegible] نے بیگ [illegible] کر دیا۔

"یہ اسمتھ کے پاس تھا۔" نکولس نے بیگ کھولا۔ اشیا نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیں۔ ایمونیشن کے فالتو کلپ، ایک نقشہ، سیل فون، مائیکرو کیسٹ ریکارڈر اور ایک چھوٹی گول کینڈ۔

"یہ کیا ہے؟"

"فلیش گرینیڈ، سر۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم بات کریں گے، تم باہر جاؤ۔"

نکولس کے ہٹنے کے بعد پرائس گویا ہوا۔ "نکولس کے بیان کے مطابق اسمتھ کا بیک اَپ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ لاش دیکھے بغیر نکل گیا......"

"سینے پر دو گولیاں کھانے کے بعد کون بچ سکتا ہے؟" رچرڈسن نے منہ بنایا۔ "میں پہلے ہی ایک آدمی لرمو میں کھو چکا ہوں اور اسمتھ نے محفوظ لائن پر کیسے مجھے [فو]ن کر لیا تھا؟"

"لائن محفوظ تھی...... نمبر تمہارے آدمی نے پیٹر کو دیا تھا۔"

رچرڈسن نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم ہمیشہ اپنے ہاتھ صاف رکھنا چاہتے ہو۔ آرڈر دیتے ہو اور ٹی وی پر رزلٹ دیکھتے ہو۔ یا پھر نکتہ چینی اور غیر ضروری سوالات...... تم اسے کھیل سمجھتے ہو۔ یہ کھیل نہیں ہے۔ کیا تمہیں یقین نہیں کہ بالآخر فائدہ ہمارے ہی ملک کو پہنچے گا؟"

"یقین ہے۔" پرائس نے جواب دیا۔ "لیکن تم نے اپنا بستر بیورزرمٹ کے ساتھ لگایا ہوا ہے۔ ریڈ کے ذریعے جو کچھ ہاتھ آنے والا ہے، اس کے بعد ایک معمولی سا تجربہ دہشت پھیلا دے گا...... دنیا تریاق کی بھیک مانگے گی اور بیورزرمٹ خبر لیک کرے گی کہ کمپنی تحقیق کر رہی ہے اور تریاق کی فراہمی میں مدد کر سکتی ہے۔ لیکن کس قیمت پر...... میدان میں وہی ایک کمپنی ہوگی۔ تم مجھے بتاؤ کہ انہوں نے تمہیں کتنے شیئرز دیے ہیں؟"

"ایک ملین۔" پرائس نے ناگواری سے کہا۔ "لیکن یہ میری کمائی ہے۔ بریا کو میں ہی لایا تھا۔ پلان میں بریا کا رول کیا تھا؟ سب جانتے ہیں اور میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ اپنی خدمات کے عوض تم نے بیورزرمٹ سے کیا وصول کیا؟"

"یہ کون سا موقع ہے اِن باتوں کا...... جب ہم منصوبے کے آخری مراحل میں داخل ہو چکے ہیں؟"

"بات تم نے چھیڑی تھی، میں نے نہیں۔"

"تم میرے آدمیوں پر شک کر رہے تھے۔" رچرڈسن نے کہا۔ "اور......"

پرائس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ وہ اسمتھ کے بیگ سے نکلنے والی چیزوں کو گھور رہا تھا۔ جو کاؤنٹر پر سجی تھیں۔

"کیا ہوا؟" رچرڈسن نے سوال کیا۔

پرائس نے مائیکرو کیسٹ ریکارڈر اٹھایا۔ کیسنگ کا جائزہ لیا۔ پھر اس کا کور ہٹا کر کیسٹ نکالا۔ نیچے دو پنیں تھیں۔ پرائس نے پنوں کو دبایا تو اسمبلی باہر آ گئی۔ نیچے سوراخ میں جدید ترین ٹرانسمیٹر نظر آ رہا تھا۔

دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ کچھ کہنے سننے کا یارانہ تھا۔

"سارجنٹ۔" رچرڈسن دہاڑا۔

نکولس بھاگ آیا۔ گن اس کے ہاتھ میں تھی۔ رچرڈسن نے اسے ریکارڈر کی اصلیت دکھائی اور استفسار کیا۔

"کیا اسمتھ مر چکا ہے؟"

نکولس نے ٹرانسمیٹر دیکھا۔ "سر...... وہ......"

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

"اسمتھ مر چکا ہے؟"
"یس سر!"
رچرڈسن کا وزنی ہاتھ نکولس کے جبڑے سے ٹکرایا۔
"اگر تمہاری زندگی میں مذہب کا کوئی پہلو رہا ہے تو اب ہمارے پاس دعا کے سوا کچھ نہیں بچا۔ ہماری تمام گفتگو سن لی گئی ہے۔" پرائس کے نقوش بگڑ گئے۔ "نکلو یہاں سے۔" اس نے رچرڈسن سے کہا۔

تینوں باہر کاروں کی طرف دوڑے۔

پچاس فٹ دور اسمتھ اپنی کار میں دبکا ہوا یہ ہڑبونگ دیکھ رہا تھا۔ "رچرڈسن، پرائس اور نکولس ہیں۔" اس نے کلین کو مطلع کیا۔

"میں جانتا ہوں۔" کلین کی آواز آئی۔ "نکولس کے علاوہ دونوں آوازیں میں نے اور پریذیڈنٹ نے پہچان لی ہیں۔"

"سر، میں حرکت میں آرہا ہوں۔"
"نہیں جان، اطراف میں دیکھو۔"
"کون ہیں وہ؟" اسمتھ نے سوال کیا۔
"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ رچرڈسن اور پرائس سے نمٹ لیں گے۔ تم اپنی جگہ پر رہو۔ کھیل ختم ہوتے ہی وہاں سے نکل جاؤ اور صبح وائٹ ہاؤس میں ملو۔"
"سر......"

دھماکا ہوا اور گولی نے ونڈ شیلڈ کو اُڑا دیا۔ اسمتھ نے خود کو نشست پر گرا دیا۔ دو مزید گولیاں سیڈان میں گھس گئیں۔

☆☆☆

اسمتھ کی کار شیڈ کے نیچے تھی لیکن وہ روشن چاند کے رخ کو بھول گیا۔ نکولس نے باہر نکلتے ہی سیڈان کی موجودگی محسوس کر لی تھی۔

"کوئی غلطی نہ کرنا۔" رچرڈسن چلّایا۔ بادل چاند کو ڈھانپنے جا رہا تھا۔ اسمتھ کو جب احساس ہوا تو نکولس کی چلائی ہوئی گولی ونڈ شیلڈ سے ٹکرا چکی تھی۔ خود نکولس قاتلانہ ارادوں سے پیش قدمی کر رہا تھا۔

وہ سیڈان سے پندرہ فٹ دور تھا۔ جب اچانک سیڈان کی ہیڈ لائٹس روشن ہو گئیں۔ تیز روشنی نے نکولس کی آنکھوں کو چندھیا دیا۔ سیڈان کا انجن غرایا۔ جو ہونے جا رہا تھا، اسے نکولس نے محسوس کر لیا۔ تاہم وہ مطلوبہ پھرتی نہ دکھا سکا۔ اس نے زمین چھوڑی ہی تھی کہ دو ٹن وزنی سیڈان کے دھکے نے اسے ہوا میں اچھال دیا۔ وہیل کے پیچھے اسمتھ سیدھا ہوا اور ایکسیلریٹر دباتا چلا گیا۔ نکولس کا قلابازیاں کھاتا جسم واپس نیچے آرہا تھا، جب وہ دوڑتی ہوئی سیڈان سے پھر ٹکرایا۔ دوسری ٹکر اتفاقی تھی۔ جو اسمتھ کو غیر ضروری محسوس ہوئی۔ اس نے تین سیڈان گاڑیاں دیکھیں۔ دو نے مل کر سڑک بلاک کر دی تھی۔ دونوں میں سے متعدد سیاہ پوش سائے نکلے...... تیسری کار دونوں کے عقب میں فاصلے پر تھی۔

رچرڈسن اور پرائس نے روڈ بلاک تاخیر سے دیکھا اور گاڑی گھمانے کی کوشش کی۔ اسمتھ وہاں سے نکلنے کے بجائے، بلائے بے درماں کے مانند ان کے عقب میں آگیا۔ رچرڈسن کی گاڑی پوری رخ بدل نہیں سکی تھی...... جب اسمتھ کی گاڑی پہلو کے بل پھسلتی ہوئی اس کے ساتھ ٹکرائی۔ ان کا رخ پھر روڈ بلاک کی جانب ہو گیا۔ جب اسمتھ کو ادراک ہوا کہ دو عدد سیڈان اس کے عقب میں بھی ہیں۔ روڈ بلاک کے قریب اترنے والے سیاہ پوشوں نے پوزیشن لے لی تھی۔

رچرڈسن نے روڈ بلاک سے بچنے کے لیے بریک لگائے اور گاڑی سڑک سے اتارنے کی کوشش کی۔ عقب سے اسمتھ کے دائیں بائیں سے دونوں گاڑیاں گولی کی طرح رچرڈسن کی گاڑی [illegible] ان دونوں گاڑیوں کے ڈرائیور باہر لڑھک گئے [illegible] جھلک ہی دیکھ پایا۔ سیکنڈ کے کسی لمحے میں وہ سمجھ گیا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اسے کلین کے الفاظ یاد آئے......

اس کی گاڑی ترچھی حالت میں رکی ہوئی تھی۔ وہ فی الفور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ تاہم اس نے کھڑے ہونے کی حماقت نہیں کی تھی۔

پہلا دھماکا ان دونوں متحرک گاڑیوں کا تھا، رچرڈسن کی کار میں گھس گئی تھیں۔ دوسرا دھماکا تینوں گاڑیوں کے تصادم کا تھا جو روڈ بلاک کے ساتھ ہوا اور تیسرا دھماکا...... جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ روڈ بلاک پر بالآخر گاڑیاں متصادم ہوئی تھیں۔ رچرڈسن اور پرائس کی گاڑی سینڈوچ بن گئی تھی۔ کم سے کم بھی تین فیول ٹینک پھٹے تاہم اسمتھ نے اندازہ لگایا کہ کلین کی بھیجی ہوئی گاڑیوں میں دھماکا خیز مواد بھی تھا۔

وہاں دیو قامت آگ کا گولا تھا جو فضا میں بلند ہوا اور واپس آتے ہوئے آتش بازی کے انار کے مانند پھٹ کر بکھر گیا۔ اسمتھ، زمین کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کے حواس بحال ہوئے تو دو نامعلوم آدمیوں نے اسے سنبھالا۔ "سر، آپ کو یہاں نہیں ہونا چاہیے۔"

"تم لوگ کون ہو؟"

ایک آدمی نے چابیاں اسمتھ کو پکڑائیں اور سڑک کی مخالف سمت میں سبز رنگ کی شیوی کی جانب اشارہ کیا۔ "آپ نکل جائیں...... وہائٹ ہاؤس میں، مسٹر کلین کے پاس پہنچیں۔ ہمیں یہاں کچھ کام کرنا ہے۔"

☆☆☆

بتھسڈا پہنچ کر اسمتھ نے لباس اتار پھینکا اور باتھ روم میں گھس کر گرم شاور میں بے سدھ ہو گیا۔ وہاں سے نکل کر زیریں لباس چڑھایا اور بستر میں گر گیا۔ چند گھنٹوں کے لیے ذہنی گھڑی اسٹارٹ کی اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سوچ چکا تھا۔ بیدار ہو کر اس نے پھر شاور لیا۔ بعد ازاں محفوظ لائن پر پیغامات دیکھے۔ ایک پیغام نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔ پیغام پیٹر کی جانب سے تھا۔ پیغام پڑھ کر اس نے کمپیوٹر سنبھالا۔ کوڈڈ پروگرام چلا کر فائل ڈاؤن لوڈ کی۔ فائل پیٹر نے بھیجی تھی جس کے مندرجات پڑھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ اسمتھ نے اس کی نقل تیار کی۔ اصل فائل محفوظ کی اور پیٹر کو ای میل بھیجی:

"بہت اچھے...... شاندار...... گھر واپس آجاؤ۔ مشروب [illegible]"

صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ اسمتھ تیار ہو کر نکل پڑا۔ اس کا رخ وہائٹ ہاؤس کی جانب تھا۔ منزل پر گارڈ نے اس کی آئی ڈی دیکھی اور کمپیوٹر لسٹ میں نام چیک کر کے اسے آگے بڑھا دیا۔ میرین کارپورل، اسمتھ کے ہمراہ تھا۔ خاموش راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ مغربی بازو کے ایک چھوٹے سے دفتر میں پہنچے۔ ناتھن کلین نے اٹھ کر استقبال کیا۔ کلین کا حلیہ دیکھ کر اسمتھ متحیر رہ گیا۔ کوورٹ۔ ون کے چیف کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ لباس شکن در شکن تھا۔ تھکن کے آثار ہویدا تھے۔

"تم نے ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔" کلین نے تعریف کی۔ "بے شمار لوگ تمہارے مقروض ہیں، اگرچہ وہ تمہیں نہیں جانتے۔" کلین کے اشارے پر اسمتھ سر ہلاتا ہوا بیٹھ گیا۔

"اکیلا میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔"
"تمہاری کسرِ نفسی ہے۔"
"لیکن سر، آپ شاید کئی دن سے نہیں سوئے؟"
کلین کے تاثرات بدل گئے۔ "تم نے نہیں سنا شاید؟"
"کیا نہیں سنا، سر؟"
"اچھا ہے، اچھا ہے...... اس کا مطلب بات پھیلی نہیں ہے۔" کلین نے گہرا سانس لیا۔ "آٹھ گھنٹے قبل کیپ کناورل پر مشن ڈائریکٹر ہیری لندن نے بتایا ہے کہ ڈسکوری ہنگامی حالات سے دوچار ہے...... ایک کے سوا تمام ممبرز ہلاک ہو چکے ہیں۔"
کلین نے افسردگی کے ساتھ کہا۔ اس کی آواز ٹوٹ گئی تھی۔ "میگان بھی۔"
اسمتھ کو لگا جیسے اس کے عضلات اکڑنا شروع ہو گئے ہیں۔ اس نے بولنے کی ناکام کوشش کی۔ جب وہ بولا تو اسے اپنی آواز اجنبی لگی۔
"کیا ہوا سر، آگ؟"
کلین نے نفی میں سر ہلایا۔ "شٹل ٹھیک کام کر رہی ہے...... کوئی اور ہی چیز ہے جس نے شٹل ممبرز کے جسم چھلنی کر دیے۔"
اسمتھ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ "ایک ممبر کیسے بچ گیا؟ کون ہے وہ؟"
"ڈیلن ریڈ۔"
اسمتھ سناٹے میں رہ گیا۔
"ہیری اور ناسا کے عہدیدار تگ و دو میں لگے ہیں کہ خلا میں کیا حادثہ پیش آیا۔"
"ریڈ کیسے بچ گیا؟" اسمتھ نے سوال کیا۔
"اس کا سوٹ، اسپیس ورک کے لیے تھا۔ باقی کے پاس کوئی حفاظتی انتظام نہیں تھا۔ ایسے سوٹ بعض حفاظتی اشیا سے محروم ہوتے ہیں۔ بظاہر ریڈ کوئی تجربہ کر رہا تھا۔"
"میگان نے بتایا تھا کہ جب شٹل کو روانہ ہونا تھا، اس رات کوئی ریڈ سے ملنے آیا تھا...... نیز ریڈ اور ٹریلور کا تعلق بھی مشکوک تھا۔" اسمتھ کو ہیوسٹن میں ڈائننگ ہال کی ملاقات یاد آئی۔ جب وہ میگان سے بات کر رہا تھا اور ریڈ بھی شامل ہو گیا۔ ٹریلور کو اسمتھ نے فاصلے سے گھورتے ہوئے پکڑا تھا۔
"سر، ہلاک شدگان کے اجسام کس حالت میں ہیں؟"
"چھلنی...... زخم، زخم...... خون ہی خون۔"
اسمتھ کے تاثرات پتھرا گئے۔ وہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ حالتِ اشتعال میں ہے یا رنج و غم کی کیفیت سے دوچار ہے۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

''پیٹر کا پیغام ملا ہے۔'' اس نے خود کو سنبھالا۔ ''ہرویزل سے اس نے خاصی بات چیت کی ہے...... بریا کا تعلق بینک سے پرانا اور نفع بخش ہے۔ خاص طور پر ایک آدمی کی وجہ سے جو اسے بار بار ادائیگی کرتا رہا۔ اس آدمی کا تعلق بیورزرمٹ اے، جی سے ہے۔''

اب کلین کے حیران ہونے کی باری تھی۔ ''فارما کی دنیا کا بہت بڑا نام؟''

اسمتھ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''گزشتہ تین برسوں میں بریا کے زیورچ اکاؤنٹ میں دس ڈپازٹ گئے ہیں...... ادائیگی بیورزرمٹ کی جانب سے کی گئی۔ آخری...... تین میں سے دو کی ادائیگی اس وقت ہوئی جب روس میں یاردینی اور امریکا میں ٹریلور مارا گیا۔''

''تیسرا ڈپازٹ؟'' کلین نے سوال کیا۔

''وہ میرے لیے تھا۔'' اسمتھ نے جواب دیا۔

''ثبوت؟''

جواب میں اسمتھ نے فلاپی ڈسک نکالی۔

کلین نے ڈسک لیے بغیر سر کو جنبش دی۔ ''اجرتی قاتل کو بیورزرمٹ کی جانب سے ادائیگی۔ یعنی بیورزرمٹ، اسمال پاکس کے سلسلے کی ایک کڑی ہے اور شاید مرکزی کڑی۔ لیکن دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کمپنی کو اسمال پاکس کی ضرورت کیوں ہے؟ اور کمپنی نے بریا کو کس کے کہنے پر استعمال کیا اور معاوضہ ادا کیا؟ کیا ڈسک میں اس کا نام ہے؟'' کلین نے ڈسک کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں۔'' اسمتھ نے کہا۔ ''تاہم نام تک رسائی مشکل نہیں۔ خود کارل بائر جیسی اتھارٹی ہی بریا کو استعمال کر سکتی ہے۔''

کلین کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ ''لیکن کہیں کسی کاغذ پر بائر کی انگلیوں کے نشانات کہ اس نے بریا کے لیے احکامات جاری کیے تھے...... یا کوئی ایسا ثبوت کہ اس کے کہنے پر بریا کو ادائیگی کی جاتی رہی؟ کیا یہ ایک علیحدہ مسئلہ نہیں؟''

''بالکل ہے...... بائر بہت محتاط رہا ہے۔'' اسمتھ کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''سوال ہے کہ اس نے اسمال پاکس کو کیوں منتخب کیا؟ کیا ویکسین بنانے کے لیے؟ نہیں۔ ویکسین تو ہم بھی بنا سکتے ہیں۔ شاید جینیٹک تبدیلی کے لیے۔ لیکن کیوں؟ اسمال پاکس پر برسوں سے تجربات ہوتے رہے ہیں۔ اسے میدانِ جنگ میں بطور ہتھیار مؤثر طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ انکیوبیشن کے دوران کافی وقت لیتا ہے۔ مریض میں علامات تیزی سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ علامات ظاہر ہونے کے بعد مریض قلیل مدت میں نہیں مرتا۔ [illegible] کے باوجود کارل بائر وائرس کے پیچھے پڑا رہا اور قتل و غارت گری سے بھی دریغ نہیں کیا۔''

''علامات کیا ہوتی ہیں؟ مریض کس طرح [illegible] ہے؟''

''پہلی علامت منہ میں تالو پر ظاہر ہوتی ہے۔'' [illegible] نے کہا۔ ''پھر بڑھ کر چہرے اور بازوؤں پر...... اس [illegible] بعد تمام جسم پر۔ آغاز میں تالو پر خونی خراش پڑتی ہے [illegible] زخم لیکن خلا میں تجربہ کے بعد وائرس ہولناک ردعمل پیش [illegible] ہے۔''

کلین پلک جھپکائے بغیر اسمتھ کو گھور رہا تھا۔ ''[illegible] شٹل کے عملے کے ساتھ ہوا۔'' اس نے سرگوشی کی۔ ''[illegible] نے اسمال پاکس، ڈسکوری تک پہنچائی......؟''

اسمتھ کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اذیت تھی۔ [illegible] میگان کا تصور ذہن سے صاف کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ [illegible] اس کے آخری لمحات کس کرب و اذیت میں گزرے [illegible] گے...... تصور میں میگان نے مرتے وقت کس کس کو یاد [illegible] گا؟

''ایسا ہی ہے۔ اسمال پاکس وائرس روانگی [illegible] شٹل کے اندر تھا۔''

''لیکن [illegible]

[illegible] خلا میں...... مائیکرو گریویٹی میں بیکٹیریا اور وائرس [illegible] کوری انجینئر کیا جا سکتا ہے...... یہ تبدیلی ایسی ہوتی ہے [illegible] کا زمین پر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کرۂ ارض سے [illegible] پاکس کا صفایا کرنے میں کامیاب رہے۔ لیکن دو مقامات [illegible] اس کے نمونے محفوظ تھے...... امریکا اور روس۔

''بائر نے کسی طرح وائرس کو ہتھیار میں تبدیل [illegible] کا طریقہ دریافت کر لیا...... ہو سکتا ہے، اسے پچاس [illegible] فیصد کامیابی ملی ہو۔ ممکن ہے وہ پوری طرح مطمئن نہ ہوا [illegible] پُریقین ہونے کے لیے اسے مختلف ماحول میں تجربے [illegible] ضرورت تھی۔ ایسا ماحول جہاں بیکٹیریا وغیرہ نہایت سرعت [illegible] سے نشوونما پاتے ہیں اور اس نے ایسا ہی کیا۔'' اسمتھ [illegible] ہو گیا۔

''جان، اگر تمہارا تجزیہ درست ہے تو اس کا [illegible] ڈاکٹر ریڈ، کارل بائر کے ساتھ ملا ہوا ہے؟''

''صرف وہ کیوں بچ گیا؟ وہ ناسا کے بائیومیڈ [illegible] ریسرچ پروگرام کا ڈائریکٹر ہے اور کئی مرتبہ خلائی مشن [illegible] چکا ہے۔ بائر کے لیے وہ بہترین آدمی ہے۔''

''تم کہنا چاہ رہے ہو کہ اس نے اپنی ہی ٹیم کا مرڈر کیا؟''

''یہی حقیقت ہے۔'' اسمتھ کے چہرے پر یاس آلود سنجیدگی تھی۔

''کیوں؟ آخر کیوں؟'' کلین نے ہاتھ مسلے۔ ''دیوانگی ہے۔''

''پہلی وجہ، کوئی گواہ نہ رہے......'' اسمتھ کی آواز ٹوٹ گئی۔ ''دوسری وجہ یہ دیکھنا تھا کہ اب وائرس انسان کا کیا حشر کرتا ہے؟''

کلین خاموش رہا۔ اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے لیے وہاں سکوت نے ڈیرا ڈال دیا۔ بالآخر کلین گویا ہوا۔

''بائر...... رچرڈسن، پرائس، ٹریلور، لارا ٹیلون......''

''ریڈ کو ملا کر فی الحال یہی مرکزی کردار ہیں۔ باقی مر رہے تھے۔ کوئی نہیں بچا۔ مرکزی کرداروں میں ریڈ اور بائر سلامت ہیں۔'' اسمتھ نے کہا۔

''بائر کو اکھاڑنے کے لیے ہمیں مضبوط شواہد درکار ہیں۔ رچرڈسن اور پرائس کی گفتگو میں صرف بیورزرمٹ کا نام سنا گیا ہے۔'' کلین نے کہا۔

[illegible] شٹل [illegible] میں ہے اور شٹل ریڈ کے قابو میں ہے۔ بائر اور اس کے ساتھی ثبوت اور شواہد مٹا دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ رچرڈسن اور پرائس کا ریکارڈ کھنگال لینے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ شٹل کی واپسی بائر کی ضرورت ہے۔ اسے ریڈ اور وائرس درکار ہیں۔ وہ ریڈ سے تو جان چھڑا لے گا۔ میرا مطلب ہے وائرس حاصل کرنے کے بعد......'' اسمتھ نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''کتنی دیر میں ناسا ڈسکوری کو اتار لے گی؟''

''تقریباً آٹھ گھنٹے میں وہ کیلی فورنیا کے ایڈورڈ ائرفورس بیس پر ہوگی۔'' کلین نے سوالیہ انداز میں جواب دیا۔

اسمتھ نے آگے جھک کر کہا۔ ''کیا آپ فوری طور پر مجھے پریذیڈنٹ سے ملوا سکتے ہیں؟''

☆☆☆

دو گھنٹے بعد کلین اور اسمتھ، اوول آفس سے متصل چھوٹے سے دفتر میں موجود تھے۔ پریذیڈنٹ میٹنگ میں تھے...... دورانِ انتظار کیپ کناورل سے کال آئی۔

''مسٹر کلین! میں ہیری لندن، مشن کنٹرول...... آپ نے سوال کیا تھا؟''

''میں سن رہا ہوں۔''

''ہم شٹل کو بحفاظت واپس لانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس سے پیشتر ہمیں ایسی صورتِ حال کا سامنا نہیں رہا۔ تاہم میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ڈسکوری کو نیچے اتار لیں گے۔''

''شکریہ مسٹر لندن، میں رابطے میں رہوں گا۔'' کلین نے اسمتھ کی جانب دیکھا۔

''تمام بات چیت، لندن کے پاس ''بلیک بک'' میں محفوظ ہے۔'' کلین نے اسمتھ کو آگاہ کیا۔

''میرا اندازہ ہے کہ اس ریکارڈ میں کارل بائر کا نام بھی آیا ہوگا۔''

''ریڈ نے بائر سے اپنا حصہ تو وصول کرنا ہے۔'' کلین نے اسمتھ کی بات کی تصدیق کی۔

''سمجھ میں آتا ہے۔'' اسمتھ نے کہا۔ ''بائر کو اس وقت سائٹ پر ہونا چاہیے، جب ریڈ اپنی سواری کے ساتھ اترے۔ کسی بہانے سے ریڈ، بائر کو بلائے گا۔''

کلین نے اثبات میں سر ہلایا اور کلوزڈ سرکٹ مانیٹر کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں ایک تصویر اچانک نمودار ہوئی تھی۔

''کھیل شروع۔''

☆☆☆

پریذیڈنٹ کاسٹیلا کے چہرے پر تفکر کے اثرات تھے۔ وہ اپنی ڈیسک کے عقب میں براجمان تھا۔ تفکر پر اختیار اور اعتماد حاوی تھا۔ اس نے وہاں موجود افراد پر نظر ڈالی۔ سی آئی اے کی نمائندگی بل ڈاج کر رہا تھا۔ وہ ناسا کی تازہ ترین سرگرمی سے آگاہ تھا۔ ڈاج کے ساتھ قومی سلامتی کی مشیر مارتھا نیسبٹ بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے سیکریٹری اسٹیٹ سائمن ٹرمپ موجود تھا۔

''مجھے امید ہے کہ آپ لوگوں نے حالات کے مطابق اپنے خیالات کو مجتمع کر لیا ہوگا۔ ہمیں ٹھیک درست فیصلہ کرنا ہے۔'' پریذیڈنٹ نے آغاز کیا۔ ''ڈسکوری تقریباً ایک گھنٹے میں اس کھڑکی کے قریب ہوگی جہاں سے وہ دوبارہ زمینی فضا میں داخل ہو جائے گی۔ اس مقام پر گراؤنڈ کنٹرول کے لیے صورتِ حال بہت حساس ہوگی اور ڈسکوری کی اترائی مدھم ہو جائے گی۔ لہٰذا چار گھنٹے کا وقت صرف ہوگا۔ پچھتر منٹ مزید درکار ہوں گے جب وہ ایڈورڈ بیس پر لینڈ کرے گی۔ سوال سادہ ہے۔ کیا اسے لینڈ کرنے

https://www.urdutubes.com/

دیا جائے؟"
"سر، ایک سوال ہے۔" مارتھا نے لب کشائی کی۔ "وہ مقام یا وقت کون سا ہے، جب ہم اسے فضا میں تباہ کرنے کا آپشن کھو بیٹھیں گے؟"
"بظاہر اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ جیسا کہ آپ لوگوں کے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ شٹل خودکار تباہ کن مواد کے ساتھ آرہی ہے..... نیز ہم پبلسٹی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ تاہم امکان ہے کہ سیٹلائٹ ریلے کے ذریعے ہم تباہی کا نظام فعال کرسکتے ہیں۔ غالباً یہ ممکن ہے کہ اس طرح ہم شٹل کی موجودہ پوزیشن سے لے کر زمین چھونے سے قبل..... اسے کسی وقت بھی تباہ کردیں۔"
"لیکن مسٹر پریذیڈنٹ، شٹل میں جو کچھ ہے وہ خلا میں ڈیزائن کیا گیا ہے۔ وہ ہمارے ماحول میں سرایت کرنے کے لیے غیرمؤثر ہے۔" بل ڈاج نے کہا۔
"ایسا ہی ہے۔" پریذیڈنٹ کاسٹیلا نے کہا۔
"سر، یہ بھی صحیح ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ درحقیقت ڈسکوری کے اندر ہوا کیا؟" سائمن نے نکتہ اٹھایا۔ "ہمارے پانچ قیمتی، تجربہ کار افراد ختم ہوگئے۔ ہم نہیں جانتے، کیوں اور کیسے؟ ایک ابھی زندہ ہے۔ میدانِ جنگ میں ہم مارے جانے والوں کو بھی واپس لاتے ہیں اور اگر کوئی بچ جائے تو ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ اسے واپس لایا جائے۔"
"میں اتفاق کرتی ہوں۔" مارتھا بولی۔ "پہلی بات بظاہر شٹل میں میکینکل خرابی نہیں ہے۔ دوسرے ناسا کی کوششیں جاری ہیں۔ اگر تمام افراد، جن میں ایک زندہ ہے کو زمین پر لایا جائے تو کیا ہوسکتا ہے..... اس وقت وہ کھانے پینے کی اشیا کو جانچ رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مائیکرو گریویٹی میں جراثیم بہت تیزی سے پروان چڑھتے ہیں۔ اس بات کے بہت زیادہ امکانات ہیں کہ نامعلوم خطرہ زمین پر بے اثر ہونے کے ساتھ خلا میں ناقابلِ مزاحمت عفریت ہو۔"
"خواتین و حضرات!" پریذیڈنٹ کاسٹیلا نے ان سب پر گہری نظر ڈالی اور کہا۔ "آپ سب کے سوال، تبصرے اور مشورے اپنی اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ کی رائے کا احترام کرتے ہوئے شٹل کا زمین پر آنا ضروری ہے۔"
پریذیڈنٹ نے مزید کہا۔ "اگرچہ بچنے والا خود ڈاکٹر ہے لیکن اس کے پاس وقت، سہولت اور ضروری مدد نہیں ہے۔ لہٰذا وہ نتیجہ خیز تحقیق کرنے سے قاصر ہے۔ ہم صرف لاشوں کی عمومی کیفیت سے آگاہ ہیں لیکن اموات کی حقیقی وجہ سے محروم ہیں۔" پریذیڈنٹ نے حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ "ایک امر یقینی ہے۔ ہیری لندن کے ذہن میں شٹل تباہ کرنے کا خیال تک نہیں ہے۔ آخری فیصلہ شٹل کی لینڈنگ ہے۔"
"سر میرے پاس ایک حل ہے۔ افسوسناک سانحے کے بعد جنرل رچرڈسن ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ وہ اسپیس سیکیورٹی ڈویژن کا کو۔ڈائریکٹر تھا۔ اس نے چند باتیں مجھ سے شیئر کی تھیں۔ رچرڈسن کو وہم تھا، کہیں مشن کے ساتھ کوئی انہونی نہ ہوجائے۔ یہ ایک اور سانحہ ہے کہ ایسا ہوگیا..... اس کا وہم حقیقت بن گیا۔ لہٰذا ہم نے ایک علیحدہ خاص سہولت ڈیزائن کی....." بل ڈاج کی بات ادھوری رہ گئی۔
"اور یہ سہولت کہاں ہے؟" سائمن نے سوال کیا۔
"لاس اینجلس سے شمال مشرق میں ساٹھ میل کے فاصلے پر "گروم لیک" ہے۔ وہ جگہ ہماری پروازوں کی آزمائش کے لیے ہے۔"
"میں سمجھا نہیں؟" پریذیڈنٹ نے کہا۔
بل ڈاج نے بریف کیس سے ایک ویڈیو کیسٹ برآمد کی اور اسے وی سی آر میں لگا کر [illegible]
[illegible]
تبیہہ ابھرنا شروع ہوئی.....
"یہاں تو کوئی خاص بات نظر نہیں آرہی۔" مارتھا کی آواز آئی۔
"اسے قصداً خفیہ رکھا گیا ہے۔" بل ڈاج نے جواب دیا۔ "آئیڈیا ہم نے اسرائیل سے مستعار لیا تھا۔ اسرائیل کے پاس اپنے فائٹر کرافٹس کو چھپانے کے لیے زمین ناکافی تھی۔ انہوں نے زیرِ زمین بنکر بنا کر اس کا حل نکالا۔ زیرِ زمین رن وے بھی تھا۔ جن کی اپنی جدید خصوصیات ہیں۔" اس نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ ہمارا ایک رن وے ہے۔" بل ڈاج نے بٹن دبا کر فریم منجمد کیا۔ "یہاں رن وے بظاہر ختم ہورہا ہے۔ یہ دراصل یہ مزید چھ سو فٹ آگے چلا گیا ہے اور ڈھلوان کی شکل میں بنکر میں چلا جاتا ہے۔ رن وے کے دونوں سروں پر صورتِ حال اسی طرح ہے۔" اس نے بٹن دبا کے ویڈیو آگے بڑھائی۔ "زمین کے نیچے ہائیڈرولک جیک کا سسٹم ہے۔ اندر روشنیوں کی وجہ سے تاریکی نہیں ہے۔ وہ جراثیم کش چیمبر ہے۔ جس کی دیواروں میں دہرا کنکریٹ ہے۔

دیواروں کی موٹائی چھ فٹ ہے۔ ہوا کی آمدورفت کے لیے "ہیپا فلٹرز" ہیں۔"
"بنکر کی دیواریں بے حد مضبوط اور کئی فٹ موٹی ہیں۔ شٹل کے اندر جاتے ہی بنکر خودکار طریقے سے سیل ہوجائے گا۔ اندر ایک بڑی ٹیوب خاص مقصد کے لیے بنائی گئی ہے۔ ٹیوب کا ایک سرا شٹل کے ساتھ اور دوسرا چیمبر کے ساتھ مل جائے گا۔ ریڈ کو شٹل سے ٹیوب میں اور پھر چیمبر میں لایا جائے گا۔"
"اگر شٹل کے اندر ایسا کوئی خطرہ ہوا جو ہمارے لیے قابلِ برداشت نہیں.....؟" مارتھا نے تشویش ظاہر کی۔
"ایسی صورت میں ٹیم کو باہر نکال لیا جائے اور پھر یہ ہوگا۔" بل ڈاج نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں شعلے ہی شعلے نظر آرہے تھے۔ "ہمارے بندوبست میں تین فیول بم ہیں۔ آگ اور تپش ہر شے کو راکھ تک بھسم کردے گی۔ ہر شے، ہر چیز..... یہی میرے الفاظ ہیں۔"
"مجھے چند منٹ درکار ہیں۔ آپ لوگ بات چیت کریں۔ میں جلد واپس آتا ہوں۔" پریذیڈنٹ یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے۔

☆☆☆

پریذیڈنٹ کاسٹیلا دروازہ کھول کر ملحقہ کمرے میں داخل ہوئے۔ [illegible] کلین [illegible] وہاں موجود تھے۔
[illegible] دونوں کا؟"
دونوں کلوزڈ سرکٹ اسکرین اور اسپیکر پر سب دیکھ اور سن چکے تھے۔
"بہت دلچسپ۔" کلین نے جواب دیا۔ "کتنا بڑا اتفاق ہے۔ ناقابلِ تصور۔ گروم لیک پر ریڈی میڈ نظام پہلے سے موجود ہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی؟"
"میرے خیال اور معلومات میں ایسا کچھ نہیں تھا۔" پریذیڈنٹ نے کہا۔ "یقیناً بل ڈاج کے بجٹ میں بلیک منی کا اضافہ ہوچکا ہے۔ اسی لیے اسے فکر نہیں تھی کہ کسی کو خبر ہوتی ہے یا نہیں۔"
"یہ انتظام صرف ایک مقصد کے لیے کیا گیا ہے۔ مسٹر پریذیڈنٹ..... شٹل کو بنکر میں لاکر وائرس نکال لیا جائے اور اسپیس کرافٹ کو تباہ کردیا جائے۔" اسمتھ نے کہا۔
"میں اتفاق کرتا ہوں۔" کلین نے سر ہلایا۔ "انتظام میں کئی برس لگے ہوں گے اور بائر کا منصوبہ بھی طویل المدت تھا۔ گروم لیک میں بائر کو بل ڈاج جیسے ساتھی کی ضرورت تھی۔ رچرڈسن کی پوزیشن مختلف تھی۔ کیمیکل بائیولوجیکل ٹریٹی، پبلک ریکارڈ کا حصہ ہے جس پر آپ نے دستخط کیے تھے اور رچرڈسن نے اسے منظور کرانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔"
"اور اس نے وہ لکیر کراس کرلی جو حُبّ الوطنی اور غداری میں تفریق پیدا کرتی ہے۔" کاسٹیلا نے تبصرہ کیا۔ "میں نے تم دونوں کا منصوبہ سن لیا ہے لیکن میں پھر استفسار کرتا ہوں، کیا تم لوگ چاہو گے کہ ہم اسے زمین پر لے آئیں؟"

☆☆☆

پریذیڈنٹ کی واپسی پر اوول آفس میں خاموشی چھا گئی۔ تینوں پریذیڈنٹ کی جانب متوجہ تھے۔
"خاتون اور حضرات، آپ لوگوں کی شرکت اور آرا کا شکریہ۔ میں نے تمام گفتگو بغور سنی اور تجزیے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شٹل کو گروم لیک پر اترنے دیا جائے۔" پریذیڈنٹ نے منظوری دی۔
تینوں سر اثبات میں ہلے۔
"بل، تم مجھے گروم لیک پروگرام کی تفصیل بتاؤ گے..... شٹل اور اسپیس کرافٹ کے ساتھ کیا اور کیسے کرنا ہے۔"
"سر، ایک گھنٹے میں تفصیل آپ کو فراہم کردی جائے گی۔" سی آئی اے ڈائریکٹر کی آنکھوں میں چمک تھی۔
"آخری بات سب کے علم میں ہونی چاہیے۔ ڈاکٹر ریڈ نے خاص طور پر ڈاکٹر کارل بائر کی موجودگی کی درخواست کی تھی۔ یہ ایک محفوظ اور اچھی درخواست ہے۔ کیمیائی حیاتیاتی حادثوں کے لیے دنیا میں بائر جیسی اتھارٹی موجود نہیں۔ ماضی میں وہ پینٹاگون کے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔ اس میں گروم لیک کا پروجیکٹ بھی شامل تھا۔ اس کی موجودگی اس موقع پر ایک قیمتی اثاثے کی حیثیت رکھتی ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ ملاقات ختم ہوتی ہے۔ ائرفورس ون دو گھنٹے میں "نیواوا" کے لیے پرواز کر جائے گا۔" پریذیڈنٹ نے اختتامی جملہ کہا۔

☆☆☆

کارل بائر، کیلی فورنیا میں اپنی کمپنی کی شاخ کے قریب موجود تھا۔ وہ آگاہ تھا کہ شٹل گروم لیک میں ہی لینڈ کرسکتی ہے۔ کیلی فورنیا میں اس کی موجودگی کو اتفاق پر محمول کیا جائے گا۔ یہاں سے وہ کم وقت میں گروم لیک پہنچ سکتا تھا۔ جب اسے ہیری لندن کی کال موصول ہوئی تو اس نے مصنوعی شاک کا کامیاب اظہار کیا۔ بعدازاں گہرے رنج

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

اور تفکر کے ساتھ چند فقرے ادا کیے۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ہیری لنڈن نے اسے بتایا کہ ریڈ کی درخواست کے مطابق گروم لیک پر بائر کی موجودگی ضروری ہے۔ بائر نے بلا تامل اپنے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ ساتھ ہی اس نے مشورہ دیا کہ اس کی موجودگی کی کلیئرنس کے بارے میں جنرل رچرڈسن سے بھی معلوم کیا جائے۔

فلائٹ ڈائریکٹر نے لڑکھڑاتی آواز میں بائر کو بتایا کہ رچرڈسن اور پرائس کس طرح ایک حادثے میں ہلاک ہوگئے۔ یہ سن کر بائر واقعتاً حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے ہیری لنڈن کا شکریہ ادا کیا اور فی الفور سی این این ڈاٹ کام پر آگیا۔ بائر نے بغور حادثے کی جزئیات پڑھیں۔ تصاویر دیکھیں۔ دونوں کی اموات ہر زاویے سے حادثاتی دکھائی دے رہی تھیں۔

''اچھا ہوا۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''دو اہم گواہ ختم ہو گئے۔''

اس کے نزدیک، دونوں کی افادیت ختم ہو چکی تھی۔ جاتے جاتے وہ ایک اچھا کام کر گئے...... اسمتھ کو ساتھ لے گئے۔

☆☆☆

''مونجاوا'' ڈیزرٹ کے ساتھ لاس اینجلس کے شمال مشرق میں ستر میل کے فاصلے پر ایڈورڈ ائرفورس بیس کی زمین تھی۔ بومبرز اور فائٹر ائرکرافٹس کے علاوہ شٹل کا لینڈنگ زون علیحدہ تھا۔ چھ مقامات ''ریڈ'' (RAID) ٹیموں کے لیے مخصوص تھے۔ ٹیمیں، کیمیائی حیاتیاتی حادثے کی صورت میں حرکت پذیر ہوتی تھیں۔ عوام کو ریڈ کی ٹیموں سے بے خبر رکھا جاتا تھا۔

RAID کسی حد تک NEST سے مشابہ تھی، جس کے ماہرین شکاریوں کے مانند تھے۔ وہ گمشدہ یا چوری کردہ نیوکلیئر ہتھیاروں کا سراغ لگاتے تھے۔ ایمرجنسی کے لیے C-130 اور تین کمانچی ہیلی کاپٹرز کی سہولت مہیا تھی۔ باسکٹ بال کورٹ جتنے بڑے چیمبر میں RAID کے گیارہ آدمی لیول فور کے حیاتیاتی خطرے سے نمٹنے کی تیاری کررہے تھے۔ انہوں نے خاص قسم کے سوٹ پہنے ہوئے تھے اور اسلحہ ساتھ رکھا تھا۔ بارھویں آدمی کا نام جیک ریلی تھا۔ کمانڈر جیک ریلی اپنے دفتر میں تھا جہاں ایک آفیسر اور اسمتھ موجود تھے۔ کلین، ٹیسٹ سائٹ پر موجود تھا۔ جیک ریلی کو پریذیڈنٹ کی جانب سے ہدایت مل چکی تھی کہ وہ اور اس کی ٹیم اسمتھ کے احکامات کے تحت حرکت کرے۔

گھنٹی بجنے پر فون ریلی نے اٹھایا۔

''یس سر...... سمجھ گیا۔ جی، یہیں ہے۔'' اس نے فون اسمتھ کی جانب بڑھایا۔

''جان، کیا صورتِ حال ہے؟'' پریذیڈنٹ کی آواز آئی۔

''ہم تیار ہیں، سر۔ صرف چیمبر بنکر اور شٹل کے نقشے درکار ہیں۔''

''نقشے مل جائیں گے۔ تم اور ریلی دیکھو پھر مجھے کال کرنا۔''

چند منٹ بعد کمیونیکیشن آفیسر نے فیکس سے آنے والے نقشے نکال کر میز پر رکھ دیے۔ اسمتھ نے ایک نقشہ الگ کیا۔ نقشے میں بڑی جگہ کی نشاندہی کی گئی تھی۔ جو چوکور شکل میں ایک سو چالیس فٹ طویل تھی۔ چوڑائی چالیس فٹ اور بلندی ساٹھ فٹ تھی۔ اس کی چھت درحقیقت خفیہ ریمپ تھا۔ شٹل کے داخلے کے وقت یہ کھلتا اور پھر واپس بند ہو جاتا۔ گویا شٹل کو ایک مضبوط زنداں میں مقید ہو جاتا تھا۔ غور کرنے پر دیواروں پر گیس پائپ نظر آرہے تھے۔ جو نیم پوشیدہ تھے۔ اسمتھ نے سوچا کہ فیول بم پھٹیں گے تو لازمی وہاں گیس بھی بھر جائے گی۔ نتیجہ خوفناک الاؤ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اندر دیوار کے ساتھ ایک ٹیوب بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اسمتھ نے شٹل اور بنکر کو اشارٹ کیا [illegible]

https://www.urdutubes.com/

[illegible] ''جو کچھ ہے ہم اسے نکال لیں گے، قبل اس کے کوئی اور نکالے۔''

ریلی، اسمتھ کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ ''جان، کیا ہو رہا ہے؟ عجیب سرگرمی ہے۔ پریذیڈنٹ بذاتِ خود موجود ہیں۔ مختلف ہدایات آرہی ہیں۔ اب یوں لگ رہا ہے کہ تم شٹل میں سے کچھ نکالنے جا رہے ہو......؟''

اسمتھ مزید کو نے میں ہوگیا اور سرگوشی کی۔ ریلی کا منہ کھلا اور بند ہوگیا۔ وہ ہراساں نظروں سے اسمتھ کو دیکھ رہا تھا۔ ریلی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کاش اس نے کچھ نہ پوچھا ہوتا۔ بعض اوقات لاعلمی بہتر ہوتی ہے۔

☆☆☆

میگان اولسن نے حقیقت قبول کر لی تھی۔ ہر ترکیب آزما لی تھی۔ ائرلاک ڈور، ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ وہ دروازے سے پیچھے ہٹ گئی۔ ریڈ اور مشن کنٹرول کی آوازیں ہیڈسیٹ کے ذریعے اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ شٹل چند منٹ بعد خلائی ماحول سے نکل کر زمینی فضا

کی آخری حدِ فاصل کو توڑنے والی تھی۔ جس کے بعد وہ کششِ ثقل کی زد میں آجاتی۔ ایک حربہ باقی تھا۔ وقت کم تھا۔ بڑی فیصلہ کن اور نازک صورتِ حال تھی۔ میگان آگاہ تھی کہ شٹل جب خلا سے کرۂ ارض کی سرحد پار کرے گی تو کیا ہوگا...... ایسا ہی لگے گا جیسے وہ کسی طاقتور سانڈ کی پشت پر ہے جو عالمِ اشتعال میں اچھل کود کررہا ہے۔ جو کرنا تھا فوراً کرنا تھا۔ وہ چاروں دھماکا خیز بولٹس کو گھور رہی تھی۔ جو دروازے کے چاروں کونوں پر موجود تھے۔ یہ ترکیب انتہائی ہنگامی صورتِ حال کے لیے تھی۔ چاروں بولٹس میں ٹائمر تھے۔ ایک کو چھیڑنے پر چاروں کے ٹائمر اسٹارٹ ہو جاتے تھے۔ چاروں بولٹ پھٹنے پر معین وقت پر دھماکے کے ساتھ طوفانی دھکا اندر کی جانب آتا۔ میگان کو پچاس فٹ دور ہونا چاہیے تھا۔ وہاں حد سے حد چودہ پندرہ فٹ کی گنجائش تھی۔ اس کے زخمی ہونے کے امکان کافی روشن تھے۔ کوئی کرشمہ ہو بھی جاتا تو اس کا خلائی سوٹ ضرور متاثر ہوتا۔ ریڈ کی پھیلائی ہوئی موت حفاظتی سوٹ کے بغیر اسے منٹوں میں ختم کر دیتی۔

میگان نے منفی خیالات کو ہٹا کر خود کو پُرسکون کیا۔ تاہم سینے میں دل ہتھوڑے کے مانند چل رہا تھا۔ میگان نے توجہ بولٹس پر مرکوز کی۔ جن کا رنگ سرخ تھا۔ درمیان [illegible] دروازے کی طرف گئی۔ زیریں دائیں بولٹ کے مرکزی زرد نشان کو دبایا۔ مختصر کنٹرول پینل نمودار ہوا۔ دو الفاظ چمک رہے تھے۔ ہاں یا نہ...... میگان نے گلو میں پوشیدہ انگلی احتیاط سے ہاں پر رکھ دی۔

''اوہ نو......''

ٹائمر آن ہوگیا تھا۔ معین وقت محض ساٹھ سیکنڈ تھا۔ میگان نے حتی الامکان تیزی سے حرکت کی اور دوسرا زیریں بولٹ بھی فعال کر دیا۔ اس نے گھٹنے خم کیے اور پیروں سے فرش کو دبایا۔ تیرتا ہوا جسم اوپر اٹھا اس نے سنبھل کر باری باری بالائی دو بولٹ بھی فعال کر دیے۔ اس کے بیس سیکنڈ بچے تھے۔ اس نے دونوں پیر دروازے پر ٹکا کر خود کو پیچھے دھکیلا۔ وہ آخری حد تک دور ہٹ گئی۔ اسے دروازے کی طرف پشت کرنی چاہیے یا دیوار کے متوازی رہنا چاہیے تھا۔ یوں کم از کم چہرہ محفوظ رہنے کا امکان تھا لیکن وہ چاروں بولٹس کے مرکز میں جھلملاتی روشنی کو تکتی رہ گئی...... اور...... اور...... دھماکا ہوگیا۔

☆☆☆

دو منزل اوپر فلائٹ ڈیک پر ریڈ، ہیری لنڈن سے آخری ہدایات لے رہا تھا۔

''تم بہت قریب ہو۔'' لنڈن کی آواز آئی۔

''بلیک آؤٹ میں کتنی دیر ہے؟''

''پندرہ سیکنڈ۔'' لنڈن کا جواب آیا۔

کرۂ ارض کی فضائی سرحد میں داخل ہوتے وقت مواصلاتی روابط منقطع ہو جاتے ہیں۔ جسے ''بلیک آؤٹ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ تقریباً تین منٹ کا انقطاع ہوتا ہے۔ تجربہ کار خلا بازوں کے لیے بھی یہ وقفہ اعصاب شکن ہوتا ہے۔

''کیا تم نے بیلٹ باندھ لی ہے؟''

''جتنا باندھ سکتا تھا، باندھ لیا۔ میرا خلائی سوٹ بہت دبیز ہے۔''

''حوصلہ رکھو۔ ہماری کوشش ہے کہ کم وقت میں اور کم جھٹکوں کے ساتھ تمہیں خلا سے اندر لے آئیں۔'' ہیری لنڈن نے کہا اور گنتی شروع کی۔

ریڈ نشست میں جما ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ذہن میں تھا کہ بلیک آؤٹ کے بعد وہ خلائی لیب میں جائے گا اور......

شٹل نے جھٹکا کھایا۔ ریڈ کو لگا جیسے اس کے بندھن ٹوٹ رہے ہیں۔

''ہیری یہ کیا مصیبت؟''

''ریڈ کیا ہوا؟''

''ہیری، یہاں......

رابطہ یک لخت منقطع ہوگیا۔ ہیری لنڈن نے ٹیم کے ارکان کو دیکھا۔ ''ٹیپ چلاؤ۔''

''ہیری، یہ کیا مصیبت ہے؟''

''ریڈ، کیا ہوا؟''

''ہیری یہاں......''

''...... ایک دھماکا ہوا ہے۔'' لنڈن نے سرگوشی کے انداز میں فقرہ مکمل کیا۔

☆☆☆

ائرفورس ون کے کانفرنس کا دروازہ اچانک کھلا اور کمیونیکیشن آفیسر بوکھلایا ہوا اندر داخل ہوا۔ پریذیڈنٹ نے اس کا دیا پیغام پڑھا...... اور چہرے کی سرخی تدھم پڑ گئی۔

''کیا یہ صحیح ہے؟'' پریذیڈنٹ نے آفیسر کو گھورا۔

''سر، ہیری لنڈن نے دیا ہے۔''

''رابطہ کراؤ۔ ابھی، اسی وقت۔'' پریذیڈنٹ نے ٹیبل کے اطراف میں نظر دوڑائی۔ ''شٹل میں دھماکا ہوا ہے۔''

☆☆☆

بولٹ، راکٹ کے مانند میگان کی جانب آئے اور دیوار میں گھس گئے۔ عین اسی وقت شٹل زمینی ماحول کی حد پار کرتے ہوئے شدید انداز میں جھٹکے کھا رہی تھی۔ لہٰذا اُڑتا ہوا دروازہ لہراتا ہوا میگان کے مخالف بائیں دیوار سے ٹکرایا۔ پھر کیرم کی گوٹ کے مانند ٹکرا کے پلٹا اور انچوں کے فاصلے سے میگان کے قریب سے گزرا...... دوسری دیوار سے ٹکرایا...... کرشمہ ظہور پذیر ہو چکا تھا۔

میگان نے حواس بحال کیے اور تیرتی ہوئی خلا سے نکل گئی۔ اس کا رخ اوپر مڈ ڈیک کی جانب تھا۔ جہاں وہ بیرل نما سرنگ میں جاسکتی تھی۔ پھر سیدھی خلائی تجربہ گاہ میں......

☆☆☆

ریڈ، میگان کو گالی دیتا ہوا بڑبڑایا۔ مردود نے بولٹ اُڑا دیے ہیں۔ وہ کونسول کی اشارتی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا جو ظاہر کر رہی تھیں کہ ائرلاک کا کوئی دروازہ خرابی کا شکار ہے۔ اس نے تیزی سے اپنے بندھن کھولے۔ وہ دو منزل اوپر تھا اور اسے نیچے جانا تھا۔ پانی میں ڈائیو لگانے والے پیراک کے مانند وہ سر کے بل متحرک ہوا۔ ریڈ نے اندازہ لگایا کہ وہ دو منٹ میں میگان کو تلاش کرلے گا۔ بلیک آؤٹ ختم ہو گیا تھا۔ ریڈ جانتا تھا کہ دھماکا نہ سننے کے باوجود ہیری لندن کو آلات کے ذریعے علم ہو جائے گا۔ حساس ریکارڈنگ بتا دے گی کہ دھماکا ہوا ہے۔

وہ میگان کی دلیری پر حیران تھا۔ ائرلاک کی محدود جگہ میں دروازہ اُڑانے کا مطلب تھا...... ننانوے فیصد موت۔ وہ مڈ ڈیک تک پہنچ گیا۔ آنکھ کے کونے پر اسے حرکت کا احساس ہوا۔

''مائی گاڈ، وہ زندہ ہے۔'' ریڈ نے میگان کو دیکھا۔ جس کی پشت ریڈ کی جانب تھی۔ وہ اس وہیل کو گھما رہی تھی جیسا آبدوز میں ہوتا ہے۔ وہ سرنگ میں جانا چاہتی تھی۔ ریڈ نے ٹول باکس کی طرف حرکت کی اور اس میں مخصوص طرز کی آری پر ہاتھ ڈالا۔

☆☆☆

اسمتھ، کمانچی ہیلی کاپٹر میں محو پرواز تھا۔ ہمراہ RAID کے ایجنٹ تھے۔ ریلی بھی موجود تھا۔ اسمتھ نے ریلی کی طرف دیکھا۔ ''ہم کتنی دور ہیں؟'' اس نے ہیلمٹ کے مائیکروفون میں سوال کیا۔

''چالیس منٹ۔''

اسمتھ نے دوسرا سوال کرنا چاہا لیکن اس کے ہیڈسیٹ میں نئی آواز سنائی دی۔

''بلیو برڈ کالنگ، ریڈ ون۔''

''دِس از ریڈ ون۔'' اسمتھ نے فوراً جواب دیا۔ برڈ ناتھن کلین تھا۔

''جان؟''

''یہاں ہوں، سر...... ہم منتظر تھے کال کے۔''

''ہمیں نئی صورت حال کا سامنا ہے۔ پریذیڈنٹ آرڈر ہے کہ تم لوگ نئے مشن کے لیے ان کے ساتھ جاؤ۔''

''یس سر...... نئی صورت حال......؟''

''مشن کنٹرول، ریڈ سے رابطے میں تھے۔ شٹل رابطہ معمول کے مطابق بلیک آؤٹ کے دوران منقطع تھا۔ ہیری لندن کا کہنا ہے کہ اس وقت شٹل میں دھماکا تھا۔ بعدازاں کمپیوٹر نے تصدیق بھی کردی۔''

''کیا خلائی جہاز صحیح سلامت ہے؟''

''آلات کی ریڈنگ کے مطابق ...... دھماکا ائرلاک میں ...... دروازہ اُڑنے سے ہوسکتا ہے۔'' کلین نے رائے دی۔

''خود ریڈ اس وقت کہاں تھا؟'' اسمتھ نے سوال کیا۔

''فلائٹ ڈیک پر...... لیکن ہیری لندن یقین نہیں کہہ سکتا، کتنا نقصان ہوا ہے۔ ریڈ کی سلامتی بھی مشکوک نظر آرہی ہے۔ جان، اوپر بالکل خاموشی ہے۔''

☆☆☆

بولٹ اُڑنے سے چند سکنڈ قبل میگان نے ریڈ اور ہیری لندن کے مابین آخری مکالمہ سنا تھا۔ وہ جب مڈ ڈیک تک پہنچی تو اسے ادراک تھا کہ ریڈ تحقیق کے لیے نیچے آئے گا۔ وہ تصدیق کرنا چاہے گا کہ وہ مر چکی ہے۔ اگر اسے ائرلاک میں نظر نہ آئی، پھر وہ دوسری جگہوں پر تلاش کرے گا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ زیادہ دیر خود کو چھپا نہیں سکتا۔ ریڈ تلاش کرلے گا۔

سرنگ کا وہیل گھماتے وقت اس کے ذہن میں اس کی پشت ان سیڑھیوں کی جانب ہے جو تینوں منزلوں کو ملاتی ہے۔ ریڈ نے اسے دیکھا تو اس کے پیچھے آئے گا۔ خود کو بچانے کے لیے میگان کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس سے غافل نہ رہے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک چھوٹا شیشہ فٹ کیا تھا جو عقبی منظر اجاگر کر رہا تھا۔ اسی پیش بینی نے اس کی زندگی بچالی، مرر میں اس نے ریڈ کا عکس دیکھ لیا...... ریڈ آری لے کر اس کی جانب آرہا تھا۔ میگان کے ہاتھ وہیل پر تھے جو آخری حد تک گھوم چکا تھا۔ تاہم میگان نے ہاتھ نہیں ہٹائے۔ وہ ظاہر کر رہی تھی، جیسے وہیل پھنس گیا ہے۔ وہ قریب آگیا تھا۔ اس کا بازو دراز ہوا...... مخصوص آری کی چونچ ''آرافش'' کے مانند تھی۔

میگان نے بایاں ہاتھ وہیل سے ہٹایا اور دروازے کے ریلیز بٹن پر ہاتھ رکھا۔ ٹائمنگ کا کھیل تھا...... آری کے دندانے خلائی سوٹ کو بہ آسانی نقصان پہنچا سکتے تھے اور سوٹ کے اندر کی ہوا باہر نکل جاتی۔ جس کے بعد باہر کی مہلک ہوا اندر آتی...... میگان بمشکل تین سانس لیتی اور زہریلی ہوا کے ساتھ پھیپھڑوں تک پہنچ جاتا۔

مائیکروگریویٹی میں خلا باز زمین کی نسبت بہت کم رفتار سے حرکت کرتے ہیں۔ جب ریڈ وار کر رہا تھا، اس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا بازو سلوموشن میں اوپر سے نیچے آرہا ہے۔ میگان نے ریلیز بٹن دباتے ہوئے خود کو دروازے کے سامنے سے ہٹایا۔ مدھم سسکی کی آواز آئی۔ دروازہ کھلا۔ ریڈ کا بازو نیچے آچکا تھا۔ وہ بازو کی حرکت کے ساتھ ...... نہیں رک سکتا تھا ...... وہ اس جگہ پر تھا جہاں ایک سیکنڈ قبل میگان موجود تھی۔ وہ کھلتے ہوئے دروازے سے ٹکرایا۔ آری ہاتھ سے نکل کر ہوا میں تیرنے لگی۔ ریڈ بھونچکا رہ گیا تھا۔ دونوں سلوموشن میں حرکت کر رہے تھے۔ میگان سرنگ میں داخل ہو گئی۔ اُدھر ریڈ سنبھل چکا تھا۔ اندر ایک اور بٹن تھا، میگان نے اسے دبایا تو دروازہ واپس بند ہونے لگا۔ واپس آنے کی رفتار مدھم تھی۔ جیسے ہی اندرونی وہیل دسترس میں آیا، میگان نے دروازہ کھینچا۔ بند ہوتے دروازے کی دراز میں آری چمکی۔ ہاتھ کے قریب سے میگان کا سوٹ چند انچ کے فرق سے بچ گیا۔ قبل اس کے ریڈ دوسرا وار کرتا، میگان نے دروازہ بند کیا اور وہیل گھما کر ہنگامی لیور کھینچ کر دروازہ جام کردیا۔

''چالاک لڑکی، کیا تمہارا انٹرکام آن ہے؟'' ریڈ کی آواز میں وحشت تھی۔ میگان کا دل حلق میں اچھلا...... اس نے انٹرکام یونٹ کا بٹن دبایا۔

''میں تمہاری سانسوں کی آواز سن رہا ہوں۔ جب تک ایمرجنسی لاک اپنی جگہ پر ہے، میں اندر نہیں آسکتا۔ تم خود کو محفوظ خیال کر رہی ہو...... ایسا نہیں ہے۔ میں اندر آسکتا

ہوں۔''

میگان نے ذہن دوڑایا کہ وہ کیا کرسکتا ہے۔ تاہم اس کے ذہن میں کوئی جواب نہیں آیا۔

''تم یہاں سے زندہ نہیں نکل سکتیں...... کبھی نہیں۔''

میگان نے ہراس کو لگام ڈالی۔ ''ڈیلن تم بھی نہیں بچو گے۔ میں تمہارے پھیلائے ہوئے عفریت کو ختم کرنے جارہی ہوں۔''

''اوہ، واقعی۔ تمہیں کچھ نہیں معلوم میں نے کیا کیا ہے۔''

''اوہ، یس، میں جانتی ہوں۔''

''ساٹھ منٹ میں ہم زمین پر ہوں گے۔ اتنی دیر میں تم کیا تلاش کرو گی؟ اگر کامیاب بھی ہو گئیں تو اسے تلف کیسے کرو گی؟ اسے...... کھڑکیوں سے باہر پھینکو گی تو عفریت زمین پر پھیل جائے گا۔ کیونکہ اب ہم خلا میں نہیں ہیں۔''

میگان نے کلک کی آواز سنی۔ ریڈ نے مائیکروفون بند کر دیا تھا۔ میگان نے پریشان ہونے کے بجائے خلائی لیب کی طرف حرکت کی۔

☆☆☆

ریڈ، فلائٹ ڈیک پر آیا اور کمانڈر کی نشست سنبھال کر بیلٹس باندھ لیں۔ شٹل نے زمینی فضا کی دوسری سرحد کو کاٹا اور لرزنے لگی۔ وہ اب بھی بہت بلندی پر تھی۔ سسٹم نے انجن بند کیا اور شٹل کی رفتار کم ہو گئی۔ یہ معمول کے مطابق تھا تاکہ کشش ثقل اثرانداز ہو کر شٹل کو نیچے کھینچنا شروع کر دے...... ریڈ انسٹرومنٹ پینل کا جائزہ لے رہا تھا۔ ڈسکوری نے بفرزون سے نکل کر گلائیڈنگ کا انداز اختیار کرلیا۔

ہیری لندن کی اضطرابی آواز آئی۔ ''ریڈ، میری آواز آرہی ہے؟ کیا تم ٹھیک ہو؟ تم تصدیق کرسکتے ہو؟''

'ہیری میرے پاس وقت نہیں ہے'۔ ریڈ نے دل ہی دل میں کہا اور کمیونیکیشن سسٹم ڈاؤن کر دیا۔ وہ میگان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لڑکی پہلی مرتبہ خلا میں آئی تھی اور اس نے ریڈ کے اندازوں کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ کیا وہ یہ بھی جانتی ہے کہ فلائٹ ڈیک کا ایک لیور سرنگ کے دروازے کے لاک ہٹا دے گا۔

☆☆☆

میگان کے پاس وقت کم تھا۔ اس نے خود کو لیب کے مرکز میں ''اسپیس فزیالوجی ایکسپریمنٹ'' کی مخصوص کرسی میں باندھ لیا۔ یہ سلیڈ چیئر کہلاتی ہے جس پر خلابازوں کے

https://www.urdutubes.com/

جوڑ، پٹھے، کان اور آنکھوں کو چیک کیا جاتا ہے۔

شٹل نے دوسری سرحد کو پار کیا تو میگان نے بندھن کھول دیے۔ اس نے نظر دوڑائی۔ وہاں خلائی تجربات کے لیے درجنوں ریکس تھے۔ میگان نے ذہن پر زور دیا کہ ریڈ نے وائرس کہاں چھپایا ہوگا؟ یس اے ایم سسٹم، سی پی ایف اور ایم وی آئی ایم...... معاً اسے خیال آیا کہ ریڈ نے وائرس کی ہیئت تبدیل کی تھی۔ ظاہر ہے اس نے بائیوریک استعمال کیا ہوگا۔ اس نے بائیوریک کا کمپیوٹر آن کیا۔ اسکرین پر کچھ نہیں تھا۔ ''خبیث نے ہر چیز مٹا دی ہے۔'' میگان نے گلوباکس کو دیکھا۔ وہ خالی پڑا تھا۔ اس نے دونوں انکیوبیٹر یونٹ دیکھے۔ ریکس اور کنٹرول پینل...... پاور پینل...... کولر آن تھا۔ میگان نے کولر کھولا۔ پہلی نظر میں سب ٹھیک تھا۔ لیکن وہ مطمئن نہیں تھی۔ اس نے ٹیسٹ ٹیوب کا ریک کھینچا، ان کی مارکنگ دیکھی اور واپس اندر کر دیا۔ دوسرا ریک، پھر تیسرا ریک...... تیسرے ریک میں ایک ٹیوب پر کوئی نشان نہیں تھا۔ وہ بے خبر تھی کہ ریڈ نہ صرف لیب میں پہنچ چکا ہے بلکہ اس کے عقب میں ہے۔

ریڈ نے بازو اس کی گردن میں ڈالا اور گھٹنے کے پیچھے ٹھوکر لگائی۔ بازو سے اسے پیچھے کھینچا۔ میگان کندھے کے بل گری۔

''الحنا مت۔'' ریڈ غرایا اور اس نے کولر کے ریک میں سے ٹیوب نکال کر خاص قسم کی پاؤچ میں رکھ لی۔ پاؤچ جیب میں رکھ کر وہ میگان کی طرف مڑا۔

''تم اب بھی یہ سب روک سکتے ہو۔'' میگان نے مایوسی سے کہا۔

ریڈ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جن کو بوتل میں واپس نہیں ڈالا جا سکتا۔'' اس نے واپسی کی راہ اختیار کی۔ سرنگ کا دروازہ لاک کر دیا۔ سطح زمین بیس منٹ کی دوری پر تھی۔

☆☆☆

ائرفورس ون ایک گھنٹے سے گروم لیک (نیوادا) میں موجود تھا۔ پریذیڈنٹ کی سیکیورٹی اور ٹیم ہمراہ تھی۔ ائرفورس ون کو شٹل لینڈنگ کے مقام سے ڈیڑھ میل دور لینڈ کرایا گیا تھا۔

پریذیڈنٹ کاسٹیلا گرم موسم نظرانداز کر کے ٹیم کے ساتھ شٹل لینڈنگ کے مقام پر پہنچ گیا۔ وہ بنکر کا جائزہ لے رہا تھا۔ بنکر کی غیر معمولی مضبوط دیواروں میں ایک دیوار کے درمیانی حصے میں ٹیوب نما شے دراز ہوتی چلی گئی تھی۔ ٹیوب کی اونچائی آٹھ فٹ اور چوڑائی پانچ فٹ تھی۔

''یہ کیا شے ہے؟'' پریذیڈنٹ نے ایک ائرفورس آفیسر سے سوال کیا۔ ایک انجن نما مدھم آواز نے پریذیڈنٹ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ آواز کارٹ کی تھی جس میں ائرفورس سیکیورٹی گارڈ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ٹیم کے قریب کارٹ رک گئی۔ بائر پریذیڈنٹ کی طرف آیا۔

''مسٹر پریذیڈنٹ، آپ کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔ میری آرزو تھی کہ ملاقات کسی خوشگوار موقع پر ہو۔'' بائر نے قدرے مؤدبانہ انداز اختیار کیا۔

پریذیڈنٹ نے فوراً نوٹ کر لیا کہ بائر کی آنکھیں اس کی کمزوری ہیں جو اندر کا حال کھول دیتی ہیں۔ کاسٹیلا نے کلیپن اور اسمتھ کی باتیں یاد نہ کرنے کی کامیاب کوشش کی اور دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس آدمی سے ہاتھ ملایا جس کے نام کی وہ قدر کرتا تھا جبکہ بائر انسانی روپ میں درندہ تھا۔

''تمہاری موجودگی سے مجھے اطمینان ہوا۔'' کاسٹیلا نے کہا۔ ''کیا تم اس ٹیوب کے بارے میں بتاؤ گے؟'' اس نے بائر سے سوال کیا۔

''یقیناً مسٹر پریذیڈنٹ۔'' وہ کاسٹیلا اور اس کی ٹیم کو بنکر میں لے گیا۔ ٹیوب کیا تھی، سرنگ ہی تھی جو دیوار [illegible]

''یہ موبائل ٹیوب میرا اپنا ڈیزائن اور تخیل ہے۔ اسے دنیا میں کہیں بھی لے جایا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک استعمال ہے۔ ہاٹ زون سے کسی کو باہر نکال لانا۔ ہاٹ زون جس میں داخل ہونا ناممکن یا دشوار ہو۔'' بائر نے بتانا شروع کیا۔

وہ ان لوگوں کو ٹیوب کے اختتامی سرے تک لے گیا۔

''کیا براہِ راست شٹل میں جانا ممکن نہیں ہے؟ حفاظتی لباس کے ساتھ جایا جا سکتا ہے؟''

''ممکن ہے۔'' بائر نے کہا۔ ''لیکن ہم نہیں جانتے کہ شٹل کے اندر خطرے کی نوعیت کیا ہے۔ ڈاکٹر ریڈ زندہ اور محفوظ ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ اسے وہاں سے نکال کر ٹیوب کے راستے چیمبر میں لایا جائے۔ اس میں خطرہ کم ہے بجائے اندر جانے کے۔''

''ڈاکٹر نہیں جانتا کہ وہاں کیا ہوا اور ہمیں کس خطرے کا سامنا ہے......''

''یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔'' بائر نے جواب دیا۔

https://www.urdutubes.com/

''میرے ذہن میں ہے کہ ریڈ کو نکال کر روبوٹ کو اندر بھیجا جائے۔ اندازہ ہے کہ خطرہ وائرس یا ایسی کسی شکل میں ہے۔ یہاں بہترین لیب کی سہولت موجود ہے۔ روبوٹ نمونہ نکال لائے گا۔ میں لیب میں تجزیہ کر کے ایک گھنٹے کے اندر خطرے کی حقیقی نوعیت سے آگاہ کر دوں گا۔''

''ریڈ کے لیے تمہاری حکمتِ عملی کیا ہوگی؟''

''چیمبر تمام ضروریات سے مزین ہے۔ الٹرا وائلٹ لائٹ بھی ہے۔ جو کسی بھی ہلاکت خیز بیکٹیریا کو ختم کر سکتی ہے۔ ٹیوب کا ایک سرا چیمبر کے ساتھ مل جائے گا۔ ریڈ کی حالت سے مطمئن ہونے کے بعد میں اسے چیمبر سے نکال لوں گا۔ اس دوران میں خود بھی حفاظتی لباس میں رہوں گا۔ اگرچہ پورا محفوظ ہے۔''

اگلے سوال پر بائر نے وضاحت کی کہ حفاظتی لباس کی صفائی کیوں ضروری ہے؟ اور وائرس باہر لانے کے لیے اس نے کیا طریقہ وضع کیا ہے......

''سر، پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔'' بل ڈاج نے کہا۔

''ریڈ سے رابطہ ہوا؟''

''نہیں، رابطے ابھی تک منقطع ہیں۔''

''ٹھیک ہے، آگے بڑھتے ہیں۔''

☆☆☆

[illegible] کہ ریڈ شٹل برباد کرنے کے لیے خودکار نظام فعال کر دے گا۔ تاکہ اس کی غیر انسانی سرگرمیوں کا ہر ثبوت مٹ جائے۔ اسی لیے اس نے خلائی لیب میں میگان کو ہلاک کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور اپنے مطلب کی چیز لے گیا تھا۔ یہ کرسی میگان کی آخری واحد امید تھی۔ سلیڈ چیئر پر خلا بازوں کی جسمانی حالت جانچ کر رپورٹ خلائی ڈیک کے علاوہ گراؤنڈ کنٹرول کو بھی دی جاتی تھی۔ خلائی تجربہ گاہ میں کمیونیکیشن کا واحد ذریعہ یہ کرسی تھی۔

میگان نے دونوں ٹخنے کرسی کے ساتھ باندھے...... اس کا ایک ہاتھ آزاد تھا۔ اس ہاتھ سے اس نے کمیونیکیشن یونٹ میں مائیکروفون جیک لگایا۔ اس کے علم کے مطابق رپورٹ آواز کے بجائے ہندسوں کی شکل میں جاتی تھی لیکن اس کے برعکس کسی نے نہیں بتایا تھا کہ اب آواز بھی پہنچائی جا سکتی ہے۔ میگان نے انسٹرومنٹ پینل فعال کیا۔ تاہم وہ سوچ رہی تھی کہ مائیک استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شاید آواز بھی چلی جائے۔

☆☆☆

''ریڈ۔ون، دس اِز واٹر گلاس۔''

آگے جانے والے کمانچی ہیلی کاپٹر کے ہیڈ سیٹ میں آواز آئی۔ جسے اسمتھ نے بھی سنا۔

''ریڈ۔ون، تم ممنوعہ علاقے میں ہو۔ فوراً شناخت کراؤ۔''

''براس ہیٹ۔ شناخت، براس ہیٹ۔'' پائلٹ نے جواب دیا۔ براس ہیٹ کاسٹیلا کا سیکرٹ کوڈ تھا۔

''اوکے کلیئر۔ رن دے R سٹائیں پر آؤ۔''

''R سٹائیں، راجر۔''

☆☆☆

گراؤنڈ کنٹرول پر ہیری لندن، شٹل کی کارکردگی پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔

''لندن؟''

لندن نے سر اٹھا کر کمیونیکیشن آفیسر کو دیکھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''پتا نہیں۔'' آفیسر نے اُلجھی ہوئی آواز میں کہا اور پرنٹ آؤٹ لندن کے حوالے کیا۔ ''ابھی ابھی موصول ہوا ہے۔''

وہ سلیڈ چیئر سے آنے والی میڈیکل رپورٹ تھی۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟ شاید اوپر کوئی خرابی ہے۔ ریڈ فلائٹ ڈیک پر ہے۔ رپورٹ کی درستگی کہہ رہی ہے کہ کوئی خلائی تجربہ گاہ میں ہے۔''

''یس سر۔'' آفیسر نے اتفاق کیا۔ اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہاں جو بھی ہے، وہ زندہ ہے۔ کرسی کے آلات آن تھے۔ مانیٹر مختلف علامتوں کا اظہار کر رہا تھا۔ حرکاتِ قلب بھی تھیں۔ اگرچہ مانیٹر پر اظہار مدھم تھا۔ تاہم دل دھڑک رہا تھا۔

ہیری لندن نے چشمہ اتارا۔ وہ دنگ رہ گیا اور سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

''سر، یہ سنیں۔ آخری چند منٹوں کی ٹیپ ہے۔''

لندن نے ہیڈ فون دبوچا۔ ''پلے کرو۔''

آواز بہت مدھم تھی لیکن بلاشبہ انسانی آواز تھی، جو ایتھر سے آرہی تھی۔

''دس اِز ڈسکوری...... اسپیس لیب...... زندہ ہوں...... دہراتی ہوں، زندہ ہوں...... مدد کرو...... مدد......''

☆☆☆

اسمتھ اور ریلی، ریڈ۔ٹیم کے ساتھ کمانچی سے باہر

آئے۔ اسمتھ نے مہیب ہینگر دیکھے۔ شمال اور مغربی سمت پہاڑی سلسلہ تھا۔ شمال مشرق میں صحرا کے سوا کچھ نہ تھا...... ٹیم نے ایک ٹرک میں سازوسامان لوڈ کیا۔ اسمتھ اور ریلی، فوجی گاڑی میں تھے۔ ایک ہینگر میں پارٹیشن بنا کر اسے ٹیم کے لیے مختص کیا گیا تھا...... تیاری آخری مراحل میں تھی۔

ایک آفیسر نے اسمتھ کو کال کے بارے میں بتایا۔ کال بلیو برڈ کی جانب سے تھی۔

''جان، کیا پوزیشن ہے؟''

''ہم چوتھی سطح کے درجے پر ہیں۔ حفاظتی لباس بھی پہن لیا گیا ہے۔ شٹل قریب ہے؟''

''جب تم لوگ بنکر میں پہنچو گے تو وہ بنکر میں ہوگی۔ تم لوگ حفاظتی لباس میں ہوگے۔''

''بائر......؟''

''اسے کوئی شک نہیں ہوا۔ وہ اپنے پروگرام پر عمل کر رہا ہے۔''

''ایک اہم بات بتانی ہے۔''

''یس سر۔''

''چند منٹ قبل شٹل کی تجربہ گاہ سے لندن نے ''ڈسٹریس سگنل'' وصول کیا ہے۔ جانچ پڑتال ہو رہی ہے۔ میں تمہیں جھوٹی امید نہیں دلانا چاہتا لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ میگان اولسن کی آواز تھی۔''

اسمتھ کے انگ انگ میں سوئیاں چبھنے لگیں۔ امید اور خوشی کی کیفیت ناقابل بیان تھی۔ ساتھ ہی اسے یہ احساس ہوا کہ حالات کی نئی کروٹ نے نئے خطرات کو جنم دیا ہے۔

''کیا لندن نے ریڈ کو بتایا؟''

''نہیں، کیونکہ رابطہ منقطع ہے لیکن میں نے لندن کو ہدایت کر دی ہے کہ رابطہ ہو بھی جائے تو وہ اس بارے میں خاموشی اختیار کیے رکھے۔''

رابطہ ریڈ نے منقطع کر رکھا ہے۔ اسمتھ نے سوچا۔ وہ ہیجانی کیفیت میں تھا...... ریڈ کو علم ہو گیا تو وہ باہر آنے سے قبل میگان کو نہیں چھوڑے گا۔

''سر، مجھے یقین ہے کہ رابطہ منقطع رہے گا لیکن اچھا ہوا، آپ نے لندن کو خبردار کر دیا...... کیا میں ٹیپ سن سکتا ہوں؟''

''آواز مزید خراب ہو گئی ہے تاہم تم سن لو۔''

اسمتھ نے آنکھیں بند کر کے توجہ مرکوز کی اور ہمہ تن گوش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''سر، میگان زندہ ہے۔''

☆☆☆

''واٹر گلاس، دس اِز آئی بال، ڈُو یو کاپی؟''

''آئی بال، دی ریڈیو فائیو بائی فائیو۔''

''راجر ڈیٹ۔ مینٹین سرویلنس۔''

گردم لیک کے کنٹرول ٹاور اور ائرفورس کے طیارے کولیڈ کرنے والے آئی بال کے درمیان جملوں کا تبادلہ ہوا۔ یہ جملے بہت سے افراد نے سنے۔ تمام نظریں مانیٹرز پر تھیں جہاں ڈسکوری بادلوں کی اوٹ سے نمودار ہوئی۔ ایک دوسری اسکرین پر کارل بائر نظر آ رہا تھا۔ اس نے جراثیم کش چیمبر چھوڑ دیا جو پریپ روم کے نام سے موسوم تھا۔ چیمبر کی کنکریٹ کی دیوار میں خلا نمودار ہوا۔ ٹیوب کا ایک سرا خلا کے ساتھ ملتا تھا۔ بائر ٹیوب میں داخل ہوا اور کنکریٹ کا خلا واپس بند ہونے لگا۔ یہ بلاسٹ ڈور تھا۔ سرنگ نما روشن ٹیوب میں اس نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ ٹیوب، ربر اور خاص پلاسٹک کی بنی ہوئی تھی۔ اندر سے بیرونی منظر آتا تھا لیکن خاصا دھندلا۔ ٹیوب کے دوسرے سرے کے قریب بنکر کی چھت دروازے کے دو کواڑوں کے مانند کھل رہی تھی۔ فرق یہ تھا کہ کواڑ دیوہیکل تھے۔ وہاں سے رن وے ڈھلوان شکل میں اندر اتر رہا تھا۔

''کیا بائر [illegible] سن رہے ہو؟''

''یس سر، بنکر کے آبزرویشن روم سے میکینیشن نے جواب دیا۔

''کیا شٹل لینڈ کر چکی ہے؟''

''سر، کسی بھی لمحے وہ زمین پر ہوگی۔''

''گڈ۔'' بائر آگے بڑھتا رہا۔

اسمتھ یہ گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے ریلی کو اشارہ کیا۔ ''گوناؤ۔'' ٹیم منقسم ہو کر دو ٹرکوں میں سوار ہو گئی۔ ٹرکوں کی چھت اور پہلوؤں پر کینوس موجود تھا۔ اسمتھ اور ریلی جیپ میں تھے اور ٹرکوں سے آگے تھے۔ صحرا کی رات میں تینوں گاڑیاں ٹارگٹ کی طرف متحرک تھیں۔ اسمتھ کے پاس پہلی کے برابر ایک مانیٹر تھا۔ شٹل صحرا کے اوپر تین ہزار فٹ بلندی پر تھی۔ اس کے لینڈنگ گیئر لاک تھے اور ناک ہوئی تھی۔ اسمتھ، میگان کی طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پہلا کام شٹل میں میگان کو تلاش کرنا ہے۔ وہ اس بات سے بھی آگاہ تھا کہ ان کا یہ عمل میگان کی ہلاکت کے امکانات میں اضافہ کر دے گا۔ پہلے ریڈ کو قابو کرنا ناگزیر تھا۔ اسمتھ کے ارادوں پر

معترض تھا۔ اگرچہ اسے میگان کی جانب سے تشویش تھی لیکن وہ باخبر تھا کہ خود اسمتھ کتنا بڑا خطرہ مول لینے جا رہا ہے۔

''جان اُدھر دیکھو۔'' ہیڈ سیٹ میں ریلی کی آواز آئی۔ جان نے اس کے اشارے کی جانب دیکھا۔ تیز روشنیاں زمین سے قریب تر تھیں۔ شٹل کے اطراف میں بھی روشنیاں تھیں۔ وہ ائرفورس کے طیارے تھے جو دائیں بائیں شٹل کے ہمراہ تھے۔ ریلی نے گنتی شروع کی۔ ''پانچ سو فٹ...... دو سو پچ ڈاؤن۔''

اسمتھ کی ٹیم رن وے کے متوازی جا رہی تھی۔ شٹل کے عقب میں تین عدد فائر ٹرک اور پچاس فٹ کے فاصلے پر تھے۔ شٹل کی ناک جھکی اور نوز گیئر نے وزن کو سنبھالا۔ پھر رفتار کم کرنے کے لیے پیراشوٹ کھل گئے۔

''نیچے اترو۔'' اسمتھ نے کہا اور دونوں جیپ سے کود گئے۔ دونوں ٹرک بھی آس پاس رک چکے تھے۔ رن وے کی ڈھلوان کھلے ہوئے دیوہیکل کواڑوں میں چلی گئی تھی۔ شٹل بھی بنکر میں غائب ہو گئی۔

''جان۔'' ریلی چیخ اٹھا۔ لیکن اسمتھ دوڑ لگا چکا تھا۔ اسمتھ نے دو تہائی فاصلہ طے کیا تھا۔ جب اس نے قدموں کے نیچے لرزش محسوس کی۔ رن وے کا ڈھلوانی حصہ واپس سیدھا ہو رہا تھا۔ اس کے بعد کواڑ بند ہو جانے تھے اور صحرا [illegible] تھا، وہ بھاگتا رہا۔ زمین میں نمودار خلا کے کنارے پر اس نے دیکھا کہ نیچے بنکر کا فرش دس فٹ کے فاصلے پر ہے۔ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور اندر کود گیا۔ فرش چھوتے ہی وہ بیلن کے مانند متحرک ہوا اور کروٹیں بدلتا چلا گیا۔ رن وے سیدھا ہوا اور کواڑ بند ہونے لگے۔ اسمتھ کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظر سرنگ نما ٹیوب پر گئی۔ روشن ٹیوب کے اندر ایک دھندلا سایہ نظر آ رہا تھا۔ جو دھیرے سے مڑا۔ اس کا رخ اسمتھ کی جانب ہو گیا۔

☆☆☆

کارل بائر کی توجہ شٹل کی طرف تھی۔ پھر اس نے اوپر کی طرف ڈھلوان کو واپس جاتے دیکھا۔ محض ایک ثانیے کے لیے اسے لگا جیسے کوئی شے اوپر سے گری ہے۔ تاہم اس نے اسے بصری فریب خیال کیا۔

''کنٹرول، میں ڈاکٹر بائر ہوں۔ سب ٹھیک ہے؟''

''دس اِز کنٹرول۔ سب ٹھیک ہے۔''

''میں ٹیوب میں شٹل تک جاؤں گا۔ ریڈ کے باہر آتے ہی شٹل سیل کر دوں گا۔ سمجھ گئے؟''

''کاپی ڈاکٹر...... گڈ لک۔''

☆☆☆

ریڈ کمانڈنگ چیئر سے اٹھ کر شٹل سے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اسے میگان کا خیال آیا۔ کیا وہ زندہ ہوگی؟ ریڈ نے جیب تھپتھپائی جہاں ٹیوب میں وائرس کا عفریت موجود تھا...... وہ بیرونی دروازے کے قریب آیا۔ الفانیورک کوڈ لگایا۔ اس نے سر اٹھا کر چھت میں ڈسپلے پینل کو دیکھا۔ سبز بتی روشن ہو گئی۔ دفعتاً دروازہ کھل گیا۔ ریڈ نے خود کو بائر کے رُوبرو پایا جس کا چہرہ حفاظتی ہیلمٹ کے اندر تھا۔

''تم!'' وہ جیسے چلا اٹھا۔

منصوبے کے مطابق بائر کو ریڈ کا انتظار جراثیم کش چیمبر میں کرنا تھا لیکن رچرڈسن اور پرائس کی غیر موجودگی میں، وہ منصوبہ تبدیل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ریڈ کی حیرت پر وہ مسکرایا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' ریڈ نے وضاحت طلب کی۔

بائر دو قدم اندر چلا گیا۔ ''رچرڈسن اور پرائس اس دنیا میں نہیں ہیں۔'' اس نے شٹل کا دروازہ بند کر دیا۔

''کیا مطلب؟ کیسے...... کب؟''

بائر نے وضاحت کی۔ کیسے دونوں حادثے کا شکار ہو گئے۔ پھر اس نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''پریذیڈنٹ کاسٹیلا کو وائرس کا علم ہو چکا ہے۔'' بائر لاعلم تھا کہ اس کا جھوٹ واقعی سچ ہے۔

اگرچہ ریڈ کا چہرہ مخصوص ہیلمٹ کی حفاظتی پلیٹ کے پیچھے تھا۔ اس کے باوجود بائر نے اس کے چہرے پر کھنڈی زردی دیکھ لی۔

''یہ ناممکن ہے۔''

''یہ حقیقت ہے۔'' بائر نے جواباً کہا۔ ''میری بات غور سے سنو۔ مجھے نہیں معلوم کہ کاسٹیلا اور اس کے آدمی کتنا کچھ جانتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ انہوں نے رچرڈسن اور پرائس کی کڑی تمہارے ساتھ تلاش کر لی ہو۔ ہم کوئی چانس نہیں لے سکتے۔ اگر تمہاری تلاشی لی گئی تو کھیل ختم ہو جائے گا۔ لیکن وہ لوگ میرے اوپر انگلی نہیں رکھ سکتے۔''

''میرا کیا ہوگا؟'' ریڈ کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

''کچھ نہیں، میرا یقین کرو۔ جلد ہی تم ہیرو بن جاؤ گے۔ تباہ کن مشن سے بچنے والے واحد آدمی۔ تم اتنا کرو کہ نمونہ مجھے دے دو۔''

ریڈ کچھ دیر بائر کو دیکھتا رہا۔ رچرڈسن اور پرائس کی

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

غیر موجودگی اعلان کر رہی تھی کہ بائر سچ بول رہا ہے۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پاؤچ نکالا اور بائر کے حوالے کر دیا۔ بائر نے اسے کھولا...... ٹیوب نکالی۔ اسے کھولا۔ پھر اسے قریبی فولادی کاؤنٹر پر خالی کر دیا۔

ریڈ اچھل پڑا۔ ”پاگل ہو گئے ہو۔ یہی کُل اثاثہ تھا۔“

”میں نے کب کہا کہ سب ضائع کرنا ہے۔“ اس نے ایک ڈبیا نکال کر کھولی۔ اس میں سے ایک کیپسول اور روئی کا پھایا نکالا۔ روئی کسی چیز میں تر تھی۔ ہلاکت خیز مواد کاؤنٹر پر اس طرح پڑا تھا جیسے تھوڑا سا دودھ چھلک جاتا ہے۔ بائر نے کیپسول کی ٹپ ہٹائی۔ کچھ روئی لے کر اس کی مدد سے مواد کا کچھ حصہ کیپسول میں منتقل کیا۔ کیپسول بند کر کے باقی بھیگی ہوئی روئی میں اسے لپیٹ کر ڈبیا میں رکھ لیا۔ ٹک کی آواز آئی اور ڈبیا بند ہو گئی۔ وائرس کا بچا ہوا مواد وہیں تھا۔ اس میں ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔ ریڈ منہ کھولے بائر کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

”کیا تم کیپسول میں لے جاؤ گے۔ اس کی حفاظت کیسے کرو گے؟“

”کیپسول سرامک سے بنا ہے اور مخصوص روئی کے اندر ہے۔ پریشان مت ہو۔ یہ میرے نئے پلان کا حصہ ہے۔“

”کیسا پلان......؟“

اچانک کوئی چیز چمکی۔ یہ چمک آلۂ جراحی کی تھی جس نے ریڈ کے حفاظتی سوٹ کو کاٹا اور اندر جلد میں خراش ڈال دی۔

”نہیں...... ل......“ ریڈ چیختا ہوا عقب میں لڑکھڑایا۔

”میرے نئے پلان کے لیے ضروری ہے کہ کوئی گواہ نہ ہو۔“ بائر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ باہر آ کر تم سوال جواب اور تفتیش کو ہینڈل نہیں کر سکو گے۔“

ریڈ نے بائر کو پکڑنے کی ناکام کوشش کی اور زمین بوس ہو گیا۔ ذرا دیر میں اس کا بدن مُرغی کی طرح جھٹکے کھا رہا تھا۔ سخت تشنج کا شکار تھا...... پھر اس کی کمر پیچھے کی جانب مڑنے لگی۔ مناسب فاصلے سے بائر اپنی تخلیق کی کارکردگی کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ نظریں اس وقت بھی پھڑکتے ہوئے ریڈ کے لہولہو جسم پر تھیں۔ جسم کا خون سوٹ کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم آنکھوں، ناک، منہ...... سے نکلنے والے خون نے ہیلمٹ کی پلیٹ پر سرخ پردہ ڈال دیا تھا۔ عام آدمی کے لیے یہ ایک دہشت ناک منظر تھا۔

بائر کا ہاتھ شٹل تباہ کرنے کے خودکار نظام کے پینل کی طرف جا رہا تھا جسے فعال کر کے اسے باہر نکل جانا تھا۔

☆☆☆

اسمتھ، شٹل کے لینڈنگ گیئر کے پاس پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے وہ ٹائروں پر چڑھا۔ پھر لینڈنگ اسمبلی کی جانب حرکت کی۔ وہاں سے کھڑکی نما در کھول کر اندر رینگ گیا۔ اندر ایک اور نسبتاً بڑا کھڑکی نما در تھا۔ اس کے مرکز میں کڑا تھا۔ انگلیاں پھنسا کر اسمتھ نے اسے گھمانا شروع کیا۔ اسے کھول کر وہ شٹل کے پیٹ میں [illegible] کے قریب نمودار ہوا۔ جو خلائی تجربہ گاہ کی پشت تھی۔ یہاں مختلف اشیا اسٹور کی گئی تھیں۔ تجربہ گاہ کی پشت پر آبدوز کے دروازے کے مانند بیضوی شکل کا دروازہ تھا...... جسے کھولنے کے لیے اس کے پہیے کو گھمانا تھا جس کے بعد وہ تجربہ گاہ میں داخل ہو سکتا تھا۔

تجربہ گاہ کے اندر میگان عالمِ وحشت میں گھومتے ہوئے پہیے کو تک رہی تھی۔ وہ نڈھال تھی۔ ”ابھی تاخیر نہیں ہوئی۔“ اندر سے آواز آئی۔ اس نے تیزی سے سلیپنگ [illegible] کے بندھن کھولے اور ہمت کر کے لیب سے سرنگ میں جانے والے دروازے کی طرف [illegible] ناکامی اور مایوسی کا اندھیرا میگان کو نگل رہا تھا۔ وہ [illegible] روکنے کے لیے لڑ رہی تھی اور سوچنے کی سعیِ لاحاصل میں تھی کہ معاً اسے اسٹوریج سیکشن کی جانب سے آواز سنائی دی۔

”ریڈ کو وہاں سے آنے کی کیا ضرورت ہے؟“ میگان نے ہتھیار کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا...... کچھ نہ تھا۔ پھر [illegible] ٹوٹنے کی وجہ سے [illegible]کاری کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔ وہ جامد حالت میں کھڑی دیکھتی رہی۔ دماغ سن تھا۔ وہ کیا کر سکتی تھی۔

ایک ٹانگ پھر دوسری ٹانگ اندر آئی۔ پھر کوئی جھکائی دے کر اندر آیا...... ہیلمٹ نظر آیا...... آنے والا خلائی لباس میں نہیں تھا۔ اس کا مخصوص لباس خطرے سے بچنے کے لیے تھا۔ میگان کا دل شدت سے دھڑکا۔

”میگان!“

اس کا سکتہ ٹوٹ گیا۔ اس نے اسمتھ کو جکڑنے کی کوشش کی لیکن خلائی لباس میں یہ ممکن نہیں تھا۔ اسمتھ نے اس کے دونوں شانے پکڑ لیے۔ اس کا ہیلمٹ میگان کے

ہیلمٹ سے ٹکرا رہا تھا۔ فیس پلیٹ ایک دوسرے کے ساتھ مل رہی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسمتھ کو تک رہی تھی۔ ضبط کا یارا نہ رہا۔ آنسوؤں کی لڑی نے رخساروں پر پھسلنا شروع کر دیا۔ وہ اسمتھ کے شانے سے ٹک کر رو رہی تھی جن آنسوؤں سے چند سیکنڈ قبل لڑ رہی تھی، انہیں آزاد کر دیا۔

”تمہیں کیسے پتا چلا؟“ اس نے سسکی لی۔

”انہوں نے تمہارا ٹوٹا پھوٹا پیغام سن لیا تھا۔“

”پھر تم میرے لیے آ گئے......“

دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر اسمتھ نے آہستہ سے کہا۔ ”آؤ چلیں۔ ہمیں نکلنا ہے۔“

”اور ریڈ؟“

”مجھے پتا ہے، وہ بائر کے ساتھ ملا ہوا ہے۔“

”بائر؟“

”وہ آدمی جسے تم نے لانچنگ سے قبل رات میں ریڈ سے ملتے دیکھا تھا...... باقی باتیں بعد میں۔ بائر، شٹل میں ہے۔ وہ شٹل تباہ کیے بغیر یہاں سے نہیں جائے گا۔“ اسمتھ نے میگان کو شٹل، بنکر، ٹیوب کی پوزیشن بتائی۔ چیمبر کے بارے میں بتایا......

”جان۔“ میگان نے ایک سمت میں پینل کی طرف اشارہ کیا۔

”شٹل کی تباہی کا خودکار نظام [illegible] ہمارے پاس فقط چار منٹ ہیں۔“

اسمتھ، میگان کو لے کر تیزی سے آنے والے راستے سے واپس نکل آیا۔ میگان، اسمتھ کے پیچھے تھی۔ اس نے حیرت سے دیوار پر سرنگ نما ٹیوب کو دیکھا...... اسمتھ نے اپنے سوٹ میں سے چاقو برآمد کیا اور چند وار کر کے ایک جگہ سے ٹیوب میں جگہ بنائی۔

”میگان اندر چلی جاؤ۔“ اسمتھ نے اس کی مدد کی۔ پھر خود بھی اندر چلا گیا۔ میگان نے دیکھا کہ اسمتھ ساکت ہے۔

”جان، وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔“

اسمتھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کے تاثرات حزن آلودہ اور آنکھوں میں غصہ تھا۔ میگان کے تصور میں خلا بازوں کے مردہ اجسام گھوم گئے۔ کتنی اذیت میں انہوں نے جان دی تھی۔ وہ سمجھ گئی کیا ہونے جا رہا ہے۔

”جاؤ تم۔“ اسمتھ نے کہا۔ ”رکنا مت نہ پیچھے دیکھنا۔ ٹیوب کے اختتام پر بلاسٹ ڈور سے گزر کر تم چیمبر میں پہنچ جاؤ گی۔“

”جان......؟“ میگان لرز اٹھی۔ آواز ٹوٹ گئی۔

”گو، میگان...... جہاں ٹیوب کٹی ہے، وہاں خیال رکھنا۔“

☆☆☆

مختصر وقت کا احساس اسمتھ کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ وہ میگان کے مخالف سمت میں شٹل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا، بائر جیسے دولت مند اور طاقتور آدمی کے جرائم کا حساب حد درجہ دشوار تھا جبکہ تمام گواہان مر چکے تھے۔ اسے کوئی شک نہیں تھا کہ بائر نے ریڈ کو بھی ختم کر دیا ہوگا۔ بائر بچ گیا تو کوشش کرے گا...... کہیں اور...... کسی اور وقت، ایک نیا ”کینڈرا کومپیکٹ“ جنم لے گا۔

اسمتھ ٹیوب میں بھاگتا ہوا شٹل کے بند دروازے تک پہنچ گیا۔ عین اسی وقت دروازہ کھلا۔ بائر ٹھٹک گیا۔ وہ ناقابلِ یقین نظروں سے اسمتھ کو دیکھ رہا تھا۔ اسمتھ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے واپس اندر دھکیل دیا۔ اسمتھ کی نظر ریڈ کی مڑی تڑی خونچکاں لاش پر پڑی۔ غیظ و غضب کے باعث اسمتھ کا چہرہ پتھرا گیا۔ بائر نے ہیڈ سیٹ میں ریڈیو فریکوئنسی تبدیل کی۔

”تم...... یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”تمہیں، تمہارے عفریت کے سپرد کرنے آیا ہوں۔“ اسمتھ کی آواز سے زہر ٹپک رہا تھا۔ چہرے پر غصہ اور نفرت تھی۔ اسمتھ نے ایک قدم اندر رکھا ایک باہر ہی تھا۔

”تک...... کیا کر رہے ہو؟“ آنِ واحد میں بائر کے شیطانی ذہن نے کام کرنا بند کر دیا۔

اسمتھ نے اس کے سینے پر چاقو کا وار کیا۔ حفاظتی لباس پھٹا۔ سینہ زخمی ہو گیا۔ بائر کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں۔ اس نے اسمتھ کی طرف آنے کی کوشش کی۔ اسمتھ نے دوسرا قدم بھی اندر رکھا، ایک لات بائر کے سینے پر ماری۔ وہ گرا اور مزید دور ہو گیا پھر اسے اٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ اسمتھ نے اس کی حالت دیکھنے کی کوشش نہیں کی اور دروازے کے قریب نصب پینل پر انگلیاں چلا کر باہر نکل گیا۔ عقب میں شٹل کے فولادی دروازے کی سیل اپنی جگہ بیٹھ گئی تھی۔

اسمتھ نے بھاگتے ہوئے ریڈیو فریکوئنسی تبدیل کی۔

”کنٹرول، میگان کہاں ہے؟“

”جان، میں کلین ہوں۔ میگان محفوظ ہے۔ ہم نے بلاسٹ ڈور کھلا رکھا ہے۔ نکلو وہاں سے...... ڈور بند کرتا

https://www.urdutubes.com/

پڑے گا۔ آخری منٹ گزر رہا ہے۔''

اسمتھ کے ذہن میں تھا کہ ٹیوب میں وہاں خلا ہے جہاں اس نے چاقو سے اسے کاٹا تھا۔ بھاگتے ہوئے اسے دھیان رکھنا تھا۔ وہ حتی الامکان تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ جب اسے بلاسٹ ڈور دکھائی دیا تو ڈور بند ہونا شروع ہو چکا تھا۔ یقیناً تباہ کن دھماکے میں چند سیکنڈ رہ گئے۔ شٹل کو پھٹنا تھا اور وہاں آگ لگنی تھی۔

''پانچ سیکنڈ...... جان......!'' کلین کی مضطرب چیخ سنائی دی۔ اسمتھ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جان توڑ کر بھاگ رہا تھا۔ پندرہ قدم...... دس قدم...... اسمتھ کا انگ انگ احتجاج کر رہا تھا۔ عضلات تڑخ رہے تھے۔ ان میں جلن بڑھتی جا رہی تھی۔

پانچ قدم...... چار قدم اور تین سیکنڈ۔ بلاسٹ ڈور بند ہونے والا تھا۔ اسمتھ نے آخری قدم اٹھایا اور جست لگائی۔ وہ دروازے کے کنارے کو چھوتا ہوا دوسری طرف الٹرا وائلٹ چیمبر میں گرا۔ عقب میں دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اسے لگا جیسے اس کے نیچے زمین نے کروٹ لی ہو۔ بلاسٹ ڈور پر اندر سے یوں دھکا لگا جیسے کئی ہاتھ مل کر ٹکرائے ہوں۔

☆☆☆

اسمتھ کی آنکھ کھلی تو چھت کی سفیدی نظر آ رہی تھی۔ اس نے فوراً ہلنے کی کوشش نہیں کی۔ ساکت پڑا رہا۔ دھیرے دھیرے اس نے حرکت شروع کی۔ جسم سلامت تھا۔ تاہم یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نیاگرا آبشار سے گرا ہو۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے؟

دروازہ کھلا اور کلین اندر آیا۔

''میں کہاں ہوں؟'' اسمتھ نے نقاہت زدہ آواز میں سوال کیا۔

''انسانوں کے درمیان زمین پر۔ جان، بہت خوشی ہوئی۔ میں سمجھا تھا کہ تم نکل نہیں پائے۔ تم چیمبر میں بے ہوش ہو چکے تھے۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے، تم ٹھیک ہو۔'' کلین نے کہا۔

''کیا ہوا تھا؟''

''دھماکے کے بعد ریلی اپنی ٹیم کے ساتھ چیمبر میں گیا تھا۔ تمہیں بے ہوشی کی حالت میں ہی ضروری مرحلوں سے گزار کر ٹیم باہر لے آئی...... پھر اسپتال۔''

''میگان؟''

''وہ ٹھیک ہے۔ تم دونوں ٹھیک ہو۔''

''کھیل ختم؟'' اسمتھ نے سرگوشی کی۔

''یس۔'' کینڈرا کو میٹکٹ ''ٹوٹ گیا۔''

☆☆☆

میڈیا رپورٹس کے مطابق جنرل فرینک رچرڈسن ڈپٹی ڈائریکٹر، این ایس اے، انتھونی پرائس اندوہناک حادثے میں جانبر نہ ہو سکے۔ حادثہ بریک میں خرابی کی وجہ سے ہوا۔ رچرڈسن کی تدفین، فوجی اعزاز کے ساتھ آرلنگٹن کے قومی قبرستان میں کی گئی۔ پرائس کی تدفین نیوہیمپشائر میں فیملی پلاٹ پر کی گئی۔

بعد کی رپورٹس کے مطابق بحرالکاہل میں اینجلس کے مغرب میں تیس میل دور ایک جیٹ طیارہ ڈوب گیا۔ وجوہات تلاش کی جا رہی ہیں۔ مذکورہ جیٹ بیورز رمٹ فارما کی ملکیت تھا اور ہوائی جا رہا تھا۔ حادثے کے وقت اس میں ایک ہی مسافر تھا۔ ڈاکٹر کارل بائر... کی تلاش جاری ہے۔ بظاہر امکانات نہیں ہیں کہ طیارہ... میں ہی پھٹ گیا تھا۔

پریذیڈنٹ کاسیلا نے قوم سے تعزیتی خطاب... ماضی میں ''چیلنجر'' کی تباہی کے بعد ڈسکوری کا حادثہ... المیے کا دوسرا واقعہ تھا۔ تفتیش کے مطابق شٹل کی واپسی کے دوران فیول پمپ میں خرابی پیدا ہوئی۔ شٹل ایڈورڈز ائربیس پر لینڈ کرنے کی ناکام کوشش کے بعد المناک تباہی سے دوچار ہوئی۔

''میگان کا کیا ہوا؟'' رینڈی رسل، اسمتھ کے قریب کھڑی تھی۔ ''اسمتھ۔''

''میگان کا نام، شناخت، چہرہ سب تبدیل کر دیا ہے۔ وہ بچ گئی تھی لیکن اسے مُردوں میں شمار کرنا مجبوری تھی۔ کوئی چوائس نہیں تھی۔ معاملات کو خفیہ رکھنے کے لیے ناگزیر تھا۔ اب وہ نئی شناخت کے ساتھ نئی زندگی گزارے گی۔''

''شکریہ تم نے مجھے بتایا۔'' رینڈی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسمتھ نے قبروں کے کتبوں پر نظر ڈالی اور نرمی سے بولا۔

''تمہاری مدد کے بغیر انجام مختلف ہوتا۔'' اس نے قدم بڑھا کر پھول یوری ڈانکو کی قبر پر رکھ دیے۔ ''اس آدمی کی قربانی کے بغیر ہم کہاں ہوتے؟''

وہ ڈانکو کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کر رہا تھا۔

ایمانداری کا دھندا

منظر امام

ضرورت کو ایجاد کی ماں کہا جاتا ہے... اسے بھی رقم کی ضرورت تھی... اس کے حصول کا راستہ بھی مل گیا تھا... مگر اب قرض خواہ کو اسے واپس کرنے کی راہ سوچنی تھی... جو بالآخر اسے سوجھ ہی گئی...

نرم گرم انداز میں اجاگر ہونے والے کاروباری داؤ پیچ......

پورے پانچ لاکھ روپے تھے۔ پانچ لاکھ کم تو نہیں ہوتے۔

پانچ لاکھ۔ جو نادر کے لیے چاہے کچھ خاص حقیقت نہ رکھتے ہوں لیکن وہ کیوں معاف کرتا۔ اچھی خاصی رقم تھی۔

نعمان آخر اس کا لگتا ہی کیا تھا کہ پانچ لاکھ روپے اس پر چھوڑ دیے جائیں۔ اس نے نعمان کو اتنی رقم اپنے ایک دوست کے کہنے پر دے دی تھی۔ نادر کا کام ہی یہی

https://www.urdutubes.com/

تھا۔ وہ پیسے قرض کے طور پر دیا کرتا اور ہر ماہ سود وصول کر لیا کرتا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ اس کا بزنس ہے۔

بزنس کئی طرح کے ہوتے ہیں تو یہ بھی بزنس ہے اور بزنس کا منافع لینا کوئی بُری بات نہیں ہے۔ اس کا یہ بزنس بہت پھیلا ہوا تھا۔ اس نے پیسے وصولی کے لیے اپنے کچھ کارندے بھی رکھے ہوئے تھے۔ جو غنڈا گردی کر سکتے تھے۔ نادہندہ کے ہاتھ پاؤں توڑ سکتے تھے اور معاملہ اگر حد سے بڑھ جائے تو اس کو گولیاں بھی مار سکتے تھے۔

نادر اس دن اپنے گھر پر ہی تھا۔ جمعرات کا دن تھا اور جمعرات کو وہ چھٹی کیا کرتا۔

اس دن وہ مختلف مزاروں پر جا کر لنگر تقسیم کیا کرتا۔ ایک ٹرک پر بریانی اور زردے کی دیگیں ہوا کرتیں۔ اس کے کارندے جالیوں والی ٹوپیاں پہن کر ٹرک میں بیٹھے رہتے۔ اور مزاروں کے سامنے بیٹھے ہوئے غریبوں میں بریانی اور زردے کے شاپرز تقسیم کیا کرتے۔

نادر کا کہنا تھا کہ اس طرح ایک تو اس کو دلی سکون مل جاتا ہے پھر یہ کہ اس کے کاروبار میں بھی برکت ہو جاتی ہے۔

نعمان کو اس کا ایک دوست لے کر آیا تھا۔ نعمان ایک شریف انسان دکھائی دے رہا تھا جس کے چہرے ہی سے مظلومیت ظاہر ہو رہی تھی۔

''نادر بیٹھو۔'' بس کے دوست نے نادر کا تعارف کروایا۔ ''یہ نعمان ہیں۔ اس وقت یہ ایک معاملے میں پھنس گئے ہیں۔''

نادر ہنس پڑا۔ ''میرے پاس پھنسے ہوئے لوگ ہی آتے ہیں۔ کتنے کی ضرورت پڑ گئی ہے تمہارے دوست کو؟''

''صرف پانچ لاکھ کی۔'' اس بار نعمان نے کہا۔

نادر پھر ہنس پڑا۔ ''واہ، پانچ لاکھ تو تم اس طرح کہہ رہے ہو جیسے پانچ سو ہوں۔''

''نادر صاحب، معاملہ ہی ایسا ہے۔ میں نے ابھی تک کسی سے قرض نہیں لیا لیکن اس بار مجبور ہو گیا ہوں۔''

''ہاں بھائی۔'' نادر نے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔ ''اس بندے کی ضمانت کون لے گا؟''

''نادر صاحب، میں ایک شریف انسان ہوں۔ آپ کے پیسے لے کر بھاگوں گا نہیں۔''

''خیر یہ تو ہو بھی نہیں سکتا۔'' نادر ہنس پڑا۔ ''معلوم ہے۔ پانچ لاکھ کے لیے تمہیں ہر مہینے پچاس ہزار سود دینا ہو گا۔''

نعمان نے اتنا سود دینے سے معذوری ظاہر کر دی۔ نادر کے دوست کے کہنے پر نادر تیس ہزار مہینے پر مان گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگرچہ یہ اس کے اصول کے خلاف ہے۔ لیکن نعمان شریف آدمی معلوم ہو رہا ہے اس لیے اس نے رعایت کر دی ہے۔

نادر کے دوست نے کہا۔ ''بھائی اب ایک اور بات بتا دوں۔ میں نے تم دونوں کو ملوا دیا ہے۔ اب جو معاملہ ہے وہ تم دونوں کا ہے۔ اس نے پیسے دیے یا نہیں دیے، نادر نے نعمان کے ساتھ زیادتی کر دی، میں یہ سب نہیں جانتا۔ آپ دونوں جانیں۔''

''ابے ہاں یار، میں تجھ کو کوئی الزام نہیں دوں گا۔ اب یہ میرا معاملہ ہے لیکن اصولاً مجھے تمہارا گھر تو دیکھنا ہی ہو گا۔''

''کیوں نہیں، جب جی چاہے... بلکہ ایسا کریں پرسوں آ... جائیں۔ بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔''

نادر اپنے اطمینان کے لیے نعمان کے گھر پہنچ گیا۔ نعمان ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ فلیٹ ایک اچھے علاقے میں تھا۔

[illegible]

''میں یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ نے شاید یوں ہی کہہ دیا ہے۔ آپ تشریف نہیں لائیں گے۔''

''کیوں نہیں آؤں گا؟'' نادر نے کہا۔ ''ہمارے دھندے میں زبان کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ جو کہہ دیا، کہہ دیا۔''

نعمان نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا تھا۔ نادر کو اطمینان ہو گیا تھا۔ ویسے بھی نعمان ایک شریف انسان دکھائی دے رہا تھا۔

''معاف کیجیے گا، نادر صاحب، آج مسز گھر پر نہیں ہیں۔ اسی لیے آپ کو میرے ہاتھ کی چائے پینی پڑے گی۔''

''ارے اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔'' نعمان نے کہا۔ ''میں ابھی حاضر ہوا۔''

نعمان اندر کچن کی طرف چلا گیا۔ نادر اس دوران کمرے کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ ڈرائنگ روم اگرچہ چھوٹا سا تھا لیکن سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ نعمان کچھ دیر بعد چائے اور بسکٹ وغیرہ لے کر آ گیا۔

Digitized by Google

''تو پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا؟'' نعمان نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔'' نادر نے ہنکاری بھری۔ ''مجھے تمہاری طرف سے اطمینان ہو گیا ہے۔ میں کل آؤں گا، تمہارے پیسے لے کر۔''

نعمان نے شکریہ ادا کیا۔ ''یقین کریں اگر اتنی ضرورت نہیں ہوتی تو میں کبھی پیسے نہیں لیتا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' نادر مسکرا دیا۔ ''ہم جیسوں کو ضرورت ہی میں یاد کیا جاتا ہے، اب میں چلتا ہوں۔''

نادر واپس آ گیا تھا۔ اس نے اپنے اس جاننے والے کو بھی فون کر دیا جس نے نعمان کا تعارف کروایا تھا۔

''ہاں بھائی، مجھے بندہ ٹھیک لگا ہے۔ گھر بھی دیکھ لیا ہے اس کا۔ اس کو پیسے دے رہا ہوں۔''

دوسرے دن شام کو نادر پانچ لاکھ لے کر نعمان کے فلیٹ پہنچ گیا۔ دستک کے جواب میں ایک عورت نے دروازہ کھولا۔ وہ ایک قبول صورت عورت تھی۔ نادر کے اندازے کے مطابق اس کی عمر اٹھائیس تیس... ہو گی۔

وہ سوالیہ نگاہوں سے نادر کو دیکھ رہی تھی۔ ''مجھے نعمان سے ملنا ہے۔'' نادر نے کہا۔ ''میرا نام نادر ہے۔''

''اوہ، آپ نادر ہیں۔ نعمان نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں ان کی مسز ہوں امبر، آئیں اندر [illegible] میں انہیں بتا دیتی ہوں۔''

نادر اندر آ کر بیٹھ گیا۔ اسی ڈرائنگ روم میں جہاں کل بیٹھا تھا۔ نعمان کی بیوی اندر چلی گئی۔

نادر کو وہ عورت اچھی لگی تھی۔ اگرچہ وہ زیادہ خوب صورت نہیں تھی لیکن اس میں ایک خاص قسم کی کشش ضرور تھی۔ نادر نے بہت کم عورتوں میں ایسی کشش دیکھی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ نادر کے لیے چائے لے کر آ گئی۔ ''یہ لیں، جب تک چائے پئیں نعمان آ رہے ہیں۔''

اگرچہ وہ چائے دے کر چلی گئی تھی لیکن نادر کے لیے وہ ابھی تک اسی کمرے میں تھی۔ اس کے بدن کی خوشبو سے وہ کمرا مہکا ہوا تھا۔ نادر اس عورت سے متاثر ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد نعمان بھی نہا کر آ گیا۔ دونوں نے بہت گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

''نعمان، میں تمہارے پانچ لاکھ لے آیا ہوں۔''

نادر نے اپنی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر میز پر رکھ دی۔

''بہت بہت شکریہ۔'' نعمان نے کہا۔ ''میں ابھی آیا۔''

''تم کہاں چل دیے؟''

''شناختی کارڈ کی کاپی لینے۔'' نعمان نے بتایا۔

''ارے اب رہنے دو۔'' نادر بے تکلفی سے بولا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

نادر کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ اس دوران نعمان کی بیوی ایک بار اور اندر آئی تھی۔

نادر ایک شکاری تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ نعمان کی بیوی کا حصول اتنا مشکل نہیں ہو گا۔ اس نے اس عورت کی آنکھوں کے اشارے دیکھ لیے تھے جو بظاہر بہت عام سے تھے لیکن نادر جیسے انسان کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔

نادر کو اب ایک ماہ انتظار کرنا تھا۔ اس نے نعمان سے کہا تھا کہ وہ زحمت نہ کرے، وہ خود ہی سود کی قسط لینے آ جایا کرے گا۔ کچھ گپ شپ بھی ہو جائے گی اور چائے بھی چلتی رہے گی۔

سود کی قسط وصول کرنے کے سلسلے میں نادر بہت سخت تھا۔ وہ مہلت دینے کا قائل نہیں تھا۔ اگر مہلت دیتا بھی تو روزانہ کے حساب سے جرمانہ بھی وصول کر لیتا۔ اس کے ساتھ اس کے غنڈے بھی ہوا کرتے تھے... اسی لیے کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔

وہ اپنے وقت پر سود کی رقم لینے پہنچ گیا۔ نعمان کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ صرف اس کی بیوی گھر پر تھی۔ اس نے نادر کو بہت والہانہ طور پر اندر بلا لیا تھا پھر وہ اس کے لیے چائے بنا کر لے آئی اور خود بھی اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

چائے پینے کے دوران اس نے کہا۔ ''نادر صاحب! اگر اس بار نعمان کو پیسے دینے میں کچھ دیر ہو جائے تو بُرا تو نہیں مانیں گے؟''

''کیوں، خیریت؟'' نادر نے پوچھا۔

''کہاں خیریت، میری امی بیمار ہیں۔ نعمان نے اس بار کے پیسے ان کے علاج پر لگا دیے۔'' اس نے بتایا۔

''ارے، چلیں کوئی بات نہیں، اس سے کہیں فکر نہ کرے۔''

''نعمان بتا رہے تھے کہ آپ روزانہ کے حساب سے جرمانہ بھی وصول کرتے ہیں۔''

''ارے اس کی فکر نہ کریں۔ ایسا ہوتا تو ہے لیکن یہ اصول سب کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اپنے لوگوں کے ساتھ رعایت کرنی پڑتی ہے۔'' نادر نے اپنے لوگوں پر خاص زور دیا تھا۔

https://www.urdutubes.com/

حماقت

تنویر ریاض

شناسائی ہونے میں دیر لگتی ہے... لیکن شناسائی کو خیرباد کہنے میں لمحہ نہیں لگتا... وہ ایک قدامت پرست قصبے میں رہائش پذیر تھا... سبزیوں سے اس کی دوستی تھی... مگر اس سبز دوستی نے اسے لہورنگ جرم میں پھنسا دیا...

سبزیوں اور لڑکیوں سے محبت کرنے والوں کا ماجرا......

وہ شخص کسی کچھوے کے مانند ہی لگ رہا تھا۔ گہرے سبز لباس میں کوئی شکن نہیں تھی۔ جب اس نے کہا کہ تم نے کچھوے کو کیوں مارا؟ تو میں نے فوراً تصحیح کی اور کہا کہ یہ کچھوا نہیں بلکہ ناشپاتی ہے۔

ہم انکل بوب کے نیچرل فوڈ ایمپوریم کے بریک روم میں بیٹھے ہوئے تھے جو ہمارے چھوٹے سے شہر کا سب سے بہترین گروسری اسٹور تھا۔ ڈپٹی نے ایک بار پھر اپنی بات دُہرائی۔ ”اس نے کچھوے جیسا لباس کیوں پہن رکھا

https://www.urdutubes.com/

نعمان کی بیوی مسکرادی۔

چائے کی پیالی سمیٹتے ہوئے نعمان کی بیوی کا ہاتھ نادر کے ہاتھ سے ٹکرا گیا تھا۔ نادر کے پورے وجود میں جیسے کرنٹ سا دوڑ گیا۔

”مجھے پیسوں کی ایسی جلدی نہیں ہے۔“ نادر نے چلتے ہوئے کہا۔ ”اور نعمان کو جرمانہ دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔“

”آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ اتنا خیال کرتے ہیں۔“

نادر ایک سرشاری کے عالم میں واپس آگیا۔ ابتدا ہوگئی تھی۔ کاش نعمان کے پاس کبھی پیسے نہ ہوسکیں اور وہ اسی طرح اس گھر میں آتا رہے۔

دس دن گزر گئے نعمان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی بیوی کی ماں کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہو یا کچھ اسی قسم کی بات ہو۔

وہ حالات معلوم کرنے کے بہانے نعمان کے فلیٹ پہنچ گیا۔ دستک کے جواب میں جس نے دروازہ کھولا تھا وہ نادر کے لیے اجنبی تھا جو سوالیہ نظروں سے نادر کو دیکھ رہا تھا۔

”مجھے نعمان سے ملنا ہے۔“ نادر نے کہا۔

”نعمان؟“ اس نے حیرت سے دہرایا پھر ایک دم سے بولا۔ ”آپ شاید پچھلے کرائے دار کی بات کررہے ہیں؟“

”پچھلا کرائے دار؟“

”جی بھائی، وہ تو تین دن ہوئے فلیٹ خالی کر کے چلے گئے ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”کہاں گئے ہیں؟“

”سوری، یہ مجھے نہیں معلوم۔“ اس نے جواب دیا۔

نادر غصے میں بھوت بنا ہوا اس بلڈنگ سے باہر آگیا۔ اس کے ساتھ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے اس طرح دھوکا دیا تھا۔ اس نے اسٹیٹ ایجنٹ سے معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی یہ نہیں بتا سکا کہ نعمان کہاں گیا تھا۔

نادر کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ اگر نعمان کی بیوی اس کے ہاتھ لگ جاتی پھر تو یہ کوئی گھاٹے کا سودا نہیں ہوتا لیکن وہ کم بخت تو اپنی بیوی اور سامان کے ساتھ ہی غائب ہوگیا تھا۔ نعمان نے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں کام کرتا ہے۔ خود نادر نے یہ سب معلوم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

لیکن اس کی تلاش جاری تھی۔ کہیں نہ کہیں وہ مل ج... جائے گا۔ شہر چھوڑ کر کہاں جاتا۔

پھر ایک دن نعمان کی بیوی مل ہی گئی۔ وہ ایک اسٹو... میں کچھ خریدتے ہوئے ملی تھی۔ نادر اس کے برابر جا کر کھ... ہوگیا۔

اس نے چونک کر نادر کی طرف دیکھا۔ ”آپ ناد... ہیں نا؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں، میں نادر ہوں اور تمہارا شوہر کہاں ہے؟“

”شوہر؟ کون شوہر؟“

”میں نعمان کی بات کررہا ہوں۔“

”وہ تو میرا شوہر نہیں ہے۔“

”تو پھر کون ہے؟“ نادر حیران رہ گیا تھا۔

”باہر آئیں، میں بتاتی ہوں۔“

وہ نادر کو لے کر اسٹور سے باہر آگئی۔

”ہاں اب بتاؤ، تم کیا کہہ رہی تھیں؟“

”میں کہہ رہی تھی کہ نعمان میرا شوہر نہیں ہے بلکہ کوئی بھی نہیں ہے۔ اس نے مجھے اس ڈرامے کے لیے ہائر کیا تھا۔ میں ایک کال گرل ہوں۔ میرا تو کام ہی یہی ہے۔ اس نے مجھے پچیس ہزار دیے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ مجھے اس کی بیوی کا رول کرنا ہے۔ میں نے اپنی ڈیوٹی پوری کی [illegible] راستہ۔“

”کیا تم مجھے اس وقت نہیں بتا سکتی تھیں کہ تم اس کی بیوی ہونے کا ڈراما کررہی ہو؟“ نادر نے غصے سے پوچھا۔

”نادر صاحب، ہر دھندے کا اپنا اپنا اصول ہوتا ہے۔ میں نے اس کو زبان دے دی تھی، میں آپ کو کیسے بتاتی؟“

”اب وہ ہے کہاں؟“

”یہ میں نہیں جانتی۔ میں نے اس سے اپنا معاوضہ لے لیا تھا۔ اب وہ کہیں بھی جائے۔ میرا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ ہاں، آپ بھی میرا نمبر لے لیں۔ اگر آپ کو میری ضرورت پیش آئے تو میں حاضر ہوں۔“

نادر اپنے آپ پر لعنت بھیجتا ہوا واپس آگیا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے دھوکا کھایا تھا اور وہ ایسا کہ برسوں اس کی چوٹ باقی رہنے والی تھی۔ پانچ لاکھ کم تو نہیں ہوتے۔

ہے؟"

"چارلس کچھ بھی نہیں تھا بلکہ پروڈیوس منیجر نے ناشپاتی والا یہ لباس پہن رکھا تھا۔ اس اسٹور میں یہ مہینا ناشپاتی کے حوالے سے منایا جا رہا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ خود بھی ناشپاتی کی طرح لگ رہا ہے۔"

"جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔" ڈپٹی نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تم میرے سوال کا جواب دینے سے کترا رہے ہو۔ تم اتنے بے چین کیوں ہو؟ کیا گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے؟"

"نہیں، مجھے کوئی گھبراہٹ نہیں ہو رہی۔" میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا۔

"تم اس اسٹور میں کیا کر رہے ہو؟"

میں نے ڈپٹی کو بتایا کہ اپنی گزر اوقات کے لیے پرائیویٹ سراغ رساں کے طور پر کام کر رہا تھا۔ مجھے یہ اس لیے پسند ہے کہ اس میں سارا وقت اپنا ہے۔ مجھے نو سے پانچ کی پابندی نہیں کرنا ہوتی۔ میں خود ہی باس اور خود ہی ملازم ہوں۔ اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مجھے باقاعدگی سے جم جانے کے لیے وقت مل جاتا ہے جو کہ جسم کو بہترین حالت میں رکھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ لیکن اس میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ یہ ہوائی روزی ہے۔ کبھی ہے کبھی نہیں اور گاہکوں سے ملنے والے چیک بھی اوقات کلیئر نہیں ہوتے۔ کچھ عرصہ قبل میں نے ایک عورت کی اس کے بے وفا شوہر سے طلاق دلوانے میں مدد کی تھی۔ اس عورت کے بڑے وسیع تعلقات تھے اور آلو کے مشاورتی بورڈ میں بھی اس کی جان پہچان تھی۔ اس نے میرا وہاں تعارف کروایا اور پُرزور سفارش کی۔ اسے یہ خیال اس لیے آیا کہ اس نے مجھے اپنے شاور سے غسل کر کے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میرا کسا ہوا جسم اور بازو کی ابھری ہوئی مچھلیاں اس لباس کے لیے بالکل مناسب تھیں جو انہوں نے آلو کی پروموشن کے لیے تیار کروایا تھا۔ اب میں اسی شعبے میں جزوقتی اسپیشل اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہا ہوں۔

"یعنی چارلس تمہارا باس تھا؟" ڈپٹی نے کہا۔

"میں آلو کے بورڈ میں اسپیشل اسسٹنٹ ہوں اور پروڈیوس منیجر کا ماتحت نہیں بلکہ اس کے ساتھ کام کرتا ہوں۔" میں نے دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس چھوٹے سے پُرسکون قصبے میں محض ایک ڈپٹی شیرف ہوں اور مجھے اس بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ تم وضاحت سے کیوں نہیں بتاتے کہ اسپیشل اسسٹنٹ کیا کام کرتا ہے؟" قانون کے محافظ نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا اور میرے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے میرے جواب سے کچھ لینا دینا نہیں بلکہ وہ انتظار کر رہا تھا کہ جھوٹ بولوں اور پھنس جاؤں۔

میں نے اس کام کی مشکلات اور مسائل بیان کرنے کے بجائے بورڈ کا لکھا ہوا مسودہ پڑھنا شروع کر دیا۔ "میں آلو کی خوبیاں اور فائدے بیان کرتا ہوں اور ان کسانوں کے کاشت کیے ہوئے آلوؤں کی مختلف اقسام کے ذائقے کو لوگوں سے متعارف کرواتا ہوں اور گاہکوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں کہ وہ آلو کا شوربا استعمال کر کے اس کے ذائقے کا لطف اٹھائیں۔ تم بھی آزما کر دیکھو۔"

ڈپٹی کا منہ بن گیا۔ شاید اسے سبزیاں پسند نہیں تھیں۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں انہیں یہ نہیں بتاتا کہ آلو کو ٹیوبر بھی کہا جاتا ہے جس کا تنا زمین کے اندر ہوتا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق اس کا نام لینے سے لوگوں کا دھیان کینسر کی طرف چلا جاتا ہے۔"

"کیا تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس کی موت کینسر کی وجہ سے ہوئی؟" ڈپٹی [illegible] کا جز۔"

"مجھے اس سے اختلاف ہے کیونکہ میں سبزیوں کا ماہر ہوں۔"

ڈپٹی کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ اس نے مجھے [illegible] ہوئے کہا۔ "اچھا تم سبزیوں کے بارے میں جانتے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ چارلس کے مرنے کے بعد تمہارا راستہ صاف ہو گیا اور تم بہ آسانی پروڈیوس منیجر بن [illegible] ہے کہ مجھے قتل کا محرک مل گیا۔"

اس بار میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس [illegible]

"قاتل کوئی ایسا شخص ہے جسے چارلس جانتا تھا [illegible] جدوجہد کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ یہاں تک کہ اس کے بالوں اور ٹانگوں پر لگا ہوا سبز رنگ بھی خراب نہیں ہوا۔"

میں جانتا تھا کہ دورانِ تفتیش رضاکارانہ معلومات فراہم کرنے کے بجائے صرف سوالوں کے جواب دینے چاہئیں۔ لیکن میں باز نہ رہ سکا اور میں نے کہا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس نے مجھے لوبیا کی [illegible] چراتے ہوئے پکڑ لیا تھا۔ مجھے اس کو قتل کر دینا چاہیے [illegible] ایک دفعہ میں پروڈیوس منیجر بن جاتا تو

زائد از میعاد سلاد کے پیکٹ اٹھاتا۔ تم جانتے ہو کہ بلیک مارکیٹ میں ان کی کتنی مانگ ہے؟"

اس کا چہرہ سخت ہو گیا اور وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ جیل میں تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟"

میں نے اپنے بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو آفیسر، مجھے یہاں آئے ہوئے صرف تین دن ہوئے ہیں۔ میں تو چارلس کو ٹھیک طرح سے جانتا بھی نہیں تھا۔ صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ ایک ناراض شخص تھا جسے اس کی بیوی نے اس لیے طلاق دے دی کہ وہ بہت زیادہ فحش فلمیں دیکھا کرتا تھا۔ اسے لڑکیوں اور سبزیوں سے بہت دلچسپی تھی اور وہ اپنے کام میں بہت سنجیدہ تھا۔"

ڈپٹی کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے میز پر جھک گئیں۔ لگتا تھا کہ اسے فحش فلموں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ اس کا بیشتر وقت لاشیں دیکھنے میں گزرتا تھا۔

"میں شرطیہ کہتا ہوں کہ تمہیں اس کے اپارٹمنٹ میں ان فلموں سے بھری ہوئی ایک الماری ملے گی۔" میں نے کہا۔ "اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔" میں نے اپنا سوائپ کارڈ نکال کر دکھایا۔ "اس اسٹور میں کمپیوٹرائزڈ ٹائم کیپنگ سسٹم ہے، میں تمہارے پہنچنے سے چند منٹ پہلے ہی یہاں آیا تھا۔"

[illegible] تک [illegible] اس بار اس نے کوئی احمقانہ اعتراف نہیں کیا پھر اس نے انگلی میری طرف اٹھائی اور کہا۔ "میرے دائرۂ کار سے باہر مت جانا، مجھے تم سے کچھ مزید باتیں کرنی ہیں۔"

"میں تمہارے دائرۂ کار کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے اس سے پوچھا۔ "مجھے اپنے آپ کو کہاں تک محدود رکھنا ہوگا۔ یہ اسٹور، کاؤنٹی یا ریاست؟"

ڈپٹی نے مجھے غصے سے دیکھا اور بریک روم سے باہر چلا گیا لیکن میں اپنی جگہ پر ہی بیٹھا رہا۔ میں کچھ سوچنا چاہ رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ اسے غصہ دلانا تمہاری بہترین حکمت عملی ہو سکتی ہے۔" میرے عقب سے ایک کھنکتی ہوئی آواز آئی۔

میں نے کرسی گھما کر دیکھا۔ مس بیب وہاں کھڑی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ یونیفارم میں نہیں تھی۔

"ہیلو، بیب۔" میں نے رسماً کہا۔

"تم جانتے ہو کہ یہ میرا اصلی نام نہیں ہے۔" اس نے کہا اور میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ڈیبرا لیسنگ کسی زمانے میں بی گریڈ فلموں کی اداکارہ تھی۔ اس نے اپنی جوانی کا بڑا حصہ ہالی وڈ کے چکر لگاتے اور اسٹار بننے کے خواب دیکھتے ہوئے گزار دیا۔ اس نے جن فلموں میں کام کیا، ان کا میں نے کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "اس کو غصہ دلانے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ میری ٹیچر ہمیشہ یہی کہا کرتی تھی کہ میں اپنے لیے مسئلے پیدا کرتا ہوں۔"

"میں نے مردوں کی دواؤں سے متعلق ایک کمرشل میں کام کیا تھا۔ اس سے تمہیں مدد مل سکتی ہے۔"

"میرا مسئلہ مختلف ہے۔" میں نے اسے ٹالنا چاہا۔

"میں ہتھکڑیوں کے بارے میں بھی تھوڑا بہت جانتی ہوں۔" اس نے کہا۔

میں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ بولی۔ "میں نے ایک پولیس ڈرامے میں شرابی طوائف کا کردار کیا تھا۔ قسط کے اختتام پر مجھے جیل لے جایا جاتا ہے۔ ان دنوں مجھے الرجی ہو رہی تھی۔ تم بھی اس حالت میں ہتھکڑیوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرو گے۔"

"اگر میں رات دس بجے تک جیل نہیں گیا تو مقامی خبروں میں موسم کا حال ضرور سنوں گا۔"

"میں صرف یہ کہہ رہی ہوں۔" وہ میرے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔ "کہ میں کیریئر میں ہونے والی غلطیوں کے بارے میں تھوڑا بہت جانتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ تم بھی ایسی ہی ایک غلطی کر رہے ہو۔"

اس بار مجھے اس سے متفق ہونا پڑا۔ اس اسٹور میں وہ بے بیٹ کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ وہ بیکری کی چیزیں فروخت کرتی اور اپنے پرستاروں کو آٹوگراف دیا کرتی تھی۔ اسٹور کے بیرونی دروازے کے قریب ہی ایزل پر اس کا ایک پوسٹر بھی لگا ہوا تھا۔

وہ کرسی سے تھوڑا سا اوپر اٹھی اور اپنا زاویہ اس طرح بدلا کہ میں پہلے کے مقابلے میں اسے بہتر طور پر دیکھ سکوں۔

"میں عادت سے مجبور ہوں۔" اس نے کہا۔ "یہ میرا اچھا رخ ہے۔ مجھے ہمیشہ کیمرے کے زاویے کو یاد رکھنا پڑتا ہے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ تمہارا کوئی بُرا رخ بھی ہوگا۔"

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

''تم بہت شوخ ہوتے جا رہے ہو۔'' اس نے جھینپتے ہوئے کہا۔

میں اس سے معذرت کر کے اسٹور کے اس حصے کی طرف گیا جہاں انکل بوب عمدہ شراب اور بیئر کا ذخیرہ رکھتا تھا۔ میں نے سرخ وائن کی ایک بوتل اور پلاسٹک کے دو کپ اٹھائے اور واپس بریک روم میں آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ اس افراتفری میں کسی کو ایک بوتل کم ہونے کا خیال نہیں آئے گا۔

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ اس وقت سرخ وائن تمہارے لیے مناسب رہے گی جبکہ تم سے ایک قتل کے سلسلے میں تفتیش ہو رہی ہے۔''

''سفید وائن کو ٹھنڈا کرنا پڑتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہم برف باہر رکھتے ہیں جبکہ میں اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔''

''میں جا سکتی ہوں۔'' وہ ثابت کر چکی تھی کہ لاش برآمد ہونے کے بعد اسٹور میں آئی تھی۔ اس لیے وہ کلیئر تھی۔ مجھے تھوڑی سی حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے میرے ساتھ بیٹھنے کو ترجیح دی۔

میں نے میز کی درازوں میں بوتل کھولنے کا آلہ تلاش کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ شاید انکل بوب نہیں چاہتا تھا کہ اس کا عملہ وقفے کے دوران شراب نوشی کرے۔ میں نے ایک چھوٹے چاقو سے بوتل کا ڈھکنا کاٹا اور مار کر کے ذریعے کارک کو اندر دھکیل دیا۔

''زبردست۔'' اس نے مجھے کپ میں شراب ڈالتے دیکھا تو کہنے لگی۔ ''تم تو کمال کے آدمی ہو۔''

''تم یہاں کیسے آ گئیں۔'' میں نے کہا۔ ''تمہیں تو کسی ریستوران میں ہونا چاہیے تھا۔''

''جب میں نے انڈسٹری چھوڑی۔'' وہ کہنے لگی۔ ''یا انڈسٹری نے مجھے چھوڑا۔ اس کے بعد میں نے کئی جگہ ملازمت کی۔ کچھ عرصہ لاس ویگاس کے اسپلینڈر ہوٹل میں بھی کام کیا۔ وہاں کے عملے میں سب ریٹائرڈ ایتھلیٹ یا ہالی وڈ کی شخصیات تھیں۔ میری ڈیوٹی استقبالیہ ڈیسک پر تھی۔ وہ ایک شاندار تصوراتی ہوٹل تھا پھر ایک دن اسے چینی سرمایہ کاروں کے ایک گروپ نے خرید لیا اور انہوں نے پورے عملے کو فارغ کر دیا۔ شاید وہ بیس بال کے کھلاڑیوں اور ایتھلیٹ کو پسند نہیں کرتے تھے۔''

''یہ تو کوئی غیر امریکی ہی کر سکتا ہے۔''

اس نے ایک بار پھر میرے تبصرے کو نظر انداز کر دیا اور بولی۔ ''ان دنوں انکل بوب، ایک کنونشن کے سلسلے میں لاس ویگاس آیا ہوا تھا۔ جب اسے ہمارے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے ہمیں ملازمت کی پیشکش کی جو میں نے فوراً قبول کر لی۔''

میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے عقل سے کام لیا۔''

''اب لگتا ہے کہ مجھے یہاں سے بھی جانا ہو گا۔'' وہ اپنا نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔

میں نے اسے تسلی دینے کے لیے کہا۔ ''اسٹور دو دن میں دوبارہ کھل جائے گا اور امید ہے کہ اس کا بزنس پہلے سے زیادہ ہو گا۔ تم تو جانتی ہو کہ ایک چھوٹے سے اسکینڈل سے کتنا فرق پڑتا ہے۔''

''آج مجھے معلوم ہوا کہ فلم کے سیٹ پر بہنے والا رنگ، اصلی خون سے بہتر ہوتا ہے۔ اوہ میرے خدا۔ میں نے پہلی بار کسی کا خون بہتے ہوئے دیکھا ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔

''کم از کم تمہیں اتنا تو معلوم ہے کہ اپنی کار کی نشست پر بیٹھ کر گھر جا سکتی ہو جبکہ مجھے اب تک یقین ہے کہ کار کی عقبی نشست پر بیٹھ کر یہاں سے نکل سکوں گا۔''

https://www.urdutubes.com/

[illegible] ہلاتے ہوئے بولی۔ ''وہ اتنا گندہ شخص تھا کہ اگر کسی نے اسے قتل کیا ہے تو کوئی تمہیں اس کے لیے موردِ الزام نہیں ٹھہرائے گا۔''

وہ سمجھ رہی تھی کہ میں نے اسے قتل کیا ہے۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی۔ چنانچہ میں نے چارلس کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ اتنا برا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اسے قتل کرے۔''

''اگر تم اسے پسند کرتے ہو تو شاید تمہارے ذہن میں وہ تیز مزاج ہو گا۔'' وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''لیکن یہاں کوئی بھی اسے اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ لیے ہم اسے ایک ایسا گرم مزاج شخص سمجھتے تھے جو خوش ہوتا ہے۔ ہم اسے یہاں کا حاکم کہا کرتے تھے۔''

''لیکن اسے پھلوں اور سبزیوں کے بارے میں بہت معلومات تھیں۔''

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں کچھ کرنا ہو گا۔'' اس نے اپنی آنکھیں دائیں بائیں گھمائیں پھر بولی۔ ''تمہیں بھاگ جانا چاہیے۔''

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ایک

شخص کب تک چھپ سکتا ہے۔ میں گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکوں گا۔ میری تصویریں اخبارات میں اور پوسٹر شہر کی دیواروں پر لگے ہوئے ہوں گے۔ ایسی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ میں اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دوں۔''

وہ سمجھی کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔ اس لیے طنزیہ انداز میں بولی۔ ''پھر تم قاتل کا سراغ لگاؤ۔''

میں نے ایک بار پھر اپنا سر نفی میں ہلا دیا لیکن وہ باز نہیں آئی۔ اس نے مشتبہ افراد کی نشاندہی کرنے کے لیے اپنا ذہن بنا لیا تھا۔

''ماریا کے بارے میں کیا کہو گے؟''

''وہ جو چیک آؤٹ کاؤنٹر پر بیٹھتی ہے؟''

''کیا تم نے وہ باتیں سنی ہیں جو چارلس اس سے کیا کرتا تھا۔'' وہ جھرجھری لیتے ہوئے بولی۔ ''اگر وہ مجھ سے اس انداز میں گفتگو کرتا تو میں کبھی برداشت نہ کرتی۔''

''کسی کو قتل کرنے کے لیے یہ کوئی معقول وجہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ اس کی شکایت کر سکتی تھی۔''

وہ میز پر انگلیوں سے طبلہ بجاتے ہوئے بولی۔ ''دوسرا مشتبہ شخص گیٹ فش ہو سکتا ہے۔''

گیٹ فش بھی، میری طرح ایک پروڈکٹ کمپنی کا نمائندہ تھا۔ وہ خاصے مضحکہ خیز حلیے میں وقفے وقفے سے [illegible] کیپ پہنا کرتا۔ وہ تماشا دکھانے والوں کے انداز سے لطیفے سناتا اور اپنی مچھلی کی تعریف میں یہاں تک کہہ دیتا کہ یہ نئی قسم کا نمکین گوشت ہے۔ لوگ اس کی باتیں سن کر خوش ہوتے لیکن مچھلی کوئی نہ خریدتا۔

''وہ اسے کیوں قتل کرے گا؟'' میں نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''ممکن ہے کہ وہ چارلس کو اپنے لیے خطرہ سمجھتا ہو کیونکہ لوگ گوشت کے مقابلے میں سبزیوں اور پھلوں کو ترجیح دیتے ہیں۔''

''انتہائی احمقانہ خیال ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا تم سمجھتی ہو کہ چارلس کے مرنے کے بعد لوگ سبزیاں اور پھل کھانا چھوڑ دیں گے۔''

اس کا منہ بن گیا اور بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ اب تم خود ہی اس کیس کو حل کرو۔ میں اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہوں گی۔''

اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر خاموش نہیں رہے گی۔ وہ اداکاری میں تو نام پیدا نہ کر سکی لیکن وہ پیدائشی ڈائریکٹر ضرور تھی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے اپنی ایک فلم کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ ''اس فلم میں ایک قاتل میرے کمرے میں داخل ہوتا ہے، وہ ایک عورت تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمیں قتل کرتی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ ہماری تنظیم میں نو وارد تھی جس کی رکنیت اس لیے ختم کر دی گئی تھی کہ کیمسٹری کی تجربہ گاہ میں اس کا چہرہ تیزاب سے جھلس گیا تھا پھر اس نے مجھے قتل کر دیا۔''

''تمہاری قسمت خراب تھی کہ تمہارا کردار اتنی جلدی ختم ہو گیا۔''

''تم بھی اسی طرح کرو۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتا دی۔ جب میں نے اسٹور سے شراب کی بوتل اٹھائی تو میں سوچ رہا تھا کہ چارکول اور برش لے کر انگلیوں کے نشانات مٹا دوں۔''

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ بولی۔ ''کیا تم یہ سب کر سکتے ہو؟''

''میں نے یہ ایک سیمینار میں دیکھا تھا۔ پرائیویٹ سراغ رسانوں کو ہر سال اس طرح کی کلاسیں اٹینڈ کرنا ہوتی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ سب کر سکتا ہوں یا نہیں لیکن ان کے سراغ رساں نے قاتل کو پکڑنے کے لیے اسٹور کی ویڈیو ضرور دیکھی ہو گی۔ انہیں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔''

اب وہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اس کا کوئی گاہک ٹوٹ گیا ہو۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر ڈپٹی مجھے وہاں چارکول یا کوئی مائع ڈالتے ہوئے دیکھ لیتا تو میری گرفتاری یقینی تھی۔''

وہ کھڑی ہو گئی اور منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں اپنی مدد کے لیے خود ہی کچھ کرنا ہو گا۔ میں یہ وعدہ نہیں کر سکتی کہ جیل سے باہر آنے تک تمہارا انتظار کروں گی۔''

جب وہ جا رہی تھی تو ڈپٹی اندر آ رہا تھا۔ اس نے اخلاقاً اس کے لیے دروازہ پکڑ لیا۔ وہ ایک ادا سے مسکرائی گو کہ عمر کے ساتھ اس کا جسم بھی ڈھلک گیا تھا لیکن مسکراہٹ پہلے کی طرح جاندار اور قیامت خیز تھی جو ڈپٹی جیسے لوگوں کو گھائل کر دینے کے لیے کافی تھی۔ اس کے جانے کے بعد وہ کمرے کے اندر آیا اور کرسی پر بیٹھ کر ریکارڈر آن کر دیا۔

''تمہاری کہانی کی تصدیق نہیں ہو سکی۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''میں کہہ رہا ہوں کہ تمہاری کہانی کی تصدیق نہیں ہو سکی۔'' اس نے جان بوجھ کر مبہم انداز میں اپنی بات

Digitized by Google

دہرائی۔

وہ میرا تفصیلی بیان لینا چاہ رہا تھا۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ ایک چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈر کے بجائے ویڈیو کیمرا لے کر آتا تاکہ میری حرکات و سکنات کے ذریعے جرم کا ڈھنڈورا پیٹنے میں آسانی ہوتی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے جو ذرائع چیک کیے وہ غلط تھے؟" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اس کی بدنما بولی میں تھوڑی سی تختی آگئی۔ وہ توقع کر رہا تھا کہ یہ الزام لگا کر مجھے بے چین کر دے گا لیکن تھوڑی ہی دیر میں اس نے اپنے آپ پر قابو پالیا اور آہستہ سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"آلو میاں، کمپیوٹر بتا رہا ہے کہ جب چارلس کا قتل ہوا تو تم یہاں موجود تھے۔ اب تمہیں اس جرم کا بھاری بوجھ اپنے ساتھ لے کر پھرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف مجھے بتا دو۔" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "کیا تمہارا پروڈیوس منیجر کے ساتھ اس پیسٹری پر جھگڑا ہوا تھا جو ابھی بھی وہاں پڑی ہوئی ہے؟ کیا تم نے حادثاتی طور پر اسے چاقو مار دیا؟ شاید اپنے دفاع میں ایسا کیا ہو؟"

وہ دیکھنے میں احمق لگتا تھا لیکن اسے تفتیش کرنے کا طریقہ آتا تھا۔ اس نے مجھ سے اعتراف جرم کروانے کے لیے ایک آسان راستہ تلاش کیا۔ اسے امید تھی کہ اس طرح میں اسے بتا دوں گا کہ چارلس نے مجھ پر کس طرح حملہ کیا اور لوکی یا کدو سے مجھ پر ضرب لگانے کی کوشش کی اور میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ گاجر سے اپنا دفاع کروں۔

"کیا میں زیرِ حراست ہوں؟" میں نے پوچھا۔

اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے اور ناامیدی سے مجھے دیکھا۔ یہ کیفیت ایک منٹ تک رہی پھر کہنے لگا۔ "تم زیرِ حراست نہیں ہو لیکن اگر تم نے مجھے سچ نہیں بتایا تو میں تمہیں فرنچ فرائز آلو بنا دوں گا۔"

اس نے ریکارڈر بند نہیں کیا اور کہنے لگا۔ "میں نے پہلے تمہیں کہا تھا کہ میرے دائرۂ کار سے باہر مت جانا لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تم اسٹور میں ٹھہرو۔ ریسٹ روم استعمال کرو۔ اپنی ٹانگیں پھیلاؤ لیکن یہیں رہو۔ کیا کوئی ایسی وجہ ہے کہ تم ایسا نہیں کر سکتے؟"

"میں نہیں کر سکتا۔"

وہ یہی سمجھا کہ میں اس سے مذاق کر رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ اگر وہاں کسی کے پاس فون بک ہوتی تو وہ مجھ پر دے مارتا لیکن خوش قسمتی سے کسی کے پاس ایسی کوئی چیز نہ تھی اس لیے وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس کے بجائے اس نے غصے میں آکر اپنا ٹیپ ریکارڈر بند کیا اور کھڑا ہو گیا۔

"فرنچ فرائیڈ آلو۔" اس نے ایک بار پھر دہرایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس بار اس کا زور "فرنچ" پر تھا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے اپنی پوزیشن پر غور کیا۔ اس نے مجھے اس کمرے تک محدود رہنے کا حکم دیا تھا۔ میں زیادہ سے زیادہ میں اسٹور میں گھوم پھر سکتا تھا لیکن اس سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میرے لیے یہ کمرا ایک کوٹھری بن گیا تھا۔ سوائے اس کے کہ یہاں ڈی وی ڈی، مائیکرو ویو اور ریفریجریٹر کی سہولت تھی۔ یہ کمرا مجھے چھوٹا، خاموش اور بدنما لگ رہا تھا اور ہر لمحے اس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ صورتِ حال میرے لیے ناقابلِ قبول تھی۔ میں یہاں نہیں رک سکتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اسٹور سے جانے کی صورت میں کیا ہوگا۔ میں نے بچی ہوئی شراب وہیں چھوڑ دی۔ میں مزید ڈرنک نہیں کرنا چاہتا تھا مبادا وہ واپس آکر کچھ اور سوالات شروع نہ کر دے۔

بریک روم سے باہر آنے کے بعد میں بیکری کی طرف گیا۔ بیب وہاں نہیں تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ جب [illegible] پکارتے تھے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہاں کسی نے بھی میری طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

میں ٹہلتا ہوا قسائی کی طرف چلا گیا۔ ریکو، فریزر میں وہ گوشت رکھ رہا تھا جو ابھی پگھلا نہیں تھا۔ کیونکہ اسٹور عارضی طور پر بند ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ گوشت خراب ہو جائے۔ میں نے اسے آواز دی۔ لیکن لگتا تھا اس نے نہیں سنا۔ شاید اس نے کانوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے ایک چھری نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھی اور ایک بار پھر جیل کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں نے چھری واپس اپنی جگہ پر رکھ دی۔ میں نے زیادہ تر طلاق کے معاملات اور چھوٹے موٹے حادثات کی تحقیقات کی تھیں۔ قتل کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا تھا۔

اس کے بعد میں نقصانات سے بچاؤ والے سیکشن کی طرف گیا۔ یہاں اسٹور میں چوری کرنے والوں کو پکڑنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اسٹور میں لگے ہوئے تمام کیمرے چھ ٹیلی وژن اسکرینز سے منسلک تھے جن کے ذریعے اسٹور میں آنے جانے والوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کی جاتی تھی۔ شیرف کے دفتر نے ہارڈ ڈرائیو سے اپنی ضرورت کا مواد پہلے ہی نقل کر لیا تھا۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے کچھ دیر وہاں بیٹھ کر ویڈیو ری وائنڈ کر کے دیکھی۔ مجھے اس ثبوت کی تلاش تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ میں قتل ہونے کے بعد اسٹور میں آیا تھا۔

میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی سر اور کندھے جھکائے دبے قدموں دروازے کے قریب رکھے ہوئے ایزل کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں افسردہ ہو گیا اور سوچنے لگا کہ کیا میں بھی اتنا ہی بوڑھا ہو چکا ہوں گا جب وہ مجھے جیل سے باہر نکالیں گے۔ میں نے ویڈیو کو تیزی سے آگے بڑھایا اور اس وقت تک دھکیلتا رہا جب تک کیمرا بیکری پر جا کر نہیں رکا اور میں نے بیب کی ایک جھلک نہ دیکھ لی۔ پھر میں نے اسے بیکری سے باہر جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ طعام گاہ سے ہوتی ہوئی قسائی کی طرف جا رہی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میرے عقب سے ایک آواز آئی۔ وہ یہاں کی سپروائزر کیتھی تھی۔ مجھے پہلے ہی اس کے قدموں کی آہٹ کو محسوس کر لینا چاہیے تھا۔

"محض وقت گزاری۔" میں نے کہا۔ شاید میں اس موقع پر بہتر الفاظ کا انتخاب کر سکتا تھا۔

"میری کرسی سے اٹھو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہاری رپورٹ کروں گی۔"

[illegible] تمہاری غیر موجودگی میں یہاں کی ذمے داری سنبھالی جب تم کہیں چھپ کر تمباکو نوشی کر رہی تھیں۔ میں شرطیہ کہتا ہوں کہ تم جو سگریٹ پیتی ہو وہ یہاں فروخت نہیں ہوتے۔"

یہ سنتے ہی اس کی آنکھیں سکڑ گئیں اور وہ سرگوشی میں بولی۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔"

میں واپس چلتا ہوا بیکری پر آیا۔ بیب ابھی تک میرے دماغ پر چھائی ہوئی تھی لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ البتہ بیکری منیجر نے اس کی فلموں کو نمایاں کر کے لگا رکھا تھا تاکہ لوگ ان کی جانب متوجہ ہوں۔ میں نے وہاں سے Killing Time کی ایک کاپی مستعار لی اور واپس بریک روم میں آگیا۔ میرا خیال تھا کہ اس پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ میں نے وہ ڈسک ڈی وی ڈی میں لگائی اور دیکھنے کے لیے بیٹھ گیا۔

فلم دیکھتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ آسکر کمیٹی نے اسے نظرانداز کر دیا۔ اس فلم میں ایک جنونی قاتل بیب کو قتل کرنے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کرتا ہے۔ بیب کا رول کچھ اس نوعیت کا تھا جس میں ڈائریکٹر کے پاس اس کی

زبردستی پیچھا کرنے کا انجام!

ٹی شرٹ کو گیلا کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع تھے۔ بیب زخمی ہو کر قاتل کی گرفت سے نکلی اور لنگڑاتی ہوئی سوئمنگ پول میں جا گری اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے چھلانگ لگانے والے تختے کے نیچے چھپ گئی۔ جیسے ہی اس نے پانی سے باہر سر نکالا۔ قاتل نے دوبارہ اس پر حملہ کر دیا۔ فلم میں مرکزی کردار کرنے والی اداکارہ اس مسئلے کو حل کرتی ہے اور تین سین بعد وہ قاتل کو مار دیتی ہے۔ ڈیبرا کو یہ کریڈٹ ضرور جاتا ہے کہ مرتے ہوئے اس کا کلوز اپ دکھایا گیا۔

میں نے بوتل میں بچی ہوئی شراب اپنے کپ میں ڈالی۔ میں جانتا تھا کہ گرفتاری سے پہلے مجھے کیا کرنا ہے۔ مجھے گرفتار ہونا پسند نہیں تھا۔ میں فلم کا آخری منظر دیکھ رہا تھا جس میں ہیروئن اور اس کا بوائے فرینڈ ملتے ہیں۔ عین اسی وقت بیب کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اسکرین پر ڈالی اور ہیروئن کو دیکھ کر بولی۔ "کتیا۔"

"میں اسے پھلوں سے بھرے ہوئے ٹرک سے تشبیہ دوں گا۔"

وہ میرے مذاق کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔ "میں نے بگی ٹونالوٹی کو فون کیا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ مجھے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

Digitized by Google

ملازمت دے سکتا ہے۔ میں نے بوب کو بتا کر آخری چیک بھی لے لیا ہے۔ بس رات کو جائے گی۔"

"یعنی تم جا رہی ہو؟" میں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"میں تم سے فون کرنے کا وعدہ کر سکتی ہوں لیکن ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہوگا۔"

ہم دونوں کی الوداعی ملاقات جاری تھی کہ ڈپٹی نے مداخلت کی لیکن جب اس نے دیکھا کہ میں اکیلا نہیں ہوں تو وہ دروازے پر ہی رک گیا۔

"مجھے لگتا ہے کہ تم دونوں کوئی بات کرنا چاہ رہے ہو۔" بیب نے کہا۔ اس نے قدم آگے بڑھایا اور میرے گلے لگ گئی پھر اس نے میرا سر اپنے قریب کر لیا اور میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔ "بھاگ جاؤ۔"

میں نے اپنے آپ کو الگ کیا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو، مجھے ایک گواہ کی ضرورت ہے۔"

"مجھے بس پکڑنی ہے۔" اس نے کہا اور ڈپٹی کی طرف دیکھا جس نے تائید میں سر ہلا دیا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ اس خاتون کی یہاں ضرورت ہے۔" اس نے کہا۔

"ڈیبرا پلیز، مجھے واقعی تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"میرے پاس صرف چند منٹ ہیں۔"

"اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" ڈپٹی نے کہا پھر اس نے کرسی پر بیٹھ کر ریکارڈر آن کر دیا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ بیب وہاں رکے لیکن وہ کسی غیر جانبدار گواہ کی ضرورت سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کی نظریں بوتل پر جمی ہوئی تھیں۔ "مجھے وہ ریکارڈنگ مل گئی ہے جس میں تم اسٹور سے بوتل چرا رہے تھے۔ اسی طرح چارلس نے بھی تمہیں خیانت کرتے ہوئے پکڑا ہوگا۔ میرے پاس ثبوت ہے کہ تم نے اپنے آنے کے بارے جھوٹ بولا۔ کمپیوٹر سے ثابت ہوتا ہے کہ تم چارلس کی موت سے پہلے ہی یہاں آ گئے تھے۔ اس کے علاوہ تم مجھے یہ بتانے سے بھی قاصر رہے کہ تم نے جائے وقوعہ کے بارے میں کلاسیں لی ہیں۔ تم جانتے ہو کہ کہاں کھڑا ہونا ہے تاکہ تم ویڈیو کیمرے کی زد میں نہ آسکو۔ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے کہ تم سب کچھ مجھے سچ بتا دو۔"

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں کلاسیں لے رہا ہوں؟"

"آلو بوائے، میں کبھی اپنے ذرائع ظاہر نہیں
اب جلدی سے بتا دو کہ کیا ہوا تھا؟"

"ٹھہرو، مجھے سوچنے دو۔" میں نے کہا۔ "کیا
کسی فرانسیسی خادمہ نے گمنام اشارہ دیا تھا یا شاید جر
لڑکی نے۔ یہ میرا اندازہ ہے لیکن میں شرطیہ کہہ سکتا ہو
تمہیں ٹپ دینے والی کا لہجہ ٹیکساس والوں جیسا تھا۔"

"میں نے سنا ہے کہ تم جائے وقوعہ پر کچھ چھ
کرنے والے تھے۔" ڈپٹی نے کہا۔

"میری صرف ایک فرد سے بات ہوئی تھی جس
مجھے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تھا، اس طرح میں مجرم
جاتا۔"

"بیب، میرا خیال ہے کہ تمہیں چلے جانا چاہ
شخص نامعقول باتیں کر رہا ہے۔"

وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اے دو
میں نے جلدی سے کہا۔ "اداکارائیں کیمرے کے زاو
کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہیں۔ اس کے پاس برسوں کا
ہے اور اچھی طرح جانتی ہے کہ اس عمارت میں کہا
ویڈیو کیمروں [illegible] اور کہاں
چاہیے۔"

"خوف زدہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ
دوستوں کو الزام دینا شروع کر دو۔" بیب نے کہا۔ اس
آواز قدرے اونچی تھی۔ "جس وقت یہ واقعہ ہوا
یہاں نہیں تھی۔"

میری نظریں اس پر گڑ گئیں۔ "میں اچھی طرح
ہوں کہ تم کام کے دوران جو لباس پہنتی ہو وہ کتنا گرم
تمہارے پاس ایک مقناطیسی چابی ہے جو تم نے لاس وی
کے ہوٹل میں ملازمت کے دوران حاصل کی تھی۔ اس
سے تم اسٹور میں آئیں اور وہ لباس پہن کر گوشت کے
میں بیٹھ گئیں اور لاش کے دریافت ہونے کے بعد تم
آ کر اپنا کارڈ سوائپ کر دیا۔"

اس کے بعد میں ڈپٹی سے مخاطب ہوا۔ "کیا
گوشت کے لاکر میں کوئی چاقو تلاش کیا کیونکہ قسا
یہاں سے ایک چاقو غائب ہے۔ تم ویڈیو میں ا
کے کاؤنٹر اور بیکری کے درمیان دیکھ سکتے ہو۔"

بیب نے ڈپٹی کی طرف دیکھتے ہوئے
میرے ہاتھ چیک کر سکتے ہو۔ ان پر کہیں خون نظر نہ
گا۔"

https://www.urdutubes.com/

خوب صورت و پُراثر کہانیوں سے مرصع مارچ 2019ء کا پُربہار شمارہ

پاکیزہ

افشاں آفریدی اور سحر ساجد کے دلکش ناول کی نئی اقساط

شمع ہدایت میں اخلاقی و روحانی بیماری "ظلم" پر اختر شجاعت کی چشم کشا تحریر

صفہ...... دردانہ نوشین خان کے موثر قلم سے نکلی روحانیت سے بھرپور تحریر

طیبہ عنصر مغل کی دل پذیر کاوش...... طوافِ آرزو

ایلیا علی غفار کی خوب صورت تحریریں

معروف قلم کار و ڈراما نگار
شگفتہ بھٹی
نے بخشی پاکیزہ بزم کو رونق

عورت کہانی میں پڑھیے فرحین اظفر کے موثر قلم کا حسین شاہکار...... عورت ڈ سے ڈھال

اس کے علاوہ

افشین نعیم، ریما نور رضوان، آسیہ عامر، شایا نعیم،
ہاجرہ ریحان، کشف بلوچ کے قلم کے شاہکار خوب صورت افسانے

اس کے ساتھ ساتھ مثبت معلومات و تفریحی عناصر سے پُرمزیدار مستقل سلسلے صرف آپ کی خوش ذوقی کی نذر

میں نے کہا۔ ''ہم کھانے پینے کی چیزیں ہینڈل کرتے ہیں اور اس اسٹور میں جگہ جگہ پلاسٹک کے دستانوں کے بکس رکھے ہوئے ہیں۔''

''ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں یہ گھٹیا الزامات سننے کے لیے اپنی بس نہیں چھوڑ سکتی۔''

''میں خود تمہیں بس اسٹیشن تک چھوڑ کر آؤں گا۔'' ڈپٹی نے کہا۔ ''بہتر ہے کہ ہم پہلے اس کی بات سن لیں۔''

میں نے ڈپٹی سے کہا۔ ''پہلے تم جا کر لاش کو چیک کرو۔ کیا اس کے ہاتھ پر گھڑی بندھی ہوئی ہے؟''

ڈپٹی اپنی کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

''اس طرح تمہیں موت کا وقت معلوم ہو سکے گا۔ کیا اس کی گھڑی جدوجہد کرتے ہوئے ٹوٹ گئی تھی۔ کیا یہ ویسی ہی گھڑی ہے جس کا پٹا آسانی سے کھل جاتا ہے اور جو اسٹور کے ایزل پر فروخت ہوتی ہیں۔ کیا اس کی دھاتی چین کی رگڑ سے اس کی کھال پر خراش آئی، اگر اس نے واقعی جدوجہد کی ہوتی تو رنگ اتر جاتا اور کھال نظر آنے لگتی لیکن اگر یہ گھڑی مرنے کے بعد اسے پہنائی گئی ہے تو رنگ نہیں اُترا ہوگا۔''

ڈپٹی کی سمجھ میں بات آگئی۔ اس نے جلدی سے اپنا فون نکالا اور جائے وقوعہ کی تصویریں دیکھنے لگا۔ [illegible] بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کیا تم نے اس کی فلم تھیف آف ٹائم دیکھی ہے۔ ہم اسے ابھی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ میرے ریکارڈر میں لگی ہوئی ہے۔ اس فلم میں بیب زخمی ہو کر اپنی حفاظت کے لیے لنگڑاتی ہوئی چل رہی ہے۔ اب تم اسٹور کی ویڈیو ٹیپ دیکھو۔ اس میں ایک بوڑھا آدمی اپنا سر اور کندھے جھکائے صبح سویرے اسٹور میں داخل ہوتا ہے اور ایک گھڑی چرا لیتا ہے۔ ریکارڈ سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ آج کسی نے کوئی گھڑی نہیں خریدی۔ تم اس بوڑھے کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے کیونکہ اس نے اسے ایک بڑے سے ہیٹ میں چھپا رکھا ہے۔ تم اس ٹیپ اور فلم کا موازنہ کرو۔ دونوں جگہ لنگڑاہٹ میں مماثلت نظر آتی ہے۔''

''یہ سراسر بکواس ہے۔'' ڈیبرا نے غصے سے کہا۔ ''یہ تمہاری توجہ ہٹانے کے لیے بے سروپا کہانیاں سنا رہا ہے۔ ہمارے یہاں سیکیورٹی کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ اس طرح کی چوری فوراً پکڑی جاتی ہے۔''

ڈپٹی نے ٹیلی فون پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب فضول باتیں ہیں۔'' پھر وہ بیب سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''مس ڈیبرا یا مس بیب۔ تمہارا جو نام بھی [illegible] مجھے افسوس ہے کہ تمہیں یہ سب سننا پڑ رہا ہے۔ [illegible] شخصیت کے ساتھ بہتر سلوک ہونا چاہیے۔ میرے خیال [illegible] یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ میں تمہیں اس جگہ سے دور لے [illegible] تاکہ تمہیں اس شخص کے بے ہودہ الزامات نہ سنا[illegible] میں چاہوں گا کہ تم میرے ساتھ کسی اچھی جگہ پر چ[illegible] سکون اور خاموشی ہو اور ہم اس پورے معاملے پر [illegible] کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں اس [illegible] اعتراض نہ ہوگا۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ وہ چ[illegible] خاموش بیٹھی رہی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ [illegible] میں جاؤ۔''

اس کے بعد واقعات کسی فلم کی کہانی کے مانند آ[illegible] بڑھے۔ ڈپٹی اسے جیل لے گیا۔ تلاشی لینے پر [illegible] لاکر سے چاقو اور خون آلود دستانے بھی برآمد ہو گئے [illegible] دستانوں کے اندرونی حصے پر ڈیبرا کی انگلیوں کے نشان [illegible] تھے۔ جب ڈپٹی نے اسے ان نشانات کے بارے میں [illegible] تو وہ رونے لگی۔ اس نے انکشاف کیا کہ مقتول چارلس [illegible] فحش فلموں کی اداکارہ [illegible] [illegible] ہالی وڈ میں جگہ بنانے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی [illegible] نے اسے بلیک میل کرنا شروع کر دیا اور دھمکی دی [illegible] ڈیبرا نے اس کی بات نہ مانی تو وہ سب لوگوں کو اس کے بارے میں بتا دے گا۔ ڈپٹی کا کہنا تھا کہ یہ ایک چھوٹا سا قدامت پرست قصبہ ہے اور یہاں ایسی اداکاراؤں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جنہوں نے ماضی میں فحش فلموں میں کام کیا ہو۔ چارلس کے اپارٹمنٹ کی تلاشی کے دوران اس سے یہ فلم بھی برآمد ہو گئی۔

قصبے سے باہر جاتے ہوئے مجھے تھوڑا سا افسوس [illegible] تھا۔ میرے اور ڈیبرا کے درمیان ایک تعلق بن سکتا [illegible] [illegible] مجھے اس قتل میں پھنسانے کی کوشش نہ کرتی۔ [illegible] جانے والا شخص ہوں اور اسے بھی اس شہر کی حدود [illegible] نکلتے ہی بھول جاؤں گا۔ اس نے کہا تھا کہ شاید وہ میرا [illegible] نہ کرے۔ میرا ابھی یہی کہنا ہے کہ میں اس کا انتظار [illegible] سکوں گا۔ شاید اسے معلوم نہیں تھا کہ میں صرف [illegible] ہی نہیں بلکہ پرائیویٹ سراغ رساں بھی ہوں۔ ورنہ [illegible] پھنسانے کی حماقت ہرگز نہ کرتی۔

خاکستر

شاکر لطیف

کسی بھی تعلق کی بنیاد خلوصِ نیت پر رکھی جاتی ہے... اگر بنیاد مضبوط ہو تو تعلق کی ڈوری سے بندھا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا... ایک ایسے ہی خودغرض اور مادہ پرست شخص کی کہانی... جو ہر شخص سے تعلق کا آغاز اپنے مفاد کے تحت کرتا تھا... حتیٰ کہ محبت کا سودا بھی اس نے سہانے خوابوں کی تعبیر کی خاطر کیا...

ایک فریب کار کی حیلہ سازیاں......وہ جرم بے وفائی کا مرتکب تھا......

''کوئی بھی منصوبہ بنانے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر غور کرنا پڑتا ہے۔ ایک ایک نکتے کا باریک بینی سے جائزہ لینا پڑتا ہے کہ کہیں کوئی رخنہ تو نہیں رہ گیا۔ پلان فول پروف ہوگا تبھی کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔ میں نے بھی بہت سوچ کر یہ پلان بنایا ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے اس منصوبے میں کہیں کوئی رخنہ یا جھول نہیں ہے۔'' ایڈرسن نے سامنے بیٹھی جینیفر سے کہا جو بڑے انہماک سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ دونوں اس وقت اپنے گھر میں موجود

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

تھے اور آمنے سامنے کرسیوں پر براجمان تھے۔

"ایڈرسن تم نے واقعی شاندار منصوبہ بنایا ہے مگر پورے وثوق سے کہنا مشکل ہوگا کہ یہ کامیاب ہوگا۔ ماضی میں بہت سے افراد نے اس طرح انشورنس کمپنیوں کے ساتھ فراڈ کیا ہے مگر میرا خیال ہے کہ اب حالات بدل چکے ہیں اب پہلے کی طرح یہ کام اتنا آسان نہیں رہا۔ اگر تمہاری قلعی کھل گئی تو منصوبہ ناکامی سے تو دوچار ہوگا ہی الٹا ہم دونوں کو فراڈ کے جرم میں جیل بھی جانا پڑے گا۔"

"دیکھو جنیفر......" ایڈرسن نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "کیا ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا حل ہے؟ یقیناً تمہارا جواب نفی میں ہوگا۔ تم جانتی ہو کہ میرا سارا کاروبار تباہ ہوچکا ہے۔ میرے پاس ایسی کوئی پراپرٹی بھی نہیں جس پر میں بینک سے لون لے سکوں۔ ہمارے اس بوسیدہ اور چھوٹے سے گھر کی اور اس کے ساتھ واقع گودام کی مارکیٹ ویلیو انتہائی کم ہے کیونکہ یہ جگہ آبادی سے ہٹ کر جنگل کے قریب واقع ہے۔ بینک اس پراپرٹی پر لون دینے پر آمادہ نہیں۔ اگر ہم اس پراپرٹی کو فروخت بھی کر دیں تو حاصل ہونے والی رقم سے زیادہ سے زیادہ ایک سال تک گزارا ہو جائے گا۔ اس کے بعد حالات پھر مخدوش ہوجائیں گے۔ یہ غنیمت ہے کہ ہماری کوئی اولاد نہیں ورنہ ہم مزید مالی مشکلات کا شکار ہوسکتے تھے۔"

"فی الحال اولاد نہیں ہے مگر آگے اولاد ہونے کا امکان تو ہے۔ ابھی ہماری شادی کو چند سال ہی تو ہوئے ہیں۔" جنیفر منہ بناتے ہوئے بولی۔

یہ حقیقت تھی کہ ایڈرسن اس سے جب کبھی بھی اولاد نہ ہونے کا ذکر کرتا، اسے ایسا لگتا جیسے وہ اس پر طنز کر رہا ہے۔ جنیفر اس سلسلے میں اپنے تمام میڈیکل ٹیسٹ بھی کروا چکی تھی۔ اس کی تمام رپورٹس کلیئر تھیں مگر اس کے باوجود اس کی ماں بننے کی خواہش ابھی تک تشنہ تھی۔ اپنی رپورٹس کلیئر آنے کے بعد اسے یہ گمان بھی گزرا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ وہ نہیں بلکہ اس کا شوہر ہو۔ اس شک کو دور کرنے کے لیے اس نے ایڈرسن کا میڈیکل چیک اپ بھی کروایا تھا مگر ایڈرسن کی رپورٹس کلیئر آنے کے بعد اس نے یہ معاملہ قسمت پر چھوڑ دیا تھا۔

"میں نے تو یوں ہی بات کردی تھی۔" ایڈرسن اس کے چہرے کی ناراضی بھانپتے ہوئے بولا۔ "تمہاری یہ عادت بہت بری ہے کہ اس معاملے میں خود کو قصوروار سمجھنے لگ جاتی ہو، حالانکہ ہم دونوں کی میڈیکل رپورٹس آنے کے بعد تمہیں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ابھی ہماری کوئی اولاد نہیں ہے مگر کیا اولاد ہونے کے امکانات ختم ہو گئے ہیں۔ ویسے لمحہ بھر کے لیے سوچو کہ اگر ہماری اولاد ہو جائے تو اپنی موجودہ مالی کنڈیشن میں ہم اپنے بچے کے لیے کیا کرسکتے ہیں؟ کیا تم چاہتی ہو کہ ہماری اولاد بھی ہماری طرح بے کیف زندگی بسر کرے؟ ان کی زندگی بھی خوشیوں سے محروم ہو؟ میں تو کہتا ہوں کہ یہ اچھا ہے کہ ابھی تک ہم اولاد جیسی نعمت سے محروم ہیں۔ مجھے کاروبار میں نقصان نہ ہوتا تب دوسری بات تھی۔"

"ہمارے موجودہ معاشی حالات تمہاری مہربانی کی وجہ سے ہی ہیں۔" جنیفر تنک کر بولی۔ "ورنہ تمہارا کاروبار ٹھیک ہی چل رہا تھا مگر تم میں اسے سنبھالنے کی اہلیت نہیں تھی۔ تم نے چلتا ہوا کاروبار تباہ کرڈالا۔ اوپر سے گاڑیاں اور شہر والا گھر بھی بکوا دیا۔"

جنیفر کا طنز سن کر لمحہ بھر کے لیے ایڈرسن کا رنگ [illegible] گیا۔ تاہم وہ بولا تو اس کا لہجہ نارمل ہی تھا۔ شاید وہ اس وقت جنیفر کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "ایسی بات نہیں ہے کاروبار میں نفع نقصان تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ میں نے پوری کوشش کی تھی کہ تمہارے ڈیڈ کے اس کاروبار کو جاری رکھ سکوں مگر [illegible] حوالے کرگئے تھے، اس حالت میں اسے چلانا ناممکن تھا۔"

"خوب۔" جنیفر ہنستے ہوئے بولی۔ "اپنی کوتاہیوں اور ناکامیوں کا الزام میرے والد کے سر تھوپ کر خود بری ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔ میرے ڈیڈ نے چلتا ہوا کاروبار تمہارے حوالے کیا تھا مگر تم نے سارا کاروبار تباہ کردیا۔ ڈربی ریس میں ہزاروں ڈالر ہارنے کے بعد اب خود کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" جنیفر کی کاٹ دار بات سے ایڈرسن کا چہرہ تمتما اٹھا مگر اس نے ایک بار پھر خود پر قابو پاتے ہوئے اپنا لہجہ نارمل ہی رکھا۔

"میں زندگی میں ایک بار ریس کلب جوا کھیلنے کے لیے گیا اور وہ ایک بار وہاں جانا میرے گلے میں زندگی بھر کے لیے طوق کی طرح لٹک گیا۔" بات کرتے ہوئے ایڈرسن کا لہجہ متاسفانہ ہوگیا۔

"معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔" جنیفر تیز لہجے میں بولی۔ "ایک بار اتفاق سے میرے انکل نے تمہیں وہاں دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد نہ جانے تم کتنی بار وہاں گئے ہوگے۔ مجھے شک ہے کہ تم نے کاروبار میں نقصان کا محض افسانہ تراشا ہے ورنہ تم نے سارا پیسا جوئے میں ڈبو دیا ہے۔"

https://www.urdutubes.com/

"تو پھر ایسا کرو کہ مجھے گولی ماردو۔" ایڈرسن غصیلے لہجے میں بولا۔ اس بار وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ "آخر ماضی کو کریدنے سے تمہیں کیا حاصل ہوگا۔ بہتر ہے کہ ماضی کو بھول کر مستقبل کی طرف توجہ دو ہمارے پاس ابھی بھی ایک اچھا موقع موجود ہے۔"

ایڈرسن کے اس انداز پر جنیفر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہنسنے سے اس کے گالوں پر گڑھے سے پڑ جاتے تھے جس سے اس کے حسین چہرے کی جاذبیت میں مزید اضافہ ہوجاتا تھا۔ کبھی اس کے اس طرح ہنسنے پر ایڈرسن فدا ہوجاتا تھا مگر اس وقت اسے اپنی بیوی کی یہ ہنسی زہر لگ رہی تھی۔

"تم نے سب کچھ تباہ کردیا اور میں تم سے گلہ بھی نہ کروں۔" جنیفر ہنستے ہوئے بولی۔ "ڈیڈ نے سارا کاروبار میرے نام پر کیا تھا اور میں نے ایک فرمانبردار بیوی کی طرح سب کچھ تمہارے حوالے کردیا۔ تم نے میرے ڈیڈ کی عمر بھر کی کمائی کو چند برسوں میں برباد کردیا۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ آج ہمارے پاس ذاتی گاڑی تک نہیں ہے اور ہم اس دوردراز مقام پر رہنے پر بھی مجبور ہوگئے ہیں۔"

"یقین کرو میں اپنی ناکامی پر دل ہی دل میں بے حد شرمندہ ہوں۔" ایڈرسن نے ایک بار پھر مصالحانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "حقیقت تو یہی ہے کہ میں تمہیں [illegible] منہ [illegible] پلان ترتیب دیا ہے اگر ہم دونوں اس پلان کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ہمارے پاس اتنے پیسے ہوجائیں گے کہ ہماری ساری مشکلات حل ہو جائیں گی۔"

"تم نے یہ انشورنس پالیسی کب خریدی تھی؟" جنیفر اس بار سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"ایک سال پہلے۔" ایڈرسن نے جواب دیا۔ "اور میں نے باقاعدگی سے اس کی تمام اقساط بھی ادا کی ہیں۔ شاید یہ واحد کام ہے جو میں نے پوری ایمان داری سے کیا ہے۔ اس انشورنس پالیسی کے تحت اگر میں کسی حادثاتی موت کا شکار ہوجاتا ہوں تو میری بیوی یعنی تمہیں انشورنس کمپنی کی جانب سے دس لاکھ ڈالر ملیں گے۔ اب مجھے اپنی موت کا ڈراما رچانا ہے اور تم اس سلسلے میں میرا ساتھ دو گی۔"

"انشورنس کمپنی والے بے وقوف نہیں ہوتے کہ کسی کلیم کو فوری ادا کردیں۔ اتنی بڑی رقم ادا کرتے وقت وہ پوری تفتیش کریں گے۔ انہوں نے پرائیویٹ سراغ رساں کی خدمات بھی حاصل کررکھی ہوتی ہیں اور وہ پولیس کا تعاون بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ میں نے تمہیں پہلے بھی کہا ہے کہ ماضی میں بہت سے افراد نے انشورنس کمپنیوں کے ساتھ اس طرح کی دھوکا دہی کا ارتکاب کیا ہے۔ مرنے والے کے لواحقین نے انشورنس کمپنی سے پیسا وصول کیا اور چند سال بعد مرنے والا زندہ دریافت ہوگیا۔ بعد میں پتا چلا کہ اس کی جگہ کسی اور کو دفنایا گیا تھا۔ حادثاتی طور پر ہلاک ہونے والوں کے چہرے اکثر مسخ ہوجاتے ہیں۔ اسی وجہ سے انشورنس کمپنیاں بھی دھوکا کھا گئی تھیں مگر موجودہ زمانے میں اس طرح کا فراڈ کرنا ناممکن ہوچکا ہے۔ سائنس نے بہت ترقی کرلی ہے۔ اب ڈی این اے ٹیسٹ سے بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مرنے والا کس کا رشتے دار ہے۔" جنیفر نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

"ڈی این اے ٹیسٹ تو اسی وقت ممکن ہے جب لاش برآمد ہو جبکہ میرے پلان کے مطابق سب کچھ جل کر خاکستر ہوجائے گا۔ اب راکھ کا تو ڈی این اے ہونے سے رہا۔" ایڈرسن نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم کھل کر بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگا؟ تم کافی عرصے سے مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہو اور بقول تمہارے تم اپنی موت کا ایک کامیاب ڈراما اسٹیج کرسکتے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہوگا؟ اس کے بعد تم کبھی نہ کبھی کسی کی نگاہوں میں آہی جاؤ گے قلعی کھلتے ہی تم اور تمہارا ساتھ دینے کے جرم میں، میں بھی جیل جاؤں گی۔" جنیفر نے متذبذب لہجے میں کہا۔

"میں اس کی پلاننگ بھی کرچکا ہوں۔" ایڈرسن نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "جیسے ہی میری موت کا ڈراما رچایا جائے گا، میں امریکا کو خیرباد کہتے ہوئے کسی ایشیائی ملک میں چلا جاؤں گا۔ انشورنس کی رقم ملتے ہی تم کو بھی میرے پاس آنا ہے۔ وہاں میں اپنے نئے نام اور شناخت کے کاغذات تیار کرواؤں گا۔ ایشیائی ممالک میں پیسا خرچ کرکے اس طرح کے کام بہ آسانی نکلوائے جاسکتے ہیں۔ اس کے بعد ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔ ایسی زندگی جس میں کسی مالی تنگی یا پریشانی کا شائبہ تک نہ ہوگا۔"

"مگر تم ایشیا جاؤ گے کیسے؟ اگر تم ہوائی جہاز کے ذریعے گئے تو ائرپورٹ پر تمہارے سفر کا ریکارڈ رکھا جائے گا؟" جنیفر نے بے چین لہجے میں کہا۔

"میں بحری راستے سے جاؤں گا اور یہ سفر بھی غیرقانونی طریقے سے کروں گا۔ اس سلسلے میں، میں ایک آدمی سے پہلے ہی بات کرچکا ہوں۔ یہ آدمی بڑے بحری

Digitized by Google

جہازوں پر کنٹینر لے کر ایشیا کی جانب جاتا ہے۔ وہ معقول معاوضے پر مجھے ہندوستان لے جانے پر آمادہ ہے۔ ہندوستان میں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ وہ وہاں باقی معاملات کو سیٹل کرنے میں میری مدد کرے گا۔"

"یہ تو بہت عجیب اور پیچیدہ سا پلان ہے اور پھر میں امریکا چھوڑ کر کہیں اور نہیں جانا چاہتی۔" جنیفر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ایسی صورت میں ہم ایک ڈیل کر سکتے ہیں۔ تم اس پلان میں میرا ساتھ دو، رقم ملنے کے بعد آدھی مجھے پہنچا دینا اس کے بعد تم اپنی لائف جینا اور میں اپنی لائف جیوں گا۔" ایڈرسن نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اس کا جواب سن کر لمحہ بھر کے لیے کرب کی ایک تیز لہر نے جنیفر کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کبھی وہ وقت تھا جب اسے دیکھے بغیر ایڈرسن کو نیند نہیں آتی تھی اور اب وہ کتنی آسانی سے راستے جدا کرنے کی بات کر رہا تھا۔ ایڈرسن کی یہ بے اعتنائی اس کو اندر ہی اندر کسی سانپ کی طرح ڈس گئی۔

"مگر تمہاری موت کا ڈراما کیسے رچایا جائے گا؟" جنیفر نے خود پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"دیکھو بڑا سیدھا سادہ اور آسان سا پلان ہے۔ ہمارے گھر کے گودام میں پیٹرول کے کچھ ڈرم رکھے ہوئے ہیں جن میں پیٹرول بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ وہاں لکڑیاں اور خشک بھوسا بھی موجود ہے۔ اگر وہاں اچانک آگ بھڑک اٹھے تو سب کچھ جل کر خاکستر ہو جائے گا۔ جیسے ہی میں یہ آگ بھڑکاؤں گا تمہیں فائر بریگیڈ والوں کو کال کرنی ہے۔ اس دور دراز جگہ تک آنے میں فائر بریگیڈ والوں کو بھی ایک گھنٹا لگ جائے گا۔ آگ پکڑنے کے جو لوازمات ہمارے گودام میں موجود ہیں، وہ تھوڑے ہی وقت میں سب کچھ جلا کر راکھ کر دیں گے۔ تم کو بس سب سے یہی کہنا ہے کہ ایڈرسن بھی گودام کے اندر تھا۔ تمہارا شوہر آگ میں جل کر مرا ہے تو ظاہر ہے خود کو غمگین ثابت کرنے کی کوشش بھی کرنی ہو گی۔ ویسے اپنے چہرے پر رنج و غم کے تاثرات پیدا کر لینا تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔" ایڈرسن نے کہا۔ "آگ لگنے کی وجہ تم میری سگریٹ نوشی کی عادت کو قرار دے دینا کیونکہ گودام میں خشک بھوسا بھی موجود ہے۔"

"یہ اتنا آسان ثابت نہیں ہو گا۔" جنیفر پُرخیال لہجے میں بولی۔ "یہ معاملہ پولیس تک بھی جائے گا اور پولیس کے لیے یہ سوال اہم ہو گا کہ اگر آگ لگنے کے وقت تم گودام میں موجود تھے تو تم نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کیوں نہیں [illegible] آگ لگتے ہی تم دوڑ کر گودام سے باہر بھی تو نکل سکتے [illegible] ایسا نہ ہو کہ انہیں یہ شک گزرے کہ میں نے تمہارا مرڈ[ر] [illegible] ہے اور پھر تمہیں جلا کر تمام ثبوت مٹا دیے ہیں۔"

"تم کہہ سکتی ہو کہ میں نے بہت زیادہ شراب [illegible] تھی۔ شاید نشے میں دھت ہونے کی وجہ سے باہر [illegible] پایا۔ ویسے یہ بات تو حقیقت پر مبنی ہے کہ تم گھر میں ڈرنک نہیں کرنے دیتیں اور میں یہ شغل گودام میں [illegible] کرتا ہوں۔ جس دن ہم اپنے پلان پر عمل [illegible] اس دن میں یہاں سے قریب ترین واقع بار سے شراب [illegible] تین بوتلیں بھی خریدوں گا۔ بار کا کاؤنٹر مین مجھے جانتا [illegible] شراب خریدتے وقت دانستہ اسے بتاؤں گا کہ آج میری بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوا ہے اور میں اپنے گھر سے [illegible] میں بیٹھ کر پینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تم بھی پولیس اور انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کو یہی کہانی سناؤ گی کہ ہمارا آپس میں [illegible] ہوا تھا جس کے بعد میں شراب کی بوتلیں لے آیا اور [illegible] میں چلا گیا۔ تم خراب طبیعت کے باعث کمرے [illegible] اور دوا کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ تمہیں آگ لگنے کا اس [وقت] علم ہوا جب آگ نے گودام کے ساتھ ساتھ گھر کو بھی [illegible] انشورنس والے اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ میں [illegible] میں اتنا دھت ہو گیا تھا کہ آگ لگتے پر باہر نہیں نکل پایا۔ [illegible] ہے کہ وہ تمہارے اس بیان کی تصدیق بھی کریں کہ [illegible] اس حادثے سے پہلے شراب خریدی بھی تھی یا نہیں اگر [illegible] سلسلے میں انہوں نے یہاں کے قریبی شراب بارز سے [illegible] تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں نے حادثے والے [دن] شراب خریدی تھی۔ اس سے بھی تمہارے بیان کو تقویت [ملے] گی۔" ایڈرسن نے تفصیل سے ساری بات بتاتے ہوئے کہا۔

"اور اس کے بعد اگر تم کسی کی نگاہوں میں آ [illegible]" جنیفر نے تیز لہجے میں کہا۔ "یہ ضروری تو نہیں کہ جس دن [illegible] اپنے پلان پر عمل کریں، سمندری راستے سے [illegible] جانے والا جہاز بھی اسی دن یہاں سے روانہ ہو جا[ئے] [illegible] ہے تمہیں روانگی سے پہلے کئی دن تک روپوش رہنا پڑ[ے] [illegible] صورت میں اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں [کہ تم کسی] کی نگاہوں میں آ جاؤ۔"

"کبھی کبھی تم بالکل احمقانہ باتیں شروع کر دیتی [ہو۔]" ایڈرسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے یہ کب [illegible]

ہم اس پلان پر آج ہی عمل کر رہے ہیں۔ ہم اس پلان پر عمل درآمد اس دن کریں گے جس دن اس بحری جہاز نے روانہ ہونا ہو گا۔ میں یہاں روپوش رہنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ آگ لگنے تک میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گا اور اس کے بعد گھر کے عقبی جانب موجود جنگل کے راستے تقریباً دو کلو میٹر کا پیدل سفر کرتے ہوئے ایک مخصوص جگہ پر پہنچوں گا۔ وہاں وہی آدمی موجود ہو گا جو مجھے ہندوستان لے جانے والا ہے۔ وہ مجھے وہاں سے ایک بند ویگن میں سیدھا سمندری پورٹ پر لے جائے گا اور پھر خفیہ طور پر ایک کنٹینر میں بھی منتقل کر دے گا۔ ہندوستان پہنچ کر آگے کی ذمے داری میری ہو گی وہاں میرا ہندوستانی دوست مجھے ریسیو کر لے گا۔ تم جانتی ہو کہ میں کافی مرتبہ پہلے بھی ہندوستان جا چکا ہوں اس لیے وہاں سیٹل ہونا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے بعد تمہارا کام شروع ہو گا۔ تم انشورنس کمپنی سے رقم وصول کرو گی اور اگر میرے پاس نہ آنا چاہو تو آدھی رقم مجھے دے کر میری طرف سے آزاد ہو جاؤ گی۔ انشورنس کمپنیاں بلا ثبوت کسی کی انشورنس کے پیسے نہیں روک سکتیں۔ اس طرح بات میڈیا تک جاتی ہے اور ان کا بزنس متاثر ہوتا ہے۔ پیسا ملنے کے بعد میں تم سے خود ہی رابطہ کر لوں گا۔ مجھے اپنے ذرائع سے معلوم ہو جائے گا کہ تمہیں انشورنس کے پیسے مل گئے ہیں۔ [illegible] [illegible] میں دینے کی پابند ہوئی۔ میں نے ایک برس پہلے اپنے ڈوبتے کاروبار کو دیکھ کر ہی یہ پلان بنا لیا تھا اور اسی لیے میں نے آج تک کمپنی کو ایک بھی قسط شارٹ نہیں ہونے دی۔ تمہارے بارے میں مجھے یقین تھا کہ تم مان جاؤ گی مگر تم تو مان ہی نہیں رہیں۔"

"میں تمہاری طرح اتنی گہری سوچ کی مالک نہیں جو اتنا طویل المدت پلان بنا سکوں۔ یہ بات تو طے ہے کہ میں امریکا چھوڑ کر کہیں اور نہیں جانے والی۔ اس لیے مجھے تمہاری یہ ڈیل منظور ہے کہ ہم رقم کو آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے مگر یہ تو بتاؤ کہ اب جب ہمارے راستے جدا ہونے والے ہیں تو پھر تم مجھ پر اعتماد کیوں کر رہے ہو؟ یہ بھی تو ممکن ہے کہ میں رقم ملنے کے بعد تمہیں دینے سے انکار کر دوں۔ ایسی صورت میں تم میرا کیا بگاڑ پاؤ گے؟" جنیفر نے ایڈرسن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکو گی۔" ایڈرسن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "انشورنس کمپنی سے پیسے وصول کرنے کے بعد تم میرے فراڈ کے اس پلان میں مکمل طور پر پارٹنر بن جاؤ گی اگر تم مجھے پیسے دینے سے انکار کرو گی تو میں واپس آ کر سارا بھانڈا پھوڑ دوں گا اس صورت میں ہم دونوں کو ہی فراڈ کے جرم میں جیل جانا پڑے گا۔ جب مجھے میرے ہی بنائے ہوئے پلان کے نتیجے میں کچھ ہاتھ نہیں آئے گا تو پھر مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑے گا اور میرا خیال ہے تم جیل جانے کے بجائے آدھی رقم مجھے دینا پسند کرو گی۔"

"او کے تو پھر مجھے تمہارا سودا منظور ہے۔ اگرچہ مجھے اس طویل المدتی منصوبے پر تحفظات ہیں مگر غور کرنے پر یہی لگتا ہے کہ یہ پلان قابل عمل ہے۔ بتاؤ اس پلان پر کب عمل کرنا ہے؟" جنیفر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو ایڈرسن کا چہرہ کھل اٹھا۔

"شکر ہے کہ تم مان گئیں ورنہ مجھے تو یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ تمہیں رضامند کرنے کی میری تمام کوششیں ناکامی سے دوچار ہوں گی۔ بہرحال دس تاریخ کو سی پورٹ سے چار بجے بحری جہاز روانہ ہو گا۔ ہمیں اسی دن جہاز کی روانگی سے تقریباً دو تین گھنٹے پہلے تک اپنا سارا کام مکمل کرنا ہے۔"

"گودام کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ گھر بھی جل جائے گا؟" جنیفر متاسفانہ لہجے میں بولی۔

"ہاں، گودام سارا کا سارا لکڑی سے تیار کردہ ہے حتیٰ کہ اس کی چھت بھی لکڑی کی ہے۔ اس گھر میں بھی زیادہ تر کام لکڑی سے کیا گیا ہے۔ اس لیے گودام سے متصل ہونے کی وجہ سے اس کا جل جانا بھی یقینی ہے۔ ویسے بھی میرے پلان کی کامیابی تبھی ممکن ہے جب آگ سب کچھ جلا کر خاکستر کر ڈالے اور پھر تم اس گھر کے بارے میں فکرمند کیوں ہو رہی ہو، انشورنس کے پیسے ہاتھ لگنے کے بعد تم ایسے دس گھر خریدنے کے قابل ہو جاؤ گی۔"

"ہونہہ۔" جواباً جنیفر بس ہنکارا بھر کر رہ گئی۔

"او کے تو پھر مجھے اجازت دو۔ مجھے اب اس آدمی سے مل کر فائنل ڈیل کرنی ہے جو مجھے غیر قانونی طور پر ہندوستان پہنچانے والا ہے۔ میں بس تمہاری رضامندی کا ہی منتظر تھا۔" ایڈرسن نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر تم بحری سفر کے دوران پکڑے گئے تو؟" جنیفر نے متفکر لہجے میں پوچھا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔" ایڈرسن پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "عام طور پر ایشیا سے یورپ جانے والے بحری جہازوں کی سخت چیکنگ کی جاتی ہے۔ کیونکہ ان بحری راستوں سے منشیات کی اسمگلنگ کے ساتھ ساتھ انسانی اسمگلنگ بھی ہوتی ہے۔ ایشیا کے رہنے والے یورپ اور امریکا میں سیٹل ہونے

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

کے خواہش مند ہوتے ہیں اور یہاں آنے کے لیے غیر قانونی راستے اختیار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے کیونکہ ان کے لیے یورپ و امریکا کے ویزے کا حصول بہت مشکل ہوتا ہے مگر کسی امریکی شہری کے لیے ایشیا کے کسی ملک کا ویزا حاصل کرنا بہت آسان اور سہل ہے تو پھر اسے کوئی غیر قانونی راستہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں سے ایشیا جانے والے بحری جہازوں کی زیادہ سخت چیکنگ نہیں ہوتی اس لیے میرے پکڑے جانے کے امکانات نہیں ہیں۔ تم اس بارے میں فکر مند ہونے کے بجائے خود کو میرے بنائے گئے پلان پر عمل درآمد کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرو، باقی کام مجھ پر چھوڑ دو۔" یہ کہتے ہوئے ایڈرسن گھر کے خارجی دروازے کی جانب بڑھ گیا جبکہ جنیفر نے آنکھیں موند کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

ایڈرسن اور اس کی شادی کو تقریباً پانچ برس کا عرصہ گزر چکا تھا۔ ایڈرسن اور جنیفر ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے اور وہیں ان دونوں کے درمیان محبت کا آغاز ہوا تھا۔ ایڈرسن ایک خوب صورت اور ہینڈسم انسان تھا۔ کالج کی بہت سی لڑکیاں اس پر مرتی تھیں مگر وہ جنیفر کی زلفوں کا اسیر ہو چکا تھا۔ جنیفر ایک لارڈ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ عام لڑکیوں سے خاصی مختلف تھی۔ اس لیے ایڈرسن سے محض اس کی مردانہ وجاہت کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ مرد میں مردانہ وجاہت کے علاوہ کچھ اور خوبیاں ہونا بھی ضروری ہیں۔ سب سے پہلے تو اسے وفادار ہونا چاہیے اور ساتھ ساتھ مستقل مزاج بھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایڈرسن نے اسے شادی کے لیے پرپوز کیا تو اس نے فوراً ہی حامی نہیں بھری تھی۔ وہ کچھ عرصہ تک ایڈرسن کو آزمانا چاہتی تھی، پرکھ کر دیکھنا چاہتی تھی کہ کیا وہ واقعی اس کے معاملے میں سنجیدہ ہے یا وقتی جذبات کے دھارے میں بہہ کر اسے پرپوز کر بیٹھا ہے۔

ایڈرسن کی ثابت قدمی نے بالآخر اسے ڈھیر ہونے پر مجبور کر دیا اور اس نے ایڈرسن کا پروپوزل قبول کر لیا مگر دونوں کی شادی آسانی سے نہیں ہوئی تھی۔ جنیفر کے والد لارڈ رچرڈ نے اس رشتے کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایڈرسن اس سے محبت نہیں کرتا، وہ محض محبت کا ڈھونگ رچا رہا ہے۔ اس کا اصل مقصد جنیفر نہیں بلکہ اس کی دولت کا حصول ہے۔

اس وقت تک جنیفر، ایڈرسن کی محبت میں پوری طرح ڈوب چکی تھی۔ اس لیے اس کے ڈیڈی کی اسے سمجھانے کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی۔ جنیفر لارڈ رچرڈ کی بیٹی تھی۔ وہ جنیفر سے بے حد محبت کرتے تھے۔ انہوں نے بالآخر جنیفر کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال [illegible] انہوں نے یہ رشتہ تو قبول کر لیا مگر جنیفر سے یہ گلہ ان [illegible] دم تک رہا کہ وہ ایڈرسن کی خاطر اپنے باپ کے سا[منے] تان کر کھڑی ہوگئی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے اس نے لا[illegible] سے بھی اونچے لہجے میں بات تک نہ کی تھی۔

ایڈرسن اور جنیفر نے جیسے ہی اپنی تعلیم مکمل [illegible] دونوں کی شادی ہو گئی۔ ان دنوں جنیفر بہت خوش [illegible] ایڈرسن جیسے محبت کرنے والے شوہر کو پا کر اسے ایسا محسوس [illegible] تھا جیسے وہ ہواؤں میں اڑ رہی ہو مگر اپنی خوشیوں بھری [illegible] میں وہ وقتی طور پر زندگی کی تلخ حقیقتوں کو فراموش کر [illegible] انسان کی خوشیاں سدا بہار نہیں ہوتیں۔ اس کا احساس پہلی بار اس وقت ہوا جب اس کے والد لارڈ رچرڈ دل کا [illegible] پڑنے سے انتقال کر گئے۔ جنیفر کو اپنے والد سے بے [illegible] تھا، اس کی والدہ اس کے بچپن میں ہی انتقال کر گئی [illegible] جنیفر کے والد نے اسے ماں بن کر پالا تھا۔ اس کی ہر [illegible] پوری کی تھی حتیٰ کہ اس کی خوشیوں کی خاطر انہوں نے ایڈ[رسن] کو بھی قبول کر لیا تھا۔ ورنہ [illegible]

جنیفر کے لیے لارڈ رچرڈ کی موت کا صدمہ [illegible] تھا۔ اگر اس وقت ایڈرسن اسے نہ سنبھالتا تو نہ جانے وہ صدمے کی اس کیفیت میں مبتلا رہتی۔ ایڈرسن کی محبت نے اسے بہت جلد اپنی نارمل لائف میں لوٹنے [illegible] کر دیا۔ اس نے اس حقیقت کو دل سے تسلیم کر لیا کہ ہر [illegible] کو ایک دن اس دنیا سے جانا ہے اور مرنے والے کے [illegible] کوئی نہیں مرتا۔ زندگی کا سفر جاری رہتا ہے۔ لارڈ رچرڈ کی موت کے بعد جنیفر ان کے تمام کاروبار کی اکلوتی وار[ث] [illegible] یہی وہ وقت تھا جب اس نے اپنی زندگی کی سب [illegible] غلطی کی۔ اس نے سارا کاروبار اپنے شوہر ایڈرسن کے حوالے کرتے ہوئے خود ہاؤس وائف بن کر رہنا [illegible] ویسے بھی اس کا خیال تھا کہ ایڈرسن ایک پڑھا لکھا [illegible] انسان ہے، وہ اس کے ڈیڈ کے کاروبار کو احسن [illegible] چلالے گا مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، جنیفر کی ایڈ[رسن کے] بارے میں سوچ غلط ثابت ہوتی چلی گئی۔ اس [illegible] منافع میں جانے والا کاروبار صرف دو سال میں ہی [illegible] میں چلا گیا جس کی وجہ سے ایڈرسن خاصا پریشان اور [illegible] رہنے لگا۔ ایسے وقت جنیفر نے اس کا پورا ساتھ دیا [illegible]

اس کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی میں لگی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ جلد ہی معاملات سنبھل جائیں گے اور ان کی زندگی بھی نارمل ڈگر پر آجائے گی مگر اس کی سوچ کے برعکس معاملات بگڑتے ہی چلے گئے۔

جنیفر کو وہ وقت آج بھی یاد تھا۔ جب ایڈرسن نے اس سے مطالبہ کیا کہ اب کاروبار کو بچانے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اس بزنس میں مزید سرمایہ کاری کی جائے ورنہ اس کے والد کی کمپنی ڈیفالٹ کر جائے گی۔ بقول ایڈرسن وہ کمپنی کے نام پر بینک سے خاصا لون بھی لے چکا ہے اور فی الحال لون چکانے اور کمپنی بچانے کا یہی طریقہ سمجھ میں آتا ہے کہ جنیفر کے والد کا گھر فروخت کر دیا جائے۔

شادی کے بعد ایڈرسن لارڈ رچرڈ کے گھر ہی منتقل ہو گیا تھا۔ جنیفر نے اپنا گھر نہیں چھوڑا تھا اور پھر ایڈرسن کو بھی گھر داماد بن کر رہنے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

جنیفر کے لیے اپنے ڈیڈ کا گھر فروخت کرنے کا فیصلہ خاصا مشکل تھا۔ اس کا بچپن اس گھر میں گزرا تھا۔ اسی گھر میں اس کی ماں کی موت ہوئی تھی۔ اس گھر سے اس کی زندگی بھر کی یادیں وابستہ تھیں مگر اس نے اس بار بھی ایڈرسن کا ساتھ دیا اور اپنے گھر کو فروخت کرنے کا کڑوا گھونٹ پی لیا۔

وہ گھر فروخت کرنے کے بعد [illegible] میں [illegible] ایک بار پھر وہاں منتقل ہو گئی۔ اس دوران ایڈرسن بہت مصروف ہو گیا اور اپنے کاروبار کے سلسلے میں کئی دفعہ ایشیائی ممالک کے چکر بھی لگانے لگا۔ خاص کر ہندوستان تو وہ اکثر جاتا رہتا تھا۔

گھر کی فروخت سے خاصی رقم حاصل ہوئی تھی۔ جنیفر کو لگا کہ اب ان کی معاشی پریشانیاں دور ہو گئی ہیں۔ اب ایڈرسن کاروباری معاملات سنبھال لے گا۔ ویسے بھی ایڈرسن کے پاس کافی سرمایہ موجود تھا اور کسی بھی کاروبار کو کامیابی سے چلانے کے لیے سب سے پہلی اور بنیادی ضرورت سرمائے کی ہوتی ہے مگر اس کی یہ خوش فہمی بھی جلد ہی دور ہو گئی۔ ایڈرسن سے وہ جب بھی کاروبار کے بارے میں پوچھتی، وہ نقصان کا رونا [illegible] شروع کر دیتا۔

جنیفر کو یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر سرمایہ ملنے کے بعد بھی اس کاروبار کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ایڈرسن سے سوال کرتی تو وہ تاسف بھرے انداز میں کہہ دیتا کہ اس نے گھر کی فروخت سے حاصل ہونے والا زیادہ تر پیسا گولڈ کے بزنس میں انویسٹ کیا تھا جس میں اسے بہت نقصان ہو گیا ہے۔ تاہم وہ جلد ہی معاملات سیٹل کر لے گا۔ اس صورت حال سے جنیفر بھی پریشان رہنے لگی۔ وہ ایڈرسن سے اس بارے میں سوال کرتی کہ اس نے گھر کی فروخت سے حاصل ہونے والا پیسا اس کے باپ کے کاروبار کے بجائے گولڈ کے بزنس میں کیوں انویسٹ کیا تو ایڈرسن اسے مختلف تاویلات پیش کر کے بہلانے کی کوشش کرنے لگتا اور اگر وہ زیادہ بحث کرتی تو ایڈرسن باقاعدہ لڑنے لگتا۔ اس کا رویہ بھی اب جنیفر کے ساتھ پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ بسا اوقات وہ کئی کئی ہفتے گھر سے غائب رہتا تھا اور جب واپس آتا تو پوچھنے پر بتا دیتا کہ وہ بزنس کے سلسلے میں بیرونِ ملک گیا ہوا تھا اور سیل فون ساتھ لے کر نہیں گیا تھا۔

جنیفر کی پریشانیوں میں اب روز بروز اضافہ ہونے لگا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے معاملات وہ نہیں ہیں جو ایڈرسن اسے بتاتا ہے مگر وہ اس سلسلے میں خاصی بے بسی بھی محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنے مرحوم باپ کا کاروبار اپنی رضامندی سے ایڈرسن کے حوالے کیا تھا۔ ان دنوں ایڈرسن اس سے جن دستاویزات پر چاہتا دستخط لے لیتا تھا۔ جنیفر دیکھے بغیر ہر پیپر سائن کر دیا کرتی تھی۔ اس کی آنکھوں پر ایڈرسن کے عشق کی پٹی بندھی ہوئی تھی مگر اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے بغیر پڑھے پیپر سائن کر کے بھی بہت بڑی غلطی کی ہے۔ نہ جانے ایڈرسن نے کون کون سی دستاویزات پر اس کے سائن لے لیے تھے۔ اسے سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا تھا کہ بیرونِ ملک جاتے وقت ایڈرسن موبائل فون ساتھ کیوں نہیں رکھتا تھا۔ کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ ایڈرسن نے اسے یہ نوید سنائی کہ اب وہ کرائے کا یہ گھر افورڈ نہیں کر سکتا اور اس نے استعمال میں رہنے والی دونوں ذاتی گاڑیاں بھی فروخت کر دی ہیں۔ اس کے کاروبار کا دیوالیا نکل گیا ہے۔ اب کچھ ناپسندیدہ فیصلے کرنا ہوں گے۔ ایڈرسن کی باتیں اور وضاحت جنیفر کے لیے ناقابلِ قبول تھیں۔ اس بار وہ بھی سینہ تان کر ایڈرسن کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"ایڈرسن! اب میں تمہارے ہتھکنڈوں میں نہیں آؤں گی۔ تم نے میرے مرحوم ڈیڈ کا سارا کاروبار تباہ کر دیا۔ مجھے وراثت میں ملنے والا گھر فروخت کر دیا اور بقول تمہارے وہ ساری رقم بھی ڈوب چکی ہے۔ اب تم نے ذاتی گاڑیاں بھی فروخت کر دی ہیں اور کہہ رہے ہو کہ اس کرائے کے گھر کو بھی افورڈ نہیں کر سکتے تو پھر ہم کہاں رہیں گے؟"

"تمہارے ڈیڈ اکثر جنگل میں شکار کھیلنے جایا کرتے تھے۔" ایڈرسن نے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔ "اور جنگل کے قریب ہی انہوں نے قیام کے لیے ایک چھوٹا سا گھر بنوایا

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

تھا جس کے ساتھ ایک گودام بھی ہے۔ ہم وقتی طور پر وہاں شفٹ ہوجائیں گے اور پھر جیسے ہی ہمارے حالات بہتر ہوں گے ہم دوبارہ شہر میں منتقل ہوجائیں گے۔"

"ایڈرسن تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا؟" جنیفر چیختے ہوئے بولی۔ "وہ جگہ تو عام آبادی سے بھی کافی ہٹ کر واقع ہے۔ ہم وہاں کیسے رہ پائیں گے؟"

"مجبوری میں انسان کو ایسے اقدامات کرنے پڑتے ہیں اور پھر میں بھی تو تمہارے ساتھ وہاں شفٹ ہورہا ہوں۔" ایڈرسن نے مصالحانہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ ڈیڈ سے وراثت میں ملنے والے گھر کی فروخت سے اچھے خاصے پیسے مل گئے تھے۔ آخر وہ سارے پیسے کہاں گئے؟" جنیفر ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

"میں نے کہا نا کہ وہ پیسے میں نے گولڈ کے بزنس میں انویسٹ کیے تھے۔ ابھی مارکیٹ میں کساد بازاری کی وجہ سے انویسٹر خاصے نقصان سے دوچار ہیں اگر میں نے ابھی سودے کلیئر کیے تو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔ تم میری بیوی ہو کیا اس مشکل اور کٹھن وقت میں اپنے شوہر کا ساتھ نہیں دو گی۔ مجھے یقین ہے کہ جلد ہی ہمارا اچھا وقت پھر سے لوٹ آئے گا۔" ایڈرسن نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

جنیفر کے لیے ایڈرسن کی بہت سی باتیں مبہم اور ناقابل فہم تھیں۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کاروبار میں یک لخت اتنا پیسا کیسے ڈوب سکتا ہے مگر اس نے ایڈرسن کے ساتھ محبت کی شادی کی تھی۔ وہ آخری وقت تک اس کا ساتھ دینا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ محبت قربانی مانگتی ہے اور اسے بھی قربانی دینی چاہیے۔ آزمائش کا یہ وقت جلد ہی گزر جائے گا اور پھر ان کے اچھے دن شروع ہوجائیں گے۔ اچھے دنوں کی آس میں جنیفر نے ایڈرسن کا یہ فیصلہ بھی قبول کرلیا اور وہ اس کے ہمراہ اس گھر میں منتقل ہوگئی جہاں تقریباً ایک کلو میٹر تک آبادی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ شروع شروع میں جنیفر کے لیے وہاں رہنا خاصا مشکل ثابت ہوا۔ ایڈرسن بھی ایک دو دن کے لیے شہر ٹھہر جاتا تھا اور جنیفر کو گھر میں تنہا رہنا پڑتا تھا۔ اسے اس ویران و بیابان جگہ پر تنہا رہتے ہوئے خاصا خوف محسوس ہوتا تھا وہ جس دن رات کو اکیلی ہوتی بار بار اٹھ کر دروازے چیک کرتی کہ کہیں کوئی دروازہ غلطی سے کھلا تو نہیں رہ گیا۔ رفتہ رفتہ وہ اس ماحول کی عادی ہوگئی۔ کبھی کبھی تو اسے یہ ماحول اچھا لگنے لگتا تھا۔ شہر سے دور پُرفضا اور قدرتی ماحول کی زندگی۔

جنیفر کو چائے کی طلب محسوس ہوئی تو وہ چونک کر خیالات کی دنیا سے باہر آگئی۔ ایڈرسن جا چکا تھا جبکہ وہ تک کرسی پر ہی بیٹھی تھی۔

ذاتی گاڑیوں کی فروخت کے بعد ایڈرسن اور جنیفر جانے کے لیے ٹیکسی وغیرہ کا استعمال کرتے تھے مگر ٹیکسی حصول کے لیے بھی انہیں ایک کلو میٹر کا سفر طے کرکے آبادی والی جگہ پر پہنچنا پڑتا تھا۔ عام طور پر اس ویران جگہ پر ٹیکسی والا نہیں آتا تھا۔ جنیفر جانتی تھی کہ ایڈرسن بھی [illegible] چلتے ہوئے مین روڈ تک پہنچا ہوگا۔

آج ایڈرسن نے اس سے جس طرح دوٹوک انداز میں علیحدگی کی بات کی اس نے جنیفر کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔

اس نے ایڈرسن کی خاطر کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ اپنے باپ کی ساری دولت اس کے حوالے کردی تھی اور اس نے کتنی آسانی سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ امریکا میں رہنا چاہتی ہے تو رقم ففٹی ففٹی کرنے کے بعد وہ اپنے راستے الگ کرلے ہے۔

ایڈرسن کا جواب سن کر جنیفر کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ [illegible] نقصان کے متعلق بھی اسے کہانیاں سنا تا رہا تھا۔ اس نے اس بات کا بھی باقاعدہ اعتراف کرلیا تھا کہ وہ اس گھر میں اپنے اس پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے منتقل ہوا تھا۔ اس نے انشورنس کی رقم حاصل کرنے کے لیے ایک سال [illegible] بنایا تھا۔ اب جنیفر بھی اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوا [illegible] اس وقت اس کے چہرے پر شکنوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا۔ آج ایڈرسن کی باتوں نے اسے بہت گہرائی تک [illegible] مجبور کردیا تھا۔ اس کے ذہن کے بند دریچے آہستہ آہستہ کھلتے جارہے تھے۔

ایڈرسن کو ایک کلو میٹر تک پیدل چلنے کے بعد شہر جانے کے لیے ٹیکسی مل گئی۔ آج وہ مائیکل سے ملنے اور اس سے فائنل ڈیل کرنے جارہا تھا۔ مائیکل وہی شخص تھا جو اسے بحری راستے سے ہندوستان تک پہنچاتا تھا۔ ایڈرسن مزید دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جلد از جلد ہندوستان پہنچ کر سپنا سے ملنا چاہتا تھا۔ حسین اور دلکش چہرے والی سپنا پر ایڈرسن پہلی ہی ملاقات میں فریفتہ ہوگیا تھا۔ وہ اس پر اس طرح سے مرمٹا تھا کہ اس کی خاطر امریکا تک کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنے پر بھی تیار ہوگیا تھا۔

سپنا سے اس کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی

وہ ایک کاروباری ڈیل کے سلسلے میں ہندوستان گیا تھا۔ وہ جس کمپنی سے ڈیل کے لیے ہندوستان گیا تھا، سپنا اس کمپنی میں منیجر کے عہدے پر فائز تھی۔ ایڈرسن ایک امریکی شہری تھا۔ اس لیے اس نے تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے ایک دو بزنس میٹنگز کے بعد ہی سپنا کو ڈنر کی دعوت دے ڈالی۔ ایڈرسن ایک ہینڈسم اور خوب صورت مرد تھا۔ سپنا اسے انکار نہ کرسکی اور اس نے یہ دعوت قبول کرلی۔ پھر ان کے درمیان بزنس میٹنگز کے علاوہ بھی ملاقاتیں شروع ہوگئیں۔ ایڈرسن نے تکلفات میں پڑنے کے بجائے چند ملاقاتوں کے بعد ہی سپنا سے نہ صرف اظہار محبت کرڈالا بلکہ اسے باقاعدہ پروپوز بھی کردیا۔ اس کی توقع کے مطابق سپنا نے اس کا پروپوزل قبول کرلیا مگر وہ عام ہندوستانی لڑکیوں سے خاصی مختلف ثابت ہوئی۔ اس نے ایڈرسن سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ شادی پر آمادہ ہے مگر ہندوستان چھوڑ کر امریکا نہیں جائے گی۔ اگر ایڈرسن اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے امریکا چھوڑ کر ہندوستان آنا ہوگا۔

ایڈرسن نے سپنا سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے کاروباری معاملات سمیٹ کر جلد ہی ہندوستان منتقل ہوجائے گا۔ اس نے سپنا سے یہی کہا تھا کہ ابھی تک اس نے شادی نہیں کی اور [illegible] میں [illegible] لڑکی تھی اور ایڈرسن جانتا تھا کہ دوسری عورت کا وجود تو امریکی عورت بھی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ ایک مشرقی لڑکی کیسے کرتی۔

ایڈرسن ہندوستان سے تو واپس آگیا مگر اپنا دل وہیں چھوڑ آیا اس نے جنیفر سے جس مقصد کے لیے شادی کی تھی، وہ پورا ہوچکا تھا۔ جنیفر کے مرحوم ڈیڈ لارڈ رچرڈ کی ساری دولت اب اس کے قبضے میں آچکی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی ساری دولت ہندوستان منتقل کرنا شروع کردی۔ جنیفر کو کاروبار میں نقصان کے جھوٹے قصے سنا کر مطمئن کرنا بھی زیادہ مشکل کام ثابت نہ ہوا۔ اس کی بے وقوف بیوی ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا تھی کہ اس کا شوہر اسے ٹوٹ کر چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے ایڈرسن کے مطالبے پر اپنے والد کے گھر تک کو فروخت کردیا تھا۔ ایڈرسن نے گاڑیوں کو بھی نہیں بخشا تھا۔ اس نے سب کچھ فروخت کردیا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ رقم لے کر ہندوستان جانا چاہتا تھا۔ اس دوران وہ وقتاً فوقتاً ہندوستان جاتا بھی رہا تھا۔ جنیفر یہی سمجھتی رہی تھی کہ وہ ایشیائی ممالک کاروباری سلسلے میں جاتا ہے مگر اب وہ صرف سپنا سے ملنے کے لیے وہاں جاتا تھا اس نے سپنا کو ہندوستان کے پُرفضا مقام پر ایک خوب صورت سا گھر خرید کر بھی گفٹ کردیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ ایک سال کے اندر اندر وہ ہمیشہ کے لیے ہندوستان شفٹ ہوجائے گا۔

ایڈرسن ویسے تو کافی پیسا وہاں منتقل کرچکا تھا مگر ایک سال پہلے ہی اس کے ذہن میں یہ پلان آیا تھا کہ انشورنس کمپنی سے فراڈ کے ذریعے پیسے حاصل کرنا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ جب یہاں سے جانا ہی ہے تو کیوں نا مزید رقم حاصل کرکے جایا جائے مگر اس کے اس پلان کی کامیابی کے لیے یہ ضروری تھا کہ جنیفر بھی اس منصوبے میں شامل ہوجاتی۔ بیوی ہونے کے ناتے انشورنس کی رقم صرف وہی وصول کرسکتی تھی۔

ایڈرسن منصوبہ ساز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عملی آدمی بھی تھا۔ اس لیے اس نے فوراً ایک ایسی انشورنس پالیسی خرید لی جس کے تحت اگر اس کی موت طبعی نہ ہوئی تو انشورنس کمپنی اس کی بیوی کو دس لاکھ ڈالر دینے کی پابند ہوگی۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ جنیفر کو لے کر اس ویران جگہ پر واقع گھر میں منتقل ہوا تھا۔ ایڈرسن مسلسل کوششوں کے بعد جنیفر کو منانے میں بھی کامیاب رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جنیفر رقم ملنے کے بعد اسے رقم ادا کردے گی۔ وہ اب جنیفر سے بھی جان چھڑانا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تو یہی تھا کہ اس سے رقم وصول کرنے کے بعد ہی اس سے جان چھڑانے کا کوئی طریقہ سوچے گا مگر جنیفر نے یہ کہہ کر کہ وہ امریکا چھوڑ کر ہندوستان نہیں جائے گی، ایڈرسن کا کام مزید آسان کردیا تھا۔ جنیفر کے انکار کے بعد اس نے دوٹوک انداز میں اس سے اپنے راستے جدا کرنے اور انشورنس کمپنی سے حاصل ہونے والی رقم کو ففٹی ففٹی کرنے کا کہہ دیا تھا۔ جنیفر نے بھی اس کی آفر قبول کرلی تھی۔ اگرچہ اب ایڈرسن کو دس کے بجائے پانچ لاکھ ڈالر ملنے تھے مگر اس کا خیال تھا کہ یہ بھی غنیمت ہیں۔ ویسے بھی وہ ہندوستان میں خاصی رقم ٹرانسفر کرچکا تھا۔ یہ پانچ لاکھ ڈالر تو اسے بونس میں ملنے والے تھے۔

اس نے فیصلہ کیا تھا کہ ہندوستان جاکر وہ ایک نئے نام اور شناخت کے ساتھ سپنا کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزارے گا۔ اس نے وہاں رقم بھی ہنڈی کے ذریعے منتقل کی تھی اور اس سلسلے میں بھی مائیکل نامی وہی شخص اس کے کام آیا تھا جو اسے سی پورٹ سے ہندوستان لے جانے والا تھا۔ ایڈرسن کو آج مائیکل سے فائنل ڈیل کرنا تھی اور اسے ایڈوانس رقم بھی ادا کرنا تھی۔ مائیکل خاصا بااعتماد شخص ثابت

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ہوا تھا۔ اس نے آج تک ایڈرسن کے تمام کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیے تھے۔ وہ اکثر اوقات ہندوستان جاتا رہتا تھا اور ہندوستان میں ایڈرسن کے نئے نام اور شناخت کے جعلی کاغذات تیار کروانے کی ذمّے داری بھی اسی نے اٹھائی تھی۔ مائیکل سے ایڈرسن کی بہت پرانی شناسائی تھی اور وہ جنیفر کو بھی اچھی طرح جانتا تھا کیونکہ وہ اسی کالج میں پڑھاتا تھا جہاں سے ایڈرسن اور جنیفر نے تعلیم حاصل کی تھی۔ جنیفر بھی مائیکل کو جانتی تھی۔ اس وجہ سے ایڈرسن نے دانستہ اس کے سامنے مائیکل کا نام نہیں لیا تھا۔ ویسے بھی نام بتانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے مائیکل سے آج تک جتنی بھی معاونت حاصل کی تھی۔ مائیکل نے اس کا باقاعدہ معاوضہ وصول کیا تھا۔ اس دن مائیکل سے ملاقات اور فائنل ڈیل کرنے کے بعد وہ گھر واپس لوٹ آیا۔ اس نے جنیفر کو بھی آگاہ کر دیا کہ دس تاریخ کو سی پورٹ سے بحری جہاز نے روانہ ہونا ہے اور اسے تین بجے تک ہر صورت جنگل کے راستے سے اس مقام تک پہنچنا ہے جہاں مائیکل اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ دس تاریخ میں چند دن ہی باقی تھے۔ اس دوران ایڈرسن اور جنیفر نے اپنا زیادہ تر وقت گھر پر ہی گزارا۔ صرف جنیفر ایک دن ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر تک گئی۔ اس نے ایڈرسن کو بتا دیا تھا کہ وہ شام تک واپس آجائے گی اور وہ اپنے وعدے کے مطابق شام تک لوٹ بھی آئی۔ ان چند دنوں میں انہوں نے ایک دوسرے سے زیادہ بات بھی نہیں کی تھی۔ شاید وہ ذہنی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہونے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے سونے کے کمرے بھی الگ کر لیے تھے۔

ایڈرسن کو اس کی کوئی پروا بھی نہیں تھی۔ وہ ان دنوں زیادہ تر وقت سپنا کے خوابوں میں کھویا رہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہندوستان میں سپنا اس کی شناخت اور نام کی تبدیلی پر حیرت کے ساتھ ساتھ شکوک و شبہات کا اظہار بھی کرے گی مگر اسے یقین تھا کہ وہ اسے بھی کوئی جھوٹی کہانی سنا کر مطمئن کر ہی لے گا آخرکار وہ دن بھی آ ہی گیا جب ایڈرسن کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جانا تھا۔ ایڈرسن اور جنیفر نے صبح ناشتا ایک ساتھ ہی کیا تھا۔

''ایڈرسن ویسے جب مجھے تمہاری انشورنس پالیسی کی رقم مل جائے گی تو تم یہ رقم مجھ سے کیسے وصول کرو گے۔ بینک کے ذریعے... یہ رقم وصول نہیں کر سکو گے کیونکہ قانون کے مطابق تم مر چکے ہو گے؟'' جنیفر نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ کوئی زیادہ بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میں تمہیں وہاں اپنے کسی دوست کے اکاؤنٹ میں منتقل کرنے کا کہہ دوں گا۔ ہوں تم اس بات کو چھوڑو' یہ بعد کے مسائل ہیں۔ سب سے اہم مسئلہ ہے کہ پلان پر کامیابی سے عمل ہو جائے۔ آج یہاں سے قریب واقع ...... بار میں جاؤں گا اور شراب کی دو تین بوتلیں خریدوں گا ساتھ ہی ساتھ میں کاؤنٹر مین سے دانستہ گپ شپ بھی لگاؤں گا۔ کیونکہ وہ مجھے جانتا ہے اور میں اکثر اوقات اس بار سے شراب خریدتا ہوں۔ اس لیے یہ عجیب بات نہیں ہوگی۔ میں دانستہ اس سے ذکر کروں گا کہ آج میرا اپنی بیوی سے معمولی نوعیت کا جھگڑا ہوا ہے اور میں گھر کے بجائے گودام میں بیٹھ کر شراب پینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ویسے بھی میری بیوی مجھے گھر میں شراب نہیں پینے دیتی اور میں اس سے مزید کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتا ہوں۔ اس کے بعد میں اس سے چند منٹ اِدھر اُدھر کی گفتگو کرنے کے بعد لوٹ آؤں گا۔ پھر ہم دونوں کا کام شروع ہوگا۔ گودام میں خشک بھوسے اور لکڑیوں کے ساتھ ساتھ پیٹرول کے ڈرمز بھی موجود ہیں یہ پیٹرول تمہارے والد کے زمانے سے ہی یہاں موجود [illegible] یہاں آتے ہوں گے۔ شاید اس لیے انہوں نے یہاں پیٹرول ذخیرہ کر لیا تھا کیونکہ یہاں دور دور تک پیٹرول پمپ موجود نہیں ہے۔ بہرحال اب یہ پیٹرول ہمارے بہت کام آئے گا۔ ہمیں بس خشک بھوسے کو آگ لگانی ہے آگ خود ہی پیٹرول کے ڈرموں تک پہنچ جائے گی اور پھر پیٹرول آگ پکڑ لے گا اس دوران میں عقبی جانب سے جنگل کے راستے اپنے سفر پر روانہ ہو چکا ہوں گا۔ تمہیں اپنا کام کرنا ہے۔ جیسے ہی تم دیکھو کہ آگ نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے فوراً فائر بریگیڈ والوں کو فون کر دینا ہے۔ انہیں شہر سے یہاں پہنچنے میں ایک گھنٹے سے زیادہ وقت لگ جائے گا۔ اس وقت تک سب کچھ جل کر خاک ہو جائے گا۔ اس دوران میں بھی اس آدمی کے ہمراہ ایک دیگن میں سی پورٹ روانہ ہو چکا ہوں گا جو جنگل میں مخصوص پوائنٹ پر میرا منتظر ہوگا۔ یہاں سے آگے تمہارا کام شروع ہو جائے گا۔ تم کو بس اپنے اس بیان پر قائم رہنا ہے کہ کاروبار میں نقصان کی وجہ سے میں بہت زیادہ شراب پینے لگ گیا تھا۔ آج بھی میں شراب لے کر آیا تھا اور تم سے جھگڑے کی وجہ سے گودام میں چلا گیا تھا۔ تمہاری طبیعت ناساز تھی۔ تم اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔ تمہیں آگ لگنے کا پتا اس وقت چلا جب آگ نے گودام کے ساتھ گھر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ تم نے آخری بار اپنے شوہر کو شراب کی بوتلیں لے کر گودام میں جاتے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ سگریٹ بھی پی رہا تھا۔ اس بیان سے تم نے کسی بھی صورت ٹس سے مس نہیں ہونا کیونکہ ہماری کامیابی کا دارومدار اس بیان کو ثابت کرنے پر ہے۔ اپنے شوہر کی موت پر کچھ دنوں تک رنج و غم میں ڈوبے رہنے کے بعد تمہیں انشورنس کمپنی سے میری انشورنس کا کلیم طلب کرنا ہے اور دیر کرنے کی صورت میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی دھمکی بھی دینی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انشورنس کمپنی تمہیں پیسے دینے میں زیادہ حیل و حجت کا مظاہرہ نہیں کرے گی۔ وہ تمہاری یہ بات بھی تسلیم کر لیں گے کہ میں گودام میں ہی جل کر راکھ ہو گیا ہوں۔'' ایڈرسن نے ازسرِنو جنیفر کو سارا منصوبہ سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے ویسے تم نے اپنا سامان وغیرہ تیار کر لیا ہے، میرا مطلب ہے جانے کے لیے کوئی بریف کیس وغیرہ؟'' جنیفر نے حامی بھرتے ہوئے سوال بھی کر ڈالا۔

''میں رات ہی اپنا انتہائی ضروری سامان تیار کر چکا ہوں۔ ورنہ مجھے یہاں سے کچھ بھی نہیں لے کر جانا۔ میں اپنا [illegible] تاکہ کسی کو بھی اس حادثے کے بارے میں شک نہ گزرے۔''

''او کے ٹھیک ہے۔'' جنیفر نے بس اتنا کہنے پر ہی اکتفا کیا اور پھر اٹھ کر کچن کی جانب چلی گئی۔

تقریباً بارہ بجے کے قریب ایڈرسن اپنے پلان کے مطابق وہاں سے قریبی شراب بار کی جانب روانہ ہوا کیونکہ وہ پیدل ہی گیا تھا اس لیے اس کی واپسی تقریباً دو بجے کے قریب ہوئی۔

''جنیفر اب دیر کرنا مناسب نہیں، آؤ مجھے تین بجے تک جنگل میں اس مقام تک بھی پہنچنا ہے۔'' ایڈرسن نے گھر میں داخل ہوتے ہی کہا۔

''اگر کافی پینے کا موڈ ہو تو کافی گرم ہے۔ گودام میں ہی لے چلتے ہیں۔'' جنیفر نے کہا۔

''نہیں۔'' ایڈرسن نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''البتہ ایک گلاس اور پانی کی بوتل لے لو۔ میں شراب کے ایک دو پیگ چڑھانا چاہتا ہوں۔ اپنا بیگ میں آگ لگانے کے بعد اٹھا لوں گا۔''

جنیفر اس بار کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے کچن میں جا کر ایڈرسن کا مطلوبہ سامان لے آئی۔

''ارے تمہارے چہرے پر ابھی سے رنج و غم کے تاثرات کیوں عود آئے ہیں۔ یہ ڈراما میرے جانے کے بعد کرنا ہے۔'' ایڈرسن نے اسے پچکارتے ہوئے کہا تو جنیفر بھی مسکرا دی۔ تاہم اس کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ جبراً مسکرائی ہے۔

ایڈرسن باہر نکلا تو جنیفر بھی اس کے ہمراہ تھی۔ باہر نکلتے ہی ایڈرسن نے بڑے غور سے اطراف کا جائزہ لیا۔ اس وقت دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ ویسے بھی اس طرف کا رخ لوگ کم ہی کرتے تھے۔

گودام میں داخل ہوتے ہی ایڈرسن نے اپنے ہاتھ میں موجود شراب کی بوتلیں زمین پر رکھیں اور پھر پیٹرول کے ڈرمز کے پاس پہنچ گیا۔

''جنیفر میں ایک ڈرم کا ڈھکنا کھول رہا ہوں اس دوران میرے لیے ایک پیگ تیار کر دو۔ جب ہم الوداع ہو ہی رہے ہیں تو کیوں نا ذرا اچھے طریقے سے ہو جائیں۔'' ایڈرسن نے کہا اور پھر ڈرم کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

''میں اس ڈرم کو پہلے بھی کھول کر دیکھ چکا ہوں۔ باقی ڈرم بند ہی رہنے دو اس ڈرم کے آگ پکڑنے کے بعد وہ ڈرم بھی پھٹ جائیں گے۔ بھوسے کو آگ لگاتے ہی ہمیں فوراً یہاں سے دور ہو جانا ہے مبادا ہم ہی آگ کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ اس کے بعد میں گھر سے اپنا بیگ لوں گا اور اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔'' ایڈرسن نے جنیفر سے کہا اور پھر قریب آ کر شراب کا وہ پیگ اٹھا کر ایک ہی سانس میں چڑھا گیا جو اس کے ڈرم کا ڈھکن کھولنے کی کوشش کے دوران جنیفر نے بنایا تھا۔ اس کے پیگ چڑھاتے ہی جنیفر نے خاموشی سے دوسرا پیگ تیار کر دیا اور ایڈرسن نے اسے حلق میں انڈیلنے میں بھی دیر نہیں لگائی۔

''جنیفر تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا، مجھے کبھی کبھی تمہاری یاد آیا کرے گی۔'' ایڈرسن نے کہا اور پھر اچانک ہی زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے، یہ میرے جسم میں یک بہ یک جان کیوں ختم ہو گئی ہے؟''

جنیفر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بہ غور ایڈرسن کا جائزہ لے رہی تھی۔ تاہم اس کی یہ حالت دیکھ کر جنیفر کے چہرے پر کسی پریشانی کے برعکس گہرے اطمینان کے تاثرات نمایاں ہو گئے۔

ایڈرسن اب زمین پر گر چکا تھا۔ اس کا جسم ساکت ہو گیا تھا۔ اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس پر فالج کا حملہ ہوا ہو۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

"جنیفر یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟" ایڈرسن نے بھنچی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ ٹھیک طرح سے بول بھی نہیں پا رہا تھا۔

"تمہارے ساتھ وہی ہو رہا ہے جو تم جیسے گھٹیا شخص کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔" جنیفر کا بدلا ہوا لہجہ سن کر زمین پر گرے ایڈرسن نے بڑی مشکل سے اپنی گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے ہکلاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مطلب یہ کہ تمہارے شراب کے پیگ میں کچھ ملا ہوا تھا اس وجہ سے تمہارا سارا جسم مفلوج ہو گیا۔ کچھ ہی دیر میں تمہاری زبان بھی مفلوج ہو جائے گی۔ تم کیا سمجھے تھے کہ میں ساری عمر تم سے دھوکا ہی کھاتی رہوں گی۔ تمہاری چکنی چپڑی باتوں سے بہلتی رہوں گی اور تم آرام سے اپنی اس ہندوستانی محبوبہ کی آغوش میں پناہ لے لو گے۔" جنیفر نے غصیلے لہجے میں کہا تو ایڈرسن کی آنکھیں حیرت سے اتنی پھیل گئیں کہ مزید پھیلنے کی گنجائش ہی نہ رہی۔

"تم یقیناً حیران ہو گے کہ مجھے سپنا کے بارے میں کیسے پتا چلا تو چلو میں تمہاری یہ الجھن بھی دور کر دیتی ہوں۔ مجھے یہ سب کچھ مائیکل کے توسط سے معلوم ہوا ہے۔ [illegible] میں اس سے ملنے گئی تھی۔ مائیکل ہی وہ شخص ہے جو [illegible] ہندوستان لے کر جانے والا ہے۔ اس نے تمہارا پیسا امریکا سے ہندوستان ٹرانسفر کرنے میں بھی تمہاری کافی مدد کی ہے۔" جنیفر نے زہریلے لہجے میں کہا تو ایڈرسن کے چہرے پر موجود حیرت کے تاثرات دوچند ہو گئے۔

"مائیکل نے یہ سب مجھے کیوں بتایا آخر اسے اس سے کیا فائدہ ہونے والا ہے؟ چلو میں تمہیں یہ بھی بتا دیتی ہوں۔ مائیکل، تم اور میں ایک ہی کالج میں پڑھتے ہیں۔ مائیکل مجھ سے محبت کرتا تھا اور اس نے تم سے پہلے مجھے پرپوز بھی کیا تھا مگر ان دنوں میں تمہاری محبت میں اندھی ہو چکی تھی۔ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو زنگ لگ گیا تھا۔ میں تمہاری ظاہری شکل و صورت پر مرمٹی تھی۔ اس لیے تمہاری خاطر اپنے سگے باپ تک کے سامنے سینہ تان کر کھڑی ہو گئی۔ میں شادی کے بعد بھی برسوں تک تم سے دھوکا کھاتی رہی۔ اس غلط فہمی میں رہی کہ تم مجھ سے حقیقی محبت کرتے ہو۔ اسی وجہ سے ہر معاملے میں تمہارا ساتھ بھی دیتی رہی حتیٰ کہ انشورنس کمپنی کے ساتھ فراڈ کرنے کے پلان میں بھی تمہارا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا مگر اس دن تم نے بڑی آسانی سے اپنا اور میرا راستہ الگ کرنے کی بات کی تو مجھے بھی ہوش [illegible] میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔ انسان جب [illegible] سے کسی معاملے کا جائزہ لے تو اس پر بہت سے [illegible] منکشف ہو جاتے ہیں۔ مجھے لگا کہ تم میرے ساتھ دھو[illegible] ارتکاب کر رہے ہو۔ کاروبار سے لے کر مجھ سے [illegible] سب فراڈ ہے۔ میں تمہاری معلومات میں اضافہ کر[illegible] کہ مائیکل تمہاری اور میری شادی کے بعد بھی مجھے [illegible] پایا تھا۔ اسے میری سالگرہ کا دن بھی یاد تھا۔ تمہیں یاد [illegible] میں اپنی سالگرہ کالج فرینڈز کے ساتھ منایا کرتی تھی [illegible] نے بات کرتے ہوئے ایڈرسن کی طرف دیکھ کر کہا۔ ایڈرسن نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے جنیفر کا چہرہ تکے جا رہا تھا۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ مائیکل میری سالگرہ [illegible] نہیں بھول پایا تھا۔ اس لیے مجھے ہر سال اس کی طرف [illegible] مبارک باد کا کارڈ ضرور موصول ہوتا تھا۔" جنیفر [illegible] کے بعد بولی۔ "پھر ایک وقت آیا جب مائیکل نے [illegible] کرنا بھی شروع کر دیا مگر میں نے چند فون کالز کے [illegible] سختی سے منع کر دیا کہ تو وہ آئندہ مجھے فون نہیں کرے [illegible] تمہاری بیوی تھی اور تم سے محبت بھی کرتی تھی۔ [illegible] فاداری [illegible] کو وہیں روک دیا۔ وہ بھی خاصا فرماں بردار [illegible] ہوا اور اس نے مجھے دوبارہ فون نہیں کیا۔ اس کے بعد [illegible] سارا پیسا لوٹ کر ہندوستان پہنچاتے رہے اور جاتے [illegible] نے بونس کے طور پر انشورنس کمپنی کا فراڈ کرنے کا منصو[illegible] لیا۔ میں اس وقت تک تمہارے باطن کی خباثت سے [illegible] تھی۔ اس لیے تمہارے ساتھ اس ویران و بیابان [illegible] رہائش بھی اختیار کر لی۔ رات کو مجھے کئی دفعہ تنہا [illegible] ایک ویران جگہ پر کسی اکیلی عورت کے لیے تنہا [illegible] مشکل کام ہے۔ میں کئی بار رات کو خوف زدہ ہو [illegible] تھی۔ بار بار کھڑکیاں اور دروازے چیک کرتی [illegible] کھڑکی کھلی تو نہیں رہ گئی۔ یہ سب میں تمہاری خاطر [illegible] اور تم نے بدلے میں مجھے دھوکا دیا۔ مجھ سے بے وفا[illegible]

چند دن پہلے مجھے دوبارہ مائیکل کی کالز آنا شر[illegible] تھیں ورنہ میرے منع کرنے کے بعد اس نے [illegible] عرصے تک مجھے فون نہیں کیا تھا۔ اس نے کہا [illegible] تمہارے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہے۔ میر[illegible] تمہارا اصلی چہرہ بے نقاب کرنا چاہتا ہے۔ وہ مجھے [illegible] رہا تھا مگر میں نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا [illegible]

وہ مجھے تمہارے خلاف بھڑکانا چاہتا ہے مگر جب تم نے مجھ سے اپنے راستے الگ کرنے کی بات کی تو میں چونک پڑی۔ میرے لیے تمہارا یہ رویہ انوکھا اور بالکل نیا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب میں نے تمہاری جھوٹی محبت کو پہچانا۔ دماغ نے سوچنا شروع کیا تو بہت کچھ سمجھ میں آنے لگا۔ میں نے مائیکل کو فون کیا اور اس سے ملنے چلی گئی اور پھر میرے سامنے ایسے ایسے انکشافات ہوئے کہ میرا پورا وجود اندر سے گویا جل کر خاکستر ہو گیا۔ تم نے مجھے دھوکا تو بڑی کامیابی سے دیا تھا مگر یہ تمہاری بدقسمتی تھی کہ تم نے ہندوستان میں اپنے کام نکلوانے کے لیے مائیکل کی خدمات حاصل کیں۔ مائیکل جو آج بھی میرا انتظار کر رہا ہے اور اس نے میری وجہ سے ابھی تک شادی بھی نہیں کی، وہ مجھ سے بالکل ویسی ہی محبت کرتا ہے جیسی میں تم سے کرتی تھی۔ مائیکل نے مجھے بتایا کہ تمہیں کاروبار میں نقصان نہیں ہوا بلکہ تم خاموشی سے سارا پیسا ہندوستان منتقل کر رہے ہو اور تم سپنا نامی ایک ہندوستانی لڑکی کی زلفوں کے اسیر بھی ہو چکے ہو۔ اس نے بطور ثبوت مجھے ایک ویڈیو فلم بھی دکھائی جس میں تم ساحلِ سمندر پر کسی لڑکی کی بانہوں میں بانہیں ڈالے بیٹھے ہوئے تھے۔ مائیکل نے مجھے بتایا کہ وہ بھی اکثر ہندوستان آتا جاتا رہتا ہے اور ایک دن اس نے تمہیں اس لڑکی کو اتفاقاً [illegible] نے سپنا [illegible] نے یہ سب میری خاطر کیا۔ وہ واقعی مجھ سے سچی محبت کرتا ہے اور میں بھی اسے مایوس نہیں کروں گی مگر اب تمہارا کیا ہو گا؟" جنیفر بولتے بولتے رک گئی۔ اس کے لہجے میں اس قدر سفاکیت تھی کہ سامنے زمین پر پڑا ایڈرسن بے اختیار جھرجھریاں لے کر رہ گیا۔

جنیفر کچھ دیر تک خاموشی سے ایڈرسن کو دیکھتی رہی اور پھر بولی۔ "ایڈرسن تمہیں معلوم ہے کہ جدید سائنس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عورت کا آئی کیو لیول مرد سے زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی عورت، مرد سے زیادہ ذہین ہوتی ہے۔ بس یہ اندھی محبت ہی ہے جو اس کی مت مار دیتی ہے۔ تمہارا پردہ فاش ہوتے ہی میرے سر سے بھی محبت کا خمار اتر گیا اور میں نے بھی ایک پلان بنا لیا۔ میں نے مائیکل کو کہا کہ وہ مجھے کسی ایسی دوائی کا بندوبست کر کے دے جس کے استعمال سے ایڈرسن میرے سامنے بے بس ہو جائے۔ وہ واقعی کام کا آدمی ہے۔ اس نے مجھے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی کچھ گولیاں لا کر دے دیں اور بتا بھی دیا کہ اس کے استعمال سے آدمی کا جسم فوراً ہی مفلوج ہو جاتا ہے اور اس کی یہ حالت چند گھنٹے تک برقرار رہتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے مجھ سے یہ سوال بھی کیا کہ اس دوا سے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اسے سارا پلان بتا دیا اور رازداری کا وعدہ بھی لے لیا۔ اگرچہ میرا پلان سن کر وہ کچھ پریشان ہوا لیکن میری خاطر اس نے رازداری کا وعدہ بھی کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے بھی اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جانتے ہو میں نے کیا پلان بنایا ہے؟" جنیفر بات کرتے ہوئے مستفسرانہ نگاہوں سے ایڈرسن کا چہرہ تکنے لگی۔

"میں پلان بنا چکی ہوں کہ تمہارے پلان پر من و عن عمل کر ڈالوں بس فرق اتنا ہے کہ تم آگ میں سچ مچ جل مرو گے۔ میں کافی میں تمہیں یہ دوا ملا کر بے بس کرنا چاہتی تھی مگر تم نے کافی پینے سے انکار کر دیا۔ تاہم مجھے یہ گولیاں تمہارے شراب کے پیگ میں شامل کرنے کا موقع مل گیا اور ان گولیوں نے اپنا اثر بھی خوب دکھایا۔ تم بالکل بے فکر رہو، میں تمہاری موت کے بعد انشورنس کی رقم ضرور حاصل کروں گی اور رونے دھونے کی اداکاری بھی احسن طریقے سے سرانجام دوں گی۔ میں بالکل ویسے ہی کروں گی جیسے تم نے مجھے سمجھایا ہے۔" یہ کہتے ہوئے جنیفر آگے بڑھی اور پھر مفلوج پڑے خشک بھوسے کو آگ دکھانے لگی۔

ایڈرسن پہلے ہی بھوسا ڈرمز کے آس پاس بکھیر چکا تھا۔ خشک بھوسے نے تیزی سے آگ پکڑی اور آگ پھیلتے ہوئے ڈرمز کی جانب بڑھنے لگی۔ اب یہاں رکنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ جنیفر نے ایڈرسن پر آخری بار نگاہ ڈالی۔ جس کی شاید اب زبان بھی مفلوج ہو چکی تھی۔ وہ خوف زدہ نگاہوں سے جنیفر کو تک رہا تھا مگر آج جنیفر اس پر رحم کرنے والی نہیں تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی گودام سے باہر نکل آئی اور پھر مزید دور ہوتی چلی گئی۔ اسی لمحے اسے اپنے عقب میں ایک دھماکا سا سنائی دیا، اس نے پلٹ کر دیکھا تو پورا گودام یک بہ یک آگ کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ گویا آگ نے ڈرمز میں موجود پیٹرول کو شعلہ دکھا دیا تھا۔ جنیفر کے سامنے اب آگ کا بہت بڑا الاؤ سا روشن تھا۔ اس نے فائر بریگیڈ کو کال کرنے سے پہلے مزید چند منٹ انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ آگ نے کچھ دیر میں ہی گھر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ خوفناک آگ جو کچھ ہی دیر میں سب کچھ جلا کر راکھ میں تبدیل کرنے والی تھی۔ اب اس راکھ کے ڈھیر میں سے محبت کی کوئی کونپل پھوٹتی یا نہیں، اس کا فیصلہ تو مائیکل سے شادی کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

انگارے

طاہر جاوید مغل

پینتالیسویں قسط

https://www.urdutubes.com/

نیکی کر دریا میں ڈال... بات محاورے کی [illegible]
لیکن خودغرضی اور سفاکی [illegible] اور میں نیکی
میں پتھر باندھ کر دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ انسان بے لوث نیکی کرنے والے کو ہی [illegible]
دردمند دل رکھتا ہو تو اس کے لیے قدم قدم پر ہولناک آسیب [illegible] ہو اور سینے میں
کر رہے ہوتے ہیں۔ بستیوں کے سرخیل اور جاگیرداری کے [illegible] منہ پھاڑے انتظ[illegible]
کے پیاسے ہو جاتے ہیں... اپنوں کی نگاہوں سے نفرت کے بے رحم سرغنہ [illegible]
ہیں... امتحان در امتحان کے ایسے کڑے مراحل پیش آتے ہیں کہ انگارے برسنے لگ[illegible]
تو مقابلہ کرنے والا خود ہی اندر سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر [illegible] کمزور
حوصلہ جوان ہو تو پھر ہر سازش کی کوکھ سے دلیری [illegible] کی عزم [illegible]
کہانی ابھرتی ہے۔ وطن کی مٹی سے پیار کرنے والے ایک [illegible] چلا جاتا ہے [illegible]
کی داستان جسے ہر طرف سے وحشت و بربریت کے [illegible] اور ذہانت کی [illegible]
گھیر لیا تھا مگر وہ ان پیاسی دلدلوں میں رکے بغیر [illegible] خوف نوجوان
اثر و رسوخ اور درندگی کی زنجیریں بھی اس کے [illegible] آشام سایوں [illegible]
روک سکیں۔ وقت کی میزان کو اس کے بڑھتے [illegible] خونخوار [illegible] چلا گیا...
قدموں میں جھکا لیا تھا مگر وہ ہار ماننے والا [illegible] حریفوں [illegible] ہی چلا
سے نہیں تھا...
[illegible] ہوئے قدم نہیں [illegible] کر پسپا ہونے والوں نے اپنے [illegible] والوں میں

منظر منظر رنگ بدلتی... ایک لہو رنگ اور دل گداز داستان...

Digitized by Google

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

میں ڈنمارک سے پاکستان کسی کی تلاش میں آیا تھا مگر یہ تلاش شروع ہونے سے پہلے ہی ایک ایسا واقعہ ہوگیا جس نے میری زندگی تہ و بالا کر دیا۔ میں نے سرِراہ ایک زخمی کو اٹھا کر اسپتال پہنچایا۔ مقامی پولیس نے مددگار کے بجائے مجرم ٹھہرایا اور یہیں سے جبر و ناانصافی کا سلسلہ شروع ہوا جس نے مجھے شکیل داراب اور لالہ نظام جیسے خطرناک لوگوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ لوگ ایک قبضہ گروپ کے سرغنہ تھے جو رہائشی کالونیاں بنانے کے لیے چھوٹے زمینداروں اور کاشت کاروں کو ان کی زمینوں سے محروم کر رہا تھا۔ میرے چچا حفیظ سے بھی ان کی آبائی زمین ہتھیانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ چچا کا بیٹا ولید اس جبر کو برداشت نہ کر سکا اور شکیل داراب کے دست راست انسپکٹر قیصر کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہوگیا۔ اس جرأت کی سزا سے یہ ملی کہ ان کی حویلی کو اس کی ماں اور بہن فائزہ سمیت جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ ولید دہشت گرد قرار پا کر جیل پہنچ گیا۔ انسپکٹر قیصر اور لالہ نظام جیسے سفاک لوگ میرے تعاقب میں تھے، وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ میں MMA کا یورپی چیمپئن تھا، وسطی یورپ کے کئی بڑے بڑے گینگسٹر میرے ہاتھوں ذلت اٹھا چکے تھے۔ میں اپنی پچھلی زندگی سے بھاگ آیا تھا لیکن وطن پہنچتے ہی یہ زندگی پھر مجھے آواز دینے لگی۔ میں یہاں سے بیزار ہو کے واپس ڈنمارک جا رہا تھا کہ ایک اجنبی لڑکی جادوئی حسن رکھنے والی لڑکی مجھے نظر آ گئی جس کی تلاش میں، میں یہاں پہنچا تھا۔ اس کا نام تاجور تھا اور وہ اپنے گاؤں چاند گڑھی میں پریشان کن حالات کا شکار تھی۔ میں اس کے گاؤں جا پہنچا اور ایک ٹریکٹر ڈرائیور کی حیثیت سے اس کے والد کے پاس ملازم ہوگیا۔ ایک مددگار میرے ساتھ تھا۔ تاجور کا غنڈا صفت منگیتر اسحاق اپنے ہمنوا ؤں زمیندار عالمگیر اور ولایت کے ساتھ مل کر تاجور اور اس کے والد محمد کے گرد گھیرا تنگ کر رہا تھا۔ مقامی مسجد کے امام مولوی فدا کی موت میں بھی اسی زمیندار کا ہاتھ تھا۔ مولوی جی کی بیٹی زینب ایک عجیب کا شکار تھی۔ وہ زمیندار عالمگیر کے گھر میں ٹھیک رہتی لیکن جب اسے وہاں سے لایا جاتا تو اس کی حالت غیر ہونے لگتی۔ اسی دوران خطرناک ڈاکو سجاول نے گاؤں پر حملہ کیا۔ حملے میں عالمگیر کا چھوٹا بھائی مارا گیا۔ میں تاجور کو حملہ آوروں سے بچا کر ایک محفوظ جگہ لے گیا۔ ہم دونوں نے کچھ اچھا وقت گزارا۔ واپس آنے کے بعد میں نے بھیس بدل کر مولوی فدا سے ملاقات کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ عالمگیر نے زینب کو جان بوجھ کر بیمار کر رکھا ہے اور یوں مولوی صاحب کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی بچی کی جان بچانے کے لیے اسحاق کی حمایت کریں۔ مولوی صاحب کو قتل کر دیا گیا۔ ایک گھناؤنی درگاہ کے خاتمے کے بعد ہم گھروں کی جانب گامزن تھے کہ میں اور تاجور سجاول ڈاکو کے ہاتھ جا پہنچے۔ یہاں سجاول کی ماں (ماؤ جی نے) مجھے اپنا ہونے والا جوائی سمجھا۔ جس کی پوتی مہناز عرف مانی سے میری بات طے تھی۔ یوں ہماری جان بچ گئی۔ سجاول کے ساتھ میرا مقابلہ طے پا چکا تھا کہ میرا ذہن ماضی میں بھٹک گیا۔ جب میں ڈنمارک میں تھا اور ایک کمزور پاکستانی کو گورے اور انڈین غنڈوں سے بچاتے ہوئے خود ایک طوفان کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ خطرناک تھا۔ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے انہوں نے میری بیوی کو ... کے بعد میری زندگی میں ایک انقلاب آ گیا پھر میرا رجحان مارشل آرٹ کی طرف ہوگیا اور ایسٹرن کنگ کی حیثیت سے MMA کی فائٹ میں تہلکہ مچاتا رہا اور دوسری طرف اسکائی ماسک کی اوٹ میں ٹیکساری گینگ کے غنڈوں سے برسرِپیکار رہا۔ اسی مارشل آرٹ کی بدولت میں نے سجاول سے مقابلہ کیا اور سخت مقابلے کے بعد برابری کی بنیاد پر ہار مان کے سجاول کا دل جیت لیا۔ سجاول نے کہہ کر میں نے انیق ... سجاول ایک حسین دوشیزہ شکیل کو نوبیاہتا دلہن کی طرح سجا سنوار کر ریان فردوس (وڈے صاحب) کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کرنا تھا۔ میں، انیق اور جاناں ساتھ تھے۔ ہم ریان فردوس کے محل نما بنگلے پارا ہاؤس پہنچے۔ وڈا صاحب اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ برونائی سے پاکستان شفٹ ہوا تھا۔ برونائی میں اس کی خاندانی دشمنی چل رہی تھی۔ سجاول کو پارا ہاؤس میں کلیدی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ پارا ہاؤس میں بڑا چکر چل رہا تھا۔ کھوج لگانے پر پتا چلا کہ بڑے صاحب کے دونوں بیٹوں میں زہریلا عنصر پایا جاتا ہے۔ زینب والا معاملہ بھی اسی کا اشارہ کر رہا تھا۔ اسی وجہ سے زینب کو بھی اغوا کر لیا گیا۔ ابراہیم اور کمال احمد کے لیے جو لڑکیاں تیار کی گئی تھیں، وہ پارا ہاؤس پہنچ چکی تھیں۔ تقریب میں دونوں لڑکیوں کی رونمائی کی گئی تو ان میں ایک زینب تھی۔ ابراہیم نے مجھ پر اور سجاول پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ ابراہیم نے دونوں بھائیوں میں زہریلا پن موجود ہے اسی لیے ان کے لیے ایسی لڑکیاں ڈھونڈی گئی ہیں۔ میں نے ابراہیم کو آگاہ کیا کہ زینب محفوظ نہیں ہے اور شادی کی صورت میں اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ سن کر ابراہیم پریشان ہوگیا۔ ادھر آقا جان چھ پارا ہاؤس کو تھا، دھاکے کو رخ اٹھے۔ میرے کہنے پر ابراہیم نے زینب کا خون ٹیسٹ کرایا تو حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔ اس تمام قتل و غارت میں ملوث تھا مگر کوئی اس پر شک کرنے کو تیار نہ تھا۔ ناقب کی موت کے بعد برونائی میں مخالفین نے بڑی کارروائی کر کے وڈے صاحب کی فیملی کو مار ڈالا تھا۔ بڑی بیگم صاحبہ کا رو رو کر برا حال تھا، ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے میں اور سجاول وڈے صاحب کے ساتھ برونائی جانے کے لیے تیار تھے۔ برونائی جانے سے پہلے میں ایک نظر تاجور کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک طویل فاصلہ طے کر کے میں تاجور کی جھلک ہی دیکھ پایا تھا کہ گاؤں کے چند لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ میرے سامنے وہ بچے تھے۔ اپنی ہار کے بعد ایک دلیر لڑکا میرے گلے کا ہار بنا اور میرا پیچھا کرتا ہوا پارا ہاؤس تک آ گیا۔ سیف عرف سیلی کی بچی نکالنے کے لیے ہم اسے اپنے ساتھ برونائی لے آئے تھے۔ یہاں حالات بہت خراب ہو چکے تھے۔ ریان فردوس کا بیٹا رائے زل مخالف پارٹی بن چکا تھا۔ امریکن ایجنسی کے ساتھ مل کے پورے علاقے پر قبضہ کر چکا تھا۔ ریان کی بیٹی قسطینا کمانڈر اور ذمے دار آفیسر تھی۔ وہ ایسٹرن کنگ کی حیثیت سے مجھے جان گئی تھی۔ میں کئی مہم میں اس کے ہمراہ رہا۔

فردوس کی پہلی بیوی اور اس کے بیٹے کی شورشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ مجھے شروع ہی سے آقا جان پر شک تھا۔ اور اس کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ رائے زل اور امریکن ایجنسی کی قوت نے محل پر دھاوا بول دیا تھا۔ افراتفری اور قتل و غارت گری نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اس حملے میں ریان فردوس اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اب ریاست پر کلی طور پر رائے زل کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہم سب بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ آقا جان اور رائے زل کے کارندے ہماری تلاش میں تھے۔ ابراہیم اور زینب کا برا حال تھا۔ میری ذات ان کے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔ کمال اس جنگ میں جان سے دھو بیٹھا تھا۔ ہم زیرِ زمین مقید تھے۔ مگر انتقام رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ جس لانچ میں ہم یہاں آئے تھے وہ ابھی تک باہر موجود تھی۔ آقا جان کے آدمیوں سے بچنے کے لیے اسے ٹھکانے لگانا ضروری تھا۔ بن مشہد اور تبارک زیرِ زمین بنکر سے باہر نکل گئے۔ مگر باہر سخت پہرا تھا...... تبارک پھسل کر ایک کھائی میں گر جاتا ہے۔ میں اور سیف اسے ڈھونڈنے جاتے ہیں مگر ایجنسی کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ بے تحاشا تشدد سہنے کے باوجود ہم قسطینا اور ابراہیم کا پتا نہیں بتاتے...... سیف کی حالت بری تھی۔ مجھے اس کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کے اس کی اذیت کم کرنا پڑی۔ مگر میرا اپنا حال بہت برا تھا۔ امریکی لونگ نے تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ جاماجی کے حالات روز بروز بدتر ہو رہے تھے۔ میں رائے زل کی قید سے رہائی پا چکا تھا۔ عوام کا سمندر میرے لیے بے چین تھا۔ وہ مجھے اپنا سربراہ مان چکے تھے۔ وہ آزادی کے لیے سر پر کفن باندھ چکے تھے۔ ہمارا قافلے کا رخ اب ڈی پیلس کی جانب تھا۔ پال کی مدد سے پوری ٹیم اور عوام کا سمندر ڈی پیلس کی جانب گامزن تھا۔ ہر طرف گولیاں...... شیلنگ اور دھواں دھار لڑائی تھی۔ بالآخر پسپی ہوئی عوام نے اپنے جوش، جذبے اور جنون سے کام لے کر رائے زل کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اب تخت کے حق دار قسطینا اور ابراہیم تھے۔ وطن آنے کے بعد تاجور اپنے گھر چلی گئی اور میں داؤد بھاؤ کے پاس تھا لیکن وطن آتے ہی اس دشمن نے مجھے ڈھونڈ ہی لیا جس سے میں چھپتا پھر رہا تھا۔ ٹیکساری گینگ پاکستان آ چکا تھا وہ ہر طرف قتل و غارت گری پھیلا رہے تھے...... ڈیتھ اسکواڈ کے کارندے میری تلاش میں کئی معصوم لوگوں کی جان لے چکے تھے۔ اب ان کا خاتمہ ضروری ہوگیا تھا۔ میں اور انیق نے ان کے ٹھکانے کا کھوج لگایا اور بہت ہوشیاری سے ان کے جشن والے دن رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ ادھر جاماجی سے خورسنہ آ چکی تھی اور سجاول کو اپنا حتمی فیصلہ سنانا چاہتی تھی۔ ڈیتھ اسکواڈ کا خاتمہ بے حد ضروری تھا۔ میں نے انیق کے ساتھ مل کر ان کے ٹھکانے کو تباہ کر دیا اور خود بھی بمشکل...... جان بچا پایا۔ اس مقام پر زبردست بلاسٹ ہوا اور مجھے بھی مردہ سمجھ لیا گیا۔ ٹیکساری گینگ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا کہ میں سب کی نظروں میں مردہ رہوں۔ اپنے چہرے پر سرجری کے ذریعے تبدیلیاں کروا کے میں اپنوں میں اجنبی بن گیا تھا۔ سیف کے گھر اور تاجور تک رسائی کے بعد میں مطمئن تھا مگر تاجور کی شادی داراب فیملی میں طے پا چکی تھی۔ تاجور کے بغیر میری زندگی ادھوری تھی، میں اسے ساتھ لے آیا تھا مگر اچانک انیق کی آمد ہوئی، اس نے سیف کے حوالے سے غلط باتیں کر کے تاجور کا دل متنفر کر دیا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ میں انیق کی اس حرکت پر مشتعل تھا۔ وہ بیاہ کے داراب ہاؤس جا چکی تھی۔ بالآخر ہم نے انیق کی دشمنی کا کھوج لگایا۔ وہ ہاناوانی کے کالے علم کی زد میں تھا ...... تھی۔ اس نے سجاول کے ہاتھوں انیق کا قتل کروایا۔ سجاول نے اس کی انتقامی کارروائی ...... تھا۔ ہاناوانی کے دہشت ناک حملے جاری تھے۔ اب وہ پرندوں کے ذریعے ہمیں نیست و نابود کر دینا چاہتی تھی۔ ہاناوانی کا اگلا شکار تاجور تھی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ شہر کے باہر جا رہی تھی۔ حملے کا شدید خطرہ تھا۔ وہی ہوا راستے میں پرندوں کی یلغار نے گاڑیوں کو تباہ کر دیا۔ میں اپنے ساتھیوں اور تاجور کے ہمراہ ایک کھوہ میں پناہ لے چکا تھا۔ ٹیکساری گینگ کے متواتر حملے جاری تھے۔ دراج کی والدہ اس صورتِ حال سے گھبرا کے ٹیکساری گینگ کے پڑاؤ کا رخ کر چکی تھیں۔ مگر نتیجہ انتہائی ہولناک موت کی صورت میں نکلا تھا۔ بالآخر ہم اس کھوہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس بار داؤد بھاؤ ہمارے کام آیا تھا۔ اب فخر کی تلاش جاری تھی۔ ایک دن ہمیں فخر کا پیغام ملا اور میں اس سے ملاقات کے لیے چل پڑا۔ فخر سے ملاقات بہت مہنگی پڑی۔ اصل میں فخر اور کمانڈر فارس ہاناوانی کی گرفت میں آ چکے تھے۔ اب میں بھی اس جادوگرنی کے شکنجے میں آ چکا تھا۔ مگر ڈاکٹر حاذق کا بتایا نسخہ میرے کام آ رہا تھا۔ ہاناوانی کے ٹرانس سے بچنے کا یہی ذریعہ تھا۔ اس نے داؤد بھاؤ کا ٹارگٹ مجھے دیا کہ وہ میرا دشمن ہے اور مجھے اس کی جان لینی ہے۔ یہ ہدف پورا کیا۔ پھر تاجور کے والد کا نمبر آیا۔ ان کی بھی جان لینی تھی۔ مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اب ہاناوانی مجھ پر بھروسا کرنے لگی تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

ہم تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تیسری منزل پر پہنچے۔ یہ اس عمارت کی وہی منزل تھی جسے خصوصی طور پر ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ فرشوں پر دبیز قالین اور کھڑکیوں پر قیمتی پردے تھے۔ یہ جگہ مرکزی طور پر ائر کنڈیشنڈ تھی اور یہاں بلا کی خاموشی تھی۔ حمام نما پورشن کا دروازہ کھلا تھا مگر بھاپ کے مرغولے کہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ نہ ہی چھوٹی آنکھوں اور چپٹی ناکوں والی خادمائیں دکھائی دیتی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب اس جگہ کوئی موجود ہی نہیں ہے۔

میں رائفل بدست، اس شاندار بیڈ روم میں داخل ہوا جہاں کچھ دیر پہلے ہاناونی سے سنگین ترین ملاقات ہوئی تھی۔

”یہاں تو بڑا تہلکہ مچا ہوا ہے۔“ وارث لودھی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

واقعی بیڈ روم کا منظر دیدنی تھا۔ شیشے کا بیشتر فرنیچر ٹوٹ چکا تھا۔ کریم رنگ کے بیش قیمت قالین پر خون کے

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

بڑے بڑے داغ تھے۔ سامنے ہی وہ بلی نما جسیم جانور مردہ پڑا تھا جس نے ہاناوانی کا دفاع کیا تھا۔ اس کا بالکل سیاہ جسم خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ یقیناً ہاناوانی کے جسم سے بھی خون کے فوارے نکلے تھے تاہم جانور اور ہاناوانی کے خون کی علیحدہ علیحدہ شناخت ممکن نہیں تھی۔

''یہاں کوئی نہیں ہے۔'' ایک شوٹر نے آکر وارث لودھی کو اطلاع دی۔

وارث نے کہا۔ ''پوری بلڈنگ میں پھیل جاؤ، ہر جگہ تلاش کرو۔''

میں نے مداخلت کی۔ ''میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں۔ پہلے، پکڑے جانے والے گارڈز سے پوچھا جائے کہ ہاناوانی کہاں ہے۔''

ہم تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے گراؤنڈ فلور پر پہنچے۔ راستے میں ہمیں کم از کم دو لاشیں دکھائی دیں، یہ ہاناوانی کے ساتھیوں کی تھیں۔ مینشن کے وسیع لان میں گرے فورس کے پانچ گارڈز موجود تھے۔ اب اُن کی مشکیں کسی جا چکی تھیں۔ رضوان ٹی نے ان میں سے ایک کو اس کے بالوں سے پکڑ رکھا تھا...... اور اس سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ اس کے ناک منہ سے خون جاری تھا۔

میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے انگلش میں پوچھا۔ ''کہاں ہے تمہاری مدر دام؟''

وہ کراہتے ہوئے بولا۔ ''میں نے بتایا ہے، وہ یہاں نہیں ہیں۔ ان کی حالت اچھی نہیں تھی۔ ڈاکٹرز انہیں یہاں سے لے گئے ہیں۔''

''کہاں لے گئے ہیں؟''

''مم...... مجھے کچھ پتا نہیں۔''

''تو کسے پتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم میں سے کسی کو پتا نہیں۔'' وہ خون تھوکتے ہوئے بولا۔

''پھر وہی بکواس۔'' رضوان نے رائفل کا دستہ زور سے اس کی کھوپڑی پر رسید کیا۔ وہ چلاتا ہوا گھاس پر لیٹ گیا۔

رضوان دوبارہ اس پر جھپٹنا چاہتا تھا مگر میں نے روک دیا۔

میں وارث لودھی کو ایک طرف لے گیا اور دھیمی آواز میں پوچھا۔ ''بھاؤ کہاں ہیں؟''

''وہ اسٹیشن وین میں ہیں، کچھ پیچھے کھڑے ہیں۔ میرے سوا کسی کو پتا نہیں کہ وہ یہاں ہیں بلکہ......'' وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

میں اس کی ادھوری بات کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا...... بلکہ کسی کو یہ بھی پتا نہیں کہ وہ ابھی حیات ہیں۔

میں نے لودھی سے پوچھا۔ ''بھاؤ نے تمہیں کیا ہدایت دی ہے؟''

''جی ہاں، میں نے اپنے بندوں سے کہہ دیا ہے کہ اردگرد کے اسپتالوں اور پرائیویٹ کلینکس میں پتا کریں۔ جیسے ہی کوئی اطلاع ملے مجھے خبر دیں۔''

''چلو آؤ اب فخر کو دیکھیں۔'' میں نے کہا اور ہم بدست دوبارہ مینشن کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ وارث اور رضوان چند شوٹرز سمیت میرے پیچھے آئے۔ رضوان نے میرے پیچھے لپکتے ہوئے کہا۔ ''زیب بھائی! آپ زخمی ہیں، آپ کے زخم سے ابھی بھی خون رس رہا ہے۔ پہلے آپ پٹی کرالیں۔''

''کرا لیتا ہوں پٹی بھی...... جہاں اتنی دیر ہوئی ہے، چند منٹ اور گزر جائیں گے۔'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

کسی اندرونی کمرے سے دروازہ پیٹنے اور پکارنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم ان ہی آوازوں کا کھوج لگاتے [illegible] مینشن [illegible] کمرے میں فخر بند تھا۔ آہنی گرل والی ادھ کھلی کھڑکی سے اس کی جھلک نظر آرہی تھی۔ وہ دروازہ پیٹ رہا تھا اور واویلا کر رہا تھا۔ ''مجھے باہر کیوں نہیں نکالتے ہو...... کہاں گئے ہو سارے...... یہ کیا ہو رہا ہے......؟''

فخر کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی ورم زدہ تھا۔ وہ گہرے نشے میں نظر آتا تھا۔ غالب خیال یہی تھا کہ اسے بھی میری طرح تیز ٹرینکولائزرز دیے جاتے رہے ہیں۔ جونہی فخر کی نظر مجھ پر پڑی، اس کی بے چینی اور جارحیت دوسری شکل اختیار کر گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں میری آنکھوں میں گاڑیں اور دہاڑا۔ ''کس نے گولیاں چلائی ہیں یہاں؟ تم نے چلائی ہوں گی۔ تم نے چلائی ہیں...... میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم قاتل ہو۔ تم ہمیشہ سے قاتل ہو۔''

وہ کھڑکی کے قریب چلا آیا اور جالی کی دوسری جانب سے میرے منہ پر تھوکنے کی ناکام کوشش کی۔

میں کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا۔ رضوان اور لودھی نے سراسیمہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے ان کے اندیشوں کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں، یہ اپنے حواس میں نہیں ہے۔ یہ نشہ آور دواؤں اور ہاناوانی کے اثر میں ہے۔''

''تو پھر کیا ہوگا؟'' لودھی نے دکھ بھرے لہجے میں پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ...... یہ آہستہ آہستہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔''

رضوان نے سوچ بھرے انداز میں میرے خیال کی تائید کی...... ''مجھے سجاول بھائی والا معاملہ یاد آرہا ہے...... وہ بھی تو کچھ عرصے بعد ٹھیک ہونا شروع ہو گئے تھے۔''

میں نے کہا۔ ''فی الحال ہمیں اس کو...... اس کے حال پر چھوڑنا ہوگا اور گھبراشت کرنا ہوگی۔''

لودھی کا ایک ساتھی بھاگتا ہوا آیا۔ اس نے اطلاع دی۔ ''طوطے بہت شور مچا رہے ہیں۔ لگتا ہے کہ جالیاں توڑ دیں گے۔ ان کا کیا کرنا ہے؟''

میں بُری طرح چونک گیا۔ طوطوں والے کمرے تو خالی تھے۔ ابھی چند منٹ پہلے میں نے خود دیکھا تھا...... اور ان طوطوں نے میرے سامنے مینشن کی چھت کے خلا سے پرواز کی تھی۔ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لپکتا ہوا ان نیم تاریک کمروں تک پہنچا جہاں دیواروں کے ساتھ ساتھ بہت سے پنجرے تھے۔ یہ سارے پنجرے اب خالی پڑے تھے لیکن اطلاع دینے والا بھی غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ [illegible] ابھی موجود تھے۔ یہ پنجرہ شاید [illegible] سے بند نہ کیا گیا تھا۔ باقی طوطے پرواز کر گئے تھے اور یہ یہیں پر بند تھے۔ ان پرندوں کی بے قراری دیدنی تھی۔ وہ جنون کے عالم میں پھڑپھڑا رہے تھے۔ اپنی نکیلی، خم دار چونچوں سے پنجرے کی جالی کو اُدھیڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ ایسے تھے جو پیچھے ہٹ ہٹ کر پنجرے کی جالیوں سے ٹکرا رہے تھے۔ وہ زخمی ہو رہے تھے، ان کے پر جھڑ رہے تھے مگر انہیں کچھ پروا نہیں تھی۔

لودھی ایک نڈر شخص تھا مگر پرندوں کی وحشت دیکھ کر وہ بھی کچھ ٹھٹک گیا۔ رائفل پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''ان کو شوٹ نہ کر دیں؟''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ پنجرے سے نکل سکیں گے، اگر نکل بھی آئے تو رہیں گے تو اس کمرے میں ہی۔ مجھے امید ہے کہ آہستہ آہستہ ان کی حالت بھی بہتر ہو جائے گی۔''

پرندوں والا یہ پورشن دو بڑے اور ایک چھوٹے کمرے پر مشتمل تھا۔ چھوٹے کمرے میں موجود ایک بغلی دروازے سے گزر کر ہم ایک اور کمرے میں پہنچے۔ کمرے میں موجود ساز و سامان سے پتا چل گیا کہ یہ شازیہ کے نوجوان شوہر اکبر کا کمرا ہے مگر حسب اندیشہ اکبر یہاں موجود نہیں تھا۔ وہ اس پورشن میں اور اس کے اردگرد کہیں بھی نہیں تھا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا، وہ ہاناوانی کے فرار ہونے والے غیر ملکی ساتھیوں کے ساتھ ہی یہاں سے نکل گیا ہے۔

قریباً چالیس منٹ بعد میں اس مینشن سے دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے پر داؤد بھاؤ کی اسٹیشن وین میں موجود تھا۔ مینشن کے اردگرد کا علاقہ بالکل سنسان تھا۔ یہ جھاڑ جھنکاڑ والی بے آباد زمین تھی۔ اسٹیشن وین جھاڑیوں کی تاریکی میں کھڑی تھی۔ بھاؤ اور اس کے ذاتی ڈرائیور کے علاوہ وین میں اور کوئی نہیں تھا۔ بھاؤ نے بھی داڑھی مونچھوں اور بالوں کے بدلے ہوئے رنگ کے ذریعے اپنا حلیہ کافی تبدیل کر رکھا تھا۔ بھاؤ نے فون کال کے بعد اپنا موبائل کوٹ کی جیب میں رکھا اور بولا۔ ''لودھی نے اپنے ساتھیوں کو لاہور اور گوجرانوالہ میں بالکل الرٹ کیا ہوا ہے۔ ابھی تک کسی سرکاری یا غیر سرکاری اسپتال سے اس کمینی زادی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میری رائے تو یہی ہے بھاؤ کہ بڑے اسپتالوں یا کلینکس وغیرہ میں دیکھنے کے بجائے اسے ان چھوٹے کلینکس میں دیکھا جائے جہاں ڈاکٹرز پرائیویٹ پریکٹس کرتے ہیں۔''

''اس کے زخموں کی کنڈیشن کیا ہے؟'' بھاؤ نے پوچھا۔

''شدید زخم ہیں۔ عین ممکن ہے کہ اسے بچانے کے لیے بڑی سرجری کی ضرورت ہو...... اس کے علاوہ اس کے ایک دو غیر ملکی ساتھی بھی سخت زخمی ہوں گے۔ تلاش کرنے والے اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں۔''

بھاؤ کی بڑی بڑی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔ ''تمہارا کہنا ہے کہ پرندے یہاں سے اُڑ کر کہیں چلے گئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہاناوانی کے گروہ کے پاس یہاں کوئی اور ٹھکانا بھی ہوگا۔ ایسے ہی کسی کم آباد علاقے میں کوئی سنسان بلڈنگ۔''

''لیکن ضروری نہیں بھاؤ کہ یہ ٹھکانا یہیں کہیں آس پاس ہی ہو۔ وہ کہیں بھی ہو سکتا ہے، کسی دوسرے علاقے میں...... یا دوسرے شہر میں۔ یہ پرندے تو منٹوں میں کہیں

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

کے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ انہوں نے یہاں سے لمبی پرواز کی ہے۔"

دور کہیں کسی گاڑی کا مدھم سائرن سنائی دیا۔ یقیناً یہ مقامی پولیس کی کوئی موبائل تھی۔ بھاؤ نے چونکی ہوئی آواز میں کہا۔ "مینشن میں چلنے والی گولیوں کی آواز کافی دور تک گئی ہوگی، کہیں یہ پلسیے تو متوجہ نہیں ہو گئے؟"

میں نے کہا۔ "یہ کافی ویران جگہ ہے اور ایسی سرد راتوں میں یہ پولیس والے گشت کے بجائے بجلی کے ہیٹر لگا کر تھانے کے کمروں میں دبکے رہتے ہیں۔ یہ بات ایک بار آپ نے ہی بتائی تھی۔"

ڈرائیور سمیت ہم تینوں دھیان سے پولیس موبائل کا سائرن سنتے رہے۔ یہ آواز برساتی نالے کی دوسری جانب سے آرہی تھی۔ ہماری توقع درست ثابت ہوئی۔ یہ آواز قریب آنے کے بجائے دھیرے دھیرے دور ہوتی چلی گئی اور پھر معدوم ہوگئی۔ اب رات کا تیسرا پہر شروع ہو چکا تھا، داؤد بھاؤ نے اپنی رسٹ واچ دیکھی اور کہا۔ "میں زیادہ دیر یہاں ٹھہر نہیں سکتا، مجھے واپس جانا ہوگا اور میں چاہتا ہوں کہ تم اور فخر بھی میرے ساتھ ہی چلو۔ یہاں تمہارے لیے کئی طرح کے خطرات ہیں۔"

"آپ بے فکر رہیں بھاؤ، میں جلد ہی پہنچ جاؤں گا۔ ابھی مجھے ہاناوانی کے پکڑے جانے والے کارندوں سے تھوڑی پوچھ گچھ کرنی ہے۔ میں اس بلڈنگ میں گھوم پھر کر پوری طرح تسلی کرلینا چاہتا ہوں۔"

بھاؤ بولا۔ "قسطینا اور پہلوان حشمت ابھی تک سکھیرا گاؤں کے قریب ایک ڈیرے پر موجود ہیں۔ ڈیرے پر اپنا ہی بندہ ہے۔ وہ ہر طرح سے قسطینا کی مدد کررہا ہے مگر میرا خیال ہے کہ اب قسطینا اور پہلوان کو وہاں سے واپس آجانا چاہیے۔ گاؤں کے لوگ اب پوری طرح محتاط ہو گئے ہیں اور اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے جی۔ یہاں سے فارغ ہوکر میں قسطینا اور پہلوان سے رابطہ کرتا ہوں۔ انہیں اب مزید خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔"

داؤد بھاؤ بولا۔ "قسطینا بہت دلیر لڑکی ہے۔ وہ واقعی اس لائق تھی کہ اسے جاباجی میں گرین فورس کا کمانڈر بنایا جاتا۔ تمہیں پیٹرول پمپ والے واقعے کا پتا چلا ہے؟ وہاں بھی یہ خونی طوطے جا پہنچے تھے۔"

"جی ہاں، میں نے نیوز میں سب سن لیا تھا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔ "ڈاکٹر احرار کی موت میرے لیے ایک بہت بڑا دھچکا ہے۔"

"مگر ڈاکٹر کی بیٹی کی جان قسطینا کی وجہ سے بچ گئی۔ اس طرح کا دوسرا خونی واقعہ سکھیرا گاؤں کے اندر ہوا۔ وہاں بھی قسطینا بروقت پہنچی اور اس نے لوگوں کی جان بچائی۔"

میں نے کہا۔ "داؤد بھاؤ! جاباجی جس طرح کے حالات سے گزر رہا ہے، وہاں قسطینا کی اشد ضرورت ہے مگر وہ یہاں ہمارا دفاع کرنے میں لگی ہوئی ہے، میں نہیں چاہتا کہ وہ مزید خطرات مول لے۔"

"ابھی تک اس کے شوہر کا بھی کچھ پتا نہیں۔" بھاؤ نے فکرمندی سے کہا۔

میرے سینے پر گھونسا سا لگا۔ میں نے ابھی تک کسی کو فارس جان کی المناک موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ درحقیقت میرے سوا ابھی کسی کو اس واقعے کا علم نہیں تھا اور میں خود بھی ابھی تک ایک "پُرامید شک" میں مبتلا تھا۔ کبھی کبھی ذہن میں یہ خیال ابھرتا تھا کہ کیا پتا شدید زخمی ہونے کے باوجود فارس کے سانس کی ڈور مکمل طور پر نہ ٹوٹی ہو اور وہ بچ گیا ہو (فخر کو بھی تو میں نے ایک موقع پر مردہ سمجھ لیا تھا)

یہ دن کا وقت تھا۔ ہم ابھی تک اس مینشن میں تھے۔ لودھی کے ساتھیوں نے مینشن کا ٹوٹا ہوا عقبی گیٹ بند کر کے کھڑا کر دیا تھا۔ مینشن کے مختلف حصوں کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ شاردا اور ایک ملائیشین ملازمہ ایک اسٹور روم میں ملی تھیں۔ انہوں نے خود کو وہاں چھپا رکھا تھا۔ مختلف جگہوں سے اسلحہ اور ایمونیشن وغیرہ بھی ملا تھا۔ ایک بڑے کمرے سے درجنوں بوریاں دستیاب ہوئی تھیں۔ ان میں پرندوں کا دانہ دنکا بھرا ہوا تھا۔

اسی دوران میں لودھی کا ایک ساتھی اندر آیا اور اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "پچھلے صحن سے دو لاشیں ملی ہیں، ان میں سے ایک شاید......" وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ فارس جان کی بات کر رہا ہے۔

ہم اس عقبی لان میں پہنچے جو قریباً نصف ایکڑ میں تھا۔ یہیں پر "لونگ پیج" کے ایک مہربان نے خطرناک ترین گھڑیوں میں مجھے پناہ فراہم کی تھی۔ کچھ زمین پر لودھی کے ورکروں نے ایک بڑا ترپال بچھایا تھا اور بدبو سے بچنے کے لیے منہ پر کپڑے لپیٹے ہوئے تھے۔ ایک چٹائی پر مٹی سے لتھڑے ہوئے دو ڈھانچے پڑے تھے۔ ان ڈھانچوں پر بس کہیں کہیں گوشت دکھائی دیتا تھا۔

میں نے ایک ڈھانچے کو دیکھا اور دل بیٹھ گیا۔ یہ جواں ہمت کمانڈر فارس جان تھا۔ اس کی کھوپڑی اور چہرے پر تھوڑی سی کھال باقی تھی...... باقی سب کچھ شاید گدھ اور خونی طوطے نوچ چکے تھے...... لباس کے نام پر فارس کی پسلیوں میں کپڑے کی کچھ دھجیاں پھنسی رہ گئی تھیں۔ دوسری لاش کو بھی میں نے پہچان لیا۔ یہ گرے فورس کا وہی ملازم تھا جو اپنی ایک کوتاہی کی وجہ سے ہاناوانی کے عتاب کا شکار ہوا تھا۔ ہاناوانی نے اسے میرے سامنے اپنے سفاک کارندوں کے حوالے کیا تھا۔ اس کی کھوپڑی کسی وزنی اور کند آلے کی ضرب سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ ان دونوں کو "بعداز موت" خونی طوطوں اور گدھوں کی خوراک بنایا گیا ہے اور پھر بے گوروکفن گڑھوں میں دبا دیا گیا ہے۔

میں نے لودھی کے ساتھی سے کہا۔ "ان پر چادریں ڈالو۔ کمانڈر کی لاش کو بڑے احترام سے سامنے والے برآمدے میں پہنچا دو۔"

لودھی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ اس لاش کو یہاں سے لے جانا چاہیں گے۔"

[illegible] وہ بولا۔ "میں ان کے لیے تابوت کا انتظام کرواتا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم لاش کو محفوظ طریقے سے لے جانے کے لیے ڈمپر ٹرک استعمال کرسکیں گے۔"

لودھی اسی ڈمپر ٹرک کی بات کررہا تھا۔ جس نے رات کو ٹکر مار کر مینشن کا عقبی گیٹ توڑا تھا۔ وہ ابھی تک احاطے میں ہی پارک تھا۔ ہاناوانی کے پکڑے جانے والے ساتھیوں کو بھی اسی ٹرک میں "کیموفلاج" کر کے یہاں سے لے جایا جاسکتا تھا۔

میں نے لودھی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "اس بلڈنگ میں اپنی موجودگی کے سارے ثبوت ختم کرادو۔ ہمیں اب جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

☆☆☆

لاہور شہر میں داؤد بھاؤ کے پاس بہت سے خفیہ ٹھکانے موجود تھے، یہ بھی ان میں سے ایک تھا۔ یہ ڈیڑھ کینال کی دومنزلہ کوٹھی ٹاؤن شپ کے علاقے میں تھی۔ اب میں یہاں موجود تھا۔ وارث لودھی اور رضوان بھی میرے ساتھ ہی یہاں پہنچے تھے۔ سجاول، زینب اور ولید پہلے سے یہاں موجود تھے۔

سب سے پہلے میں نے زینب سے ہی ملاقات کی۔ وہ جاباجی کی "نوعمر ملکہ" بن چکی تھی مگر کسی وقت ایک ننھی بچی کی طرح ہی نظر آتی تھی۔ وہ میرے گلے لگ کر سسکنے لگی۔ اسے بھی دین محمد صاحب اور مولوی حبیب کی اموات کی خبریں مل چکی تھیں۔ وہ دونوں چاندگڑھی کے تھے اور زینب انہیں بخوبی جانتی تھی۔ وہ بہت سہمی ہوئی تھی۔ میں نے تسلی دلاسا دیا۔ میرے پہلو پر بندھی ہوئی پٹی کو محسوس کر کے وہ چونکی۔

"آپ زخمی ہیں؟"

"معمولی چوٹ ہے۔ دو چار دن میں ٹھیک ہوجائے گی۔"

"کیسے آئی؟"

میں اسے کیا بتاتا کہ کیسے آئی...... اور بتاتا تو وہ یقین کر لیتی؟ میری نگاہوں میں وہ تہلکہ خیز منظر گھوم گیا جب میں مینشن کے بیڈروم میں ہاناوانی کی گردن توڑنے کے درپے تھا اور ایک نیم تاریک گوشے سے نکل کر اچانک جسیم سیاہ بلی نے مجھ پر خوفناک حملہ کیا تھا۔

میں نے گول مول بات کر کے زینب کو مطمئن کیا۔ زینب...... قسطینا اور پہلوان کے لیے بھی بہت پریشان تھی۔ میں نے کہا۔ "میں ابھی قسطینا کو فون کرنے والا ہوں۔ وہ سکھیرا گاؤں سے جلد ہی یہاں پہنچ جائے گی۔ وہ بالکل خیریت سے ہے۔ پہلوان بھی خیریت سے ہے۔"

زینب نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ "قسطینا بہت اچھی ہیں، بہت زیادہ۔ وہ ہمارے لیے خطرے مول لے رہی ہیں۔ وہ آپ کی بہت عزت کرتی ہیں۔ آپ کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھتی ہیں۔"

"مجھے پتا ہے زینب! اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ وہ یہاں آجائے۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اب تم اور قسطینا وغیرہ واپس جاباجی چلے جاؤ...... ہاناوانی والا معاملہ تو اب تقریباً ختم ہوگیا ہے۔"

"کیا مطلب؟ وہ مرگئی ہے؟" زینب نے بے تاب ہوکر پوچھا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں امید کی چمک نمودار ہوگئی تھی۔

"مری تو نہیں زینب لیکن شاید مرجائے اور اگر بچ بھی گئی تو ابھی بہت عرصے تک کسی کو نقصان پہنچانے کے قابل نہیں ہوگی۔"

پھر میں نے اسے مختصراً بتایا کہ وہ مینشن میں ہونے

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

والے معرکے میں شدید زخمی ہو چکی ہے۔ ہم کچھ دیر اس بارے میں مصروفِ گفتگو رہے۔ باناوانی کے بارے میں سن کر زینب کی آنکھوں میں تفکر کی پرچھائیاں کافی ماند پڑ گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد میں نے قسطینا کے نمبر پر کال کی۔ یہ نمبر مجھے داؤد بھاؤ نے ہی فراہم کیا تھا۔ قسطینا کو فون کرتے ہوئے میرے دل پر بہت بھاری بوجھ تھا۔ میرے پاس قسطینا کے لیے ایک بری خبر تھی۔ اور یہ خبر مجھے ہی اس تک پہنچانا تھی۔ فارس جان کا تابوت میں بند جسم یہاں اس کوٹھی میں پہنچ چکا تھا اور بیسمنٹ کے ایک ائرکنڈیشنڈ کمرے میں رکھا تھا۔

دوسری کوشش میں قسطینا سے رابطہ ہو گیا۔ وہ خوش گوار موڈ میں تھی۔ بولی۔ ”شاہ زائب! مجھے باناوانی کے بارے میں اطلاع مل چکی ہے۔ داؤد بھاؤ نے مجھے رات کو ہی بتایا تھا۔ ویسے یہ عین ممکن ہے کہ وہ اس زمین کو اپنے گندے بوجھ سے آزاد کر چکی ہو۔“

”کیا مطلب؟“

”دیکھو ناں، وہ شدید زخمی ہوئی ہے اور داؤد بھاؤ کے درجنوں کارندے اسپتالوں اور چھوٹے بڑے کلینکس میں اس کی ٹوہ لگا چکے ہیں۔ وہ کہیں نہیں ملی۔ اس سے یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ شاید وہ علاج معالجے کی حدوں سے گزر چکی ہے۔“

”ایسا ہو بھی سکتا ہے..... اور نہیں بھی۔“ میں نے کہا پھر ذرا توقف سے اپنی بات جاری رکھی۔ ”قسطینا! داؤد بھاؤ کا خیال ہے اور میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اب آپ اور پہلوان سکھیرا سے واپس آ جائیں۔ اللہ نے چاہا تو اب وہاں کوئی خطرہ نہیں [illegible] لوگ بہت محتاط ہو چکے ہیں۔“

”ہاں، تمہاری بات درست ہے شاہ زائب! ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے اور پہلوان جی کے [illegible] بات ہو رہی تھی مگر دن کی [illegible] ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ علاقے میں [illegible] کے لوگوں کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ مقامی پولیس بھی الرٹ ہے۔ انسپکٹر قیصر اور دریام کی موت کے بعد یہ لوگ تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی جانی دشمن سمجھ رہے ہیں۔“

”اسی لیے تو کہتا ہوں کہ اب آپ واپس آ جائیں۔“

”میں اس بارے سوچتی ہوں۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ ہم رات کو نکل آئیں۔“

میں نے قسطینا کو تاکید کی کہ وہ رات کو نکل آئے۔

شام کو زینب نے مجھے بتایا کہ اس نے میرے اپنے ہاتھوں سے کھانا بنایا ہے۔ یہ اس کی دیرینہ خواہش تھی اور وہ آج اسے ہر صورت پورا کرنا چاہتی تھی۔ اسے بھی فارس کی موت کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ اس نے ایک تابوت کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا تھا مگر اس کا خیال تھا کہ اس میں وہ چند پرندے بند ہیں جو مینشن سے پکڑے گئے ہیں۔

رات کو زینب نے واقعی پرتکلف کھانے کا اہتمام کیا تھا۔ پانچ چھ طرح کی ڈشز تھیں۔ ملکی کی [illegible] کے قورمے اور رنگ برنگے میٹھے چاولوں نے چاند گڑھی کے شب و روز کی یاد تازہ کر دی۔ یہ سب کچھ زینب نے بنایا تھا۔ میرا دل بوجھل تھا مگر میں خود کو نارمل رکھے ہوئے تھا۔

میں نے کہا۔ ”یور ہائی نس سے اتنی خدمت لے کر میں خود کو گنوار اور جاہل سمجھنے لگا ہوں۔“

”میں ایک معمولی خادمہ کی طرح آپ کی خدمت کرنے کی خواہش رکھتی ہوں۔ آپ کیا جانیں میرے دل میں آپ کا کیا مقام ہے۔“

[illegible] کو بھی مدعو کر لیتیں۔“

”میں نے انہیں بلایا ہے۔ وہ بس آتے ہی ہوں گے۔“ زینب نے کہا۔

”معافی چاہتا ہوں یور ہائی نس! آپ کی [illegible] شبہ کیا۔“ میں بولا۔

”ایسا نہ کہا کریں شاہ زیب بھائی۔“ وہ لاڈ سے ٹھنکی۔ میں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کا سر چوما۔

دو منٹ بعد رضوان اور ولید بھی پہنچ گئے۔ (رضوان کے گہرے زخموں پر اسکن گرافٹنگ کی تکنیک استعمال ہوئی تھی اور وہ بھرنا شروع ہو گئے تھے) کھانے کے بعد زینب نے خود اپنے ہاتھوں سے بادام پستے والی سبز چائے بنائی۔ بہت منع کرنے کے باوجود خود ہمیں سرو کی۔ کھانے کے بعد رضوان اور ولید تو چلے گئے۔ میں اور زینب باتیں کرتے رہے۔ وہ اپنے گھریلو حالات کے سلسلے میں بہت خوش تھی۔ ابراہیم نے اسے سر کا تاج بنا کر رکھا ہوا تھا۔ پھر باتوں کا رخ قسطینا اور اس کے حالات کی طرف مڑ گیا۔

باتوں کے درمیان زینب نے رازداری میں کہا۔ ”شاہ زیب بھائی! جاماجی میں تقریباً

لوگوں کو پتا ہے کہ کمانڈر قسطینا آپ کو چاہتی تھیں اور آپ سے شادی کی خواہش رکھتی تھیں لیکن اگر وہ ایسا کرتیں تو انہیں جاماجی چھوڑ کر آپ کے ساتھ جانا پڑتا۔ انہوں نے اپنے پیار کی قربانی دی اور کمانڈر فارس جان کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیا۔“

”یہ بات درست ہے زینب۔“ میں نے مختصر جواب دیا۔

وہ ہولے سے مسکرائی اور کریدنے والے انداز میں بولی۔ ”ویسے کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ اس میں آپ کی کوشش کا بھی دخل ہے۔ شاید آپ ہی نے قسطینا کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کمانڈر فارس جان کو اپنا جیون ساتھی بنا لیں۔“

”ہاں زینب! میں نے ایک مرتبہ اس سے یہ بات کہی تھی۔ دراصل مجھے پتا تھا کہ قسطینا کو کمانڈر فارس جان سے بہتر شوہر نہیں مل سکتا۔ وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔“

”لیکن وہ تو نہیں کرتی تھیں اور شاید..... اب بھی وہ ایک رشتہ ہی نبھا رہی ہیں۔“

”یہ بات تم کیسے کہہ سکتی ہو؟“

”قسطینا اور فارس ہمارے ساتھ ہی توڈی پیلس میں رہتے ہیں۔ کئی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ قسطینا کی محبت میں وہ شدت نہیں جو فارس جان کی [illegible] ذرا سی تکلیف پر تڑپ جاتی ہیں۔ انہیں اپنی نگاہوں کے آس پاس ہی رکھنا چاہتی ہیں..... لیکن پھر بھی.....“ وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ شاید اسے محسوس ہو گیا تھا کہ میرے اور اس کے درمیان احترام کا جو رشتہ ہے وہ اس موضوع پر تفصیل سے بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

زینب نے گفتگو کا رخ ایک بار پھر اپنے محبوب شوہر ابراہیم کی طرف موڑ دیا۔ وہ معصومانہ انداز میں شرماتی بھی رہی اور ابراہیم کی باتیں بھی کرتی رہی۔ وہ ابراہیم سے فون پر میری بات کرانے کی خواہش رکھتی تھی۔ اس نے اپنے قیمتی موبائل فون سے جاماجی میں رابطے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔

ڈنر کی ٹیبل سے میں بہت بوجھل دل کے ساتھ اٹھا تھا۔ اب قسطینا اور پہلوان حشمت یہاں پہنچنے والے تھے اور..... مجھے قسطینا کو بتانا تھا کہ وہ جس فارس جان کا انتظار بے تابی سے کر رہی ہے، وہ اب نہیں آئے گا..... وہ ایک مسخ لاش کی صورت بیسمنٹ کے ایک کمرے میں پڑا ہے۔

قسطینا اور پہلوان کی آمد رات بارہ بجے کے لگ بھگ ہوئی۔ ہر دم چہکنے والے پہلوان حشمت رائی افسردہ تھے۔ مولوی حبیب اللہ کی موت کا گہرا اثر لیا تھا پہلوان نے۔ قسطینا نارمل ہی دکھائی دیتی تھی۔ میں نے پہلوان سے ان کی پشت کی چوٹ کا حال احوال پوچھا۔ ”چاچا حشمت! اب چوٹ کیسی ہے؟“

انہوں نے فوم کی ایک گدی مجھے دکھائی اور بولے۔ ”چلنا پھرنا تو آسان ہے لیکن بیٹھنا کافی مشکل ثابت ہو رہا ہے۔ اس لیے یہ گدی رکھی ہوئی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”تکلیف کے باوجود آپ سکھیرا گاؤں جا پہنچے؟“

”چوہدری دین صاحب اور مولانا کی موت کا سن کر مجھ سے رہا نہیں گیا تھا۔“ پہلوان جی نے آنکھوں میں آنسو بھر لیے۔

مختصر گفتگو کے بعد میں قسطینا کو ایک علیحدہ کمرے میں لے گیا۔ وہ پینٹ شرٹ کے بجائے مقامی طرز کے لباس میں تھی۔ جسم کے گرد ایک شال لپیٹ رکھی تھی۔ ہم آمنے سامنے کھڑے تھے۔ وہ میرے تاثرات دیکھ کر چونک سی گئی۔ بولی۔ ”شاہ زائب! خیریت تو ہے؟“

”ہے بھی اور..... نہیں بھی۔“

”فکر کی وجہ سے پریشان ہو۔ لیکن تم نے خود ہی تو بھاؤ کو بتایا ہے کہ وہ جلد نارمل ہو جائے گا اور..... میرا اپنا خیال بھی یہی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”قسطینا! میرے پاس آپ کے لیے ایک بُری خبر ہے۔“

”بُری خبر؟“ وہ بری طرح ٹھٹک گئی۔ شال اس کے شانے سے ڈھلک کر فرش کو چھونے لگی۔ وہ میرا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

میں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اسی طرح ساتھ لگائے لگائے اور اپنی بانہوں میں لیے ہوئے میں نے کہا۔ ”قسطینا..... فارس جان ہمارا ساتھ چھوڑ گیا ہے۔“

قسطینا کے جسم میں عجیب بے تاب سی لرزش پیدا ہوئی۔ اس نے مجھ سے پیچھے ہٹ کر میری طرف دیکھنا چاہا مگر میں نے اسی طرح اسے بانہوں میں لیے رکھا۔

”ہاں قسطینا! فارس، جان کی بازی ہار گیا ہے۔ وہ باناوانی کا شکار ہوا ہے۔ اس کی میت نیچے بیسمنٹ میں پڑی ہے۔“

وہ ساکت تھی مگر بدن لرز رہا تھا۔ پھر مجھے محسوس ہوا کہ میرا شانہ گرم آنسوؤں سے تر بتر ہوتا جا رہا ہے۔ جاماجی

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

کی کمانڈر انچیف رو رہی تھی۔ جس کی آنکھوں میں، میں نے کبھی نمی تک نہیں دیکھی تھی وہ آج اس طرح رو رہی تھی کہ دھارے سے بہہ نکلے تھے۔

پھر وہ نڈھال ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی کہنیاں، گھٹنوں پر رکھیں اور ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ اس کا سینہ ہچکیوں سے دہلنے لگا۔ اسی دوران میں رضوان اور ولید بھی آ گئے۔ میں قسطینا کے قریب بیٹھ گیا اور اس کا شانہ سہلانے لگا۔

☆☆☆

بانادانی کو جان لیوا طور پر زخمی ہوئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ بے حد کوشش کے باوجود ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ پتا نہیں کہ اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا...... نہ ہی اس کے ''تباہی کے سفیر'' یعنی پرندے کہیں نظر آئے تھے۔ قسطینا، کمانڈر فارس جان کی لاش لے کر واپس جاباجی پہنچ چکی تھی۔ زینب اور ناوان بھی اس کے ساتھ ہی گئے تھے۔ میری معلومات کے مطابق قسطینا نے واپس جانے کے لیے سفارتی ذرائع استعمال کیے تھے۔ ورنہ تو شکیل داراب کے چہیتے پولیس افسر اسے جگہ جگہ ڈھونڈ رہے تھے۔

میں اپنے ساتھیوں سمیت ابھی تک داؤد بھاؤ کی نئی پناہ گاہ میں تھا۔ پوش رہائشی علاقے کی یہ 30 مرلے کی کوٹھی ہمیں ہر خطرے سے محفوظ رکھے ہوئے تھی۔ ایسے علاقوں میں لوگ اپنے اڑوس پڑوس کی زیادہ خبر نہیں رکھتے۔ یہاں بھی ہمیں ڈسٹرب کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ فخر کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا۔ ایک ڈاکٹر مسلسل اس کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ وہ چند ''طوطے'' جو ہم مینشن سے یہاں لائے تھے، ایک بڑے پنجرے میں بند تھے۔ پہلوان جی ان سے بہت خوف زدہ رہتے تھے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ یہ پرندے نہیں بدروحیں ہیں، جنہوں نے طوطوں اور چمگادڑوں وغیرہ کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ یہ کسی بھی وقت اپنی اصل حالت میں آجائیں گی اور پنجرہ توڑ کر باہر نکل آئیں گی۔ مگر میرا اپنا خیال تھا کہ یہ طوطے بتدریج نارمل حالت کی طرف آتے جا رہے ہیں۔

ایک روز صبح کے وقت مجھے کسی نے جھنجوڑ کر جگایا۔ یہ رضوان تھا۔ اس نے کہا۔ ''شاہی بھائی! بڑا غضب ہو گیا۔ تین چار طوطے کسی طرح پنجرے سے نکل آئے ہیں۔ وہ ایک سرونٹ کوارٹر میں گھس گئے ہیں۔ ایک ملازمہ ڈر سے بے ہوش ہو گئی ہے۔ آپ جلدی آئیں۔''

میں رضوان کے ساتھ کوٹھی کے عقبی لان میں پہنچا۔ زبردست خوف و ہراس نظر آیا۔ کوٹھی کے ملازم، گارڈز اور دیگر مکین دور دور کھڑے تھے اور خوف زدہ نظروں سے چھوٹے سے سرونٹ کوارٹر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دو گارڈز نے سرونٹ کوارٹر کی طرف رائفلیں بھی سونت رکھی تھیں۔ پہلوان جی پیش پیش نظر آئے۔ انہوں نے بہت سے پرانے کپڑے منگوا لیے تھے اور ان پر مٹی کا تیل چھڑک رہے تھے۔ وہ پتا نہیں، کیا کرنے والے تھے۔

ہیڈ ملازم نے دہشت زدہ لہجے میں مجھے بتایا۔ ''ایک نیا ملازم آیا تھا، اسے پتا نہیں چلا۔ اس نے پنجرے میں باجرہ ڈالنے کے لیے پنجرے کا دروازہ تھوڑا سا کھولا، یہ طوطے باہر نکل آئے۔ میں نے دیکھ لیا اور جلدی سے دروازہ بند کیا۔ نہیں تو، پتا نہیں سارے ہی نکل آتے۔''

''اب کہاں ہیں طوطے؟'' میں نے پوچھا۔

ہیڈ ملازم بولا۔ ''کوارٹر کے اندر گھس گئے ہیں۔ ہم نے دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے۔ یہ طوطے ہیں...''

''کسی کو زخمی تو نہیں کیا انہوں نے؟''

''نہیں، لیکن خوف سے مالی بشیر کی بیوی بے ہوش ہو گئی ہے...

https://www.urdutubes.com/

میں پہلوان حشمت کے پاس پہنچا۔ وہ مجھے لال آنکھوں سے دیکھ کر بولے۔ ''تم سے کہا تھا نا، کہ مار دو ان کو...... یہ کوئی نہ کوئی طوفان لے آویں گے۔''

''اوہو کون سا طوفان آ گیا ہے پہلوان جی۔ انہوں نے کسی کو زخمی تو نہیں کیا۔''

''وہ تو ہماری ہوشیاری کام آگئی کہ ان کو بند کر دیا ورنہ پتا نا ہیں کیا کر گزرتے۔ اب اس کا ایک ہی حل بچا ہے۔ ان پرانے کپڑوں کو آگ دکھا کر اسی طرف کمرے کے اندر پھینک دیتے ہیں۔ بند کمرے میں دھواں بھرے گا تو یہ مر جاویں گے۔''

میں نے کہا۔ ''پہلوان چاچا! سنا تھا کہ خوف سے سیانے بیانے بندے بھی بدحواس ہو جاتے ہیں۔ آپ بھی یہی کر رہے ہیں۔ کمروں میں دھواں بھریں گے تو بھی اندر ہی ہے۔ وہ بھی بے ہوش یا فوت ہو جائے گی۔ کوارٹر میں آگ بھی لگ سکتی ہے اور میرا خیال ہے یہ پرندے اب اتنے خطرناک نہیں رہے جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔''

Digitized by Google

"تم زیادہ دلیر بنتے ہو اسی لیے نقصان اٹھاتے ہو۔ ہم ان کو مارنے میں جتنی دیر کریں گے، اتنا ہی پچھتا دیں گے۔"

ایک دو ملازم بھی پہلوان کے حق میں بولنے لگے۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

تب وارث لودھی آگے بڑھا اور بولا۔ "شاہ زیب صاحب! ویسے ہمیں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ یہ رہائشی آبادی ہے۔ اگر یہ خونی طوطے یہاں سے نکل کر کسی دوسری کوٹھی میں گھس گئے تو خطرناک ہوگا۔ یہ کسی بچے پر بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ آپ کو پتا ہی ہے یہ سیدھا شہ رگ کی طرف یا آنکھوں کی طرف آتے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے لودھی! ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے کل بھی تمہیں بتایا تھا۔ اب یہ نارمل ہوتے جا رہے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ کوئی خطرہ کھڑا کریں گے۔"

"اگر آپ کہتے ہیں تو بھاؤ جی سے مشورہ کر لیتے ہیں فون پر۔" وارث لودھی نے رائے دی۔

"نہیں، کوئی ضرورت نہیں۔ میں ساری ذمے داری لیتا ہوں۔ تم لوگ چاہو تو کمروں میں چلے جاؤ۔"

میرا دل گواہی دیتا تھا کہ پچھلے چھ سات روز میں پرندے بڑی حد تک ہاناوانی اور اکیموکے فراتس سے نکل چکے ہیں۔ احتیاطاً میں نے ایک چادر منڈاسے کی طرح چہرے اور گردن سے لپیٹ لی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ میں نے دوبارہ بند کر دیا تھا۔

تینوں خوش رنگ طوطے ایک جستی ٹرنک کے اوپر موجود تھے۔ ٹرنک پر کھانے کی ایک ٹرے رکھی تھی۔ اس میں ڈبل روٹی کے بچے کھچے ٹکڑے [illegible] پر چونچیں چلا رہے تھے۔ میری آہٹ نے [illegible] کیا۔ یہ ایک اچھی علامت تھی۔ [illegible] کا جائزہ لینے کے بعد میں نے وہ چادر اتار [illegible] سر لپیٹا ہوا تھا۔ اس چادر کو ہاتھوں پر پھیلا کر میں بڑی احتیاط سے طوطوں کے قریب گیا اور پھر برق [illegible] میری گرفت میں آ گئے۔ [illegible] پر جا بیٹھا.....

تاہم اس کے انداز میں [illegible] نظر نہیں آئی۔ میں چادر میں لپٹے دونوں طوطوں کو لے کر باہر آ گیا۔ وہ عام انداز میں پھڑپھڑا تو رہے تھے مگر انہوں نے کسی بھی طرح کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ قریباً نارمل ہو چکے تھے۔ میں نے ایک طوطے کا سر چادر میں سے باہر نکالا۔ اس کے سر کو اپنی انگلی سے ہولے ہولے سہلایا۔ اس کی ننھی منی آنکھوں میں زندگی کی چمک اور معصومیت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

تھوڑی سی دیر میں رضوان نے ایک ملازم کے ساتھ مل کر تیسرا طوطا بھی پکڑ لیا اور تینوں کو دوبارہ پنجرے میں ڈال دیا۔ کوٹھی میں خوف کی فضا ایک دم تحلیل ہو گئی۔ صرف پہلوان حشمت تھے جو کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ انہوں نے خود کو شاید کسی کمرے میں بند کیا ہوا تھا۔

کامن روم میں آ کر رضوان نے امید بھرے لہجے میں کہا۔ "شاید فخر بھائی بھی اسی طرح نارمل ہو جائیں۔"

"شاید..... کی بات نہیں رضوان..... وہ ضرور نارمل ہوگا..... بلکہ ہو رہا ہے۔"

☆☆☆

اگلے آٹھ دس روز کوشش جاری رہی مگر ہاناوانی اور اس کے مفرور ساتھیوں کا کوئی کھوج نہیں مل سکا۔ پاؤڈر ایریا میں واقع مینشن کے اندر پیش آنے والے واقعے کو تشہیر نہیں مل سکی تھی۔ بس یہی کہا گیا تھا کہ دو گروپوں کے تصادم میں کچھ غیر ملکی بھی مارے گئے ہیں اور خیال ہے کہ ایک گروہ کا تعلق جاپانی کی بدنام عاملہ ہاناوانی سے تھا۔ نیوز میں ان پنجروں کا ذکر بھی کیا گیا تھا جو پرندوں کے استعمال ہوئے تھے اور ان پنجروں کا تعلق خونخوار طوطوں [illegible]

اپنی موجودگی کا ہر ثبوت بڑی ہوشیاری سے مٹا دیا تھا۔

جو ڈیڑھ درجن پرندے ہمارے ساتھ یہاں پہنچے تھے، وہ اب بالکل نارمل ہو چکے تھے۔ سُریلی آوازوں میں چہکارنے والے وہی خوشنما طوطے جن کو دیکھ کر دل شادمانی پیدا ہوتی ہے۔ فخر بھی تیزی سے روبصحت تھا۔ ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق اسے زیادہ تر سکون آور دواؤں کے اثر میں رکھا جا رہا تھا۔ اب وہ ہمیں تھوڑا تھوڑا پہچاننا شروع ہو گیا تھا۔ کسی وقت وہ دکھ کے عالم میں اچانک بلند آواز سے رونے لگتا تھا اور بے معنی الفاظ ادا کرتا تھا۔ سجاول کی طرف سے اب مجھے زیادہ فکر نہیں تھی۔ داؤد بھاؤ کی کوشش [illegible] سے خوبرو اور [illegible] سمیت اس محفوظ پناہ گاہ میں پہنچ چکی تھی۔ وہ بڑی محبت سے خاوند کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ ان تینوں کے لیے کوٹھی کی بالائی منزل کا ایک پورشن مختص کر دیا گیا تھا۔ ان آٹھ دس روز میں ایک کے سوا کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا تھا۔ تاہم اس واقعے نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا۔ خاص طور سے پہلوان کا خوف ایک بار پھر عروج پر پہنچ گیا۔ ایک رات بارہ بجے کے لگ بھگ کوٹھی کے بیسمنٹ میں سے فائرنگ کی آوازیں آئیں۔

اوپر تلے سات آٹھ فائر کیے گئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں ہاناوانی کے پانچ گرفتار شدہ ساتھیوں کو رکھا گیا تھا۔ میں اور وارث لودھی لپکتے ہوئے بیسمنٹ میں پہنچے۔ اندر کے منظر نے ہمیں ششدر کر دیا۔ ایک بڑے کمرے میں گرے فورس کے ان پانچوں افراد کی خونچکاں لاشیں پڑی تھیں۔ پانچوں کے سر میں گولیاں لگی تھیں۔ موقعِ واردات کو دیکھنے کے فوراً بعد ہی اندازہ ہو گیا کہ ان میں سے ایک لیفٹیننٹ نے پہلے اپنے چاروں ساتھیوں کو شوٹ کیا پھر پسٹل اپنی کنپٹی پر رکھ کر گولی چلا دی۔ میں اور رضوان ان پانچوں افراد سے گاہے بگاہے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ موقع محل کے لحاظ سے ان پر جسمانی تشدد بھی کیا گیا تھا۔ تاہم ابھی تک وہ پانچوں ہمیں ہاناوانی کے حوالے سے کوئی اہم بات نہیں بتا سکے تھے۔ اب غالباً ان کو بھی لگا تھا کہ وہ زیادہ کم بختی کا شکار ہونے والے ہیں۔ لہٰذا آفیسر نے پہلے اپنے سوئے ہوئے ساتھیوں کے سر میں گولیاں ماریں پھر خود کو شوٹ کر لیا۔ اس سارے واقعے میں تحیر خیز سوال یہ تھا کہ اس کمرے میں بھرا ہوا پستول کہاں سے آ گیا؟ ایک اندازہ یہ تھا کہ شاید اس بیسمنٹ میں ہی کہیں غلطی سے یہ پستول رہ گیا تھا..... یا پہلے سے پڑا ہوا تھا۔ بہرحال پہلوان حشمت اور اس طرح کے دو تین دیگر افراد اس واقعے کو بھی پُراسرار رنگ دینے کی [illegible] بھاؤ کے کارندوں نے ہی انہیں ٹھکانے لگا دیا تھا اور اب یہ باب بند ہو گیا تھا۔

میں قریباً روزانہ ہی بالائی منزل پر جا کر سجاول سے ملاقات کر رہا تھا۔ اس روز بھی میں گیا تو خورسنہ کو سجاول کی خدمت میں مصروف پایا۔ سجاول بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ خورسنہ نے اس کے سینے پر ایک تولیا پھیلایا ہوا تھا اور اپنے ہاتھوں سے اس کی شیو بنا رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ ذرا شرما گئی اور ہاتھ روک لیے۔

"بھئی! شیو والا کام ایسا نہیں جو ادھورا چھوڑا جا سکے اب تو ویسے بھی تقریباً مکمل ہو گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ خوش دلی سے بولی پھر اس نے نہ صرف شیو مکمل کی بلکہ ایک چھوٹی چمکدار قینچی سے سجاول کی گھنی مونچھوں کے اِکّا دُکّا بال بھی برابر کر دیے۔ پھر مجھ سے اجازت لے کر وہ واش روم کی طرف چلی گئی جہاں ننھا ذیشان نہلا رہا تھا اور اسے ماں کی مدد کی ضرورت تھی۔

میں نے سجاول کی بے نور آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سجاول! خورسنہ کو تمہارے آس پاس دیکھ کر مجھے بہت تسلی ہوتی ہے۔ پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ اس کی وفا شعاری اور خدمت گاری تمہاری زندگی کی ساری کمیاں خامیاں دور کر دے گی......"

"لیکن یار اس کی زندگی کی کمیاں خامیاں کون دور کرے گا۔ میرے لیے اس نے اپنا ملک چھوڑا، اپنے پیارے چھوڑے، بہت مصیبتیں جھیلی ہیں اس نے...... اور ابھی پتا نہیں اور کتنی جھیلنی ہیں۔"

"تم دل چھوٹا نہ کرو سجاول! تم دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ داؤد بھاؤ کوشش کر رہا ہے کہ کسی اچھے آئی سرجن سے رابطہ ہو۔ امید ہے کہ کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکلے گی۔"

وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "اچھا چھوڑو ان باتوں کو...... رضوان مجھے بتا رہا تھا کہ تم کہیں جا رہے ہو، شاید سکھیرا گاؤں؟"

"ہاں، لیکن کل رات جاؤں گا۔ صبح تک واپس آ جاؤں گا۔ دراصل مجھے سیف کی بہنوں کی بہت فکر ہے۔ شازیہ کے شوہر اکبر کو میں نے بُری حالت میں دیکھا ہے۔ پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ وہ زندہ مل بھی گیا تو دوبارہ نارمل نہیں ہو سکے گا۔"

کچھ دیر تک میں اور سجاول اس بارے میں بات کرتے رہے، دلکش و خوش قامت خورسنہ نے اپنی جرسی کی آستینیں اڑسی ہوئی تھیں اور کسی مشین کی سی برق رفتاری سے گھر کے کام کاج میں مصروف تھی۔ اس کی بنائی ہوئی خوش ذائقہ چائے پینے کے بعد میں واپس نیچے آ گیا۔

اگلی رات نو بجے کے لگ بھگ میں ایک بار پھر سکھیرا گاؤں میں موجود تھا۔ یہ دسمبر کی ایک ٹھٹھری ہوئی دھند آلود رات تھی۔ میں سیدھا اسی ڈیرے دار کے پاس پہنچا تھا جس کے دوستانہ رابطے داؤد بھاؤ کے ساتھ تھے اور جن کے پاس قسطینا اور پہلوان حشمت نے کئی روز گزارے تھے۔ اس ڈیرے دار کا نام خوشحال حیلوی تھا۔ میں ایک سوزوکی کار پر یہاں پہنچا تھا۔ اپنے چہرے پر چھوٹی داڑھی اور مونچھوں کا اضافہ بھی میں نے کر لیا تھا۔ لباس بالکل مقامی طرز کا تھا، مجھے امید تھی کہ آسانی سے پہچانا نہیں جا سکوں گا۔ گرم چادر کی بکل مار کر میں سیف کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ گھر کی کھڑکیوں اور روزنوں پر نئی نئی جالیاں لگی ہوئی تھیں اور جالیوں والا یہ اہتمام کچھ اس گھر تک ہی خاص نہیں تھا، مجھے پورے گاؤں میں یہ حفاظتی انتظامات نظر آئے۔ میری دستک پر دروازہ کھولنے والی خود شازیہ ہی تھی۔ وہ پہلی نظر

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

میں مجھے پہچان نہیں پائی لیکن جب میں بولا تو تھوڑی سی دقت کے ساتھ اس نے مجھے شناخت کرلیا۔ اس کے قبول صورت چہرے پر دکھ اور خوشی کی ملی جلی کیفیت نمودار ہوئی۔ ذرا ہچکچانے کے بعد اس نے ایک طرف ہٹ کر مجھے اندر آنے کا راستہ دیا۔ دونوں چھوٹی بہنیں بھی گریز اور چاہت کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ مجھے ملیں۔ ایک طرح کا خوف بھی ان کی آنکھوں میں جھلک دکھاتا تھا۔ اس خوف کے ڈانڈے چوہدری دین محمد کی موت سے جڑے ہوئے تھے (جسے یہاں قتل سمجھا گیا تھا)۔ بہرحال قسطینا اور پہلوان نے یہاں آنے کے بعد بڑی رازداری سے سیف کی بہنوں سے ایک ملاقات کی تھی اور میرے حوالے سے ان تینوں کے ذہن کافی حد تک صاف کیے تھے۔

ہم کمرے میں پہنچے۔ ساتھ والے بڑے کمرے میں ایک دری بچھی ہوئی تھی اور وہاں اگر بتیوں کی مہک تھی۔ اندازہ ہوتا تھا کہ کچھ دیر پہلے تک یہاں شاید قرآن خوانی وغیرہ ہو رہی تھی۔ میں نے اس بارے میں شازیہ سے پوچھا تو اس نے بتایا۔ ''ان کے لیے دعا کرائی ہے۔ اللہ ان کو خیر خیریت سے گھر واپس لے کر آئے۔'' شازیہ کا اشارہ اپنے گمشدہ شوہر اکبر کی طرف تھا۔

میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ چھوٹی بہن بولی۔ ''بھائی جان! آپ کو کچھ پتا چلا جیجا جی کے بارے میں؟''

''ابھی تو نہیں، لیکن میرا دل کہتا ہے کہ وہ خیریت سے ہے اور جلد ہی گھر واپس آئے گا۔''

شازیہ کی آنکھوں میں نمی چمک گئی۔ گھر میں مسلسل ایک سوگ کی سی کیفیت تھی۔

میں نے شازیہ سے پوچھا۔ ''دین محمد صاحب کی موت کے حوالے سے عام لوگوں کی کیا رائے ہے؟''

وہ بولی۔ ''بس جی جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔ شروع شروع میں سب کو آپ پر بہت زیادہ غصہ تھا۔ وہ پوری طرح آپ کو ذمے دار سمجھ رہے تھے۔ پھر مولوی جی والا واقعہ ہو گیا...... اور پرندوں والی بات کا پتا چلا۔ اس کے بعد لوگوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ شاید...... آپ پر بھی اس جادو ٹونے کا اثر ہوا ہے اور اس اثر کی وجہ سے آپ نے چاچے دین محمد کو گولیاں ماری ہیں۔ میرے دماغ میں بھی تب یہی بات آ رہی تھی مگر پھر......''

''پھر کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''پھر آپ کا فون آ گیا تھا۔ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ چاچا دین محمد کو آپ نے نہیں مارا۔ آپ کی باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ آپ پورے ہوش حواس میں ہیں، اور آپ پر کسی طرح کا کوئی اثر مجھے نہیں لگتا تھا۔''

''تم نے یہ بات تاجور کو بھی بتائی؟''

شازیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہ اتنی دکھی ہیں کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی، وہ آپ پر اندھا یقین رکھتی ہیں۔ وہ یہ بات مان ہی نہیں سکتیں کہ آپ نے ان کے والد کو مارا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ایسا ہوا بھی ہے تو پھر آپ پر اسی کالے علم والی عورت کا اثر ہوگا۔ رو رو کر انہوں نے اپنا حال بہت بُرا کر رکھا ہے......''

''شازیہ! کیا تم کسی طرح اس کو یہ حقیقت بتا سکتی ہو کہ یہ سب کیسے ہوا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ جب بھی اس سے تمہاری ملاقات ہو تم اس کو یہ بتاؤ کہ دین محمد صاحب کی جان کس طرح گئی ہے۔''

''جب مجھے خود ٹھیک سے معلوم نہیں تو ان کو کیسے بتاؤں گی؟ پہلوان جی نے صرف اتنا بتایا ہے ہمیں کہ چاچا دین محمد کی موت کی وجہ ان کی بیماری تھی۔''

میں نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد کہا۔ ''تمہیں پتا ہے کہ اخباروں میں کیا بات چھپی ہے۔ ڈاکٹروں نے دین محمد صاحب [illegible]''

چھوٹی بہن بولی۔ ''ہاں...... [illegible]''

''ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ شاید چاچا دین محمد کو دل کا دورہ پڑا تھا۔''

''یہ بہت اہم بات ہے شازیہ، اور ایک زبردست اتفاق بھی ہے...... ابھی اس بات کا پتا بہت کم لوگوں کو ہے۔ دراصل......''

میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ بیرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ شازیہ اٹھ کر باہر گئی۔ کسی عورت کے آنے کا پتا چلا۔ چند سیکنڈ بعد شازیہ اکیلی ہی کمرے میں داخل ہوئی اور مجھ سے مخاطب ہو کر سرگوشی کے لہجے میں بولی۔ ''فردوس آئی ہے۔ کیا آپ اس سے ملنا چاہیں گے؟''

فردوس کا نام سن کر میں چونکا، یہ تاجور کی وہی ملازمہ تھی جو اب سسرال میں بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ آج کل وہ اسلام آباد میں دارج کی رہائش گاہ پر تاجور کے ساتھ ہی مقیم تھی۔

چند لمحے سوچنے کے بعد میں نے شازیہ سے کہا کہ فردوس کو اندر لے آئے۔ شازیہ گئی اور تھوڑی دیر بعد فردوس کو لے آئی۔ فردوس بھی دکھ حیرت اور خوف کی

کیفیت میں تھی۔ وہ اب ایک امیر کبیر گھرانے کی ملازمہ تھی۔ اس کے جسم پر قیمتی لباس تھا اور صحت پہلے سے بہت اچھی نظر آتی تھی۔ اس نے ڈرے ڈرے انداز میں ماتھے پر ہاتھ لے جا کر مجھے سلام کیا۔

وہ میری داڑھی مونچھ پر حیران تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ کچھ لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لیے حلیہ ذرا بدل رکھا ہے۔

وہ روہانسی آواز میں گویا ہوئی۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو وقاص کہہ کر بلاؤں یا پھر آپ کو شاہ زیب صاحب سمجھوں۔''

''میں شاہ زیب ہی ہوں فردوس، تم بتاؤ، تم کیسی ہو؟''

''مم...... میں ٹھیک ہوں جی...... پر آپ؟'' اس نے پھر خوف زدہ نظروں سے شازیہ کی طرف دیکھا۔ جیسے میرے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہو۔

میں نے اس کی کیفیت بھانپتے ہوئے کہا۔ ''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں فردوس، اپنے پورے ہوش و حواس میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ میرے سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... تم بتاؤ...... تمہاری مالکن کیسی ہے؟''

وہ کچھ دیر چپ رہی پھر اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ ''وہ بہت مصیبت میں ہے صاحب جی۔ [illegible] ضرور اس کی جان لے کر رہے گا۔ وہ ایک بلا کی طرح اس سے چمٹ گیا ہے۔''

''لیکن فردوس...... اس کی ذمے دار بھی تو وہ خود ہی ہے۔ ایک وقت تھا جب وہ اس سے چھٹکارا پا سکتی تھی مگر اس نے نہ پایا، جان بوجھ کر خود کو مصیبت میں رکھا، اور اب تو مجھے لگتا ہے کہ وہ خود بھی تکلیف میں رہنا چاہتی ہے۔ کیونکہ اسے اس کی عادت ہو گئی ہے۔''

''صاحب جی، کسی وقت تو لگتا ہے کہ وہ انسان نہیں جانور ہے۔ بات بے بات اس کو ذلیل کرتا ہے۔ لوگوں کے سامنے اسے عزت سے بلاتا ہے مگر اصل میں نوکرانیوں سے بھی بُرا سلوک کرتا ہے۔ ہم آئے دن اس کے منہ اور ہاتھوں پر چوٹوں کے نشان دیکھتے ہیں۔ یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ وہ کس ''حالت'' میں ہے اور یہ بھی نہیں سوچتا کہ ابھی اس کے دل میں باپ کی موت کا غم بالکل تازہ ہے۔''

''دارج کی اپنی حالت کیسی ہے؟''

''اسی طرح مردار کی طرح پڑا رہتا ہے۔ کچھ دنوں کے لیے حالت کچھ چنگی ہو گئی تھی لیکن پھر پہلے کی طرح ہو گیا۔ اپنی والدہ کی موت کے بعد کچھ اور بھی چڑچڑا اور غصے والا ہو گیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ بیماری نہیں، اللہ کی لاٹھی پڑی ہے اس پر۔ بستر پر ہو کر بھی سب کی جان عذاب میں رکھتا ہے، اگر ٹھیک ہوتا تو کیا کیا قیامتیں اٹھاتا۔''

میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ ''تم یہاں کیسے آئی ہو فردوس؟''

''بڑی مشکلوں سے دو دن کی چھٹی ملی ہے جی۔ بچوں کو ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی ہے ان لوگوں نے...... بچوں کو ہی لینے آئی ہوں۔ پرسوں واپس چلی جاؤں گی۔ آج شازیہ نے بلایا ہوا تھا قرآن خوانی پر۔ انہیں کی اس لیے پانی مانگنے آئی تھی اس نے۔ شاید آپ سے بھی ملاقات ہوئی تھی اس لیے چلی آئی۔''

میں نے کہا۔ ''فردوس! دین محمد صاحب کی موت کے بارے میں کیا خیال ہے تاجور کا؟''

فردوس کے فربہ جسم میں لرزش سی نمودار ہوئی اور اس کی سرمہ لگی آنکھوں میں پھر خوف امڈ آیا۔ گہری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''میں اس بارے میں کیا کہوں جی۔ وہ آپ کے بارے میں کچھ بُرا سوچ ہی نہیں سکتی۔ وہ وہی سمجھتی ہے جو دوسرے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں۔ وہ اسی کالے علم والی زنانی کی بات کرتی ہے...... وہ کہتی ہے کہ ہمارے آنے دوالے جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسی بدذات عورت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ آپ کو قصوروار نہیں سمجھتی۔ مجھے تو لگتا ہے کہ اگر ساری دنیا بھی آپ کے خلاف ہو جائے تو وہ آپ کو بے گناہ ہی کہے گی۔''

''میں اس سلسلے میں بے گناہ ہی ہوں فردوس۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جج...... جی۔'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

میں نے بات جاری رکھی۔ ''ابھی تمہارے آنے سے ذرا پہلے میں شازیہ کو اسی بارے میں بتا رہا تھا...... چوہدری دین صاحب کی موت کے بعد اسپتال میں ان کا پوسٹ مارٹم ہوا تھا۔ اس کی ایک رپورٹ چھپی ہے۔ تم نے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟''

فردوس نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

میں نے کہا۔ ''فردوس! وہ رپورٹ بتاتی ہے کہ دین محمد صاحب کو گولیاں بعد میں لگیں، ان سے کچھ دیر پہلے انہیں ہارٹ اٹیک ہو چکا تھا۔''

''ہاں...... ہاں، اتنی سی بات تو میں نے بھی سنی

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

تھی۔" فردوس نے ہنکارا ابھرا۔
"یہ بات بالکل درست ہے فردوس۔ دین محمد صاحب کی موت دل کے دورے سے ہوئی ہے۔"
فردوس، شازیہ اور دونوں چھوٹی بہنیں حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔
میں نے ان چاروں کو مخاطب کرتے ہوئے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ "میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس کا ایک ایک لفظ سچ ہے اور میں جھوٹ کیوں بولوں؟ جو لوگ جھوٹی سچی باتیں بنا رہے ہیں، مجھے ان کا کوئی ڈر نہیں۔ جس وقت میں دین صاحب کے گھر میں داخل ہوا اور ان کے کمرے میں پہنچا، وہ دم توڑ چکے تھے۔ شاید انہیں گزرے ہوئے بیس تیس منٹ ہوئے ہوں گے۔ ان کی سانس ختم ہو چکی تھی۔ دل بالکل رک چکا تھا۔ جسم ابھی پوری طرح ٹھنڈا نہیں ہوا تھا...... مگر وہ ایک لاش تھے۔"
چاروں بڑے تعجب سے میرا چہرہ تک رہی تھیں۔
میں نے کہا۔ "اب ہر کسی کی طرح تمہارے ذہن میں بھی یہ سوال ابھر رہا ہوگا کہ میں یوں چوری چھپے دین صاحب کے گھر میں کیوں گھسا اور ان پر گولیاں کیوں چلائیں؟ اس کا جو جواب میں تمہیں دوں گا، اس کا ایک ایک لفظ بھی سچ ہے۔ یہ میری مجبوری تھی کہ میں دین صاحب پر گولیاں چلاؤں۔"
"مجبوری......؟" شازیہ خشک لبوں پر زبان پھیر کر ہکلائی۔
جواب میں، میں نے ٹھہر ٹھہر کر آسان لفظوں میں سب کچھ فردوس اور تینوں بہنوں کے گوش گزار کر دیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ کس طرح وہ بدذات عورت ہمیں ایک دوسرے سے مروانے کے لیے ایک بڑی قسم کھائے بیٹھی ہے۔ کس طرح اس نے مجھے اپنے اثر میں لے کر یہاں بھیجا اور کس طرح میں اس کے اثر میں آئے بغیر یہاں سکھیرا گاؤں پہنچا۔ میں نے ان چاروں کو بتایا کہ میں اس عورت کی نظروں میں سچا ہونے کے لیے دین محمد صاحب کو کہیں غائب کر دینے کا ارادہ رکھتا تھا مگر جب میں نے انہیں پہلے سے مردہ حالت میں پایا تو پھر دل کڑا کر کے وہ کیا جو وہ بدذات عاملہ مجھ سے چاہتی تھی۔ میں نے ان کے مردہ جسم پر گولیاں چلائیں اور وہاں سے نکل گیا۔
یہ سب کچھ ان چاروں نے بے حد تعجب اور حیرت کے عالم میں سنا۔ آخر میں، میں نے فردوس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر تم چاہو تو رازداری کے ساتھ تاجور کو یہ سب کچھ بتا سکتی ہو مگر ابھی کسی اور سے یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"
پھر میں نے شازیہ اور اس کی بہنوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم تینوں بھی ابھی یہ بات اپنے تک ہی رکھو تو بہتر ہے۔ اگر تم کسی سے یہ ذکر کرو گی تو پھر تم سے پوچھا جائے گا کہ یہ سب کچھ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ اور میں نہیں چاہتا کہ میری یہاں آمد کا کسی کو پتا چلے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟"
تینوں نے ایک ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ ان لمحوں میں وہ تینوں ڈری سہمی کم سن بچیوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ شازیہ کی آنکھوں میں اکبر کا جاں گسل انتظار کروٹیں لیتا تھا۔ میں نے ان تینوں کے سروں پر ہاتھ پھیرے اور ان سے تسلی تشفی کی باتیں کیں۔ بہرحال اکبر کی حالت کا میں نے کوئی ذکر نہیں کیا۔
میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ غیر ملک سے آنے والی وہ خطرناک عاملہ بہت بری طرح زخمی ہو کر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ وہ بچ بھی گئی تو ابھی کافی دنوں تک ہمیں کوئی پریشانی دینے کے قابل نہیں ہوگی...... لیکن "احتیاط" اپنی جگہ لازم ہے۔
فردوس کے جانے کے بعد میں نے گھر کے اخر[illegible] کی ایک [illegible] کمرے کی ایک دیوار پر خوبرو پنجابی ہیرو سیف کی ایک تصویر آویزاں تھی۔ میں نے اس پر ایک محبت بھری نظر ڈالی اور جیسے خاموشی سے آیا تھا، ویسے ہی واپس چلا آیا۔

☆☆☆

میں لاہور واپس آ چکا تھا۔ میرے ذہن میں کھلبلی سی تھی۔ ملازمہ فردوس نے تاجور کی بے بسی کا جو نقشہ میرے سامنے کھینچا تھا اس نے مجھے بے کل کر دیا تھا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا کہ تاجور کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے شاید اس میں، میں بھی قصوروار ہوں۔ میں پاکستان میں تھا اور تاجور کے اردگرد موجود تھا۔ کلر کہار کے علاقے میں کھوہ کے اندر جو واقعہ پیش آیا تھا، وہ بھی مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ لڑائی کے دوران میں جب ایک شیطان زادے نے مجھ پر عقب سے حملہ کیا تو تاجور چیل کی طرح اس پر جھپٹی تھی اور اس پر کاری وار کیا تھا۔ اس واقعے کے بعد میں نے وارج کی نگاہوں میں تاجور کے لیے مزید غیظ و غضب دیکھا تھا...... ایسی ہی باتوں کے بارے میں سوچتے سوچتے پتا نہیں کیوں میرا دل چاہا کہ ایک بار وارج سے رابطہ کروں اور اسے بتاؤں کہ

میں بہت جلد پاکستان چھوڑ کر جانے والا ہوں۔ میرے اور تاجور کے درمیان اب کچھ باقی نہیں ہے...... ہو سکتا ہے کہ آئندہ وہ دونوں کبھی میری شکل نہ دیکھیں۔
میں نے ایک دفعہ پہلے بھی مندر کے تہ خانوں میں وارج کے ساتھ بڑی نرمی سے بات کی تھی اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا تھا۔ کچھ سوچ بچار کے بعد میں نے وارج کا پرسنل نمبر ملایا...... دو کالز کا تو کوئی جواب نہیں آیا لیکن پھر رابطہ ہو گیا۔ وارج کی جھلائی ہوئی بیزار آواز سنائی دی۔ "کون؟"
"میں شاہ زیب بات کر رہا ہوں، سوری کہ تمہیں ڈسٹرب کیا۔"
چند لمحے خاموشی رہی پھر وارج کی غیر متوقع طور پر نرم آواز سنائی دی۔ "ہاں، کیسے ہو تم؟"
"میں ٹھیک ہوں، تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"
"وہی سب کچھ چل رہا ہے...... ویسے میں خود تم سے رابطہ کرنے والا تھا، اچھا ہوا کہ تم نے فون کر لیا۔"
میں نے اس کا یا پلٹ پر حیران ہوتے ہوئے کہا۔ "خیریت ہے؟"
"خیریت ہی ہے...... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایک اہم بات کرنی [illegible] ہے؟ کیا [illegible] میری رہائش گاہ پر آ سکتے ہو؟"
میں نے چند لمحے توقف کر کے کہا۔ "اگر یہ بہت ضروری ہے تو میں آ جاتا ہوں لیکن...... تم جانتے ہو کہ ڈی ایس پی قیصرا اور روز یام کی موت کے بعد تمہارے برادر شکیل صاحب بہت ٹینشن میں ہیں۔ پولیس مجھے ہر جگہ ڈھونڈ رہی ہے۔"
"اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، اگر تم چاہو تو میری اپنی گاڑی تمہیں لاہور سے یہاں لا سکتی ہے۔"
میں نے اس پر رضامندی ظاہر کی۔ کچھ مزید گفتگو ہوئی اور یہ ملاقات طے ہو گئی۔
مجھے وارج سے اس طرح کے رویے کی توقع نہیں تھی۔ یہ کوئی سازش بھی ہو سکتی تھی۔ بہرحال میں رسک لینے کے لیے تیار تھا۔ جانے سے پہلے داؤد بھاؤ سے مشورہ کرنا بھی ضروری تھا۔
یہ اگلے روز سہ پہر تین بجے کی بات ہے میں ایک گاڑی میں سوار وارج داراب کی عظیم الشان رہائش گاہ میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ ٹنٹڈ شیشوں والی جیگوار گاڑی وارج داراب کی ذاتی گاڑیوں میں شامل تھی۔ طویل ڈرائیو وے سے گزر کر باوردی ڈرائیور نے گاڑی پورچ میں کھڑی کی۔ یہاں وارج کا اسپیشل ذاتی گارڈ طویل قامت آدم بھی موجود تھا۔ (یہ شخص مندر میں میری دی ہوئی چوٹوں کے سبب سخت زخمی ہوا تھا مگر اب کافی حد تک تندرست نظر آ رہا تھا۔ تاہم اس کی آنکھوں میں لشکارے مارنے والا کینہ چھپائے نہیں چھپتا تھا) بظاہر احترام سے میری جامہ تلاشی لی گئی اور پھر میں آدم کی معیت میں ایک قالین پوش راہداری میں پہنچ گیا۔ یہاں آدم بھی رک گیا اور ایک خوش شکل ملازمہ نے میری رہنمائی کر کے مجھے ایک سجی سجائی وسیع نشست گاہ میں پہنچا دیا۔ عمارت کا یہ حصہ یقیناً داراب فیملی کے ذاتی استعمال میں تھا۔
مجھے قریباً پندرہ بیس منٹ تک وارج کا انتظار کرنا پڑا...... آخر تاجور نظر آئی۔ وہ وارج کی وہیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی اندر لا رہی تھی۔ بالکل گم صم تھی۔ پہلے سے کافی کمزور ہو چکی تھی۔ رنگ سرسوں کی طرح زرد۔ جیسے کسی مصور نے ایک خوب صورت تصویر بالکل پھیکے رنگوں میں بنا ڈالی ہو۔ اس نے اپنا جسم ایک طویل چادر میں ڈھانپ رکھا تھا۔
"السلام علیکم۔" میں نے کھڑے ہو کر کہا (اگر وارج اکیلا ہوتا تو شاید میں کھڑے ہونے کی زحمت نہ کرتا)
"وعلیکم سلام...... بیٹھو، تشریف رکھو۔" وارج نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھاری بھرکم لہجے میں کہا۔
تاجور نے کرسی کو مقررہ جگہ پر روک دیا۔ پھر وہ جھکی، اس نے ایک گرم شال وارج کے گھٹنوں پر پھیلا کر اس کے پاؤں کے نیچے سے گزار دی تاکہ اس کا زیریں جسم ڈھکا رہے، وہ جیسے خاموشی سے آئی تھی ویسے ہی واپس چلی گئی۔ اس نے میری طرف دیکھا تک نہیں تھا۔
تاجور کو یوں وہیل چیئر دھکیلتے دیکھ کر مجھے فردوس کی بات یاد آ گئی۔ پرسوں اپنی گفتگو میں اس نے بتایا تھا کہ گھر میں درجنوں ملازم ہونے کے باوجود وارج، تاجور سے نوکرانی کا کام لیتا ہے۔ وہ نہ صرف رات دن اس کی دیکھ بھال کرتی ہے بلکہ اس کا کھانا بھی خود پکاتی ہے دیگر کاموں کی طرح وارج کے لیے بار بار چائے بنانا، اپنے اور وارج کے کپڑے پریس کرنا، اور اپنے بیڈ روم کی صفائی ستھرائی بھی اس کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ اب تاجور کو وارج کی وہیل چیئر دھکیلتے دیکھ کر مجھے اس صورت حال کا ثبوت مل گیا تھا۔
جلد ہی نشست گاہ کی تنہائی میں وارج اصل موضوع

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

پر آ گیا...... وہ بولا۔ ''جو کچھ ہمارے درمیان ہوا، اچھا نہیں ہوا...... لیکن میں چاہتا ہوں کہ پچھلی باتوں کو ذہن سے نکال کر ہم ایک نئے معاملے پر بات کریں۔''

''میں سن رہا ہوں، دارج صاحب۔''

وہ چند لمحوں کے لیے گہری سوچ میں چلا گیا پھر بھاری لہجے میں بولا۔ ''وہاں کلر کہار میں جس طرح والدہ کی جان لی گئی، میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ میں ان قاتلوں کو معاف نہیں کر سکتا، مرتے دم تک نہیں کر سکتا۔''

''ان کی موت واقعی بے حد دکھی کرنے والی تھی۔ میں ان شیطان زادوں کی فطرت کو بڑی اچھی طرح جانتا تھا...... اسی لیے میں نے بار بار میڈم کو ان کی طرف جانے سے منع کیا۔ تمہیں بھی کہا کہ میڈم کو ان کی طرف نہیں جانا چاہیے...... بہرحال اب ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں۔''

''ہاں، میں بھی چاہتا ہوں کہ یہ ذکر بار بار نہ کیا جائے، میں اب آگے دیکھنا چاہ رہا ہوں۔ والدہ کے جانے کے بعد ایک دن بھی ایسا نہیں جو میں نے چین سے گزارا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ والدہ کا اصل قاتل وہی جان ڈیرک ہے جس کے نیچے وہ شیطان زادے درندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''وہ انسان نہیں تھے، وہ قاتل مشینیں تھیں۔ انہیں چلانے والا یقیناً جان ڈیرک ہی تھا۔ ان شیطان زادوں کے خون میں دوڑنے والی ساری سفاکی اسی جان ڈیرک کی بخشی ہوئی تھی۔''

''کیا تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان زادے اب ختم ہو چکے ہیں؟''

''ہاں میرا خیال یہی ہے۔ کم از کم پاکستان میں تو ان میں سے کوئی موجود نہیں۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ باہر ایسے کوئی دو چار نمونے باقی بچ رہے ہوں۔''

نہایت خوش پوش ملازمہ چائے اور لوازمات کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر لے آئی۔ اس نے سفید دستانے پہن رکھے تھے۔ چائے بنا کر وہ واپس چلی گئی تو دارج نے کپ سے چسکی لیتے ہوئے کہا۔ ''میرے لوگوں نے اس سلسلے میں کچھ ہوم ورک کیا ہے، مجھے پتا چلا ہے کہ جان ڈیرک یورپ واپس پہنچ چکا ہے۔''

''یورپ میں کہاں؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے اندازے کے مطابق اٹلی میں۔ یقیناً تمہیں پتا ہی ہوگا کہ ٹیکساری گینگ میں پچھلے دنوں زبردست پھوٹ پڑ گئی تھی۔ وہ دو حصوں میں بٹ گیا تھا...... دونوں گروپس نے مار مار کر ایک دوسرے کا بھرکس نکال دیا ہے۔ اب جان ڈیرک گینگ کے بچے کھچے لوگوں کے ساتھ اٹلی کے شہر روم میں موجود ہے۔''

دارج کو کیا پتا تھا کہ ''ناقابلِ تسخیر ٹیکساری گینگ'' میں یہ پھوٹ کیوں اور کیسے پڑی ہے۔ چند سیکنڈ میں وہ سارے واقعات نگاہوں کے سامنے گھوم گئے اور ان واقعات میں وانس کا اہم کردار بھی ذہن میں تازہ ہو گیا۔

میں نے دارج سے پوچھا۔ ''کیا جان ڈیرک کو روم میں دیکھا گیا ہے؟''

''نہیں، اسے تو نہیں لیکن اس کے ایک بڑے خاص آدمی کو دیکھا گیا ہے۔ عام طور پر وہ جہاں ہوتا ہے، ڈیرک بھی وہیں ہوتا ہے۔ اس کا نام تو کچھ اور ہے لیکن اسے پرنس سومو کہا جاتا ہے۔ کافی موٹا شخص ہے اور میری معلومات کے مطابق وہ آج کل اپنے اسی خطرناک موٹاپے سے پیچھا چھڑانے کے لیے روم کے ایک انٹرنیشنل اسپتال میں داخل ہے۔ بہت مہنگا اسپتال ہے۔ امیر کبیر اور بڑے بڑے رئیس ہی اس ہیلتھ سینٹر کے اخراجات کو برداشت کر سکتے ہیں۔''

''تمہارے لوگوں نے پرنس سومو کو ٹریس کرنے کی کوشش نہیں کی؟''

[illegible] کوئی نتیجہ نکالا جا سکتا تھا مگر وہ اسپتال کی چار دیواری میں ہے اور اس کے تین چار ذاتی گارڈز ہر وقت اسپتال کے اندر بھی اس کے ارد گرد موجود رہتے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''فرض محال ہم کسی طرح اس پرنس کو چھاپ بھی لیتے ہیں تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ ہمیں جان ڈیرک تک پہنچا دے گا...... یا جان ڈیرک کی موجودہ لوکیشن اس کے علم میں ہوگی؟''

''میری معلومات کے مطابق پرنس سومو کا سراغ ملنا کوئی معمولی کامیابی نہیں ہے۔ مجھے پکا نوے فیصد یقین ہے کہ وہ باسٹرڈ جان ڈیرک اس وقت روم میں ہی ہے۔'' چند لمحے توقف کر کے میں نے گہری سانس لی۔ ''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

دارج نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں شاہی! تم یہ کام کر سکتے ہو۔ اس سلسلے میں تمہیں جس طرح کا تعاون چاہیے، میں تمہیں دینے کو تیار ہوں۔'' اس نے اپنی واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹا لفافہ میری طرف بڑھایا۔ ''اس میں ایک بلینک چیک ہے جو بھی بھرنا چاہو بھر لو۔''

''اور اس کے بدلے میں؟''

''مجھے جان ڈیرک کا سر چاہیے......'' وہ ٹھہرے لہجے میں بولا۔

میں نے کہا۔ ''دارج! تم جانتے ہو، تمہارا کزن شکیل داراب اپنے چہیتوں قیصر اور وریام کی موت کے بعد میرے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ میرے لیے پاکستان سے باہر تو کیا، گھر سے نکلنا بھی مشکل ہے۔ اگر میں تمہاری ذاتی گاڑی میں یہاں نہ پہنچتا تو شاید راستے میں ہی دھر لیا جاتا۔ پولیس اور تمہارے کزن کے گماشتے مجھے ہر جگہ ڈھونڈ رہے ہیں۔''

''تمہیں پاکستان سے باہر نکالنے کی ذمے داری میری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس وقاص کے نام سے شناختی اور سفری کاغذات موجود ہیں۔ وہ استعمال ہو سکتے ہیں۔''

چند لمحے توقف کر کے میں نے پوچھا۔ ''تمہارے کزن کو یہ سب کچھ [illegible] ختم ہو جائے گا؟''

''میری اور تمہاری اس ڈیل کی خبر اور کسی کو نہیں ہو گی۔'' وہ ٹھہرے لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

https://www.urdutubes.com/

[illegible] طور پر کوئی [illegible] نہیں دے سکتا...... اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے رات تک تمہیں آگاہ کر دوں گا۔''

وہ رضامند ہو گیا۔ میں اس کو چیک واپس کرنا چاہ رہا تھا مگر اس نے کہا کہ نہیں، یہ چیک ابھی پاس ہی رکھوں۔

☆☆☆

درحقیقت جان ڈیرک کا سراپا میری نگاہوں میں بھی گھومتا رہتا تھا۔ میں اسے اس کے منطقی انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔ ہاتھ آتی ہوئی [illegible] کی وجہ سے عارضی طور پر ڈیرک پس منظر میں ضرور چلا گیا تھا، مگر فراموش ہرگز نہیں ہوا تھا۔ میرے ذہن میں ایک اور خدشہ بھی موجود تھا۔ بے شک شیطان زادوں کی [illegible] تباہ ہو گئی تھی مگر اس کا بیج تو ابھی موجود تھا۔ ایول کے زہریلے جرثومے سے مزید ''ہلاکت خیز پودوں'' کی نشوونما کی جا سکتی تھی۔ اس ساری ہلاکت آفرینی کو جڑ سے ختم کیا جانا ضروری تھا۔

میں ذہنی طور پر اٹلی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ دارج کا یہ کہنا بالکل درست تھا کہ جان ڈیرک کے ایک نہایت قریبی ساتھی کا کھوج لگا کر اس نے ایک اہم کامیابی حاصل کی ہے۔ اب اس سے آگے بڑھنا اس کے بس کی بات نہیں

تھی اور وہ مجھ سے تمام تر نفرت کے باوجود میری مدد کا طالب ہوا تھا۔

تیسرے روز ایک بار پھر فون پر میرا اور دارج کا رابطہ ہوا۔ میں نے جان ڈیرک کے پیچھے اٹلی جانے پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ اس سلسلے میں داؤد بھاؤ اور سجاول سے مشورہ میں پہلے ہی کر چکا تھا۔

ایسے موقعوں پر انیق میرا ہمدم و ہم قدم ہوتا تھا لیکن وہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ چکا تھا...... فخر موجود تھا۔ وہ بتدریج بہتر ہو رہا تھا مگر اس کی حالت ہرگز ایسی نہیں تھی کہ اسے ساتھ لے جانے کا سوچا جا سکتا۔ آجا کے رضوان ہی رہ جاتا تھا۔ اس کے گہرے گھاؤ ابھی پوری طرح مندمل نہیں تھے۔ پہلوان حشمت کو میرے جانے کی خبر ہوئی تو وہ بضد ہو گئے کہ میرے ساتھ جائیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ میری بہترین دیکھ بھال کر سکتے ہیں اور انہوں نے ایک دو کہاوتیں بھی سنائیں جن کا مفہوم یہ تھا کہ نوجوان اور جوشیلے لوگوں کے ساتھ ایک آدھ پختہ کار و دیدہ شخص کا ہونا اشد ضروری ہوتا ہے...... اس سے بہت سے خطرات ٹل جاتے ہیں۔

پہلوان جی کو ساتھ لے جانا بے معنی تھا۔ ان کے اصرار کے باوجود میں نے انہیں ٹال دیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ سکھیرا چلے جائیں اور وہاں سیف کے اہلِ خانہ کا خیال رکھیں۔ تاہم اگلے روز میرے ذہن میں ایک اور بات آئی۔ میں نے تھوڑا سا سوچا اور مجھے لگا کہ پہلوان جی کو ساتھ لے جانا ایک لحاظ سے فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ میں نے اس بارے میں داؤد بھاؤ سے بھی مشورہ کیا۔ میرے ذہن میں جو بات آئی تھی، اس کی تائید داؤد بھاؤ نے بھی کی۔ میں نے اس حوالے سے پہلوان حشمت کو آگاہ کیا۔ ان کا چوڑا چکلا چہرہ اندرونی جوش سے سرخ ہو گیا۔ ہم سفر کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ جان ڈیرک اس وقت مکمل تباہی کے دہانے پر کھڑا تھا۔ اسے سنبھلنے کا وقت دینا، کسی طور مناسب نہیں تھا۔ مجھے کچھ ضروری چیزیں درکار تھیں جو مجھے داؤد بھاؤ کے ذریعے مہیا ہو گئیں۔ بھاؤ کے ایک قابلِ اعتماد ایکسپرٹ کے ذریعے میں نے اپنے چہرے پر معمولی نوعیت کی کاسمیٹک تبدیلیاں بھی کروا لیں۔ ان میں بالوں میں رنگ اور ان کی تراش خراش شامل تھی۔

تیسرے روز کی بات ہے۔ ہم ساڑھے بارہ گھنٹے کا طویل فضائی سفر طے کر کے اٹلی کے دارالحکومت روم میں لینڈ کر چکے تھے۔ پہلوان حشمت کی زندگی کا یہ پہلا فضائی

Digitized by Google

سفر تھا اور پاکستان سے باہر بھی وہ پہلی بار تشریف لائے تھے۔ وہ بہت خوش اور جذباتی نظر آتے تھے۔ یہ شام کا وقت تھا۔ تاریخی شہر روم کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ ٹھٹھری ہوئی فضا میں جگہ جگہ اَن گنت آثارِ قدیمہ دعوتِ نظارہ دیتے محسوس ہوتے تھے۔ دن کا روم اوجھل ہو رہا تھا اور رات کا روم انگڑائی لے کر بیدار ہو رہا تھا۔

دارج داراب کی کسی کمپنی کا مقامی منیجر یہاں ہمارے قیام و طعام اور دیگر ضروریات کا ذمے دار تھا۔ اس جواں سال شخص کا نام جمشید ملک تھا۔ اس کا تعلق پاکستان سے ہی تھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک ہلکورے لیتی تھی اور اندازہ ہوتا تھا کہ بظاہر شریف نظر آنے والا یہ شخص دارج داراب کے حکم پر ہر جائز و ناجائز کام کر سکتا ہے۔

جمشید ملک کے شاندار لاج میں پہنچنے کے بعد اور کھانا وغیرہ کھانے کے بعد ہم نے کچھ دیر تک آرام کیا، پھر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ”رائل میڈیکل ویٹ لاس سینٹر“ کے اندر داخل ہو کر پرنس سومو سے ملنا ہی سب سے اہم مسئلہ تھا۔ رائل سینٹر میں چونکہ یورپ بلکہ پوری دنیا کی اہم شخصیات زیرِ علاج ہوتی تھیں لہٰذا یہاں نگرانی اور سیکیورٹی کے بھی خاص الخاص انتظامات تھے۔

میں نے پاکستان سے روانگی کے وقت یہ بات تو پہلوان جی کو بتا دی تھی کہ انہیں چند دن کے لیے ایک امیر شخص کی حیثیت سے ایک اسپتال میں داخل ہونا پڑے گا، مگر دیگر تفصیلات انہیں معلوم نہیں تھیں۔ میں نے پہلوان جی کو ”بریفنگ“ دیتے ہوئے کہا۔ ”آپ کا نام تو حشمت ہی رہے گا مگر اس کے ساتھ ہم میاں لگا دیں گے، یعنی میاں حشمت راہی۔ آپ سیالکوٹ کے علاقے میں قریباً 30 مربع زمین کے مالک ہیں۔ اس کے علاوہ دو چار زرعی فارم اور باغ آپ کی ملکیت ہیں۔“

پہلوان نے کہا۔ ”یار! مجھ سے اتنا جھوٹ بلواؤ جتنا مجھے ہضم ہو سکے۔ یہ 30 مربعے بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کم ناہیں ہو سکتے۔ کہاں راجا بھوج کہاں گنگو تیلی۔“

”آپ کو کوئی جھوٹ شوٹ نہیں بولنا پڑے گا اور نہ آپ کی بات یہاں کسی کی سمجھ میں آئے گی۔ میں آپ کا پی اے یعنی پرسنل سیکریٹری ہوں۔ آپ کی طرف سے جو کچھ بھی بولنا ہے، مجھے بولنا ہے لیکن آپ کے ذہن میں یہ باتیں موجود ضرور ہونی چاہئیں۔ آپ کی دو بیویاں پہلے سے موجود ہیں، اب آپ تیسری کے موڈ میں ہیں۔ اس کے علاوہ آپ......“

”یار بس کرو۔“ پہلوان نے میرے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”کیوں میری عاقبت خراب کرنے کے چکر میں ہو۔ ایک تو سنبھالی ناہیں جا رہی اور تم تین تین میرے سر پر بٹھا رہے ہو اگر اس بات کا پتا چل گیا تو جو ایک ہے وہ بھی ناہیں رہے گی۔ وہ پہلے ہی مجھ سے روٹھ کر میکے بیٹھی ہوئی ہے۔ پورا سال ہونے کو آیا ہے اب تو......“

پہلوان جی کے چہرے پر دکھ کے سائے لہرا گئے۔ پھر وہ چونک کر بولے۔ ”ویسے اسپتال میں علاج کیا ہوگا میرا؟ کوئی طاقت شاقت کی دوائیں کھلائیں گے؟“

”طاقت شاقت کی نہیں...... کمزوری شمزوری کی۔ دیکھیں آپ کا وزن کس قدر بڑھا ہوا ہے۔ پیٹ تو جیسے علیحدہ سے رکھا ہوا ہے آپ کا۔ اگر ایک دو ہفتے آپ وہاں رہ سکے تو کچھ اسمارٹ ہو جائیں گے۔“

پہلوان جی کا رنگ زرد پڑ گیا اور مجھے احساس ہوا کہ میں نے یہ آخری جملہ بول کر غلطی کی ہے۔ خلافِ توقع وہ وزن کم ہونے کے خیال سے خوف زدہ ہو گئے۔ وہ بولے۔

”یہ تم کیا کہوت ہو شاہ زیب! تمہارا دماغ گھاس چرنے تو ناہیں چلا گیا۔ یہی وزن تو ایک پہلوان کی شان ہووت ہے۔ میں اس میں سے ایک رتی کم کرنے کی اجازت ناہیں دے سکتا۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ آم [illegible] وزن بھی کم کر دیویں گے۔ نہ بابا نا۔ اس طرح ایک میان کے اندر دو بھینسیں بانسری ناہیں بجا سکتیں۔“

اپنی غلطی درست کرتے ہوئے میں نے پہلوان جی کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی اور جزوی طور پر کامیاب ہوا۔ میں نے ان سے کہا۔ ”آپ گھبرائیں نہیں، ویسے تو وہ لوگ فوری طور پر میڈیسن وغیرہ نہیں دیں گے...... اور اگر دیں گے بھی تو کون سا ہمیں اپنے سامنے کھلائیں گے۔ آپ اس سلسلے میں بالکل بےفکر رہیں......“

میں نے اس سلسلے میں انہیں بمشکل مطمئن کیا۔ دونوں کے لیے ڈریسز اور دیگر لوازمات جمشید ملک نے پہلے ہی تیار کر رکھے تھے۔ پورے سیٹ آپ کے ساتھ تیسرے روز ایک شاندار مرسیڈیز کار میں رائل میڈیکل سینٹر پہنچ گئے۔

شہر کے مہنگے ترین اور ہائی سیکیورٹی کے علاقے میں یہ ایک چہار منزلہ عمارت تھی۔ اس کے آگے اور پیچھے دیکھنے کے ”اوپن ایریاز“ تھے۔ جاگنگ ٹریکس، کشتی رانی کے لیے مصنوعی جھیل، گولف کورس، اسپورٹس کمپلیکس اور اس طرح

کئی جدید سہولیات یہاں موجود تھیں۔ ہمیں جگہ جگہ موٹے اور نیم موٹے مرد و زن دکھائی دیے۔ پہلوان حشمت کڑکڑاتی ہوئی سفید شلوار قمیص، قیمتی کوٹ اور کلے دار پگڑی میں ملبوس تھے۔ واقعی...... وہ جب تک اپنی زبان نہ کھولتے اور ”غلط محاورے“ وغیرہ نہ بولتے وہ ایک وڈیرا ٹائپ چیز ہی نظر آتے تھے۔

جمشید ملک کے پاس جان ڈیرک کے قریبی ساتھی پرنس سومو کی دو تین تصویریں موجود تھیں جو وہ ہمیں دکھا چکا تھا۔ ہم اس رائل میڈیکل سینٹر میں اسے بہ آسانی پہچان سکتے تھے مگر پہچانتے تو تب جب وہ نظر آتا۔ یہاں ایڈمیشن کے بعد ہمیں دو لگژری کمروں پر مشتمل ایک سوئٹ مہیا کر دیا گیا۔ میں پی اے اور اٹینڈنٹ کی حیثیت سے پہلوان جی کے ساتھ مقیم تھا۔ موٹاپے اور عمومی صحت کے حوالے سے پہلوان جی کے ابتدائی ٹیسٹ ہوئے جنہوں نے انہیں کافی خوف زدہ کیا۔ اس دوران میں، میں مسلسل مسٹر سومو کی ٹوہ میں رہا...... دو تین روز میں، میں صرف یہ جان سکا کہ وہ یہاں کے خاص نگہداشت کے یونٹ میں مقیم ہے کیونکہ اس کے جسم کے اندر سے چربی کو سک کیے جانے کا عمل ہونے والا ہے۔ اس کی قیام گاہ کی حیثیت وی وی آئی پی تھی۔ تین گارڈز بھی اس کے ساتھ [illegible] کی بات ہے۔ میں پہلوان جی کو جاگنگ ٹریک پر چہل قدمی کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور پہلوان جی مجھے بار بار یاددہانی کرا رہے تھے کہ وہ اپنے جسم میں سے ایک رتی وزن کی کمی بھی گوارا نہیں کریں گے، دفعتاً میری نگاہ ایک نہایت بھاری بھرکم، قدآور شخص پر پڑی۔ میں نے تصویر دیکھی ہوئی تھی اس لیے فوراً پہچان گیا۔ یہ پرنس سومو ہی تھا۔ اس کا چربی دار جسم اتنا پھیلا ہوا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔ میڈیکل سینٹر کے دو ملازمین اسے دونوں طرف سے سہارا دے کر چلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک باوردی لڑکی بھی اس کام میں تعاون کر رہی تھی۔ دو مسلح گارڈز پندرہ بیس قدم پیچھے آ رہے تھے۔ ان کا تعلق یقیناً [illegible] سے اس اہم شخص سے ہی تھا۔ مجھے اور تو کچھ [illegible] سوجھا، میں دس پندرہ قدم تیزی سے اٹھا کر چربی اور گوشت کے اس سومو نامی ڈھیر کے پاس پہنچا۔ عقب میں آتے ہوئے گارڈز الرٹ ہو گئے۔ سینٹر کے باوردی ملازمین نے بھی مجھے کڑی نظروں سے گھورا۔

”فاصلہ رکھو...... کون ہو آپ؟“ ایک گارڈ نے کرخت لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔

میں نے کہا۔ ”ویری سوری، میں محترم کو دیکھ کر خود کو ان سے دور نہ رکھ سکا۔“

دو گارڈز میرے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو گئے، ان کے تیور اچھے نہیں تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے یا کرتے گوشت کا پہاڑ خود مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ ”آنے دو، کیا چاہتا ہے یہ؟“

میں نے دو قدم آگے آ کر کہا۔ ”ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں سر۔“ پھر میں نے کچھ فاصلے پر موجود پہلوان حشمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ پاکستان کے ایک بڑے لینڈ لارڈ میاں حشمت راہی ہیں۔ میں ان کا پی اے ہوں...... اور ان کے ساتھ یہاں مقیم ہوں۔ ویری سوری سر...... میرے ایک بہت قریبی انکل ہیں، آپ کی صورت ان سے اتنی زیادہ ملتی ہے کہ میں ششدر رہ گیا ہوں، مجھے یقین ہے کہ جب آپ اپنا کچھ ویٹ لاس کر لیں گے تو ان سے اور زیادہ مشابہ ہو جائیں گے۔“

وہ دیوہیکل گینگسٹر کچھ اچھے موڈ میں تھا لہٰذا مسکرا کر بولا۔ ”یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ اگر تمہارا انکل مجھ سے مزید مشابہ ہو گیا تو پھر وہ کسی بھی وقت کسی بھی جگہ شوٹ ہو سکتا ہے۔ مجھے تمہارے انکل سے ہمدردی محسوس ہونے لگی ہے۔“ پھر گینگسٹر کی نگاہ پہلوان حشمت پر پڑی اور وہ بولا۔ ”یہ تمہارا لینڈ لارڈ بہت مصیبت میں نظر آتا ہے، اس کو اتنی دوڑ کیوں لگوا رہے ہو۔ یہ موٹا تو ہے مگر بہت زیادہ بھی نہیں۔ اتنی چربی تو اس اسپتال کا بھاری بھرکم ”بل“ آنے سے ہی ڈھل جائے گی۔“

میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”دراصل میرے صاحب کچھ وزن اور کھونا چاہتے ہیں۔ ان کی شادی ہے۔“

”پہلی یا دوسری؟“ گینگسٹر نے شرارتی انداز میں پوچھا۔

”تیسری جناب! دراصل صاحب کو فار ایسٹ کے خدوخال والی لڑکیاں پسند ہیں۔ ان کی پہلی دو بیویاں جاپانی ہیں، اب یہ تیسری چینی ہے۔ پر مجھے لگتا ہے جی کہ اس تیسری شادی کے بعد یہ پھر پہلے کی طرح فربہ ہو جائیں گے۔ یہ تیسری بیوی نہ صرف چینی ہے بلکہ سنا ہے کہ بہت اچھے چائنیز کھانے بھی پکاتی ہے۔ کلنگ کے بہت سے مقابلوں میں حصہ لے چکی ہے۔“

گینگسٹر پرنس سومو اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیر کر ہنسا اور شیطانی انداز میں بولا۔ ”پھر تو تمہارے اس باس کی اور میری دلچسپیاں ملتی جلتی ہیں۔ میں بھی چند سال پہلے تک ان

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

اپنے سوئٹ میں واپس آکر میں نے اپنے سیل فون پر ایپلیکیشن لگا کر اسے وڈیو ریسیور کی شکل دی اور مطمئن ہو گیا۔ کیمرا کام کر رہا تھا۔ وہ میز کے نیچے تھا تاہم اس کا زاویہ ایسا تھا کہ میز کی بلوری ٹاپ کے اندر سے کمرے کا کچھ حصہ نظر آتا تھا۔ آڈیو کے سگنل بھی واضح تھے۔

......مجھے اور پہلوان حشمت کو اس کیمرے سے بہت سی امیدیں تھیں مگر اگلے تین چار روز تک ہم بار بار چیک کرنے کے باوجود کوئی خاص آڈیو یا وڈیو حاصل نہیں کر سکے۔ پرنس سومو زیادہ تر ساتھ والے کمرے میں ہوتا تھا۔ اس کے اور گارڈز کے درمیان کسی وقت جو گفتگو ہوتی تھی، اس سے پتا چلتا تھا کہ نیکساری گینگ کا حشر حقیقی معنوں میں خراب ہو چکا ہے۔ وائس وائے گروپ کی حالت بھی ناگفتہ تھی۔ اس کے بیشتر اہم ارکان ہلاک ہو چکے تھے یا آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچ گئے تھے۔ وائس کی نوعمر بیٹی آج کل شاید روس میں کہیں پائی جاتی تھی۔ وائس بھی دو تین ماہ سے لاپتا تھا اور یہ خیال بھی ظاہر کیا جا رہا تھا کہ وہ مارا گیا ہے۔

پانچویں چھٹے روز میرے ”دوست کیمرے“ نے ایک اہم وڈیو مجھ تک پہنچائی۔ پرنس سومو اسی کیمرے والے کمرے میں تھا۔ اس کی لوکیشن ایسی تھی کہ وہ ایک ہموار بیڈ پر الٹا لیٹا [illegible] کا ایک [illegible] بیڈ پر دھرا تھا۔ دو جواں سال جاپانی عورتیں نظر آئیں تاہم دھیان سے دیکھنے پر پتا چلا کہ وہ خواجہ سرا تھے۔ وہ پرنس سومو کے مساج میں مصروف تھے۔ پرنس سومو بار بار ایک زوردار جماہی لیتا تھا اور اس کا منہ کسی مگرمچھ کے جبڑوں کی طرح پھیلا ہوا دکھائی دینے لگتا تھا۔

اسی دوران میں اس کے سیل فون پر کال کا میوزک ابھرا۔ دونوں مالشیے منظر سے اوجھل ہو گئے۔ یقیناً یہ کوئی اہم کال تھی اور سومو نے ان دونوں کو باہر نکال دیا تھا۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ کال اہم ہی لگتی تھی۔

سومو نے دوسری طرف سے کہی جانے والی بات سنی پھر بولا۔ ”زیادہ زخمی کتنے ہوئے ہیں؟“ دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔ پرنس سومو بولا۔ ”نرسری میں اس طرح کا واقعہ ہونا معمولی بات نہیں۔ چار پانچ تو سمجھو بے کار ہو گئے ناں۔ لعنت ہے تم سب پر۔ باس ڈیرک اس پر معاف نہیں کرے گا۔“

دوسری طرف سے کچھ کہا جانے لگا جسے پرنس سومو نے طیش کے عالم میں سنا۔ پھر اس نے اپنے بھاری جسم کو کئی ہلکورے دیے اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

چند لمحے بعد وہ پُرسوچ لہجے میں بولا۔ ”ان کو تو برن یونٹ میں ہونا چاہیے لیکن چلو میں کوشش کرتا ہوں، یہ عام ڈاکٹرز کے بس کا کام نہیں۔ میں اورنج والی ”او ڈی“ بھیج دیتا ہوں۔ تم فوراً TWELL والوں کے پاس چلے جاؤ۔ ان کے پاس ایک بہت اچھا ڈاکٹر ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہی چلا جائے گا۔ یہ TWELL اُدھر ہی ہے جونی کے نئے گھر کے پاس۔“

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا۔ ”تم ذمّے دار ہو تمہیں جواب دینا پڑے گا۔“ سومو نے غصے کے عالم میں فون بند کر کے ایک طرف صوفے پر پھینک دیا اور اپنی جہازی سائز کی شرٹ پہننے کی ناکام کوشش کرتا ہوا کیمرے کے فریم سے نکل گیا۔

پہلوان حشمت نے سوالیہ انداز میں منہ کھول رکھا تھا اور میری طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس گفتگو کے بس دو چار لفظ ہی سمجھ میں آپائے ہوں گے۔ اپنے مخصوص انداز میں بولے۔ ”ڈاکٹر اور نرسری کی بات ہو رہی تھی۔ کیا یہاں جانوروں کی طرح پودوں کا ڈاکٹر بھی ہووت ہے؟“

میں نے کہا۔ ”جناب! نرسری صرف پودوں کی ہی تو نہیں ہوتی۔ جہاں بچے ہوتے ہیں اس کو بھی تو نرسری کہا جاتا ہے۔ اور یہ معاملہ مجھے بہت زیادہ سیریس لگ رہا ہے۔ نرسری اور بچوں کا جو ذکر ہوا ہے، یہ میرے ایک بڑے سنگین شک کو بڑھاوا دے رہا ہے۔“

”کچھ مجھے بھی بتاؤ گے یا پھر سسپنس ہی بڑھاتے رہو گے۔“

میں نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔ ”میں آپ کو سب کچھ بتاؤں گا لیکن پہلے مجھے خود کسی نتیجے پر پہنچ لینے دیں۔“

”کوئی اشارہ ہی دو۔ وہ کیا کہوت ہیں کہ...... باقی سب کچھ اضافی ہوتا ہے...... عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔“

”پہلوان جی، نیکساری گینگ تقریباً ختم ہو گیا ہے مگر اس کی جڑیں ختم نہیں ہوئیں اور آپ کو پتا ہی ہے بے شمار زہریلے پودے ایسے ہوتے ہیں جن کی جڑیں ختم نہ ہوں تو وہ پھر پھوٹ پڑتے ہیں۔“

کبھی کبھی پہلوان جی کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرتا تھا۔ وہ بات کی تہ تک پہنچ گئے اور بولے۔ ”تم ٹھیک کہوت ہو۔ جڑیں ختم ناہیں ہوئیں اور ہیڈ مالی بھی ابھی زندہ ہے۔ یعنی وہی سؤر کا تخم جان ڈیکر۔“

جاپانی لڑکیوں کا بڑا گرویدہ رہا ہوں۔ ان کی فٹ نس دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے، اٹھارہ برس کی ہو یا اڑتالیس کی زبردست فٹ نس ہوتی ہے۔“

اس نے دھیان سے پہلوان حشمت کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”اپنے باس کو بلاؤ کچھ بات ہی کریں ان سے۔“

میں نے کہا۔ ”یہ زمیندار ہیں۔ انگلش [illegible] نہیں جانتے لیکن میں [illegible] آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔“ [illegible]

[illegible]

میں نے پہلوان کے پنجابی فقرے کا ترجمہ کرتے ہوئے پرنس سومو کو بتایا۔ ”میاں حشمت کہتے ہیں کہ جاپان بہت جدید ملک ہے، وہاں کی خوراک وہاں کی سہولتیں اور آب و ہوا، وہاں کے لوگوں کی تندرستی اور صحت پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہے۔“

[illegible]

”چلو یہی سہی، مگر مجھ سے اتنا ہی کام لو جتنا میں کر سکتا ہوں۔“ پہلوان جی نے مسکرانے کی کوشش کی جو کسی حد تک کامیاب رہی۔

میں نے کہا۔ ”میاں حشمت کہتے ہیں کہ گلدستے میں ایک کے بجائے زیادہ قسم کے پھول ہوں تو وہ مزید اچھا لگتا ہے...... ویسے بھی ہم میٹھے لوگ ہیں۔ چینی کے استعمال کے بغیر ہمارا گزارا نہیں۔“

پرنس سومو بلند آواز میں ہنسا۔ [illegible]

[illegible]

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

جاپانی لڑکیوں کا بڑا گرویدہ رہا ہوں۔ ان کی فٹ نس دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے، اٹھارہ برس کی ہو یا اڑتالیس کی زبردست فٹ نس ہوتی ہے۔“

اس نے دھیان سے پہلوان حشمت کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”اپنے باس کو بلاؤ کچھ بات ہی کریں ان سے۔“

میں نے کہا۔ ”یہ زمیندار ہیں۔ انگلش وغیرہ نہیں جانتے۔ لیکن میں گفتگو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔“ یہ جاپانی، چینی عورتوں والا شوشہ میں نے یوں ہی نہیں چھوڑا تھا۔ میری معلومات کے مطابق ماضی قریب میں یہ شخص اس طرح کے مشغلے میں بہت معروف رہا تھا۔

میں پہلوان حشمت کو گینگسٹر سومو کے پاس لے آیا۔ دونوں ایک بڑی چھتری تلے دو آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تیسری میں نے سنبھال لی۔ ہمارے درمیان گفتگو کچھ اس طرح ہوئی۔ میں نے اردو میں پہلوان سے کہا۔ ”میں نے گوشت کے اس پہاڑ کو یہ بتایا ہے کہ تم جاپانی چینی عورتوں میں بڑی دلچسپی رکھتے ہو اور تمہاری تیسری شادی ایک بڑی ماہر چینی کک سے ہو رہی ہے۔“

”مجھے لگت ہے کہ تم نے ضرور مجھے کہیں بُری طرح پھنسا دینا ہے۔ یہ شکلوں سے ہی بڑے خطرناک لوگ نظر آوت ہیں۔“

میں نے پہلوان کے پنجابی فقرے کا ترجمہ کرتے ہوئے پرنس سومو کو بتایا۔ ”میاں حشمت کہتے ہیں کہ جاپان بہت جدید ملک ہے، وہاں کی خوراک وہاں کی سہولتیں اور آب و ہوا، وہاں کے لوگوں کی تندرستی اور صحت پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہیں۔“

سومو کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں پھر شیطانی چمک ابھری، بولا۔ ”اپنے باس سے پوچھو، جاپانی سسرال کو چھوڑ کر چینی سسرال کی طرف کیوں آ گئے ہو؟“

میں نے اس فقرے کا ترجمہ پہلوان کے سامنے یوں کیا۔ ”پہلوان جی! ایسے منہ سُجا کر نہ بیٹھیں، تھوڑا سا مسکرائیں۔ یہ ڈراما کامیاب ہو گا تو آگے بڑھ سکیں گے......“

پہلوان جی نے فرمایا۔ ”تم مجھ پر گندے گندے الزام لگا رہے ہو اور ساتھ ہی مسکرانے کا بھی کہوت ہو۔ میں کوئی اداکار نا ہیں ہوں کہ ہر طرح کی ایڈوانس مینٹ دے سکوں۔“

”شاید آپ، ہر طرح کی پرفارمنس کہنا چاہتے ہیں؟“ میں نے کہا۔

”چلو یہی سہی، مگر مجھ سے اتنا ہی کام لو جتنا میں کر سکتا ہوں۔“ پہلوان جی نے مسکرانے کی کوشش کی جو کسی حد تک کامیاب رہی۔

میں نے کہا۔ ”میاں حشمت کہتے ہیں کہ گلدستے میں ایک کے بجائے زیادہ قسم کے پھول ہوں تو وہ مزید اچھا لگتا ہے...... ویسے بھی ہم میٹھے لوگ ہیں۔ چینی کے استعمال کے بغیر ہمارا گزارا نہیں۔“

پرنس سومو بلند آواز میں ہنسا۔ ”تمہارا باس دلچسپ آدمی ہے۔ چلو اس کے ساتھ اس سینٹر کی اسپیشل گرین ٹی پیتے ہیں۔“

کچھ ہی دیر بعد میں، پہلوان حشمت اور پرنس سومو ایک وی آئی پی اپارٹمنٹ میں موجود تھے۔ یہ پرنس سومو کی قیام گاہ کا ڈرائنگ روم کہلا سکتا تھا۔ یہاں ایک دیوار پر روزمرہ خوراک کے بڑے بڑے چارٹ آویزاں تھے اور ورزش کی دو جدید ترین مشینیں پڑی تھیں۔ مجھے اتنی جلدی کامیابی کی توقع نہیں تھی۔ جاپانی خواتین والی مشترکہ دلچسپی کے سبب ہم یہاں اس بڑے گینگسٹر کی مہمان نوازی کا تجربہ کر رہے تھے۔ پہلوان اور پرنس سومو کی گفتگو جاری تھی اور میرے نہایت غلط لیکن حسب حال ترجمے کی وجہ سے پرنس سومو کو مزہ آ رہا تھا۔ پہلوان جی نے بس اتنی مہربانی کی تھی کہ میری گزارش کے بعد اپنے چہرے پر بارہ بجا کر نہیں رکھے تھے۔ گفتگو کے دوران ... نہایت قیمتی سیل فون پر ایک کال آئی۔ وہ اپنے فون کی طرف متوجہ ہوا اور انہی لمحوں میں مجھے وہ موقع مل گیا جس کا میں دیر سے منتظر تھا۔ میں نے لاہور سے روانہ ہوتے وقت داؤد بھاؤ سے اپنے لیے ”ضروریات“ کی جو چیزیں منگوائی تھیں۔ ان میں میرا پرانا ”دوست“ امریکن کمپنی کا ”پن ہول کیمرا“ بھی تھا۔ یہ نہایت مختصر کیمرا میری جیکٹ کی سائڈ پاکٹ سے میری مٹھی میں منتقل ہو چکا تھا۔ میں نے غیر محسوس طور پر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اسے ساگوان کی منقش میز کے ایک پائے کے ساتھ اندر کی طرف چپکا دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر یہاں سی سی ٹی وی کیمرا موجود بھی ہے تو وہ میری اس حرکت کو نہیں دیکھ پایا ہو گا۔

ایک زبردست امید بندھ گئی تھی۔ یہ عین ممکن تھا کہ ہمارا کیمرا اپنی جگہ پر محفوظ رہتا اور ہم سومو کے ذریعے سے کچھ اہم معلومات حاصل کر سکتے۔ بہرحال یہ کام تھا بہت خطرناک۔ ٹیکساری گینگ ہوشیار ترین لوگوں کے گروہ کا نام تھا۔ یہ لوگ خطرے کی بُو سونگھنے میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔

اپنے سوئٹ میں واپس آ کر میں نے اپنے سیل فون پر ایپلیکیشن لگا کر اسے وڈیو ریسیور کی شکل دی اور مطمئن ہو گیا۔ کیمرا کام کر رہا تھا۔ وہ میز کے نیچے تھا تاہم اس کا زاویہ ایسا تھا کہ میز کی بلوری ٹاپ کے اندر سے کمرے کا کچھ حصہ نظر آتا تھا۔ آڈیو کے سگنل بھی واضح تھے۔

...... مجھے اور پہلوان حشمت کو اس کیمرے سے بہت کی امیدیں تھیں مگر اگلے تین چار روز تک ہم بار بار چیک کرنے کے باوجود کوئی خاص آڈیو یا وڈیو حاصل نہیں کر سکے۔ پرنس سومو زیادہ تر ساتھ والے کمرے میں ہوتا تھا۔ اس کے اور گارڈز کے درمیان کسی وقت جو گفتگو ہوتی تھی، اس سے پتا چلتا تھا کہ ٹیکساری گینگ کا حشر حقیقی معنوں میں خراب ہو چکا ہے۔ وانس والے گروپ کی حالت بھی ناگفتہ تھی۔ اس کے بیشتر اہم ارکان ہلاک ہو چکے تھے یا آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچ گئے تھے۔ وانس کی نوعمر بیٹی آج کل شاید روس میں کہیں پائی جاتی تھی۔ وانس بھی دو تین ماہ سے لاپتا تھا اور یہ خیال بھی ظاہر کیا جا رہا تھا کہ وہ مارا گیا ہے۔

پانچویں چھٹے روز میرے ”دوست کیمرے“ نے ایک اہم وڈیو مجھ تک پہنچائی۔ پرنس سومو اسی کمرے والے کمرے میں تھا۔ اس کی لوکیشن ایسی تھی کہ وہ ایک ہموار بیڈ پر الٹا لیٹا صاف نظر آ رہا تھا۔ ... ڈھیر سا تھا ... دو جوان سال جاپانی عورتیں ... تھا۔ وہ پرنس سومو کے مساج میں مصروف تھے۔ پرنس ... بغور دیکھنے پر پتا چلا کہ وہ خواجہ سرا سومو بار بار ایک زوردار جماہی لیتا تھا اور اس کا منہ کسی مگرمچھ کے جبڑوں کی طرح پھیلا ہوا دکھائی دینے لگتا تھا۔ اسی دوران میں اس کے سیل فون پر کال کا میوزک ابھرا۔ دونوں مالشیے منظر سے اوجھل ہو گئے۔ یقیناً یہ کوئی اہم کال تھی اور سومو نے ان دونوں کو باہر نکال دیا تھا۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ کال اہم ہی لگتی تھی۔

سومو نے دوسری طرف سے کہی جانے والی بات سنی پھر بولا۔ ”زیادہ زخمی کتنے ہوئے ہیں؟“ دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔ پرنس سومو بولا۔ ”زسری میں اس طرح کا واقعہ ہونا معمولی بات نہیں۔ چار پانچ تو سمجھو بے کار ہو گئے ناں۔ لعنت ہے تم سب پر۔ باس ڈیرک اس پر معاف نہیں کرے گا۔“

دوسری طرف سے کچھ کہا جانے لگا جسے پرنس سومو نے طیش کے عالم میں سنا۔ پھر اس نے اپنے بھاری جسم کو کئی ہلکورے دیے اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

چند لمحے بعد وہ پُرسوچ لہجے میں بولا۔ ”ان کو تو برن یونٹ میں ہونا چاہیے لیکن چلو میں کوشش کرتا ہوں، یہ عام ڈاکٹرز کے بس کا کام نہیں۔ میں اورنج والی ”اوڈی“ بھیج دیتا ہوں۔ تم فوراً TWELL والوں کے پاس چلے جاؤ۔ ان کے پاس ایک بہت اچھا ڈاکٹر ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہی چلا جائے گا۔ یہ TWELL اُدھر ہی ہے جونی کے نئے گھر کے پاس۔“

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا۔ ”تم ذمے دار ہو تمہیں جواب دینا پڑے گا۔“ سومو نے غصے کے عالم میں فون بند کر کے ایک طرف صوفے پر پھینک دیا اور اپنی جہازی سائز کی شرٹ پہننے کی ناکام کوشش کرتا ہوا کیمرے کے فریم سے نکل گیا۔

پہلوان حشمت نے سوالیہ انداز میں منہ کھول رکھا تھا اور میری طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس گفتگو کے بس دو چار لفظ ہی سمجھ میں آ پائے ہوں گے۔ اپنے مخصوص انداز میں بولے۔ ”ڈاکٹر اور زسری کی بات ہو رہی تھی۔ کیا یہاں جانوروں کی طرح پودوں کا ڈاکٹر بھی ہووت ہے؟“

میں نے کہا۔ ”جناب! زسری صرف پودوں کی ہی تو نہیں ہوتی۔ جہاں بچے ہوتے ہیں اس کو بھی تو زسری کہا جاتا ہے۔ اور یہ معاملہ مجھے بہت زیادہ سیریس لگ رہا ہے۔ زسری اور بچوں کا جو ذکر ہوا ہے، یہ میرے ایک بڑے سنگین شک کو بڑھاوا دے رہا ہے۔“

”کچھ مجھے بھی بتاؤ گے یا پھر سسپنس ہی بڑھاتے رہو گے۔“

میں نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔ ”میں آپ کو سب کچھ بتاؤں گا لیکن پہلے مجھے خود کسی نتیجے پر پہنچ لینے دیں۔“

”کوئی اشارہ ہی دو۔ وہ کیا کہوت ہیں کہ...... باقی سب کچھ اضافی ہوتا ہے...... عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔“

”پہلوان جی، ٹیکساری گینگ تقریباً ختم ہو گیا ہے مگر اس کی جڑیں ختم نہیں ہوئیں اور آپ کو پتا ہی ہے بے شمار زہریلے پودے ایسے ہوتے ہیں جن کی جڑیں ختم نہ ہوں تو وہ پھر پھوٹ پڑتے ہیں۔“

کبھی کبھی پہلوان جی کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرتا تھا۔ وہ بات کی تہ تک پہنچ گئے اور بولے۔ ”تم ٹھیک کہوت ہو۔ جڑیں ختم نا ہیں ہوئیں اور ہیڈ مالی بھی ابھی زندہ ہے۔ یعنی وہی سؤر کا تخم جان ڈیکر۔“

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

"جان ڈیکر نہیں، جان ڈیرک۔" میں نے تصحیح کی۔
میرے ذہن میں کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ میرا اندازہ غلط بھی ہوسکتا تھا مگر پرنس نے نرسری اور بچوں کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ ہر بچہ ان کے لیے بے حد قیمتی ہے۔ پرنس جیسا شخص کوئی تعلیمی ادارہ کھولنے سے تو رہا۔ یقیناً یہ کوئی اور بات تھی۔ سومو کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ اس نے کہا تھا۔ "ان کو تو کسی "برن یونٹ" میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن چلو میں کوشش کرتا ہوں۔"

کیا کوئی حادثہ ہوا تھا جس میں کچھ لوگ یا کچھ بچے جل گئے تھے اور انہیں فوری طبی امداد کی ضرورت تھی اور اگر یہ بچے تھے تو پھر کون تھے؟ کہیں وہ انہی شیطان زادوں کی کوئی اگلی کڑی تو نہیں تھی؟ گوشت پوست کی وہی قاتل مشینیں جنہوں نے ایک عرصے سے ٹیکساری گینگ کے مخالفین پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا...... نہایت خطرناک "انٹیلیجنٹ بدمعاش ایول" کے اسپرم سے جنم لینے والے وہی انسان نما جانور جن کی سفاکی کی مثال ملنا مشکل تھی۔

میرے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ پن ہول کیمرا اپنی جگہ موجود تھا اور ٹھیک کام کررہا تھا۔ تاہم کیمرا وہ کارکردگی نہیں دکھا پارہا تھا جو اسے دکھانا چاہیے تھی۔ پرنس سومو کا زیادہ تر وقت اس اپارٹمنٹ کے دوسرے کمروں میں گزررہا تھا۔ چند دنوں تک اس کے پہاڑ جیسے جسم کے اندر سے "لیپوسکشن" کے ذریعے فالتو چربی بھی نکالی جانے والی تھی۔

میں نے سوچا کہ اگر کیمرا کوئی خاطرخواہ کارکردگی نہ دکھا سکا تو پھر گھی نکالنے کے لیے انگلیاں ٹیڑھی کرلی جائیں۔ یعنی براہِ راست پرنس سومو کو چھاپ لیا جائے اور اس کے تربوز جیسے کھوپڑے پر پستول رکھ کر اس سے کچھ اگلوا لیا جائے...... یا پھر اس کی گردن کو کسی تیز دھار چھری کے نیچے لایا جائے۔ پہلوان جی نے میرے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہفتوں تک یہاں رہ کر انتظار کرنے کے بجائے بہتر تو یہی لگتا ہے کہ کسی طرح اس بندے کو شکنجے میں کس لیا جاوے اور میں تمہیں بتادوں ایسے بندوں کا بس جسم ہی جسم ہووت ہے، زور کچھ ناہیں ہوتا ان میں۔ اسے چھاپنا تمہارے لیے کچھ مشکل ناہیں ہووے گا۔"

میں نے کہا۔ "پہلوان جی آپ بھی تو کافی موٹے تازے ہیں لیکن آپ میں تو زور بھی ہے۔"

"میری بات اور ہے۔ دراصل......" وہ بات کرتے کرتے رک گئے۔ غور سے میری طرف دیکھا۔ جیسے سمجھنے کی کوشش کررہے ہوں کہ میں نے مذاق تو نہیں کیا۔ پھر ذرا ڈھیلے لہجے میں بولے۔ "اچھے جسم کے لیے اچھی خوراک بہت ضروری ہے۔ ایک پہلوان کی مناسب خوراک کے واسطے کم ازکم دو ہزار روپیا روزانہ کا چاہیے ہووت ہے۔ اب تم خود ہی سوچو چار بچوں اور بیوی کا پیٹ پالنے والا حق حلال کی کمائی سے اپنے لیے دو ہزار روز کا کہاں سے لاوے گا۔ بلکہ میں تو سمجھت ہوں کہ اگر میرا گھر خراب ہوا ہے اور گھروالی عرصے سے روٹھ کر میکے میں بیٹھی ہوئی ہے تو اس کی اصل وجہ بھی خرچوں کی زیادتی ہے۔"

"آپ نے "ہڈی جوڑ" کا کام بھی تو چھوڑ دیا ہے۔"

"ہڈی جوڑ کا کام اب باقی ہی کہاں رہا ہے؟ کبڈی اور کشتی وغیرہ میں چوٹیں لگتی تھیں، یہ کھیل اب کم کم ہی ہووت ہیں۔ ڈانگ سوٹے کی لڑائی تو ویسے ختم ہوگئی ہے۔ بسنت اور گڈی بازی بھی اب ناہیں ہوتی۔ آجا کے موٹر سائیکل سے گرنے والوں کا تھوڑا بہت آسرا ہووت تھا، یہ لوگ بھی اب سیدھے ڈاکٹروں کی طرف بھاگت ہیں، اپنا بیڑا غرق کروانے کے لیے۔ چاند گڑھی تک میں ایک دو ڈاکٹر آکر بیٹھ گئے ہیں۔" پہلوان جی نے اداس شکل بنائی۔

میں نے کئی دفعہ مالی طور پر پہلوان جی کی اعانت کی کوشش کی تھی مگر ان میں خودداری بدرجۂ اتم موجود تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے وہ زیور بھی کبھی استعمال نہیں کیا تھا جو [illegible] دیا تھا۔ پہلوان جی حساس بھی بہت تھے۔ مثلاً کئی برس گزرنے کے باوجود وہ ابھی تک یہ بات بھولے نہیں تھے کہ راوی فارم میں انہوں نے ایک نابینا ملازم کو غلطی سے دھوکے باز سمجھا اور مارا۔ وہ ہرجانے کے طور پر اپنی بچت میں سے اس نابینا کو ڈیڑھ دو ہزار روپیا دے چکے تھے اور اب بھی مطمئن نہیں تھے۔ کئی دفعہ دکھی انداز میں یہ شعر پڑھ چکے تھے۔ ہر روز پندرہ دی دفعہ خود کو پھٹکارا ہے...... نابینا کو مارا ہے، نابینا کو مارا ہے۔ درحقیقت یہ عام سادہ سا بندہ، انسان دوستی، بے لوث محبت اور دلیری جیسی بہت سی خوبیوں سے مالا مال تھا۔ اب بھی وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر یہاں میرے ساتھ موجود تھا اور ہر اوکھلی میں سر بھی دے رہا تھا۔

پہلوان جی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "شاہ زیب! میں تو کہوت ہوں کہ دو چار دن تک اس کیمرے کو دیکھا جائے۔ اس دوران میں اس سومو پہلوان کا آپریشن بھی ہوجاوے گا۔ اگر کیمرے کی طرف سے کوئی

اچھا رزلٹ نہ نکلا تو پھر پہلوان کو دبوچ لیا جائے۔ جب موت کا فرشتہ اس کی نظروں کے سامنے پھڑپھڑاوے گا تو یہ سب کچھ اگل دیوے گا۔"

"لیکن پہلوان جی، ہمیں اس کے خطرناک گارڈز کو بھی تو دیکھنا پڑے گا...... اور پھر یہاں ہر طرف سی سی ٹی وی کیمرے بھی لگے ہوئے ہیں۔"

پہلوان جی نے اپنا سر اثبات میں ہلایا اور ان کا جوش کچھ ٹھنڈا پڑتا محسوس ہوا۔ میں نے موبائل فون کی اسکرین پر نگاہ دوڑائی۔ کیمرے کا فریم خالی پڑا تھا۔ چھوٹی موٹی [illegible] کے سوا کوئی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ میں نے کہا۔ "پہلوان جی! آپ کے کردار میں پرنس سومو کو کافی دلچسپی محسوس ہوئی ہے۔ میرے خیال میں پرنس کے ساتھ [illegible] اپنا رابطہ کچھ اور بڑھانا چاہیے۔ ہم اس سے جتنا قریب رہیں گے، جان ڈیرک کا کھوج لگانے میں اتنی ہی آسانی رہے گی۔"

پہلوان جی [illegible] میرے خیال کی تائید کی۔

یہ تیسرے روز کی بات ہے۔ رات کے دس بجے تھے۔ ہمیں اس میڈیکل سینٹر میں آئے سات روز ہوچکے تھے۔ ان سات دنوں کا خرچہ ہوشربا تھا۔ پہلوان جی کو [illegible] جو ادویات دی جاتی تھیں [illegible] جو [illegible] جارہے تھے ان سے وہ سخت [illegible] والا تھا جس [illegible] اب ورزشوں کا ایک سلسلہ بھی شروع ہونے کو تھا۔ "وزن" کے بارے میں پہلوان جی کا خیال تھا، یہ ان کے خلاف ایک سازش ہے اور وہ اسے کسی طور برداشت نہیں کریں گے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے بھی ان کی منت سماجت کی تھی اور انہیں راہِ راست پر لاتے میں مجھے بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ انہوں نے گہری سانس لے کر فرمایا تھا۔ "میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ ایک میان کے اندر دو بھینسیں بانسری ناہیں بجاسکتیں۔ ایک دیسی بندے کو ولایتی ورزشوں اور دواؤں سے نقصان ہوسکتا ہے فائدہ ناہیں۔ ایسے ہی ولایتی ڈاکٹروں کے بارے میں کہا جاوت ہے کہ [illegible] ہیم اور منہ میں رام رام......"

میں اور پہلوان جی سونے کی تیاری کررہے تھے جب ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ کہیں پاس سے ہی فائرنگ کی خوفناک آواز آئی تھی۔ پہلے رائفل کا ایک طویل برسٹ چلا، پھر پسٹل کے چار پانچ فائر اوپر تلے ہوئے، تب ایک بار پھر آٹومیٹک رائفلوں کے دو تین چھوٹے برسٹ سنائی دیے۔

میڈیکل سینٹر کے اندر خطرے کے سائرن گونجنے لگے۔ میں اور پہلوان جی اپنے سوئٹ سے باہر آئے تو سینٹر کے مسلح گارڈز نے ہمیں روک لیا۔ "نہیں سر، ابھی آپ باہر نہیں نکلیں۔ خطرہ ہے۔" ایک اٹالین گارڈ نے میرے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شاید کوئی مسلح شخص سینٹر میں گھس آیا ہے۔ گولیاں چلا رہا ہے۔" گارڈ ہانپی ہوئی آواز میں بولا۔

اردگرد بھگدڑ سی محسوس ہورہی تھی۔ کئی افراد بلند آواز میں چلا رہے تھے اور بھاگ دوڑ کررہے تھے۔ "مین گیٹ بند کردو۔" کسی کی پکارتی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

ہمارا راستہ روکنے والا گارڈ اس آواز کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے وہاں سے نکلنے اور جائے وقوعہ کی طرف جانے کا موقع مل گیا۔ پہلوان جی بھی میرے پیچھے آئے۔ انہوں نے کہا۔ "مجھے لگت ہے کہ فائرنگ پرنس والے کمروں کی طرف ہوئی ہے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ ہلچل کا مرکز وہی جگہ نظر آتی تھی۔ فائرنگ اب رک گئی تھی، مگر ہراس کی فضا گمبھیر ہوتی جارہی تھی۔ ہم اس وی آئی پی پورشن کے قریب پہنچے تو میڈیکل سینٹر کی سیکیورٹی نے ہمیں روک دیا۔ تاہم ایک ٹوٹی ہوئی کھڑکی کے شیشے سے اندر کا جو منظر نظر آیا، اس نے مجھے بُری طرح ٹھٹکا دیا۔ کمرے کے اندر جو لاش پڑی تھی، وہ کسی اور کی نہیں پرنس سومو کی تھی۔ اس کے جسم پر فقط ایک نیکر تھی۔ گوشت اور چربی کا وہ پہاڑ، اوندھے منہ قالین پر پڑا تھا اور لہولہان دکھائی دے رہا تھا۔ پرنس سومو کے دو ذاتی گارڈز بھی لاشوں کی صورت اختیار کرچکے تھے۔ ایک کی لاش لابی میں اور دوسرے کی کمرے کے اندر ہی پڑی تھی۔

اندازہ ہورہا تھا کہ حملے کے وقت پرنس سومو حسبِ معمول مساج کروا رہا تھا۔ میڈیکل سینٹر کا سیکیورٹی انچارج بھاگتا ہوا موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے دھواں دھواں چہرے والے ایک گارڈ سے پوچھا۔ "کیسے ہوا یہ سب؟"

گارڈ بولا۔ "سر! محترم پرنس کے ذاتی گارڈز میں سے ہی ایک نے ان پر گولیاں چلائی ہیں۔ باقی دو گارڈز نے ان کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک مارا گیا ہے، دوسرا زخمی ہے۔"

"اور حملہ آور؟" سیکیورٹی آفیسر نے پوچھا۔

https://www.urdutubes.com/

گارڈ نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے لرزتی آواز میں کہا۔ ''وہ اندر پڑا ہے۔ وہ بھی مارا گیا ہے جی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے۔ پرنس پر فائر کرتے ہوئے۔''

اسی دوران میں دو تین افراد کسی زخمی کو ہاتھوں میں اٹھائے باہر لائے اور ایک ایمبولینس میں ڈال دیا۔ یہ جاپانی خدوخال والا ایک خواجہ سرا تھا۔

مزید ایمبولینس گاڑیوں کے ہوٹر بھی سنائی دے رہے تھے۔ سینٹر میں موجود خطرے کا سائرن بھی مسلسل گونج رہا تھا۔ میں اور پہلوان حشمت سکتہ زدہ کھڑے تھے۔ ہم سومو نامی گینگسٹر کے حوالے سے کیا پروگرام بنا رہے تھے اور وہ آناً فاناً موت کی آغوش میں چلا گیا تھا۔ میرا دھیان سیدھا گینگ کی آپس کی لڑائی کی طرف ہی جا رہا تھا۔ یہ لوگ چن چن کر ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے۔

پہلوان نے حیرت کے حصار سے نکلتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیا ہو گیا ہے، اتنی زیادہ سیکیورٹی میں بھی یہ موٹا مارا گیا...... اور وہ گارڈ تو کہہ رہا تھا کہ باہر سے کوئی مسلح شخص اندر گھسا ہے؟''

''نہیں، ایسا نہیں ہوا۔ بہت سخت سیکیورٹی ہے۔ یہ سارا کام اندر سے ہی ہوا ہے۔ محافظ ہی قاتل بن گیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

☆☆☆

میڈیکل ویٹ لاس سینٹر میں رہنا اب بیکار تھا۔ ہم وہاں سے ڈسچارج ہو کر دارج داراب کے مقامی منیجر جمشید ملک کے پاس واپس آ گئے۔ انڈر ورلڈ کا ایک اور سپر اسٹار موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ اس خبر نے نیوز میں اچھی خاصی جگہ بنائی تھی۔ ایسے شخص کی موت پر افسوس تو نہیں ہونا چاہیے لیکن ہمیں ایک دوسرے زاویے سے افسوس ہو رہا تھا۔ ایک کلیو ہماری گرفت سے نکل گیا تھا۔ ایک دو موہوم اشارے دے کر یہ ''پرنس سومو نامی بندہ'' ہماری نگاہوں سے مکمل طور پر اوجھل ہو گیا تھا۔ پتا نہیں کہ اس کی لاش کہاں گئی، اسے کہاں دفنایا یا جلایا گیا؟ اس کے لواحقین اور متاثرین کون تھے؟ سب کچھ ایک دبیز پردے کے پیچھے چھپا رہا۔ جمشید ملک کو بھی اس سلسلے میں کوئی کھوج نہیں مل سکا۔

جو موہوم اشارے پرنس سومو کے حوالے سے مل سکے تھے، ان کا تعلق اسی وڈیو کلپ سے تھا جو ہمیں اسپائی کیمرے کے ذریعے حاصل ہوا تھا۔ سومو نے اپنے کسی ماتحت سے بات کرتے ہوئے اورنج رنگ کی اوڈی گاڑی اور کسی ٹویل نامی جگہ کا ذکر کیا تھا۔

پہلوان حشمت، جمشید ملک اور میں لنچ کے بعد بیٹھے اسی سلسلے میں سوچ بچار کر رہے تھے۔ جمشید ملک نے کہا۔ ''روم ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں سیکڑوں کی تعداد میں اوڈی گاڑیاں ہوں گی...... لیکن ایک بات ہمارے لیے فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے۔ آپ نے اورنج کلر کا ذکر کیا ہے۔ یہ کلر زیادہ نظر نہیں آتا اور شاید زیادہ پسند بھی نہیں کیا جاتا۔ ایسی کاروں کی تعداد زیادہ نہیں ہوگی۔ کیا پتا کہ پورے شہر میں ایسی پندرہ بیس اوڈی کاریں ہوں۔''

جمشید کی بات سمجھ میں آ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''تم کہنا چاہتے ہو کہ رجسٹریشن ریکارڈ کے ذریعے مطلوبہ گاڑی کا سراغ لگایا جا سکتا ہے؟''

''بالکل...... یہ ممکن ہے۔ ایسی معلومات حاصل کرنا بہت زیادہ مشکل نہیں ہے۔ یہاں میرا ایک مقامی دوست ہے جو اس سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ میں آج ہی اس سے رابطہ کرتا ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''دوسرا سراغ یہ TWELL نامی جگہ ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ کوئی اسپتال یا پرائیویٹ کلینک وغیرہ ہوگا؟''

''جو کچھ آپ نے بتایا ہے اس سے تو یہی [illegible] کی ہے اور اپنے مخاطب سے کہا ہے کہ وہ اسے ٹویل سے پک کر لے۔''

پہلوان حشمت نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے کہ گاڑی کا کھوج لگانے سے اسپتال کا کھوج لگانا زیادہ آسان ثابت ہووے گا۔''

''لیکن یہ کوئی بڑا اسپتال تو نہیں ہوگا۔'' جمشید ملک نے یقینی انداز میں کہا۔ ''ایسا کوئی نام میں نے ابھی تک نہیں سنا، ہاں کوئی چھوٹا اسپتال یا پرائیویٹ کلینک ضرور ہو سکتا ہے...... ویسے اس لفظ ''ٹویل'' کا مطلب بھی پلے نہیں پڑ رہا۔''

''انٹرنیٹ سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔'' میں نے کہا۔

جمشید نے اثبات میں سر ہلایا پھر سگریٹ کا طویل کش لے کر متفکر انداز میں بولا۔ ''تباہ حال ہونے کے باوجود ٹیکساری گینگ کا کچھ نہ کچھ اثر و رسوخ موجود ہے۔ اب دیکھیں، کچھ پتا نہیں چل پایا کہ میڈیکل سینٹر میں مرنے والوں کی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کہاں ہوا، پوسٹ مارٹم کے بعد انہیں کہاں لے جایا گیا اور دفنایا گیا؟ سب کچھ تاریکی کے پردے میں چلا گیا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''یہاں تمہارے اٹلی میں بھی دو نمبریاں کچھ کم نہیں ہیں...... بلکہ شاید ایشیائی ملکوں سے بھی کچھ زیادہ ہی ہیں۔''

اگلے چھ سات روز تک جمشید ملک نے کافی دوڑ دھوپ کی۔ وہ اپنے سارے مقامی رابطوں کو حرکت میں لے آیا مگر دونوں پہلوؤں سے ہم کوئی کھوج نہ پا سکے۔

پاکستان میں داؤد بھائی سے بھی گاہے بگاہے رابطہ ہو رہا تھا اور دارج داراب سے بھی۔ دارج کو اپنے اس منیجر پر بہت اعتماد تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی مدد سے ہم جان ڈیرک کا کوئی نہ کوئی سراغ پا ہی لیں گے۔ میرا خیال ایسا نہیں تھا۔ ٹیکساری والے بہت اعلیٰ پائے کے مکار مجرم سمجھے جاتے تھے۔ ان تک پہنچنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

کسی وقت میں تنہا بیٹھا ہوتا تو میرا دھیان مینشن کے اندر ہونے والی مار دھاڑ کی طرف چلا جاتا۔ فخر اور فارس کا خونی مقابلہ اور اس مقابلے میں فارس کی موت کا منظر میرے ذہن سے نکلتا ہی نہیں تھا۔ پھر باناوانی کا جان لیوا طور پر زخمی ہونا اور مینشن سے اوجھل ہو جانا [illegible] اور فخر [illegible] قسطینا کا فارس [illegible] وصول کرنا اور اس کی آنکھوں میں کرب کے طویل ہوتے ہوئے سائے، وہ سب مناظر نہ بھولنے والے تھے۔ چھوٹی سی ایک اور بات بھی کئی دفعہ ذہن میں آئی تھی۔ مینشن میں فائرنگ کے دوران میں جب میں [illegible] بھاگتا ہوا باہر نکلا تھا تو باناوانی کی ایک ماتحت [illegible] نے مجھے للکارا تھا اور ہالٹ ہالٹ پکارا تھا مگر اس [illegible] کے باوجود مجھ پر فائر نہیں کیا تھا۔ اس کی کوئی وجہ بھی ہو سکتی تھی مگر یہ بھی ممکن تھا کہ ایک موقع پر میری طرف سے اچھے سلوک کی وجہ سے اس نے مجھے رعایت دی ہو۔

[illegible] کہ جاماجی میں قسطینا اب کہاں اور کس حال میں تھی۔ میں نے چار پانچ دفعہ اس سے رابطے کی کوشش کی تھی۔ ایک مرتبہ سیٹلائٹ فون بھی استعمال کیا تھا مگر کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ایک روز زینب اور ابراہیم سے میرا رابطہ ہو گیا۔ ابراہیم کی خیر خیریت دریافت ہوئی۔ وہ اب مکمل طور پر صحت یاب تھا۔ اس نے اپنے خون میں موجود زہر کو شدید ترین فاقہ کشی کے ذریعے ملیامیٹ کر دیا تھا، اور یہ سب کچھ اس کی انتہا کی زینب سے محبت کی وجہ سے ہی ممکن ہو سکا تھا۔ ابراہیم بھی انیق کی بے وقت موت اور سردار سجاول کی بینائی ختم ہونے کے سبب افسردہ تھا۔ اس نے اپنے افسوس کا اظہار کیا۔ زینب کی زبانی قسطینا کی صورتِ حال کا پتا چلا۔ اس نے بتایا کہ وہ جاماجی میں نہیں ہیں۔ یہاں بہت غمگین رہتی تھیں، کچھ دن کے لیے جزیرے سے باہر چلی گئی ہیں۔''

''کہاں؟''

''ٹھیک سے بتایا تو نہیں، کہتی تھیں کہ کچھ دن کہیں بڑے سکون کے ساتھ خاموشی سے رہنا چاہتی ہوں۔''

''میں نے انہیں کئی بار فون کیے مگر رابطہ نہیں ہوتا۔'' میں نے زینب کو بتایا۔

''وہ اپنا پہلے والا فون یہیں چھوڑ گئی ہیں۔ کوئی نیا فون اور نیا نمبر ہے اُن کے پاس۔'' زینب نے جواب دیا۔

''تمہیں معلوم ہے نمبر؟''

وہ بولی۔ ''معلوم تو ہے...... لیکن...... خیر آپ کو تو بتا ہی سکتی ہوں۔ دراصل انہوں نے کسی کو بھی نمبر دینے سے منع کر رکھا ہے۔ بہت اداس رہتی ہیں آج کل، ایک دن انہوں نے......'' وہ کہتے کہتے ایک دم خاموش ہو گئی۔

''بات مکمل کرو زینب، شش و پنج میں ڈال رہی ہو۔''

وہ ذرا ہچکچا کر دھیمی آواز میں بولی۔ ''شاہ زیب بھائی، ایک روز میں اُن کے ذاتی کمرے میں گئی۔ وہاں چھوٹے چھوٹے پوسٹرز کے بے شمار ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان بیٹھی رو رہی تھیں۔ میں یہ دیکھ کر...... حیران ہوئی...... کہ وہ آپ اور قسطینا کی تصویروں کے پوسٹر تھے۔ آپ نے بتایا تھا ناں کہ جب آپ جاماجی سے پاکستان واپس گئے تھے تو قسطینا نے آپ کی الوداعی دعوت کی تھی، اس نے آپ سے لڑائی کے داؤ پیچ سیکھے تھے اور ریکارڈنگ وغیرہ بھی کی تھی۔ یہ وہی تصویریں تھیں، انہوں نے کہیں سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔''

میں خاموش رہا۔

زینب بولی۔ ''وہ روتے ہوئے مجھ سے کہنے لگیں۔ 'زینب، میں نے چاہا کسی اور کو، شادی کسی اور سے کی، شاید اسی کی سزا مجھے فارس کی موت کی شکل میں ملی ہے......' وہ آج کل عجیب سی کیفیت میں ہیں، عدت کی مدت پوری کیے بغیر ہی کہیں چلی گئی ہیں۔''

''ان کا فون نمبر دو زینب۔''

زینب نے فون نمبر دے دیا۔ میں یہ دیکھ کر حیران

https://www.urdutubes.com/

ہوا کہ یہ کسی دور دراز ملک کا نہیں بلکہ سارڈینیا کا نمبر تھا۔ وہ یہاں قریب ہی موجود تھی۔ زینب کو بھی پتا نہیں چلا تھا کہ یہ کہاں کا نمبر ہے۔ اسی روز سہ پہر کو میں نے جمشید ملک کے نمبر سے اسے سارڈینیا کال کی۔ شروع میں تو فون نہیں اٹھایا گیا مگر تیسری چوتھی کال پر قسطینا کی دھیمی سی رعب دار آواز ابھری۔ ''ہیلو، کون؟''

''قسطینا، فون بند نہ کرنا۔ یہ میں ہوں شاہ زیب! بہت اہم بات کرنی ہے۔''

دوسری طرف کئی سیکنڈ خاموشی رہی۔ مجھے شک گزرا کہ کہیں اس نے فون ہی تو بند نہیں کر دیا پھر وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''شاہ زیب! میرا نمبر کہاں سے ملا تمہیں؟''

''جہاں سے بھی ملا لیکن مل تو گیا، یہ آپ نے کیا حرکت کی ہے۔ یہاں سارڈینیا آکر بیٹھی ہوئی ہیں......''

''کوئی خاص بات نہیں شاہ زائب، بس کچھ دن اکیلے میں گزارنا چاہتی ہوں۔''

''مگر وہاں آپ کی فورس کا کیا بنے گا، آپ چیف ہیں؟''

''میں نے عارضی طور پر چارج ایک تجربہ کار جنرل کے سپرد کر دیا ہے۔'' اس کی آواز میں نقاہت اور پژمردگی تھی۔

پھر وہ ایک دم چونک کر بولی۔ ''تم کہاں ہو؟'' یقیناً اس نے میرا نمبر دھیان سے دیکھا تھا۔

''اتفاقاً آپ کے کافی قریب موجود ہوں، اٹلی میں۔''

''کس شہر میں؟''

''روم میں، یہاں سے آپ تک اسپیڈ بوٹ پر بمشکل ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہوگا۔''

وہ چپ سی ہو گئی پھر ذرا حیرانی سے کہنے لگی۔ ''تم یہاں کیسے آئے ہو؟''

''آپ کی اداسی دور کرنے کے لیے۔''

''بے پر کی مت اُڑاؤ شاہ زائب! یقیناً تم کسی اور چکر میں ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ...... ہاناوانی ابھی زندہ ہو...... اور یہاں پائی جا رہی ہو؟''

''بات تو کچھ اسی طرح کی اہم ہے، لیکن میں اس طرح فون پر آپ کو تفصیل سے نہیں بتا سکتا۔''

''نہ ہی بتاؤ تو اچھا ہے۔''

''مگر آپ کو بتانا ضروری ہے۔ اسی لیے تو فون کیا ہے۔''

''نہیں شاہ زائب! میں ابھی کچھ ہفتوں تک بالکل ڈسٹرب ہونا نہیں چاہتی۔'' اس کی آواز کی شکستگی نے مجھے بے چین کر دیا۔ وہ میری خاطر پاکستان گئی تھی اور وہاں سے اتنا بڑا دکھ لے کر لوٹی تھی۔ میں اس عالم میں اسے یوں تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

''آپ سے ملنا بہت ضروری ہے قسطینا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ وہ کچھ دیر مجھے ٹالنے کی کوشش کرتی رہی پھر نیم رضامندی کے انداز میں خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

اور اب میں سارڈینیا میں موجود تھا۔ یہ روم سے کچھ ہی فاصلے پر ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ یہ اپنے پُرسکون ماحول، خوب صورت ساحلوں اور ماربل کی وجہ سے جانا جاتا ہے، میں اور قسطینا ایک ساحلی ہوٹل کے نہایت خوب صورت سرسبز لان میں بیٹھے تھے۔ دس پندرہ میٹر کے فاصلے پر سمندر کا جاگ اُڑاتا پانی دعوتِ نظارہ دیتا تھا۔ چمکیلی دھوپ کی خوشگوار تمازت نے وہاں بیٹھنے کو، اور خاموشی سے سمندر پر نگاہ دوڑانے کو ایک دلچسپ تفریح بنا دیا تھا۔ خاموشی طویل ہوئی تو میں نے قسطینا کی طرف دیکھا۔ اس کے بوائے کٹ بال اب کچھ بڑے ہو چکے تھے اور ڈیانا کٹ کی شکل اختیار کر گئے تھے [illegible] کبھی کبھار بالکل چھوٹے ٹاپس اس کے کانوں میں دکھائی دیا کرتے تھے۔ اب بھی وہ اس کے سلکی بالوں کے نیچے اپنی جھلک دکھا رہے تھے۔ اس نے کسی کرکٹر کی طرح سفید شرٹ اور سفید پتلون پہن رکھی تھی۔ اس کی بائیں کلائی پر مندمل ہوتے ہوئے زخموں کے ایک دو نشان تھے۔ (یہ اسی خوفناک لڑائی کی نشانیاں تھیں جو کلر کہار کے ویرانے میں قسطینا اور ریڈ کیٹ کے درمیان ہوئی تھی)

''کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' میں نے پوچھا۔

''یہی کہ میں اتنی دور کیوں چلی آئی؟ شاید اس لیے کہ میں اندر سے بے سکون ہوں۔''

''اور میں مزید بے سکون کرنے کے لیے یہاں آ گیا۔''

''یہ تو ہے۔'' اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور ہوا نے اس کے بالوں کو زوردار ہلکورا دے کر اس کے گلابی چہرے پر بکھیر دیا۔ وہ بالوں کو پیچھے ہٹاتی ہوئی بولی۔ ''میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ تم یا کوئی اور قریبی جاننے والا میرے اس قدر نزدیک وہاں روم میں موجود ہوگا۔''

وہ ذرا چونک کر بولی۔ ''فخر اب کیسا ہے؟''

''پرسوں یہاں آپ کے پاس آنے سے پہلے بھی میری لاہور میں لودھی اور رضوان سے بات ہوئی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کی حالت تیزی سے بہتر ہو رہی ہے۔ اس کا برہم مزاج اب دھیما پڑ رہا ہے۔ کسی وقت رونے لگتا ہے۔ اپنے ماحول کو اور ساتھیوں کو اس نے پہچاننا شروع کر دیا ہے۔''

''وہ...... جانتا ہے کہ اُس نے فارس کو مارا ہے؟''

''نہیں قسطینا...... جو وقت اس نے ٹرانس کی حالت میں گزارا ہے، اس کے بارے میں تقریباً بے خبر ہے۔ رضوان بتا رہا تھا کہ فارس کے علاوہ میرے اور بنارس کے بارے میں بھی بار بار پوچھتا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔''

قسطینا ایک آہ بھر کر خاموش ہو گئی۔ میں اپنے اور قسطینا کے لیے گرین ٹی لینے کے لیے ایک قریبی کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ اسی دوران میں 600 ہارس پاور کی ایک نہایت ہیوی موٹر بائیک پر سوار دو نوجوان قسطینا کے سامنے سے گزرے۔ یہ لمبے بالوں اور کرخت چہروں والے اٹالین لوفر لگتے تھے۔ انہوں نے قسطینا کو دیکھ کر سیٹی بجائی۔ انداز چھیڑنے والا ہی تھا۔

قسطینا نے ان پر توجہ نہیں دی۔ کچھ آگے جا کر وہ پھر واپس آ گئے۔ ان پر مستی سوار تھی۔ انہیں کیا پتا تھا کہ وہ جس پر لائن مارنے کی کوشش فرما رہے ہیں، وہ ایک آرمی کو ہیڈ کرتی ہے...... آگ اور بارود سے کھیلنے والی ایک دبنگ جنگجو...... اگر وہ ان لڑکوں کی وجہ سے مشتعل ہو جاتی تو وہ یقیناً کچھ دیر بعد اسٹریچرز پر نظر آتے۔ بہرحال ان کی قسمت اچھی تھی۔ انہوں نے اس مرتبہ بھی سیٹی بجانے اور ایک آدھ فقرہ اچھالنے پر اکتفا کیا۔ پھر بھونروں کی طرح بھیں بھیں کرتے کسی اور طرف نکل گئے۔

چائے پیتے ہوئے میں نے قسطینا سے کہا۔ ''میں نے کل بھی آپ سے کافی سر کھپایا ہے، آج بھی یہی کہوں گا، یہاں اکیلے رہنے کے بجائے میرے ساتھ روم چلیں، بڑا مزیدار بارونق شہر ہے۔ پہلوان حشمت اور جمشید بھی ہیں وہاں...... آپ کا دل بہل جائے گا۔ ہم گرتی ہوئی دیواروں پر ایک اور ضرب لگانے کی کوشش بھی کریں گے۔''

''گرتی ہوئی دیواریں؟ کیا مطلب؟'' اس نے بھویں اچکائیں۔

''وہی ٹیکساری گینگ کی باقیات۔ میرا دل کہتا ہے کہ جان ڈیرک وہیں روم میں کہیں موجود ہے۔ میں نے آپ کو

''اگر قدرت نے اس طرح کا کچھ کیا ہے تو شاید ہم دونوں کے لیے اس میں کوئی بھلائی پوشیدہ ہو۔ آپ کا موڈ جس طرح کا ہو رہا ہے کیا پتا کسی دن آپ مایوسی کے عالم میں ہوٹل سے نکل کر سیدھا چلتی جاتیں اور خود کو لہروں کے سپرد کر دیتیں۔''

''نہیں خیر، اتنی بھی کمزور نہیں ہوں میں۔ سنبھلنا جانتی ہوں۔ تمہیں اچھی طرح پتا ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

''جاماجی کی سلامتی آپ کے سنبھلنے سے ہی مشروط ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہاناوانی اگر زندہ بچ گئی تو زخمی بلا کی شکل اختیار کر جائے گی اور اگر مر گئی ہے تو بھی اس کے وارث مزید زہریلے ہو کر خطرناک کارروائیاں کر سکتے ہیں۔ وہاں جاماجی میں ابراہیم ناتجربہ کار ہے۔''

''تم مجھے یہ بتانے کی کوشش نہ کرو کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں جاماجی کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہوں اسی لیے یہاں موجود ہوں۔ کیا تم جہاں سے آئے ہو وہاں کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہو؟'' اس کا اشارہ پاکستان اور لاہور کی طرف تھا۔

''میں وہاں کے حالات سے مکمل باخبر ہوں قسطینا، [illegible] نہ ہی دوبارہ جنوبی پرندوں کی جھلک نظر آئی ہے۔''

قسطینا نے ذرا توقف سے کہا۔ ''ہاناوانی ایک بداخلاق ترین عورت ہے، اس کی اسی بداخلاقی نے تمہیں اس کے بیڈروم تک پہنچانے میں کردار ادا کیا۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ جان سے چلی گئی ہے...... یا پھر جان لیوا طور پر زخمی ہوئی ہے اور عرصے تک دوبارہ اپنی پہلی والی پوزیشن میں نہیں آپائے گی۔''

''میں جانتا ہوں، اس کے زخم بہت کاری تھے۔ ماہر ہپناٹسٹ جسمانی طور پر بیمار یا کمزور ہوتا ہے تو اس کی ٹرانس دینے کی طاقت بھی متاثر ہو جاتی ہے۔''

قسطینا نے میری جانب ستائش کی نظروں سے دیکھا اور بولی۔ ''ہاناوانی کے تنویمی عمل کا مقابلہ کرنا اور اس کے ٹرانس میں ہو کر بھی اس کے ٹرانس میں نہ ہونا تمہاری بہت بڑی کامیابی تھی۔''

''بس یہ شدید جسمانی درد کے ذریعے اپنے ذہن کو ٹھکانے رکھنے کا ایک عمل تھا۔'' میں نے اپنے زخمی انگوٹھے کو سہلاتے ہوئے کہا۔

https://www.urdutubes.com/

''نہیں شاہ زائب! میں ابھی کچھ ہفتوں تک بالکل ڈسٹرب ہونا نہیں چاہتی۔'' اس کی آواز کی شکستگی نے مجھے بے چین کردیا۔ وہ میری خاطر پاکستان گئی تھی اور وہاں سے اتنا بڑا دکھ لے کر لوٹی تھی۔ میں اس عالم میں اسے یوں تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

''آپ سے ملنا بہت ضروری ہے قسطینا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ وہ کچھ دیر مجھے ٹالنے کی کوشش کرتی رہی پھر نیم رضامندی کے انداز میں خاموش ہوگئی۔

☆☆☆

اور اب میں سارڈینیا میں موجود تھا۔ یہ روم سے کچھ ہی فاصلے پر ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ یہ اپنے پُرسکون ماحول، خوب صورت ساحلوں اور ماربل کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ میں اور قسطینا ایک ساحلی ہوٹل کے نہایت خوب صورت سرسبز لان میں بیٹھے تھے۔ دس پندرہ میٹر کے فاصلے پر سمندر کا جھاگ اُڑاتا پانی دعوتِ نظارہ دیتا تھا۔ چمکیلی دھوپ کی خوشگوار تمازت نے وہاں بیٹھنے کو، اور خاموشی سے سمندر پر نگاہ دوڑانے کو ایک دلچسپ تفریح بنادیا تھا۔ خاموشی طویل ہوئی تو میں نے قسطینا کی طرف دیکھا۔ اس کے بوائے کٹ بال اب کچھ بڑے ہوچکے تھے اور ڈیانا کٹ کی شکل اختیار کر گئے تھے [illegible] دیا کرتے تھے۔ اب بھی وہ اس کے سنہری بالوں کے نیچے اپنی جھلک دکھا رہے تھے۔ اس نے کسی کرکٹر کی طرح سفید شرٹ اور سفید پتلون پہن رکھی تھی۔ اس کی بائیں کلائی پر مندمل ہوتے ہوئے زخموں کے ایک دو نشان تھے۔ (یہ اسی خوفناک لڑائی کی نشانیاں تھیں جو گلر کہار کے ویرانے میں قسطینا اور ریڈکیٹ کے درمیان ہوئی تھی)

''کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' میں نے پوچھا۔

''یہی کہ میں اتنی دور کیوں چلی آئی؟ شاید اس لیے کہ میں اندر سے بے سکون ہوں۔''

''اور میں مزید بے سکون کرنے کے لیے یہاں آگیا۔''

''یہ تو ہے۔'' اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور ہوا نے اس کے بالوں کو زوردار ہلکورا دے کر اس کے گلابی چہرے پر بکھیر دیا۔ وہ بالوں کو پیچھے ہٹاتی ہوئی بولی۔ ''میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ تم یا کوئی اور قریبی جاننے والا میرے اس قدر نزدیک یہاں روم میں موجود ہوگا۔''

ہوا کہ یہ کسی دور دراز ملک کا نہیں بلکہ سارڈینیا کا نمبر تھا۔ وہ یہاں قریب ہی موجود تھی۔ زینب کو بھی پتا نہیں چلا تھا کہ یہ کہاں کا نمبر ہے۔ اسی روز سہ پہر کو میں نے جمشید ملک کے نمبر سے اسے سارڈینیا کال کی۔ شروع میں تو فون نہیں اٹھایا گیا مگر تیسری چوتھی کال پر قسطینا کی دھیمی سی رعب دار آواز ابھری۔ ''ہیلو، کون؟''

''قسطینا، فون بند نہ کرنا۔ یہ میں ہوں شاہ زیب! بہت اہم بات کرنی ہے۔''

دوسری طرف کئی سیکنڈ خاموشی رہی۔ مجھے شک گزرا کہ کہیں اس نے فون ہی تو بند نہیں کردیا پھر وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''شاہ زیب! میرا نمبر کہاں سے ملا تمہیں؟''

''جہاں سے بھی ملا لیکن مل تو گیا، یہ آپ نے کیا حرکت کی ہے۔ یہاں سارڈینیا آکر بیٹھی ہوئی ہیں......''

''کوئی خاص بات نہیں شاہ زائب، بس کچھ دن اکیلے میں گزارنا چاہتی ہوں۔''

''مگر وہاں آپ کی فورس کا کیا بنے گا، آپ چیف ہیں؟''

''میں نے عارضی طور پر چارج ایک تجربہ کار جنرل کے سپرد کردیا ہے۔'' اس کی آواز میں نقاہت اور پژمردگی تھی۔

پھر وہ ایک دم چونک کر بولی۔ ''تم کہاں ہو؟'' یقیناً اس نے میرا نمبر دھیان سے دیکھا تھا۔

''اتفاقاً آپ کے کافی قریب موجود ہوں، اٹلی میں۔''

''کس شہر میں؟''

''روم میں، یہاں سے آپ تک اسپیڈ بوٹ پر بمشکل ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہوگا۔''

وہ چپ سی ہوگئی پھر ذرا حیرانی سے کہنے لگی۔ ''تم یہاں کیسے آئے ہو؟''

''آپ کی اداسی دور کرنے کے لیے۔''

''بے پر کی مت اُڑاؤ شاہ زائب! یقیناً تم کسی اور چکر میں ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ...... باناوانی ابھی زندہ ہو...... اور یہاں پائی جارہی ہو؟''

''بات تو کچھ اسی طرح کی اہم ہے، لیکن میں اس طرح فون پر آپ کو تفصیل سے نہیں بتاسکتا۔''

''نہ ہی بتاؤ تو اچھا ہے۔''

''مگر آپ کو بتانا ضروری ہے۔ اسی لیے تو فون کیا ہے۔''

''اگر قدرت نے اس طرح کا کچھ کیا ہے تو شاید ہم دونوں کے لیے اس میں کوئی بھلائی پوشیدہ ہو۔ آپ کا موڈ جس طرح کا ہو رہا ہے کیا پتا کسی دن آپ مایوسی کے عالم میں ہوٹل سے نکل کر سیدھا چلتی جاتیں اور خود کو لہروں کے سپرد کردیتیں۔''

''نہیں خیر، اتنی بھی کمزور نہیں ہوں میں۔ سنبھلنا جانتی ہوں۔ تمہیں اچھی طرح پتا ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

''جاماجی کی سلامتی آپ کے سنبھلنے سے ہی مشروط ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''باناوانی اگر زندہ بچ گئی تو زخمی بلا کی شکل اختیار کر جائے گی اور اگر مرگئی ہے تو بھی اس کے وارث مزید زہریلے ہو کر خطرناک کارروائیاں کر سکتے ہیں، وہاں جاماجی میں ابراہیم ناتجربہ کار ہے۔''

''تم مجھے یہ بتانے کی کوشش نہ کرو کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں جاماجی کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہوں اسی لیے یہاں موجود ہوں۔ کیا تم جہاں سے آئے ہو وہاں کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہو؟'' اس کا اشارہ پاکستان اور لاہور کی طرف تھا۔

''میں وہاں کے حالات سے مکمل باخبر ہوں قسطینا، بھاؤ سے تقریباً ہر روز رابطہ ہو [illegible] دوبارہ جنوبی پرندوں کی [illegible] ہے۔''

قسطینا نے ذرا توقف سے کہا۔ ''باناوانی ایک بداخلاق ترین عورت ہے، اس کی اسی بداخلاقی نے تمہیں اس کے بیڈروم تک پہنچانے میں کردار ادا کیا۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ جان سے چلی گئی ہے...... یا پھر جان لیوا طور پر زخمی ہوگئی ہے اور عرصے تک دوبارہ اپنی پہلی والی فارم میں نہیں آپائے گی۔''

''میں جانتا ہوں، اس کے زخم بہت کاری تھے۔ ماہر کہتے ہیں کہ جب ہپناٹسٹ جسمانی طور پر بیمار یا کمزور ہوتا ہے تو اس کی [illegible] دینے کی طاقت بھی متاثر ہوجاتی ہے۔''

قسطینا نے میری جانب ستائش کی نظروں سے دیکھا اور بولی۔ ''باناوانی کے تنویمی عمل کا مقابلہ کرنا اور اس کے ٹرانس میں ہو کر بھی اس کے ٹرانس میں نہ ہونا تمہاری بہت بڑی کامیابی تھی۔''

''بس یہ شدید جسمانی درد کے ذریعے اپنے ذہن کو جگائے رکھنے کا ایک عمل تھا۔'' میں نے اپنے زخمی انگوٹھے کو سہلاتے ہوئے کہا۔

وہ ذرا چونک کر بولی۔ ''فخراب کیسا ہے؟''

''پرسوں یہاں آپ کے پاس آنے سے پہلے بھی میری لاہور میں لودھی اور رضوان سے بات ہوئی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کی حالت تیزی سے بہتر ہورہی ہے۔ اس کا برہم مزاج اب دھیما پڑ رہا ہے۔ کسی وقت رونے لگتا ہے۔ اپنے ماحول کو اور ساتھیوں کو اس نے پہچاننا شروع کردیا ہے۔''

''وہ...... جانتا ہے کہ اُس نے فارس کو مارا ہے؟''

''نہیں قسطینا...... جو وقت اس نے ٹرانس کی حالت میں گزارا ہے، اس کے بارے میں تقریباً بے خبر ہے۔ رضوان بتا رہا تھا کہ فارس کے علاوہ میرے اور بنارس کے بارے میں بھی بار بار پوچھتا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔''

قسطینا ایک آہ بھر کر خاموش ہوگئی۔ میں اپنے اور قسطینا کے لیے گرین ٹی لینے کے لیے ایک قریبی کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ اسی دوران میں 600 ہارس پاور کی ایک نہایت ہیوی موٹر بائیک پر سوار دو نوجوان قسطینا کے سامنے سے گزرے۔ یہ لمبے بالوں اور کرخت چہروں والے اٹالین لوفر لگتے تھے۔ انہوں نے قسطینا کو دیکھ کر سیٹی بجائی۔ انداز چھیڑنے والا ہی تھا۔

قسطینا نے ان پر توجہ نہیں دی۔ کچھ آگے جاکر وہ پھر واپس آگئے۔ ان پر مستی سوار تھی۔ انہیں کیا پتا تھا کہ وہ جس پر لائن مارنے کی کوشش فرما رہے ہیں وہ ایک آرمی کو ہیڈ کرتی ہے...... آگ اور بارود سے کھیلنے والی ایک دبنگ جنگجو...... اگر وہ ان لڑکوں کی وجہ سے مشتعل ہوجاتی تو وہ یقیناً کچھ دیر بعد اسٹریچرز پر نظر آتے۔ بہرحال ان کی قسمت اچھی تھی۔ انہوں نے اس مرتبہ بھی سیٹی بجانے اور ایک آدھ فقرہ اچھالنے پر اکتفا کیا۔ پھر بھونروں کی طرح بھیں بھیں کرتے کسی اور طرف نکل گئے۔

چائے پیتے ہوئے میں نے قسطینا سے کہا۔ ''میں نے کل بھی آپ سے کافی سر کھپایا ہے، آج بھی یہی کہوں گا، یہاں اکیلے رہنے کے بجائے میرے ساتھ روم چلیں، بڑا مزیدار بارونق شہر ہے۔ پہلوان حشمت اور جمشید بھی ہیں وہاں...... آپ کا دل بہل جائے گا۔ ہم گرتی ہوئی دیواروں پر ایک اور ضرب لگانے کی کوشش بھی کریں گے۔''

''گرتی ہوئی دیواریں؟ کیا مطلب؟'' اس نے بھویں اچکائیں۔

''وہی ٹیکساری گینگ کی باقیات۔ میرا دل کہتا ہے کہ جان ڈیرک وہیں روم میں کہیں موجود ہے۔ میں نے آپ کو

https://www.urdutubes.com/

بتایا تھا کہ کیمرے کی ریکارڈنگ میں اس کے ساتھی پرنس نے کسی ''ٹویل'' نامی جگہ کی بات کی تھی۔ وہ جگہ، علاقہ یا عمارت جو بھی ہے، ضرور یہ ضرور روم میں ہے۔ ہم کوشش کریں تو اسے ڈھونڈ سکتے ہیں۔''

''تو پھر کرو ناں کوشش۔ تمہارے پاس دارج کے مقامی ذرائع بھی ہیں۔''

میں نے طویل سانس لی۔ ''تو آپ نہیں جائیں گی؟''

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر کھوئی کھوئی نظروں سے سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''نہیں شاہ زائب! میں ابھی خود کو کمپوز کر رہی ہوں۔ مجھے کچھ وقت چاہیے۔''

''قسطینا! تنہائی میں خود کو کمپوز کرنے کا آئیڈیا کچھ زیادہ اچھا نہیں ہے۔ آخر کچھ تجربہ میرا بھی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ خود کو زیادہ بے سکون کر لیں۔''

''تم سائیکاٹرسٹ کب سے بن گئے؟''

''جب سے آپ کو جاماجی سے اتنی دور اس حال میں دیکھا ہے۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ پشت کی طرف سے اپنی پینٹ جھاڑتے ہوئے بولی۔ ''میں بالکل ٹھیک ہوں شاہ زائب اور اس پُرسکون ہوٹل میں مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ یہاں کوئی مجھے جانتا پہچانتا نہیں۔ میں بالکل ایک کامن پرسن کی طرح وقت گزار رہی ہوں۔''

''یعنی آپ کے نہ جانے کا فیصلہ حتمی ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

ہوٹل میں ہم دونوں کے کمرے ساتھ ساتھ ہی تھے۔ ڈنر کے بعد لابی میں بیٹھ کر ہم سمندر کا نظارہ کرتے رہے۔ چاندنی ٹھٹھری ہوئی لہروں پر رقص کرتی تھی اور جھاگ میں جذب ہو کر اسے اور بھی سفید بناتی تھی۔ میں مسلسل قسطینا کو قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ مسلسل انکار کرتی رہی۔ آخر میں اس نے فقط اتنی رضامندی ظاہر کی کہ اگر میں مزید ایک ہفتے تک روم میں رکا تو پھر وہ وہاں پہنچ سکتی ہے۔ میں جانتا تھا کہ وہ صرف ٹال رہی ہے۔ عین ممکن تھا کہ کل میرے یہاں سے نکلتے ہی وہ قریب کے کسی اور پُرسکون مقام مالٹا یا پھر سسلی کی طرف نکل جاتی۔

صبح ناشتے پر وہ بالکل گم صم تھی۔ شاید اسے بھی میری بات نہ ماننے کا افسوس تھا۔ میں نے اسے مسلسل رابطے میں رہنے کی تاکید کی۔ اس سے رخصت ہو کر میں پورٹ پر پہنچا۔ یہاں سے تیز رفتار لگژری بوٹس روم کے لیے چلتی تھیں۔ آسان آمدورفت تھی۔ بعض اوقات تو سفری کاغذات بھی چیک نہیں ہوتے تھے۔ ٹکٹ لے کر میں دیگر مسافروں کے ساتھ انتظارگاہ میں بوٹ کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی بوٹ کے آنے میں دیر تھی۔ قریباً بیس پچیس منٹ بعد مجھے چونکنا پڑا۔ میں نے قسطینا کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کا سفری سامان ایک پورٹر کے پاس تھا...... وہ آرہی تھی۔

☆☆☆

میں ایک بار پھر روم میں تھا۔ قسطینا بھی میرے ساتھ تھی۔ یہ بڑے چمکیلے دن تھے۔ روم کی سڑکوں اور گلی کوچوں میں سیاحوں کا رش تھا۔ قسطینا بھی پہلی بار روم آئی تھی۔ وہ یہاں کے تاریخی مقامات دیکھ کر قدرے حیران ہوئی۔ اور اس حیرانی نے ہی اس کا دھیان بٹانے میں بھی مدد کی۔ پہلوان کے اکثر ''اقوالِ زریں'' قسطینا کو مسکرانے پر مجبور کر دیتے تھے۔ میں ان اقوالِ زریں کا ترجمہ قسطینا کو سناتا تھا۔

دوپہر کے بعد میں اور قسطینا اور کبھی کبھی پہلوان حشمت بھی روم گردی کے لیے نکل جاتے۔ میرے چہرے پر کاسمیٹک تبدیلیاں موجود تھیں اور میں نے لباس وغیرہ میں بھی کافی چینج پیدا کیا تھا۔ مجھے یہاں پہچانے جانے کا کچھ زیادہ اندیشہ نہیں تھا۔ باقی رہے قسطینا اور پہلوان...... انہیں یہاں کس نے شناخت کرنا تھا۔ [illegible] میری نگاہ مختلف جگمگاتے سائن بورڈز کا طواف کر رہی تھی۔ شاید ایسے ہی گھومتے پھرتے ''ٹویل'' نام کا کوئی کلینک یا اسپتال وغیرہ نظر آجاتا...... یا کوئی اور ایسی جگہ جس کا تعلق اس نام سے ہوتا۔

اسی دوران میں دارج کے مقامی منیجر جمشید کا فون آگیا۔ اس نے کہا۔ ''شاہی صاحب! اورنج کلر کی آخری دو گاڑیوں کی چھان پھٹک رہ گئی تھی، وہ بھی مکمل ہو گئی ہے۔ اب تک ہمارے علم میں آنے والی چندرہ گاڑیاں تو کلیئر نکلی ہیں۔ چھ گاڑیاں ایسی ہیں جو روم میں موجود نہیں...... یا ویسے ہی لاپتا ہیں۔''

''اور ٹویل کے حوالے سے کوئی پیش رفت؟'' میں نے پوچھا۔

''بڑی حیرانی کی بات ہے جی۔ جگہ کا نام معلوم ہو جائے تو، آج کل نیٹ کے ذریعے کھوج لگانا بڑا آسان ہو جاتا ہے۔ روم کے ہر چھوٹے بڑے اسپتال، کلینک یا فارمیسی وغیرہ کا نام پتا ''نیٹ'' پر موجود ہے۔ مگر ''ٹویل'' نام سے کوئی جگہ نہیں مل رہی۔''

''اور روم سے باہر؟''

''اردگرد کے علاقوں فلورنس اور نیپلز وغیرہ میں بھی کوئی کھوج نہیں ملا۔''

''ٹھیک ہے، ہمیں کوشش تو جاری رکھنا پڑے گی۔'' میں نے فون بند کر دیا۔

''ایک نیا خیال ذہن میں آرہا ہے۔'' میں نے قسطینا سے کہا۔

''کوئی ڈھنگ کا خیال ہے تو بتاؤ۔''

''کیوں ناں میں اپنی اصل شکل اور حلیے میں آجاؤں۔ کسی بغیر چھت والی گاڑی میں بیٹھ کر پورے روم میں گھوموں...... اور گھومتا رہوں۔ اگر ٹیکساری کے کچھ لوگ روم میں موجود ہیں تو ضرور مجھے دیکھ لیں گے اور ان کے اندر کے قاتل انگڑائیاں لے کر بیدار ہو جائیں گے۔''

''میں نے کہا تھا ناں کہ کوئی ڈھنگ کا خیال ہے تو بتاؤ۔'' قسطینا نے برا سا منہ بنایا۔ ''وہ تمہارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ تمہاری پہلی جھلک دیکھتے ہی ٹھائیں سے تمہارے ناریل میں سوراخ کر دیں گے۔''

میں نے گاڑی ایک کشادہ سڑک پر [illegible] کہا۔ ''آج کل [illegible] بہت سوچ رہی ہیں۔ [illegible] بات یاد نہیں رہتی......''

''کیا مطلب؟'' اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ ہلکے رنگ کے گاگلز کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی کیفیت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''آپ تو بڑے ٹھسے سے فرماتی تھیں کہ آپ میری پرستار تھیں۔ میری فائٹس بڑے شوق سے دیکھتی رہی ہیں۔ [illegible] براہِ راست مجھ سے ملنا آپ کا سپنا تھا...... وغیرہ وغیرہ۔''

''پرستار تو میں اب بھی ہوں۔'' وہ مجھے دیکھے بغیر بولی۔ اس کے ڈیانا کٹ بال باہر کی روشنی کی وجہ سے ہلکے بھورے دکھائی دے رہے تھے۔

''مجھے تو نہیں لگتا...... یا شاید پھر آپ...... بھلکڑ [illegible]''

وہ کچھ دیر خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی، پھر ایک دم چونک کر بولی۔ ''اوہ گاڈ، میں واقعی بہت ڈسٹرب ہوں...... آج تو تمہاری برتھ ڈے ہے شاید۔ 28 تاریخ ہے ناں آج؟''

میں مسکرا کر رہ گیا۔ اس کا موڈ ایک دم بدلا ہوا نظر آنے لگا۔ اس نے اپنی کلائی گھما کر رسٹ واچ دیکھی اور بولی۔ ''گیارہ بج کر پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔ ابھی تمہاری برتھ ڈے ختم ہونے میں پورے پینتالیس منٹ باقی ہیں۔ ہم اسے ''سیلیبریٹ'' کریں گے۔ ابھی کریں گے۔''

اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ریسٹوران کا نیون سائن جگمگا رہا تھا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ دیا۔ ''چلو...... گاڑی اس طرف موڑو۔''

میں نہ نہ کرتا رہ گیا۔ وہ مجھے ریسٹوران کی پارکنگ میں لے آئی۔ ''چلو، اب نکلو باہر۔ یہ آرڈر ہے میرا۔''

ان لمحوں میں وہ واقعی ارادے کی پکی نظر آرہی تھی۔

ہم گاڑی سے نکل کر ریسٹوران میں داخل ہوئے۔ اندر کا ماحول خوب صورت تھا، مگر رش بھی کافی تھا۔ وہ بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ بھاگتی ہوئی سیدھی منیجر کے پاس پہنچی اور اس کو کچھ ارجنٹ آرڈر دیے۔ ان میں اہم آرڈر ایک کیک، چند گلدستوں اور کینڈلز وغیرہ کا تھا۔

قسطینا کا دبنگ لب ولہجہ اور اس کی عجلت نوٹ کر کے منیجر خود آفس سے نکل آیا اور ہم دونوں کے لیے ایک خالی میز کا انتظام کیا۔ میں ایک طرف کھڑا قسطینا کی بھاگ دوڑ دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا یہ وہی قسطینا ہے؟ جاماجی کی آرمی کی بارعب چیف، جاماجی کے بڑے بڑے فوجی افسر اور عمائدین جس کے سامنے مؤدب نظر آتے تھے اور جس کے ڈر سے اس کے مخالفین لرزتے تھے......؟

ان لمحوں میں وہ صرف ایک نوجوان، جذباتی لڑکی دکھائی دے رہی تھی، جس کے ذہن میں اچانک ایک بات سمائی تھی اور وہ اسے پورا کرنے پر تُل گئی تھی۔

کیک آیا تو مجھے حیرانی ہوئی۔ وہ مہنگا اور کافی بڑا کیک تھا۔ قریباً دس پاؤنڈ کا۔ ''بھئی! یہ کیا ہے۔ ہم اِسے کیسے کھائیں گے؟''

''ہم اکیلے نہیں، بہت سے کھائیں گے۔'' اس نے کہا۔

اسی دوران میں ریسٹوران کے آرکسٹرا نے برتھ ڈے کی دھن بجانا شروع کر دی اور ڈائننگ ہال کی مختلف میزوں سے اٹھ کر کئی مرد و زن ہمارے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ یہ ساری تیز رفتار ارینج مینٹ قسطینا نے ہی کی تھی۔ میں نے تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا اور وہ واقعی بہت جلد

https://www.urdutubes.com/

ختم ہو گیا۔

جب لوگ کھا کر اور ہمیں وش کر کے اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے اور اپنے اپنے حال میں مگن ہو گئے تو ہم نے ڈنر کیا۔ اٹلی کا پیزا مشہور ہے اور یہ ہمارے ڈنر کا بھی حصہ تھا۔ وہ بولی۔ ''سوری شاہ زائب! اتنی جلدی میں کوئی تحفہ تو نہیں دے سکی۔ یہ بعد میں ہوگا۔''

میں نے صدقِ دل سے کہا۔ ''آپ اب جزیرہ سارڈینیا والے بوجھل موڈ سے نکل آئی ہیں، میرے لیے یہی تحفہ ہے۔''

وہ نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

کچھ ہی دیر بعد ہم باہر آ کر اپنی فیاٹ گاڑی میں سوار ہو رہے تھے۔ موسیقی کے شور نے میرے سر میں ہلکا درد شروع کر دیا تھا۔ سامنے ہی ایک کلینک نظر آ رہا تھا، ساتھ میں فارمیسی بھی تھی۔ میں نے اس ''گیٹ ویل'' نامی فارمیسی سے اسپرین لی اور واپس گاڑی میں آ گیا۔ قسطینا خود ڈرائیو کرنا چاہ رہی تھی۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہماری گاڑی پارکنگ سے نکل کر کوئی نصف کلومیٹر دور ہی گئی تھی کہ قسطینا نے ایک دم اسے سڑک کے کنارے پر روک دیا۔

''کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

وہ بُری طرح چونکی ہوئی تھی، بولی۔ ''شاہ زائب! تم نے جس فارمیسی سے میڈیسن لی، اس کا نیون سائن دیکھا تھا؟''

''ہاں...... دیکھا تو تھا۔''

''کیا لکھا ہوا تھا؟''

''میرا خیال ہے گیٹ ویل نام تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''گیٹ ویل ہی تھا اور گیٹ ویل کے پہلے دو حرف جی اور ای کچھ زیادہ ہی روشن نظر آ رہے تھے...... جیسے جیسے وہ نئے لگائے گئے ہوں۔''

''ہاں، کچھ ایسی ہی بات تھی۔'' میں نے اس سائن بورڈ کو اپنے تصور میں لاتے ہوئے کہا۔

یکایک میرے دماغ میں پھلجھڑی سی چھوٹ گئی۔ اگر GETWELL کے پہلے دو حرف نہ ہوں تو وہ TWELL پڑھا جاتا ہے۔

''اوہ گاڈ...... قسطینا...... کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ٹویل نہ ہو بلکہ گیٹ ویل ہو......''

''اور کچھ عرصہ پہلے تک اس کے پہلے دونوں حروف خراب ہوں...... یا انہیں درست کرنے کے لیے اتار لیا گیا ہو۔'' قسطینا نے میری بات مکمل کی۔

یہ سب کچھ بڑی تیزی سے ہم دونوں کے ذہن میں آیا...... اس کے ساتھ ہی قسطینا نے کچھ آگے جا کر یوٹرن لیا اور گاڑی واپس اس فارمیسی کی طرف موڑ دی۔ کچھ ہی دیر بعد ہم پھر فارمیسی کی پارکنگ میں موجود تھے۔ یہ فارمیسی غالباً 24 گھنٹے کھلی رہتی تھی۔ اب بھی سفید کوٹوں والے ملازمین کاؤنٹر کے پیچھے دکھائی دے رہے تھے۔

میرے ذہن میں آنجہانی پرنس سومو کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جو میرے پن ہول جدید کیمرے نے ریکارڈ کیے تھے۔ کسی جگہ بچوں کے جلنے کی اطلاع پا کر پرنس سومو نے اپنے کسی ماتحت سے کہا تھا۔ ''تم فوراً TWELL والوں کے پاس چلے جاؤ۔ ان کے پاس ایک بڑا اچھا ڈاکٹر ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہی چلا جائے گا۔ یہ TWELL اُدھر ہی ہے جونی کے نئے گھر کے پاس۔''

جونی بھی یقیناً پرنس کے کسی گُرگے کا نام ہی ہوگا۔ وہاں پر پرنس نے شاید دو چار بار گیٹ ویل کلینک اینڈ فارمیسی کا نیون سائن دیکھا تھا۔ اس وقت پہلے دو حرف موجود نہیں تھے اور اس نے اسے ٹویل ہی سمجھا تھا۔

اب بھی مجھے اور قسطینا کو صاف دکھائی [illegible] تھا کہ [illegible] پہلے [illegible] زیادہ روشن دکھائی دیتے تھے جبکہ باقی حروف مدھم اور قدرے بوسیدہ تھے۔ اس دو حرفی غلطی کے سبب ہمیں یہاں روم میں بہت مغز کھپائی اور سڑک پیمائی کرنا پڑی تھی۔

میں نے کہا۔ ''قسطینا! آپ نے اچھا دماغ دوڑایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں وہ کھوج مل گیا ہے جس کی تلاش ہم یہاں کئی ہفتے سے کر رہے تھے۔''

''اور یہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ میں تمہاری برتھ ڈے منانے کے لیے تمہیں زبردستی یہاں سامنے والے ریستوران میں لے آئی، حالانکہ تم صاف انکاری تھے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ صرف اس لیے ہوا کہ میں آپ کو زبردستی یہاں روم میں لے آیا حالانکہ آپ صاف انکاری تھیں۔''

وہ ہنس دی۔ میں نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔ ''مجھے نوے فیصد یقین ہو چکا ہے کہ کسی برن یونٹ کا وہ ڈاکٹر یہیں سے گیا ہوگا جس کی بات پرنس نے کی تھی۔''

''تو پھر اب؟''

''اب آگے کا کچھ کام جمشید ملک کرے گا۔ وہ پندرہ سال سے یہاں مقیم ہے اور روم کا کیڑا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے سیل فون نکالا اور جمشید سے رابطہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

آگے کا کام کافی تیزی سے ہوا تھا۔ جمشید نے صرف چوبیس گھنٹوں میں اس ایبٹ نامی ڈاکٹر کو ٹریس کر لیا۔ ایبٹ کا تعلق ایک بڑے اسپتال کے ''برن یونٹ'' سے تھا اور وہ گیٹ ویل نامی اس کلینک سے بھی منسلک تھا۔ اب جمشید کسی طرح اس ایبٹ نامی ڈاکٹر کو چھاپنے کی فکر میں تھا۔

ہم جمشید کی رہائش گاہ پر ہی تھے۔ قسطینا سو رہی تھی۔ میں اور پہلوان حشمت کھانے کی میز پر تھے اور لنچ کر رہے تھے۔ پہلوان جی نے کہا۔ ''جمشید نے جس ڈاکٹر کا کھوج لگایا ہے، کیا وہ کوئی کشمیری ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''تم خود ہی تو کہوت ہو کہ وہ بٹ ہے...... ایبٹ۔''

''نہیں جناب، اسے بٹ نہیں...... ایبٹ...... ڈاکٹر ایبٹ۔ یہ انگریزی نام ہے۔''

پہلوان جی نے [illegible]...... پھر ذرا چونک کر بولے۔ ''جیسے [illegible] ایبٹ آباد...... اس میں بھی تو ایبٹ آتا ہے...... ویسے کیا یہ ڈاکٹر بہت زیادہ بوڑھا ہے؟''

''یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''یہ بھی ہو سکتا ہے ناں کہ یہ جو ہمارا ایبٹ آباد ہے اس کا نام اسی ڈاکٹر کے نام پر ہو۔ اس ڈاکٹر کے والد نے اپنے بیٹے کے نام پر یا پھر دادا نے پوتے کے نام پر رکھا ہو......''

''نہیں حضور، یہ ایبٹ آباد تو بہت پرانا نام ہے۔ آپ کس طرف نکل گئے...... واپس آ جائیں۔''

''چلو آ گیا واپس...... اب اٹھو...... تھوڑی سی کسرت ہو جائے، تم کو پرسوں بھی کہا تھا کہ کچھ فرصت کے دن ہیں۔ تھوڑا بہت فائدہ اٹھا لو مجھ سے۔ دیسی کشتی کے کچھ اور داؤ پیچ سیکھ لو۔ کام آویں گے۔''

میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''پہلوان جی! میں نے آپ کو بتایا تھا، یہ جو قسطینا ہے مجھ کو بہت لائق فائٹر سمجھتی ہے...... بلکہ استادوں کا استاد سمجھتی ہے۔ اس کے سامنے تھوڑی بہت عزت رہنے دیں۔ باقی دیسی کشتی تو آپ سے سیکھنی ہی سیکھنی ہے۔''

اسی دوران میں دوسرے کمرے سے کھٹ پٹ کی آوازیں آئیں۔ ''لگتا ہے کہ قسطینا صاحبہ جاگ گئی ہیں۔'' میں نے کہا۔

پہلوان جی نے بُرا سا منہ بنایا۔ ''تم بھی یہی چاہتے تھے۔ وہ کیا کہوت ہیں...... اندھا کیا چاہے، دو ریوڑیاں۔'' انہوں نے پھر محاوروں کو ''مکس'' کیا۔

اس سے پہلے کہ پہلوان جی کوئی نئی بحث شروع کرتے، ڈور بیل بجنے لگی۔ یہاں کوئی ملازم نہیں تھا۔ میں نے خود ہی اٹھ کر دروازہ کھولا اور دنگ رہ گیا۔ جمشید ملک اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ موجود تھا۔ انہوں نے ایک جواں سال، بے ہوش شخص کو اٹھا رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر چوٹوں کے نشان بھی تھے۔ یہ وہی ایبٹ نامی ڈاکٹر تھا۔

قسطینا بھی اٹھ کر آ گئی۔ بے ہوش ڈاکٹر کو ایک بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ جمشید نے کہا۔ ''خود بے ہوش کیا ہے، میڈیسن دے کر، ابھی ہوش میں آ جائے گا۔''

''کچھ بتایا اس نے؟'' میں نے پوچھا۔

''بہت کچھ۔'' جمشید دبے دبے جوش سے بولا۔

''مثلاً؟''

''پہلے تو یہی کہتا رہا کہ وہ کہیں گیا ہی نہیں، پھر اتنا مانا کہ وہ لوگ اسے آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے گئے تھے...... مگر اب سب کچھ بک دیا ہے اس نے۔ ایک ایک بات بتا دی ہے۔''

کچھ دیر بعد ایبٹ نامی وہ شخص ہوش میں آ گیا۔ وہ بہت ڈرا ہوا تھا اور جمشید ملک نے ہر سوال کا جواب فرفر دے رہا تھا۔ ایک دو منٹ میں ہی اندازہ ہو گیا کہ اس کی حیثیت ایک موقع پرست اور لالچی ڈاکٹر کی ہے اور اپنے اسی لالچ کی وجہ سے وہ اس پھندے میں پھنسا تھا۔ ٹیکساری والوں نے اسے ایک بڑی رقم کا جھانسا دے کر اس سے اپنا کام نکلوایا تھا۔ اسے آنکھوں پر پٹی باندھ کر روم شہر کے مضافات میں لے جایا گیا تھا اور چند ایسے بچوں کا علاج کرایا گیا تھا جن کے جسم کے کچھ حصے آگ سے جھلسے ہوئے تھے۔ میں نے جمشید سے پوچھا۔ ''جب یہ کہہ رہا ہے کہ اسے آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا گیا تو پھر یہ ہمیں اس ٹھکانے کے بارے میں کیسے بتائے گا؟''

''یہ اسی سے سنیے۔'' جمشید نے کہا۔ ''پھر ڈاکٹر ایبٹ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''چلو بتاؤ اپنی مبارک زبان سے۔''

ڈاکٹر ایبٹ نے کہا۔ ''آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی

https://www.urdutubes.com/

لیکن میرے کان تو کھلے تھے اور میں سونگھ بھی سکتا تھا...... درحقیقت میں سونگھنے کی وجہ سے ہی جان سکا کہ میں کہاں لایا گیا ہوں۔"

اس نے چند لمحے توقف کر کے اپنے رخسار اور ٹھوڑی کی چوٹوں کو سہلایا پھر کراہتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "جو بُو میرے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ ان سے مجھے اندازہ ہوا کہ میں ایک کھاد فیکٹری میں ہوں۔ اس نتیجے تک پہنچنے میں اردگرد چلنے والی دو تین مشینوں کی آوازوں نے بھی مدد دی۔ شہر سے کچھ فاصلے پر وہ ایک ہی کھاد فیکٹری ہے اور مجھے ننانوے فیصد یقین ہے کہ مجھے وہیں لے جایا گیا تھا۔"

"کیا دیکھا وہاں تم نے؟" میں نے دریافت کیا۔

ڈاکٹر ایبٹ نے ڈری ڈری نظروں سے ایک بار پھر جمشید ملک کا جائزہ لیا۔ جمشید اپنی نوک دار مونچھوں کو مروڑ رہا تھا۔ ایبٹ نے بات جاری رکھی۔ "وہاں کافی بڑے دو یا تین تہ خانے ہیں۔ وہاں ایک کمرے میں تین تین، چار چار سال کے پانچ چھ بچے تھے۔ وہ کئی جگہ سے جھلسے ہوئے تھے۔ دو بچوں کے جسم تو ستر اسی فیصد جل چکے تھے اور ان کے بچنے کا امکان نہیں تھا۔ باقی کے بارے میں امید کی جا سکتی تھی۔ میں نے انہیں "پلاسٹک آنسولیٹرز" میں رکھوایا اور ضروری طبی امداد دی۔ میں اگلے چوبیس گھنٹے تک وہیں رہا۔"

"وہاں اور کس سے ملاقات ہوئی تمہاری؟" جمشید نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"درمیانی عمر کا ایک بارعب سا بندہ تھا۔ اس کے ماتحت اس سے بہت زیادہ ڈرتے تھے...... حالانکہ ماتحت خود بھی کافی دبنگ لوگ تھے۔"

"درمیانی عمر کے شخص کا حلیہ کیا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

ڈاکٹر ایبٹ نے جو حلیہ بیان کیا، اس نے میری دھڑکنیں بڑھا دیں۔ یقیناً قسطینا کی کیفیت بھی یہی رہی ہو گی۔ یہ ٹوٹے ہوئے ٹیکساری گینگ کے باس جان ڈیرک کا حلیہ تھا۔ اس کے بارے میں جو آخری بات ایبٹ نے بتائی، اس نے ہمارے اندازوں پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ ایبٹ نے کہا۔ "اس شخص کے ایک پاؤں پر شاید کوئی زخم تھا۔ وہ اس پر پوری طرح بوجھ نہیں ڈال پاتا تھا۔"

قسطینا نے پوچھا۔ "جن بچوں کا تم نے علاج کیا، ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، وہ کون تھے؟ اور وہاں کیوں تھے؟"

اس سوال کا ڈاکٹر نے جو جواب دیا، وہ ہمارے لیے بے حد سنسنی خیز تھا اور ہمارے بدترین اندیشوں کی تصدیق بھی کرتا تھا۔ وہ بولا۔ "میں اس بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا، نہ ہی مجھ میں اتنی ہمت تھی کہ ان لوگوں سے بچوں کے بارے میں کُرید کر سوالات کرتا۔ یہ بات میں اچھی طرح جان گیا تھا کہ یہ کوئی کالا دھندا ہی ہے...... ہاں ایک بات میرے دماغ میں ضرور کھٹکی...... اور اب بھی کھٹک رہی ہے۔ وہ پانچ چھ بچے بالکل ہم عمر تھے اور ان کی شکل و صورت بھی کافی ملتی جلتی تھی۔"

اب مزید کسی تصدیق کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میری اور قسطینا کی نگاہوں کا سنسنی خیز تبادلہ ہوا۔ ہم سمجھ گئے کہ ٹیکساری گینگ پر ایک فیصلہ کن ضرب لگانے کا وقت آ گیا ہے۔ ہم نے ڈاکٹر ایبٹ سے تھوڑی سی پوچھ گچھ مزید کی، پھر اسے کمرے میں بند کر کے دوسرے کمرے میں چلے گئے اور سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

☆☆☆

یہ روم کی ایک ٹھٹھری ہوئی دھند آلود رات تھی۔ سڑکوں پر حدِ نگاہ بہت کم رہ گئی تھی۔ یہ بارہ بجے کا وقت تھا۔ ہر طرف ایک تاریک سناٹے کا راج تھا۔ ہم ایک ٹرک پر سوار تھے جس پر [illegible] کے روف [illegible] درج تھا۔ ٹرک میں میرے اور جمشید ملک کے علاوہ قسطینا اور پہلوان حشمت بھی موجود تھے۔ ٹرک کے عقبی حصے میں ہماری ضرورت کا کافی سامان آٹومیٹک رائفلز، ایمونیشن، گیس ماسکس اور دستی گرینیڈز کی صورت میں موجود تھا۔ جمشید ملک چاہتا تو آٹھ دس مسلح افراد بھی اس کارروائی کے لیے مہیا کر سکتا تھا مگر اس کھاد فیکٹری کی پوری صورتِ حال جاننے کے بعد میں اور قسطینا نے اسے منع کر دیا تھا۔

یہ کافی وسیع و عریض کھاد فیکٹری تھی مگر پچھلے ایک سال سے قریباً بند پڑی تھی، بس اس کا ایک چھوٹا سا یونٹ ہی کام کر رہا تھا۔ یورپی ممالک میں آج کل زیادہ تر کام مشینوں نے سنبھال رکھا ہے۔ بڑے بڑے کارخانوں اور دفاتر کو معدودے چند افراد چلا لیتے ہیں۔ اس فیکٹری میں بھی پانچ ملازم ہی ڈیوٹی دیتے تھے اور وہ بھی دن کے اوقات میں۔ نیچے تہ خانوں میں جو اصل سرگرمی جاری تھی۔ اس کی نگہداشت بھی آٹھ دس افراد ہی کرتے تھے۔ یہ اعداد و شمار ہم نے ڈاکٹر ایبٹ کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں نکالے تھے...... بعدازاں یہ درست بھی ثابت ہوئے۔

ہمارا ٹرک درمیانی رفتار سے چلتا ہوا اس وسیع فیکٹری کے دائیں پہلو کی طرف آ گیا۔ فیکٹری کے اس جانب کی زمین ابھی خالی پڑی تھی۔ آثار بتاتے تھے کہ اس پر کاشت ہوتی ہے لیکن فی الوقت کاشت بھی نہیں تھی۔ فیکٹری کی چار دیواری قریباً پندرہ فٹ اونچی تھی۔ خاردار تاروں نے اس کی بلندی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ جگہ جگہ سرچ لائٹس بھی تھیں۔ ان لائٹس کی موجودگی میں بلی کا بچہ بھی دیوار کے بالائی سرے پر نظر آتا تو دکھائی دے جاتا۔ یقیناً نگرانی کے کیمرے بھی یہاں موجود تھے مگر ابھی تھوڑی دیر میں یہ سب انتظامات ناکام ہونے والے تھے۔ جمشید ملک نے الیکٹریسٹی کے ایک ایسے اہلکار سے رابطہ کیا تھا جو اس صنعتی ایریا میں بجلی کی سپلائی کا ذمے دار تھا۔ اس نے ایک بھاری رقم وصول کی تھی اور اس کے عوض وہ آج رات عین بارہ بج کر تیس منٹ پر اس ایریا کی بجلی دس منٹ کے لیے منقطع کرنے والا تھا۔ یہ آٹھ دس منٹ ہمارے لیے اندر گھسنے کے لیے بہت کافی تھے۔ (دیگر یورپی ممالک کے برعکس اٹلی میں کرپشن و رشوت ستانی ہمیشہ موجود رہی ہے)

ہم پوری طرح تیار ہو کر آئے تھے۔ ضروری اسلحے [illegible] بیگز (پشتی تھیلوں) میں موجود تھے۔ پروگرام کے مطابق فی الحال جمشید ملک اور پہلوان حشمت کو ٹرک میں ہی رہنا تھا۔ جمشید کے پاس سیل فون اور واکی ٹاکی دونوں موجود تھے اور اسے مسلسل رابطے میں رہنا تھا۔

ٹرک جمشید ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "ہیڈ لائٹس آف کر دو اور اسے موڑ کر باؤنڈری وال کے بالکل پاس لے جاؤ۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا، یہی وقت تھا جب فیکٹری اور اردگرد کی بجلی کی رو منقطع ہو گئی۔ ہر طرف پھیلے ہوئے اندھیرے میں کچھ مزید اضافہ ہو گیا۔ فیکٹری کے اندرونی حصوں میں اب بھی مدھم روشنی تھی۔ جمشید نے کہا۔ "یہ اندر کے جنریٹر وغیرہ کی روشنی ہے، یا پھر یو پی ایس وغیرہ ہوں گے۔"

"ہمیں اس سے کوئی مسئلہ نہیں۔" قسطینا نے کہا اور ٹرک سے باہر نکلنے اور اوپر چڑھنے کے لیے تیار ہو گئی۔ وہ ایک اعلیٰ تربیت یافتہ کمانڈو تھی اور میں اس کی ان صلاحیتوں سے جاپان میں بہت اچھی طرح واقف ہو گیا تھا۔

ہم دونوں ٹرک سے باہر نکلے اور سائڈ والی آہنی سیڑھی پر چڑھ کر ٹرک کے کیبن کی چھت پر آ گئے۔ اب باؤنڈری وال تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ پہلے میں اوپر گیا۔ وال کی موٹائی پندرہ انچ کے لگ بھگ تھی۔ اس پر پاؤں جما کر کھڑے ہونا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ اوپر جا کر میں نے قسطینا کا ہاتھ پکڑا اور وہ بھی اوپر آ گئی۔ خاردار تار کی چار لائنیں تھیں۔ دو میں نے اور دو قسطینا نے کاٹ ڈالیں۔ ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں تھا۔ قریباً آٹھ منٹ گزر چکے تھے۔ لائٹ کسی بھی وقت...... آ سکتی تھی۔ ہم دونوں دیوار سے لٹک کر اندر کی طرف کود گئے۔ کلاشنکوف رائفلیں ہماری گردنوں سے جھول رہی تھیں، ہم انہیں ایک لمحے کے نوٹس پر استعمال کر سکتے تھے۔

"مجھے لگتا ہے کہ سی سی ٹی وی کیمرے بھی بند ہیں۔" قسطینا نے تیز سرگوشی کی۔

"مگر کمروں میں لائٹ آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اندر کیمرے بھی چل رہے ہوں۔"

"ہمیں جانا کس طرف ہے؟" اس نے پوچھا۔

میں نے اطراف کا جائزہ لیا۔ ڈاکٹر ایبٹ نے جو کچھ بتایا تھا، کافی مبہم تھا۔ مگر اتنا اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ زیرِ زمین جانے کا راستہ کس طرف ہوگا۔

کسی قریبی برآمدے سے کوئی شخص بلند آواز میں پکارا۔ "مین ڈی پی کو چیک کرو، یا پھر کال کرو ان حرام زادوں کو۔"

"جی سر۔" کسی ماتحت نے جواب دیا۔ پھر ایک سایہ سا سیدھا ہماری طرف ہی بڑھا۔ وہ شاید مین سوئچ چیک کرنے کے لیے آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک اور مسلح شخص بھی تھا۔ جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی...... ہم بآور دی کوئی ہنگامہ افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ تاریک کونے میں ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ [illegible] بالکل مختصر جگہ تھی، شاید دو تین فٹ مربع کی جہاں گہری تاریکی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے لگ کر کھڑے تھے۔ ہمارے نتھنوں میں کھاد فیکٹری کی مخصوص بُو داخل ہو رہی تھی اور [illegible] چلنے والی کسی [illegible] مشین کی آواز [illegible] فاصلے پر [illegible] موجود [illegible] ہمارے قریب [illegible] لوہے کی ایک [illegible] ایک اور ٹارچ [illegible] تھی کہ میں [illegible] بلکہ اس کی [illegible] کسی طرح [illegible]

جوش اور ولولہ جو خطرات سے کھیلنے والے لوگوں کے دلوں میں بوقتِ مبارزت پیدا ہوتا ہے۔ اس کی سانس میری گردن سے ٹکرا رہی تھی اور اس کے تراشیدہ بال میری ناک سے چھو رہے تھے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید ہم اس صورتِ حال پر جھجک محسوس کرتے لیکن یہ خطرے کی گھڑیاں تھیں۔ ایک ٹارچ کا روشن دائرہ ہمارے پاؤں کی جانب آیا تو میں نے قسطینا کو کچھ اور بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔

جلد ہی خطرہ آگے نکل گیا۔ ٹارچ بردار بھی تیز قدم اٹھاتے ہوئے فیکٹری کے سامنے والے حصے کی طرف بڑھ گئے۔ ہم ایزی ہو کر کھڑے ہو گئے اور یہی وقت تھا جب فیکٹری کی برقی رو بحال ہو گئی۔ وہ جگہ جہاں ہم کھڑے تھے، کئی دیگر جگہوں سمیت یکدم روشنی میں آ گئی۔ اگر بجلی کی رو چند سیکنڈ پہلے بحال ہو جاتی تو ہم فوراً ان تین افراد کی نگاہوں میں آ جاتے جو مین سوئچ وغیرہ چیک کر رہے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اب نکلیں یہاں سے۔“ میں نے کہا۔ میری نگاہ فیکٹری کے وسیع احاطے کے مرکز کی طرف تھی۔ یہاں بہت سی بیکار مشینری، پلاسٹک کی شیٹس میں لپٹی پڑی تھی۔ پلاسٹک جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور ہوا میں لہرا رہا تھا۔

ہم جھک کر دوڑتے ہوئے اس ہیوی مشینری کی بھول بھلیوں میں گھس گئے۔ ”رکو شاہ زائب!“ اچانک قسطینا نے چونکی ہوئی آواز میں تیز سرگوشی کی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ قسطینا، ایک ڈھلوان چھت والے تنہا کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ کمرے کے دروازے کے آگے ایک بڑا شیڈ تھا۔ کمرے کا دروازہ سلائڈنگ تھا اور اسٹیل سے بنا ہوا تھا۔ ”ایسے دروازے عام طور پر ”بیسمنٹس“ وغیرہ میں کھلتے ہیں۔“ وہ دھیمی اور پُراعتماد آواز میں بولی۔

”ایسا ہی لگ رہا ہے۔“ میں نے تائید کی۔ ”مگر ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ یہاں سی سی ٹی وی موجود ہیں۔ ہمیں ڈائریکٹ ایکشن لینا ہوگا۔“

میں نے کلاشنکوف کا آہنی دستہ پورے زور سے سلائڈنگ دروازے کے کنٹرول پینل پر مارا۔ پینل میں شارٹ سرکٹ ہوا اور اسپارک کے ساتھ دھواں نکلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی سلائڈنگ ڈور نے ”مستی“ شروع کر دی۔ اس کے پٹ قریباً دو فٹ تک کھلے اور پھر تیزی سے بند ہو گئے۔ دروازے کی طرف سے یہ حرکت بار بار ہونے لگی۔ وہ دو فٹ تک کھل کر پھر بند ہو جاتا تھا۔ ہم تیزی سے اس میں داخل ہو گئے۔ قسطینا نے دروازے کے اندر والے کنٹرول پینل سے ذرا سی چھیڑ چھاڑ کی اور دروازے کی ”مستی“ ختم ہو گئی۔ وہ مکمل طور پر بند ہو گیا۔ ایک خم دار زینہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ ہم نے رائفلیں بالکل تیار حالت میں کر لیں۔ احتیاط سے قدم اٹھاتے ہم ایک اور دروازے کے سامنے پہنچے۔ دروازے کے آس پاس خاموشی تھی۔ میں نے اسے دھکیلا اور وہ بے آواز کھل گیا۔ اس کے کھلنے کے ساتھ ہی اندر کسی جگہ سے ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے کسی ہال کمرے میں کچھ لوگ باتیں کر رہے ہوں۔

یکایک ایک قوی ہیکل گن مین ہمارے سامنے آ گیا۔ ہمیں دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت کی یلغار ہوئی اور اس کے ہاتھ بے ساختہ اپنی رائفل کی طرف بڑھے۔ قسطینا نے رائفل کا آہنی دستہ گھما کر اس کے جبڑے پر رسید کیا۔ وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح میری طرف آیا۔ میں نے اسے ”ویل کم“ کیا۔ اسے اپنے بائیں بازو پر سہارتے ہوئے میں نے اسی بازو سے اس کی گردن جکڑ لی۔ چند سیکنڈ بعد وہ ایک نیم روشن گوشے میں [illegible] بن کے اندر [illegible]

میں اور قسطینا آوازوں کی سمت بڑھے۔ یہ ساری جگہ مرکزی طور پر گرم تھی۔ دو تین صاف ستھری طویل راہداریاں بھی نظر آئیں۔ بڑے سائز کے کچن اور کھیلوں کے لیے مخصوص ہال بھی دکھائی دے رہے تھے۔ یہ رات کے قریباً ایک بجے کا عمل تھا مگر کہیں سے کھانوں کی خوشبو اٹھ رہی تھی اور الکحل کی بُو بھی چکرائی محسوس ہوتی تھی۔ تین خانساماں ٹائپ ملازم نظر آئے جو کھانے کی بڑی بڑی ٹرالیاں دھکیلتے ہوئے کسی ہال کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ ہم نے ایک بڑے ستون کے عقب میں خود کو چھپایا۔

”یہاں کچھ بچے ہیں۔“ قسطینا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

”اتنے بچے بھی نہیں ہیں۔ آوازوں سے تو لڑکے اور لڑکیاں لگ رہے ہیں۔“

کچھ ہی دیر بعد ہم اس قابل ہو گئے کہ ایک بلند د بالا کھڑکی کے اندر سے ہال میں جھانک سکیں۔ اندر کا سرخ پردہ کچھ سرکا ہوا تھا اور منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ہمارے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اس ہال کمرے میں قریباً چالیس بچے موجود تھے۔ لیکن ہماری توقعات کے برخلاف ان کی عمریں چودہ پندرہ سال کے لگ بھگ تھیں۔ ان میں سے پچیس کے قریب لڑکے اور پندرہ کے لگ بھگ لڑکیاں تھیں۔ سب لڑکیوں کے بال بہت چھوٹے چھوٹے تھے اور لڑکوں کے سر مکمل طور پر منڈے ہوئے تھے۔ لڑکپن کی اس کچی عمر میں بھی ان سب کے طور اطوار پکی عمروں والے تھے بلکہ اس سے بھی آگے کے تھے۔ وہ کھانے کی میزوں پر ندیدوں کی طرح کھا رہے تھے اور ”پی“ رہے تھے۔ کچھ ڈانسنگ فلور پر تھے اور بے ہودہ انداز میں اچھل کود کر رہے تھے۔ یہ سب قریباً ہم شکل تھے۔ نیم عریاں لباسوں والی نوخیز لڑکیاں [illegible] تھیں۔ دو لڑکیاں نشے میں دھت آپس میں گتھم گتھا تھیں اور غلیظ گالیاں بک رہی تھیں۔ ایک لڑکی کچھ دور ایک میز پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے اور چہرے پر تازہ چوٹیں نظر آتی تھیں۔ [illegible] کچھ دیر پہلے کسی سے سر پھٹول کرتی رہی تھی۔ ڈانسنگ فلور سے کچھ فاصلے پر تین چار لڑکیاں [illegible] لڑکوں کے ساتھ فحش حرکات میں مصروف تھیں۔ ان سب کی شیطانی ہنسی ہال میں گونج رہی تھی [illegible] میں نے دانت [illegible]

[illegible] لیکن ہمارے خیال میں تو یہاں چھوٹی عمر کے بچے تھے؟“ قسطینا نے سرگوشی کی۔

”ممکن ہے کہ وہ بھی کہیں ہوں۔“

[illegible] وقت تھا جب قسطینا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ دھیان سے کچھ سن رہی تھی۔ میں نے بھی دھیان دیا۔ کہیں پاس سے ہی چھوٹے بچوں کے رونے کی باریک آواز سنائی دی۔ یہ بالکل چھوٹے بچے تھے۔ چار پانچ ماہ کے۔

”قسطینا اور بچے بھی ہیں یہاں۔“ میں نے کہا۔

ہم بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے چھوٹے بچوں کی آوازوں کی طرف بڑھے۔ کئی جگہ ہمیں تیزی کے ساتھ خود کو کسی اوٹ میں کرنا پڑا، کیونکہ یہاں میل اور فی میل ملازمین کی آمدورفت جاری تھی۔ یہ سب کے سب نیلے رنگ کی وردیوں میں تھے۔

جلد ہی ہم ایک اور ہال کمرے کے اندر جھانکنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس ہال کمرے کو دبیز شیشے کی ایک دیوار کے ذریعے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ [illegible] روشنی تھی۔ ہال کے ایک حصے میں چھوٹے چھوٹے بیڈز پر کوئی چالیس کے لگ بھگ بچے سو رہے تھے۔ ان کی عمریں وہی تین تین چار چار سال تھیں۔ ان کی نگہداشت کے لیے دو ملازمائیں یہاں موجود تھیں، جیسے اسپتالوں کے وارڈز میں نرسیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں، یہ بھی حرکت میں تھیں۔ ہال کے دوسرے پورشن میں بیڈز کے بجائے بے بی کارٹس تھیں۔ ان کارٹس میں جو چھوٹے بچے سو رہے تھے (یا رو رہے تھے) ان کی عمریں مشکل سے چار پانچ ماہ کی ہوں گی۔ ان کی تعداد تیس کے قریب تھی۔ یہاں بھی آیا جیسی تین ملازمائیں موجود تھیں۔

میرے اور قسطینا کے اندر کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ وہ سرگوشی میں بولی۔ ”تو یہ ہے وہ نرسری جس کا ذکر پرنس سومو نے کیا تھا۔“

”نرسری نہیں بلکہ نرسریاں۔ شاید تین نرسریاں۔“

یکایک بھاری قدموں کی آواز نے ہمیں ٹھٹکا دیا۔ کوئی گارڈ اس رخ پر آ رہا تھا۔ ہم اس صورتِ حال کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ لپک کر ایک چھوٹے سے دروازے میں داخل ہو گئے۔ ہم تھوڑی دیر پہلے دیکھ چکے تھے، یہ ایک چھوٹا سا اسٹور روم تھا۔ یہاں تاریکی تھی اور گتے کے بڑے بڑے کارٹن رکھے تھے۔ یہ خشک دودھ، ڈائپرز اور ادویات وغیرہ کے کارٹن تھے۔ ہم ان کے عقب میں ایک خلا کے اندر سمٹ کر بیٹھ گئے۔

”اب کیا کرنا ہے؟“ قسطینا نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

”یہ شیطانوں کی نئی فصل تیار ہو رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس زہریلی فصل کا کاشت کار وہ حرامی جان ڈیرک بھی یہیں موجود ہے۔“ میں نے ذرا توقف کیا اور پھر پختہ ارادے سے کہا۔ ”قسطینا! ہم اس ٹیکساری گینگ کی اصل جڑ تک پہنچ گئے ہیں۔ ہمیں یہ سب کچھ ختم کرنا پڑے گا…… سب کچھ۔“

وہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر سرسراتے لہجے میں بولی۔ ”تمہارا مطلب ہے کہ یہ سب بچے بھی؟“

”یہ بچے نہیں ہیں قسطینا! یہ انسان نما حیوان ہیں۔ یہ ایک بڑے طوفان کی نشانیاں ہیں۔“

”لیکن شاہ زائب……“ وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ جو وہ کہنا چاہ رہی تھی، وہ میں سمجھ رہا تھا۔ غالباً وہ یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اس میں چار پانچ ماہ کے اور تین چار سال کے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

ضرر تھے۔ ایسی ہی بات میرے ذہن میں بھی آرہی تھی اور اس بارے میں سوچا جا سکتا تھا...... لیکن یہ تو بعد کی باتیں تھیں، فی الوقت تو ہمیں اس بڑے شیطان کی تلاش تھی جس کی بے مثال خباثت کے زیرِ اثر یہ سارا ''کارخانہ'' چل رہا تھا۔

قسطینا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر چپ ہوگئی۔ ہمیں اسٹور روم کے اندرونی دروازے کی دوسری جانب قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر اندرونی دروازے کے آہنی قفل میں چابی گھومنے کی آواز آئی، ہم بالکل الرٹ ہوگئے۔ دروازہ کھلا۔ کسی شخص نے اسٹور روم کی لائٹس آن کردیں۔ میں نے کارٹنز کے عقب سے دیکھا۔ یہ کافی بڑے اور لمبوترے چہرے والا کوئی ڈچ ڈاکٹر لگتا تھا۔ اس نے سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ جھک کر کھڑا ہوگیا اور ایک بڑے ریفریجریٹر کے اندر سے کوئی دوا تلاش کرنے لگا۔ میں نے بڑی تیزی کے ساتھ اس اسٹور روم کا جائزہ لے لیا تھا۔ مجھے کہیں کوئی سی سی ٹی وی نظر نہیں آیا۔ میں نے قسطینا کی طرف دیکھا پھر لپک کر دراز قد ڈاکٹر کو عقب سے دبوچ لیا۔ اس کی عینک اتر کر دور جا گری۔ میں نے اس کی گردن اپنے بازو میں جکڑ لی تھی، وہ کوئی آواز نہیں نکال سکا۔

اگلے چار پانچ منٹ اس ڈاکٹر کے لیے بے حد بھیانک تھے۔ مجھ پر وحشت سوار تھی۔ میں جانتا تھا اور قسطینا بھی جانتی تھی کہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تہ خانوں کے بیرونی دروازے کا ٹوٹا ہوا کنٹرول پینل کسی بھی وقت سیکیورٹی والوں کی نظر میں آسکتا تھا۔ ڈسٹ بن میں پڑا ہوا بے ہوش گارڈ بھی زیادہ دیر چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے ڈچ ڈاکٹر کے منہ میں اسی کا اسکارف گلے تک ٹھونس دیا تھا۔ میرے تیز ''دھار خنجر'' نے کام دکھایا تھا اور ڈاکٹر موصوف کے بائیں ہاتھ کی ''چار انگلیاں'' کاٹ کر ایک طرف رکھ دی تھیں۔ ڈاکٹر کا خون بڑی تیزی سے ضائع ہورہا تھا۔ جب میں نے قسطینا سے سائیلنسر لگا پستول لے کر ڈاکٹر کی نیم سفید کنپٹی پر دھرا اور اسے باور کرایا کہ وہ عدم آباد روانہ ہورہا ہے تو اس کے کپڑے گیلے ہوگئے اور اس نے سر کے اشارے سے مجھے یقین دلایا کہ وہ مجھے اپنے حرامی باس و آقا ''جان ڈیرک'' کی تشریف گاہ میں لے جاتا ہے۔ ہم نے اسکارف اس کے منہ میں ہی رہنے دیا۔ تاہم تیزی سے نکلتے ہوئے خون کو روکنے کے لیے اس کی انگلیوں پر ایک عارضی بینڈیج کس دی۔

وہ جن دو کوریڈورز میں سے ہمیں لے کر گزرا وہاں کُل تین سی سی ٹی وی کیمرے تھے۔ یہ تینوں کیمرے قسطینا نے اپنے سائیلنسر لگے پسٹل سے ناکارہ کیے۔ میں نے کلاشنکوف کا مختصر بیرل ڈاکٹر کی کنپٹی پر رکھا ہوا تھا اور اسے ذرا سی مہلت دینے کو بھی تیار نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے ایک سلائڈنگ دروازے پر پہنچ کر دائیں ہاتھ سے کنٹرول پینل پر بٹن پریس کیے اور دروازہ کھل گیا۔ چند قدم آگے جا کر اس نے یہی عمل اسٹیل کے ایک اور مضبوط دروازے پر دہرایا۔

یہی وقت تھا جب تہ خانوں میں ایک تیز الارم بجنا شروع ہوگیا۔ اس کی آواز اتنی بلند اور باریک تھی کہ کانوں میں گھستی محسوس ہوتی تھی۔ مگر تب تک ہم ایک بڑا چوبی دروازہ کھول کر ایک لگژری بیڈ روم میں داخل ہوچکے تھے۔ ہمارے سامنے گہرے سلیٹی رنگ کے سلیپنگ گاؤن میں جو شخص موجود تھا، وہ یورپ میں دہشت کی علامت تھا۔ مغربی دنیا کا بدنام ترین گینگسٹر، ڈیتھ اسکواڈ کا بانی، انسان نما شیطانوں کا موجد، میرے لڑکپن کی فرینڈ ڈیزی کا سفاک قاتل، مجھے ایم ایم اے کے دلکش میدان سے نکال کر جرم اور قتل و غارت کی دلدل میں دھکیلنے والا باسٹرڈ...... جان ڈیرک۔

''ہیلو جان ڈیرک!'' میں نے کہا۔ ''آج کی رات بڑی نصیبوں والی ہے۔ پاکستان سے اتنی دور تمہاری شکل پھر دیکھنے کو مل گئی۔''

''خبردار!'' قسطینا گرجی۔ ''اپنے یہ منحوس ہاتھ اپنے گاؤن کی جیبوں سے دور رکھو۔''

قسطینا کی گرج سن کر وہ جہاں کا تہاں رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کا دریا بہہ رہا تھا۔

یہی وقت تھا جب ایک بلند دہاڑ سنائی دی۔ میں نے پتھرائی نظروں سے دیکھا۔ ڈیتھ اسکواڈ کا ایک سرمنڈا شیطان بڑی وحشت کے ساتھ کسی گوشے سے نکلا اور قسطینا پر حملہ آور ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تقریباً ایک فٹ لمبے پھل والا نہایت تیز دھار چھرا تھا...... اس چھرے کا نشانہ قسطینا کی شہ رگ تھی۔

خونریزی اور بربریت کے خلاف
صف آرا نوجوان کی کھلی جنگ
باقی واقعات آئندہ ماہ پڑھیے

https://www.urdutubes.com/

فریبِ زن

ڈاکٹر سبا ارشد

میاں بیوی زندگی کے ساتھی ہوتے ہیں... دکھ سکھ میں ساتھ تو کسی بھی اختلافی مسئلے پر بھی یہ رفاقت برقرار رہتی ہے... پُرسکون زندگی کا مطلب ساکت بھری زندگی نہیں ہوتا... کئی برس گزرنے کے بعد اسے اپنی زندگی کے شب و روز پُرسکوت اور یکسانیت زدہ لگنے لگے تھے... ہر دن ہمیشہ کی طرح لگتا تھا... لڑائی جھگڑا تو دور کی بات، ان کے درمیان کبھی کوئی اختلاف بھی نہیں ہوتا تھا... وہ ان خوش کن لمحوں اور خوش گمانیوں سے اکتا چکا تھا...

ایک خاص زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کے متمنی قارئین کے لیے منفرد کہانی......

''روبی کہاں ہو؟'' گھر میں داخل ہوتے ہی آصف نے اسے آوازیں دینی شروع کردیں۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے وہ کچن میں پہنچ گیا۔

وہ بے نیازی سے برتن ڈش واشر میں ڈالنے میں مصروف تھی۔

''او ہو اتنی دیر سے ڈھونڈ رہا ہوں...... ایک کپ کافی تو پلا دو۔'' اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

''اوکے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

Digitized by Google

وہ شکریہ کہتے ہوئے لاؤنج میں آبیٹھا۔ لیپ ٹاپ ٹیبل پر جمائے اس نے کھڑکی سے باہر کا نظارہ کیا۔

شام کے سائے ہلکے ہلکے پھیل رہے تھے۔ موسم میں کسی قدر خنکی در آئی تھی۔ دور آسمان پر کچھ پرندے ٹولیوں کی صورت اپنے آشیانوں کی طرف گامزن تھے۔

اس نے ایک حسرت سی محسوس کی...... نیچے شہر کا بے ترتیب ٹریفک پوری رفتار سے رواں دواں... تھا۔ ہر کوئی دوسرے کو اوورٹیک کرتا جلد سے جلد اپنی منزل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ جنہیں زیادہ جلدی تھی، وہ اپنی جہاز نما گاڑیوں کو ہوا میں اڑاتے پھر رہے تھے جس سے سڑک کے بعد فضا میں بھی ٹریفک کا راج تھا۔ وہ اس وقت اپنے اپارٹمنٹ میں تھا جو جدید رہائشی عمارت کے پچاسویں فلور پر واقع تھا یہاں سے زمین اسے بالکل نظر نہیں آرہی تھی۔

جس کی وجہ بلندی کے علاوہ فلک بوس عمارات کی بہتات اور ہوائی ٹریفک کی فراوانی تھی۔ اس بلندی پر صرف آسمان ہی قدرت کے نظاروں میں اپنی جھلک دکھا رہا تھا لیکن دھواں دھواں فضا نے اسے بھی آلودہ کر دیا تھا۔ گو کے اس صدی میں دنیا نے بے شمار ترقی کی تھی لیکن ترقی انسان جہاں اپنی آسانی کے لیے کرتا ہے وہاں اپنی زندگی میں مسائل بھی نئی اقسام کے لاتا ہے۔ وہ انہی خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

''کافی۔'' اسے اپنے قریب سے آواز آئی۔ چونک کر دیکھا تو روبی جانے کب سے کافی لیے کھڑی تھی۔

''تھینک یو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کافی وصول کی۔

لیپ ٹاپ آن کر کے اس نے پہلے سوشل سائٹس کا چکر لگایا دوستوں کے ہیلو ہائے کا جواب دیا۔ دوسرے ملک میں رہائش پذیر اس کے والد کا بھی خیر خیریت کا پیغام تھا۔ جبکہ والدہ نے بھی روٹین کے طور پر اس کے لیے نیک خواہشات بھجوائی تھیں۔ اس نے بھی رسمی جوابی کارروائی کے طور پر ان کا حال احوال [illegible]

کنکشن کچن میں لگے اسپیکر کے ساتھ تھا روبی یقیناً کچن میں ہو سکتی تھی، یہ سوچ کر اس نے مائیک آن کیا اور اس کے لیے پیغام دیا۔

''کہاں ہو بھئی...... سب کام چھوڑ کر بیڈ روم میں آجاؤ۔'' پیغام ارسال کر کے وہ فریش ہونے واش روم گھس گیا۔ وہ واپس آیا تو وہ آچکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح دلکش اور اپنی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس نے بے تابی سے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

☆☆☆

زندگی میں سب کچھ پرفیکٹ تھا۔ نہ کوئی ٹینشن۔ نہ کوئی پریشانی۔ نہ کوئی تو تکار نہ کوئی روک ٹوک بزنس بھرپور چل رہا تھا تعیشات سے گھر بھرا تھا۔ ٹیکنالوجی اس کا جنون تھی۔ وہ دن رات اپنی آئی ٹی کمپنی میں کام کرتا۔ گھر میں سب کچھ وقت پر [illegible] طرح اس کا [illegible] کو حکم کا درجہ دیتی۔ لیکن پھر بھی کچھ [illegible] کی کیوں دل میں ہوتی تھی۔ سب پرفیکٹ ہو کر بھی کچھ کمی سی لگتی تھی۔

اگلے دن وہ بھرپور فریش تھا...... حسب معمول وقت پر تیز رفتاری سے آفس کی جانب گامزن تھا...... آج پھر ایک بڑا پروجیکٹ مکمل ہونے جا رہا تھا۔ میٹنگ ختم ہوئی تو وقار نے اسے مبارک باد دی۔ وہ اس کا بزنس پارٹنر تھا۔

''واہ بھئی قسمت بڑی مہربان ہے...... جس چیز میں ہاتھ ڈالتے ہو سونا بن جاتی ہے۔'' اس نے خوشگوار انداز میں کہا۔

''ہاں...... یہ تو ہے سب کچھ پرفیکٹ ہے لائف میں۔'' اس نے فخر سے کہا۔

''سب کچھ پرفیکٹ......؟'' اس نے اچنبھے سے کہا۔

''تو اور کیا...... دیکھ نہیں رہے کوئی ٹینشن...... کوئی پریشانی...... کوئی کمی لگتی ہے تمہیں؟'' اس نے الٹا پوچھا۔

''ہاں لگتی تو ہے......'' اس نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''کس چیز کی؟'' وہ چونکا۔

''اور وہ تم سے؟''

''ہاں وہ بھی مجھ سے۔'' اس کی زبان ذرا لڑکھڑائی۔

''ہاہا...... وہ تم سے محبت کرتی ہے؟ کیا واقعی......؟ پوچھ لینا کبھی اس سے؟ پتا چل جائے گا تمہیں۔'' وہ ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔

آصف اپنی جگہ سُن کھڑا تھا۔

☆☆☆

وہ والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ والد بھی کاروباری انسان تھے اور دن رات اپنی کاروباری معاملات میں [illegible] اپنے پیشے سے جنون شاید اسے ورثے [illegible] ماں ایک بوتیک چلاتی تھیں۔ دونوں کے [illegible] کے لیے کچھ خاص وقت نہ تھا...... [illegible] بھی [illegible] پیپر اور [illegible] گئے۔

[illegible] سے بعد کا وقت انٹرنیٹ پر نت نئے [illegible] اور پھر اپنے فیشن ڈیزائننگ سے متعلق [illegible] مصروفیت میں گزرتا۔ اسے ہر آسائش حاصل [illegible] ٹیب...... لیپ ٹاپ۔ موبائل سے [illegible] ان مشینوں میں کھوئے رہ کر اسے شاید [illegible] زندگی میں کچھ اور بھی دلچسپیاں ہوتی ہیں۔ [illegible] بڑھتے وہ بھی ٹیکنالوجی کی دنیا میں [illegible] لینے لگا۔

اس کے والد بزنس معاملات بڑھانے امریکا چلے گئے والدہ فیشن آئیکون بننے کی خواہش میں پیرس اور دبئی کے چکر لگانے لگیں۔ وہ اپنی راہ پر گامزن ترقی کرنے لگا۔ پیسوں کے حوالے سے والد کی سپورٹ تھی۔ اس نے ان کے بزنس میں حصہ دار بننے کے بجائے اپنے بل بوتے پر کام [illegible] چاہا اور کامیابی تو جیسے [illegible]

مجھے معلوم ہے کہ گھر سے بھاگ کر اب تم دن رات جارج کے ساتھ تاش کھیلو گے

اکیسویں صدی اب ختم ہونے کو تھی اور یہ انسان کی انہی خواہشات کو ایک نئی سمت دے رہی تھی۔

وہ یہی سب سوچ رہا تھا جب اس کی نگاہ ایک جانب اٹھی اور واپس آنا بھول گئی۔ وہ حسن کا نمونہ تھی اور ملکوتی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجی تھی...... وہ کسی مقناطیس کی طرح اس جانب کھنچنے لگا۔

''سر آپ شاید یہ موبائل لینا چاہ رہے تھے؟'' کاؤنٹر پر پروموشن کے لیے کھڑے شخص نے اس کی توجہ ایک دم

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

وہ بہت اَپ سیٹ سا گھر میں داخل ہوا تھا۔ وقار کی باتوں نے اس کا ذہن جھنجوڑ دیا تھا......

وہ تو روبی پر محبتیں نچھاور کر رہا تھا لیکن اس نے کبھی یہ تو سوچا ہی نہ تھا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتی ہوگی...... اسے شک ہوا کہ یہی شاید وہ کمی تھی جسے وہ محسوس کرتا تھا۔

انسان دولت اور طاقت کے بل بوتے پر سب کچھ حاصل کر سکتا ہے، اسے بھی جس سے محبت کرتا ہو۔ لیکن کیا دوسرے کے دل میں جگہ بنا سکتا ہے......؟

کیا اس کی محبت پا سکتا ہے؟

وہ اسے چاہتا تو تھا...... لیکن چاہے جانے کے احساس سے محروم تھا......

روبی حسبِ معمول کام میں مگن تھی اور ڈنر تیار کر چکی تھی اسے گویا اپنی تمام ذمے داریوں کا پتا تھا اور وہ مخصوص وقت پر انہیں انجام دیتی تھی۔ وہ آج دیر سے آیا تھا لیکن اسے گویا پروا ہی نہ تھی۔ آصف کے دل پر پہلا دھچکا لگا۔ وہ کیسے اس سے بے نیاز تھی۔

وہ خلافِ معمول چپ چپ رہا لیکن اسے کوئی فرق نہ پڑا......

''اسے بھلا کیا فرق پڑے گا۔'' اس نے دکھ سے سوچا۔

رات کمرے میں جب وہ اس کا ساتھ دینے آئی تو وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس کی جانب بڑھا۔

وقار کی بات اس کے ذہن میں چکرا رہی تھی۔

''روبی کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' بے ساختہ اس نے پوچھا

وہ چپ رہی۔

''مجھے بتاؤ کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' اس نے جھنجلا کر اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔ مسکراہٹ جو آصف کی جان تھی۔ جس پر وہ پہلی بار میں فدا ہو گیا تھا لیکن آج پانچ سال بعد اپنے سوال کے جواب میں اسے وہ مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی۔

''تو تم مجھ سے محبت نہیں کرتی نا......؟'' غم اور غصے سے اس نے پوری شدت سے اسے دھکا دیا۔

وہ دیوار سے جا ٹکرائی اور پھر لڑھک کر نیچے گر گئی۔

ایک چھناکا سا ادھر ہوا دوسرا اس کے دل میں...... لیکن دل نہ بھرا۔ وہ اسے ایک زوردار ٹھوکر مار کے باہر نکل گیا......

ساری رات گاڑی میں آوارہ گردی کرتے گزار کر وہ صبح واپس آیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے اندازہ ہوا کہ وہ کیا کر گیا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ......'' روبی اب تک اسی انداز میں پڑی تھی جیسے اسے صبح چھوڑ کر گیا تھا۔ اسے یاد آیا کہ وہ اس کی کتنی اہم ضرورت تھی۔

''روبی...... روبی۔'' وہ اسے جھنجوڑ رہا تھا ساتھ آوازیں دے رہا تھا لیکن وہ ساکت تھی......

کسی خیال سے وہ فون کی طرف دوڑا اسے ''پیشہ ورانہ'' مدد کی ضرورت تھی۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر اطلاعی گھنٹی کی آواز آئی تو اس نے کمرے میں نصب مائیک پر پوچھا اور تسلی بخش جواب پا کر آٹومیٹک بٹن سے دروازہ کھول دیا۔ یہ تھوڑا سا وقت اس نے بے حد بے چینی سے گزارا تھا۔

آنے والا شخص تمام ضروری سامان سے لیس تھا۔ وہ کافی دیر تک روبی کا معائنہ کرتا رہا۔

''یہ کب سے آپ کے ساتھ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''تقریباً پانچ سال۔'' [illegible]

[illegible] اس کی وارنٹی بھی ختم ہو گئی۔'' اس نے [illegible] ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ آپ دوبارہ ہماری روبوٹ شاپ کا چکر لگا لیں اب ہمارے پاس مزید جدید ماڈل دستیاب ہیں۔ اس سے کہیں بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار۔'' اس نے فخر سے کہا۔

''پائیدار؟''

''جی۔''

''اوہ...... اچھا۔'' وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

اسے اپنی زندگی کی کمی آج معلوم ہو گئی تھی۔ مشینوں میں گھر کر اس کی محبت بھی مشینی ہو گئی تھی۔

ہاں...... محبت بھی تو مشینی سی ہو گئی ہے۔

ہم مشینوں سے محبت کرتے ہیں انہیں اپنی زندگی میں انسانوں کی جگہ دیتے جا رہے ہیں۔ لیکن کیا مشینیں بھی انسانوں سے محبت کرتی ہیں؟

کیا وہ ہماری محبت کی ضرورت پوری کر سکتی ہیں؟

تحفہ

جمال دستی

https://www.urdutubes.com/

سچائی سامنے آتے ہی لوگوں کے چہرے بجھ جاتے ہیں... وہ ایک دوسرے سے آنکھیں چرانے لگتے ہیں... اور ان کے سر زمین پر جُھک جاتے ہیں... جبکہ جھوٹ بولنے والے ایک دوسرے کو دھوکا دینے پر شرم محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے جھوٹ بولنے پر... ایسے ہی لوگوں کے گرد گھومتی زہریلی کہانی... کچھ مطمئن و مسرور تھے... کچھ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہنستے مسکراتے... قہقہے لگاتے اور مستی سے جھوٹ بولتے... اور کچھ نئے انداز سے تحفہ دینے کی کوششوں میں مصروف تھے...

اس دعوت کا احوال جہاں لوگوں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی......

مجھے جعلی کرسمس پارٹیوں میں جانا اچھا نہیں لگتا جہاں نشے میں دھت اجنبی مجھے اپنے ساتھ رقص کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ میں ذرا مختلف مزاج کی عورت ہوں اور میری تربیت مجھے ان خرافات کی اجازت نہیں دیتی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی لیبارٹری کے ساتھیوں کے ساتھ کسی ہاؤس پارٹی میں شرکت نہیں کی تھی لیکن اس مرتبہ میں نے میزبان کے اصرار پر شرکت کی ہامی بھر لی۔ ویسے بھی اس میں سب اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معزز لوگ شریک ہو رہے تھے

Digitized by Google

اس لیے مجھے امید تھی کہ یہ عام پارٹیوں سے مختلف ہوگی۔
ڈاکٹر سمیر آل ثانی، اوٹاوہ ہیلتھ سینٹر سے چند بلاک کے فاصلے پر ایک اینٹوں سے بنے ہوئے بنگلے میں رہتا تھا۔ میں برف سے ڈھکے ہوئے باغ اور درختوں کو دیکھے بغیر نہ رہ سکی جن پر بڑی صفائی سے ٹاٹ لپیٹ دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سمیر ریسرچ کی طرح اپنے درختوں کی حفاظت بھی بہت اچھی طرح کرتا تھا۔ میں نے ریلنگ پر سے تھوڑی سے برف اٹھائی اور اس کی ٹھنڈک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اسے ایک گیند کی شکل دے دی۔
سمیر نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا۔ ہلکی موسیقی اور معطر گرم ہوا کے جھونکے نے میرا استقبال کیا۔ وہ گرم جوشی سے بولا۔ "ہائے ہوپ۔"
جی ہاں۔ میرا نام ڈاکٹر ہوپ ہے اور میں یہاں فیملی میڈیسن ڈاکٹر ہوں۔ میں نے برف کی گیند زمین پر پھینک دی اور اسے رسم کے مطابق ایک چھوٹی پھولوں والی جھاڑی پیش کی (ایسی جھاڑیاں کرسمس کے لیے خاص طور پر اگائی جاتی ہیں) وہ مجھ سے صرف چند انچ ہی اونچا تھا۔ شاید اس کا قد پانچ فٹ چھ انچ ہوگا لیکن وہ سیاہ قمیص، جینز اور شوخ رنگ کی ٹائی میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔
جب میں نے اندر قدم رکھا تو سمیر نے ایک ہاتھ میں جھاڑی پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس نے میرا اونی کوٹ کسی نہ کسی طرح اسٹینڈ پر ٹانگ دیا اور بولا۔ "مجھے تمہارے آنے کی بہت خوشی ہے۔ کیا تم پسند کرو گی کہ میں سب لوگوں سے تمہارا تعارف کرواؤں۔"
"اوہ میرا خیال ہے کہ تمہیں کھانا بنانے کے لیے دوبارہ کچن میں جانا ہوگا۔" میں نے کہا لیکن سمیر میری طرف جھکا اور سرگوشی میں بولا۔ "میں اتنے سارے لوگوں کے لیے کھانا نہیں بنا سکتا۔ میری ماں، خالہ اور نانی نے سارا کام کیا ہے۔"
وہ دلکش انداز میں مسکرایا لیکن اس کی مسکراہٹ جادو اثر نہیں تھی کہ کسی کو زیر کر سکے۔ اگر اس کے گھر والے کھانا بنانے میں مدد کر رہے تھے تو مجھے اس پر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ اکثر ایشیائی خاندانوں میں ایسا ہوتا ہے تاہم مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ مشرق وسطی میں کرسمس کے موقع پر کیا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس لیے میں نے پوچھ لیا۔
"انہوں نے کیا بنایا ہے؟"
"جب تم کھاؤ گی تو یقین آئے گا۔ ہم نے خاص طور پر اس پارٹی کے لیے گزشتہ ہفتے لیمب (بھیڑ کا بچہ) کا گوشت منگوایا تھا۔ تم اس کی ترکیب جاننا چاہتی ہو۔ اسے نمک کے پانی میں ابالا جاتا ہے۔"
اوہ، میں نے گزشتہ چند ماہ سے گوشت چھوڑ رکھا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں یہ بات اسے بتاتی، اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور بولا۔ "میری ماں مجھے گردن سے پکڑ لے گی اگر اسے معلوم ہوگیا کہ میں نے تمہیں اس کی ترکیب بتائی ہے۔"
میں نے اس طرح سر ہلایا جیسے میں اس کی شکر گزار ہوں جبکہ میں تصور کر رہی تھی کہ اس کی ماں اپنے لاڈلے بیٹے کے بجائے میرا گلا دبا رہی ہے۔ کبھی بھی کسی مشرقی ماں سے نہیں الجھنا چاہیے۔ یہ عورتیں اپنی اولاد پر پوری طرح حاوی ہوتی ہیں۔ اسکول کے زمانے میں میری ایک ایشیائی دوست کو دودھ کی قیمت کا پتا نہیں تھا کیونکہ اس کے والدین اس کے لیے ہر ہفتے اشیائے خورد نوش خرید کر لاتے تھے۔
میں نے سمیر سے کہا۔ "میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گی البتہ تمہاری تعریف ضرور کروں گی کہ تم نے فیلوشپ حاصل کرلی۔"
وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ میرے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔"
اس کے ساتھ ہی [illegible]
چلیں [illegible] اس چھوٹے مگر ہوادار مکان کے اخراجات برداشت کر سکتا تھا۔ میں نے پارٹی پر ایک نظر ڈالی۔ میرے بالکل سامنے ایک راہداری کچن کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے دائیں جانب لیونگ روم تھا جہاں میری نظر دو جھاڑیوں پر گئی جو فلیٹ اسکرین ٹی وی کے برابر رکھی ہوئی تھیں اور ہمارے دو ڈاکٹر دوست مائیکل اور کرس کوئی میچ دیکھ رہے تھے۔ میری دلچسپی اس چھوٹے سے درخت میں تھی جو ان کے سامنے کافی کی میز پر بیئر کی بوتلوں اور مختلف اسنیکس کے درمیان رکھا ہوا تھا۔
سمیر ابھی تک کھانے کے بارے میں ہی گفتگو کر رہا تھا۔ "میری نانی اس ترکیب کے ذریعے گوشت کو بالکل نرم کردیتی ہے۔ مجھے اتنا اچھا کھانا بنانا نہیں آتا۔ زیادہ تر میں اپنی ماں کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھاتا ہوں۔ اگر میں کیفے ٹیریا سے کھانا خریدوں تو وہ ناراض ہوتی ہے۔"
میں اس درخت کے پاس گئی۔ وہ میرے بازو کی ہڈی سے بھی چھوٹا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ کس قسم کا درخت ہے؟"

سمیر نے اس کی جڑ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کوئی سدا بہار پودا ہے۔"
میں نے بھی اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی جڑ کی جانب دیکھا۔ وہاں مجھے مٹی میں دبا ہوا ایک کاغذ کا کنارہ نظر آیا۔ میں سوچنے لگی کہ کوئی اس گملے میں کاغذ کیوں دبائے گا۔ میں نے اسے نکالنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا لیکن سمیر نے میرا بازو پکڑ لیا اور بولا۔ "آؤ، میں دوسرے لوگوں سے تمہارا تعارف کرواؤں۔"
"میں پہلے ہی لیبارٹری کے سب لوگوں کو جانتی ہوں۔" میں نے شعبے کے سربراہ ڈاکٹر تھامس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کچن اور لیونگ روم کے درمیانی دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔
"ہاں لیکن شاید یہاں اور لوگ بھی ہیں۔ تمہیں ان سے ضرور ملنا چاہیے۔"
"ہوپ..." کسی نے میرے کان کے پاس آکر زور سے بولا۔ میں نے حیران ہو کر دیکھا۔ وہ مائیکل تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بالآخر تم آ ہی گئیں۔ بیئر پیو گی؟"
"تم جانتے ہو کہ میں بیئر نہیں پیتی۔ ایک گلاس پانی کافی ہے۔"
[illegible] بولا۔ "[illegible] ملنا چاہیے۔ وہ بھی تمہارے جیسی ہے۔" یہ کہہ کر وہ مجھے کچن میں لے گیا جہاں تین عورتیں مسلم اسکارف پہنے ہوئے بڑی محنت سے کام کر رہی تھیں۔ ان میں سے ایک اوون میں سے روسٹ نکال رہی تھی۔ دوسری برتن دھوتے دھوتے رک گئی کیونکہ تیسری عورت سنک کے نیچے سے ایک بڑا سفید تھیلا کھینچ رہی تھی۔ وہ ان تینوں میں سب سے بڑی اور دبلی تھی۔ شاید وہی سمیر کی نانی تھی۔ میں نے جلدی سے وہ نمک کا تھیلا پکڑ لیا اور اسے اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ وہ زیادہ بھاری نہیں تھا۔ لیکن اس نے مسکرا کر میرا شکریہ ادا کیا۔
اسی دوران مائیکل نے ایک چینی سائنس داں کی طرف اشارہ کیا جو کچن ٹیبل پر بیٹھا ہوا نمکین بسکٹ کھا رہا تھا۔ اس نے احتیاطاً ایک سبز رنگ کا نیپکن لگا رکھا تھا تاکہ بسکٹ کے ذرے اس کے سوٹ پر نہ گریں۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"ہیلو، ڈاکٹر وین۔"
اس نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آج میرا [illegible] مشکور ہوگیا۔"
"میں تمہارا مقالہ ضرور پڑھوں گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اس خوشی میں ایک ڈرنک ہو جائے۔" مائیکل نے کہا اور بوتل منہ سے لگائی اور خالی کر کے زور سے میز پر رکھ دی۔
"یہ آواز کیسی تھی؟" ڈاکٹر وین نے اپنا کان میری طرف کرتے ہوئے کہا۔
مجھے لگا کہ وہ اونچا سنتا ہے۔ اس لیے میں نے اونچی آواز میں کہا۔ "تمہارا مقالہ یقیناً بہت شاندار ہوگا۔ میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔"
وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "اگر تم مجھے اپنا ای میل ایڈریس دو تو میں تمہیں اس کی پی ڈی ایف کاپی بھیج دوں گا۔"
"شکریہ ڈاکٹر وین۔" میں احتراماً اس کا پہلا نام نہیں لے سکتی تھی۔ وہ میرے دادا کی عمر کا باوقار شخص تھا۔ میں نے کم عمر چہروں کی تلاش میں کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ میرے خیال میں ٹام کی عمر پچاس سے کم تھی لیکن ڈاکٹر وین ان سے بہت بڑا تھا۔ اس کی اپنی لیبارٹری ہونی چاہیے تھی۔ اگر وہ چین میں ہی رہتا تو شاید ایسا ہو سکتا تھا۔
میرے دادا، دادی، دونوں نے ہی بائیو کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کیا تھا۔ وہ تائیوان سے ہجرت کر کے کینیڈا گئے لیکن انہیں کوئی اچھا کام نہ مل سکا اور وہ لیبارٹری کی ملازمت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ ہر سال قسمت آزمانے امریکا جاتے لیکن انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔
ڈاکٹر وین نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکالا۔ "یہ میرا QK کوڈ ہے۔ تم اس کے ذریعے میرے مقالے تک براہِ راست رسائی کر سکتی ہو۔"
میں نے اپنا سیل فون نکال کر اس کوڈ کو اسکین کر لیا۔
اسی دوران ڈاکٹر وین مجھے اپنے مقالے کے بارے میں بتانے لگا۔ اچانک میرے کانوں میں کسی لڑکی کے زور زور سے بولنے کی آواز آئی۔ مائیکل اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔
وہ لڑکی میری جانب بڑی [illegible] میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ لیب ریسرچ [illegible] تھی۔ وہ آدھی سفید فام اور آدھی ایشین تھی۔ اس کی آنکھیں مجھ جیسی، سیاہ بال، [illegible] اور زرد جلد تھی۔
میں نے اسے گلے لگاتے ہوئے [illegible]
جسم [illegible]

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''میں بھی اس سے یہی کہہ رہی تھی کہ میں تمہارے مطلب کی نہیں ہوں۔ جاؤ کسی گوری لڑکی کے ساتھ ڈانس کرو۔ تم کیا کررہی ہو ڈانس یا کھانا؟ سمیر نے انتہائی شاندار کھانا بنایا ہے۔''

''فی الحال میں کچھ نہیں کررہی۔''

وہ مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''لڑکی، تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟''

''کچھ نہیں۔''

''ٹھیک ہے، آؤ ڈانس کریں۔''

میں پڑھے لکھے لوگوں کی پارٹی میں نہیں ناچ سکتی تھی لہٰذا میں نے پانی کا گلاس اٹھالیا اور سمر نے میرا موڈ دیکھ کر خود ہی ناچنا شروع کردیا۔ سمیر کی دوست پریتا بھی ہمارے ساتھ شامل ہوگئی اور اس نے موسیقی کی لے پر تھرکنا شروع کردیا، وہ ہندوستانی تھی اور بہت خوب صورت بھی۔ ایشیائی حسن کا مکمل نمونہ۔ لمبے سیاہ بال، جھیل جیسی گہری آنکھیں، اس نے چست ٹی شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ یہاں سب ہی چھوٹے قد کے تھے لیکن وہ تو پانچ فٹ سے بھی کچھ کم تھی۔ یہاں تک کہ میں اس کے سامنے بڑی لگ رہی تھی۔

وہ مسکرائی اور چھت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''اس بیل سے ہوشیار رہنا۔ اسے میرے سابق بوائے فرینڈ نے لٹکایا ہے اور وہ اتنا لمبا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے آسانی سے نہیں اتار سکتا۔'' اس نے پنکھے کے ساتھ لٹکی ہوئی گوندنیوں کی بیل کی طرف اشارہ کیا۔

میں جانتی ہوں کہ یہ بیل زہریلی ہوتی ہے اور زیادہ تر سجاوٹی پودے کھانے کے لیے نہیں ہوتے، میں ایک طرف کو ہوتے ہوئے بولی۔ ''اس وارننگ کے لیے تمہارا شکریہ۔''

ٹام نے مجھے دیکھ کر کچن سے ہاتھ ہلایا۔ اس کے ساتھ ایک خوب صورت ایشیائی عورت سیاہ لباس پہنے ہوئے کھڑی تھی۔ اس نے سرخ رنگ کی لپ اسٹک اور اس سے میچ کرتی نیل پالش لگائی ہوئی تھی۔ وہ یقیناً اس کی بیوی ٹینا تھی۔

''کھانا تیار ہے۔'' سمیر نے اعلان کیا۔ وہ پہلے ہی اپنے گھر والوں کے ساتھ کچن ٹیبل پر پہنچ چکا تھا۔ ڈاکٹر دین کی نظریں روسٹ پر تھیں۔ ٹام اور ٹینا بھی اس کے ساتھ شامل ہوگئے۔ ٹام نے دو پلیٹیں لیں اور ٹینا کے لیے کرسی گھسیٹی۔ سمیر اپنے تینوں رشتے داروں کو بھی لے آیا۔ اس کی نانی تھوڑا سا لنگڑا کر چل رہی تھی لہٰذا اس نے اس کا بازو پکڑ لیا جبکہ پریتا اس کے لیے پلیٹ لے کر آئی۔

کچن سے مائیکل، سمر اور کرس کے قہقہوں کی آواز آرہی تھی جو اپنے لیے کھانا نکال رہے تھے۔ چند منٹ بعد مائیکل نے مجھے ایک بھری ہوئی پلیٹ پکڑائی اور بولا۔

''شروع ہوجاؤ سپر اسٹار۔''

میں نے وہ پلیٹ لے لی۔ البتہ مجھے تھوڑی سی حیرت ہورہی تھی۔ اس سے پہلے کبھی کسی مرد نے پارٹی میں میرے لیے کھانا نہیں نکالا تھا۔

''سمر کا خیال ہے کہ تمہیں کھانا چاہیے۔''

سمر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تم بہت دبلی لگ رہی ہو۔''

''میں یہی چاہتی ہوں۔'' میں نے پچھلے مہینے اپنا وزن کچھ کم کیا تھا لیکن اسے یہ بات معلوم نہیں تھی۔

میں بھی میز پر آگئی۔ سمیر ہمارا شکریہ ادا کررہا تھا۔ ''ہم بہت خوش قسمت ہیں کہ آج ہمارے دوست اور فیملی یہاں موجود ہیں۔ بسم اللہ کرو۔''

مجھے گوشت کھانا چاہیے۔ انہوں نے بڑی محنت سے بنایا ہے اور میں بھی گھر میں بنے ہوئے کھانے پسند کرتی ہوں۔ اس لیے میں نے کھانا شروع کردیا۔ دو چار لقمے لینے کے بعد میں نے اپنے اردگرد لوگوں پر نگاہ ڈالی۔ وہ

https://www.urdutubes.com/

[illegible] گوشت [illegible] نے بھی کانٹے کی مدد سے ایک ٹکڑا کاٹ کر منہ میں رکھ لیا لیکن وہ میرے گلے میں اٹک گیا۔

میں نے چپکے سے ایک نیپکن اٹھا کر منہ پر رکھا اور وہ گوشت کا ٹکڑا بچوں کی طرح اس کی تہ میں چھپالیا۔ میں بھیڑ کا گوشت کھانے کی شوقین نہیں ہوں، مجھے اس کا ذائقہ اچھا نہیں لگتا۔ اس کے بعد میں نے چاول چکھے جو بہت اچھی طرح پکے ہوئے تھے۔ ایک ایک دانہ الگ تھا لیکن وہ بھی میرے حلق سے نہیں اترے۔

میں نے ایک گلاس پانی پیا اور ڈاکٹر دین کو سننے لگی جو اپنے مقالے کے بارے میں بات کررہا تھا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت تھی۔

ایک عورت جو شاید سمیر کی ماں یا خالہ تھی، مزید کھانا لے کر آئی۔ میں مسکرائی اور سر کی جنبش سے اس کا شکریہ ادا کیا کیونکہ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ انگریزی بول سکتی ہے یا نہیں لیکن اس نے کہا کہ کچھ اور لو۔ تب میں نے تھوڑا سا شوربا اپنی پلیٹ میں ڈال لیا البتہ ڈاکٹر دین نے خوشی خوشی اپنی پلیٹ دوبارہ بھری۔

سمیر بولا۔ ''میری نانی نے کئی سالوں تک یہ ترکیب کبھی کو نہیں بتائی۔ سوائے اپنی دو بیٹیوں کے، وہ بھی جب ان کی شادی ہوئی۔ اس کی بڑی بیٹی کی شادی پہلے ہوئی لیکن اسے بھی اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنی بہن کو یہ ترکیب بتا دے۔''

''یہ اس کے لیے ایک اعزاز ہے۔'' میں نے کہا۔ میرا منہ خشک ہورہا تھا۔ مجھے ایک گلاس پانی اور پینا پڑا۔

ٹام نے اپنا وائن کا گلاس اوپر کیا اور بولا۔ ''سمیر کے نام۔'' اس کی تقلید میں مجھے بھی اپنا گلاس اوپر کرنا پڑا۔ پھر گلاس کی تہ میں پڑے پانی کے آخری قطروں سے زبان تر کرلی۔

سمیر نے اپنے گلاس میں مزید شراب ڈالی۔ گوکہ وہ مسلمان فیملی تھی لیکن انہیں گھر میں شراب پینے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ سمیر اچانک ہی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے بوتل میز پر رکھ دی۔

''کیا یہ خالی ہوگئی ہے؟'' مائیکل نے کہا۔

اب سمیر مسکرا نہیں رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی۔ ڈاکٹر دین کا گلاس زمین پر گر پڑا اور سرخ شراب کے چھینٹے ٹینا کے بازو پر [illegible] کے ٹکڑے

https://www.urdutubes.com/

میں ڈاکٹر دین کی طرف لپکی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور اسے سانس لینے میں دشواری ہورہی تھی۔ ''کیا تمہیں دمے کی شکایت ہے؟'' میں نے کہا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا اور میز کا کنارہ پکڑلیا جیسے وہ اپنے پھیپھڑوں کے لیے جگہ بنارہا ہو۔

''اس کے ہونٹ دیکھو، بالکل نیلے ہورہے ہیں۔'' کوئی چلایا۔

پوری طرح نیلے تو نہیں البتہ سیاہی مائل جامنی ہورہے تھے۔ سمیر دمے کی علامت نہیں تھی۔ اس کی سانس میں خرخراہٹ بھی نہیں تھی۔

''نو گیارہ کو فون کرو۔'' میں نے کہا لیکن ٹام، ٹینا اور دوسرے لوگ پہلے ہی اپنے فون نکال چکے تھے لہٰذا میں نے اپنی توجہ ڈاکٹر دین پر مرکوز کردی۔

اگر یہ دمہ نہیں تھا تب بھی اسے ہوا کی ضرورت تھی تاکہ اسے مزید آکسیجن مل سکے۔ ''کیا کسی کے پاس ان ہیلر ہے؟'' میں نے کہا۔

سمیر کی نانی کے پاس وہ مل گیا۔ میں نے اس کا ماؤتھ پیس ہٹایا اور ڈاکٹر دین کو ہدایات دینے لگی۔ ''ایک دفعہ میں ایک کش لو۔ تمہیں ہر صورت میں اسے باہر نکالنا ہے۔'' لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ میں نے کوشش جاری رکھی۔

''ٹھیک ہے۔ اسے اوپر سے دباؤ۔ دوا کو کھینچ کر اپنے پھیپھڑوں میں لے جاؤ۔ کم از کم دس سیکنڈ تک اسے پکڑے رکھو۔''

اس نے کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں اس کے پٹھوں میں رزور پڑا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس کی حالت دیکھ کر میں پریشان ہوگئی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے دادا کی عمر کا یہ شخص اپنا مقالہ منظور ہونے کے فوراً بعد موت کے منہ میں چلا جائے۔ اسے آکسیجن کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا۔ ''ایمبولینس آنے والی ہے ڈاکٹر دین۔ ایک اور کش لو۔'' اسے اس دوا کے کم از کم آٹھ کش لینے کی ضرورت تھی لیکن اس کا سانس اتنا تیز چل رہا تھا کہ شاید ہی کچھ اندر جارہا ہو۔

''ایمبولینس کب آئے گی؟'' میں نے اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کی۔

''وہ پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔'' ٹام نے بتایا۔

میں نے سوچا کہ ڈاکٹر دین اس وقت تک اس کیفیت کو برداشت کرلے گا۔ سمیر کا گھر اوٹاوہ ہیلتھ سائنس سینٹر سے پانچ منٹ کی مسافت پر تھا۔ اس طرح ڈاکٹر کو دس منٹ بعد طبی امداد میسر آئی۔

میں نے اسے ایک بار پھر وینٹولین دینا چاہی اور سوچنے لگی کہ اس کے ہونٹ کیوں نیلے پڑ گئے۔ عام طور پر نوزائیدہ بچوں کا رنگ آکسیجن کی کمی کی وجہ سے نیلا پڑ جاتا ہے لیکن ایک بالغ مرد کا اچانک رنگ نیلا ہوجانا جبکہ دمہ بھی نہ ہو تعجب خیز تھا جبکہ میں نے اسے کبھی تمباکو نوشی کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔

پھر اس کی کیا وجہ تھی۔ کیا اسے دل یا پھیپھڑوں کا عارضہ تھا یا اس کے جسم میں خون کی کمی ہوگئی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اس کی میڈیکل ہسٹری جاننے کی کوشش کرتی۔ ڈاکٹر دین نے اپنا سینہ پکڑلیا۔

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''ڈاکٹر دین، کیا تمہارے سینے میں درد ہورہا ہے؟'' [illegible]

اس کی تھوڑی آگے کی طرف جھک [illegible] پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے [illegible]

اوہ نہیں، ڈاکٹر دین کو دل کا دورہ پڑا تھا [illegible]

منٹ میں اس کی موت واقع ہو سکتی تھی۔ "اسپرین" میں چلائی۔ "کسی کے پاس اسپرین ہے؟"

سمیر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ پرنیتا چلی۔ "میں لاتی ہوں۔"

میں نے ڈاکٹر وین سے پوچھا۔ "تمہارے جسم میں گلوکوز کی کمی تو نہیں ہے؟ ویسے تو یہ بیماری GEPD کہلاتی ہے لیکن میں نے اسے آسان کر کے لکھا ہے۔ اس میں خون کے سرخ ذرات کم ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر مریض کو اسپرین دی جائے تو یرقان ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔"

وہ میری بات نہیں سن رہا تھا۔ اس کی نظریں خلا میں بھٹک رہی تھیں۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی اور ہر گزرتے سیکنڈ کے ساتھ اس کا رنگ مزید نیلا ہو رہا تھا۔

"ڈاکٹر وین۔" میں چلائی۔ "اپنے آپ کو سنبھالو۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ تمہارے خون میں گلوکوز کی کمی تو نہیں۔ میں تمہارا والٹ چیک کر رہی ہوں۔"

جیسے ہی میں نے اس کی پچھلی جیب پر ہاتھ رکھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو مجھ سے دور کرنے کی کوشش کی۔ "میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تمہاری جیب میں کارڈ موجود ہے جس میں تمہاری بیماری یا الرجی کے بارے میں درج ہو۔" اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

اسے اتنی کمزوری ہو گئی تھی کہ وہ کھڑا ہو سکتا تھا اور نہ بات کر سکتا تھا۔ شاید تھوڑی دیر بعد وہ بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہے۔ اگر وہ بے ہوش ہو گیا تو شاید مجھے منہ کے ذریعے مصنوعی تنفس دینا پڑتا۔ اسی وقت پرنیتا ایک بوتل لیے ہوئے کمرے میں آئی اور بولی۔

"تمہیں دو گولیاں لینی چاہئیں۔"

"نہیں، میں نے آواز لگائی۔" "پہلے مجھے اس کا میڈیکل کارڈ دیکھنا ہوگا۔ اگر اسے کوئی الرجی ہے تو اسپرین نقصان دہ ہو سکتی ہے۔"

"ایمبولینس آ گئی ...." مائیکل بولا۔ "میں انہیں اندر لے کر آتا ہوں۔"

"سمیر۔" ایک عورت چلائی۔ میری نظریں ڈاکٹر وین پر سے ہٹ گئیں۔ سمیر کو پسینے آ رہے تھے۔ وہ اس عورت سے بات کرنے لگا۔ شاید وہ عربی میں گفتگو کر رہے تھے لیکن لگتا تھا کہ اسے متلی ہو رہی ہے۔ اس نے اپنے سر سے پسینا پونچھا اور کچن کے سنک کی طرف لپکا۔ اسے ابکائیاں آ رہی تھیں۔

جیسے ہی طبی عملے کے لوگ گھر میں داخل ہوئے تو میں نے کہا۔ "کیا کسی اور کی طبیعت بھی بگڑ رہی ہے؟ بہتر ہے کہ وہ بھی اسپتال جا کر دکھا دے۔"

"کس لیے؟" سمیر کی ماں نے پوچھا۔

"زہر خورانی۔" میں نے طبی عملے کی عورت کو دروازے میں داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔

میں کاروں کے قافلے کے ہمراہ اسپتال گئی اور سمیر کو سب سے آگے رکھا تاکہ اسے فوری طبی امداد مل سکے۔ جب اسے ایک کیبن میں بستر پر لٹا دیا گیا تو میں پرنیتا کو اس کے پاس چھوڑ کر ڈاکٹر وین کو دیکھنے چل دی۔

ایک نرس نے میرا راستہ روکا۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ میں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ "میرا نام ڈاکٹر ہوپ ہے اور میرے پاس مریض کے بارے میں اہم معلومات ہیں۔"

اس نے مجھے گھورا جیسے اسے میری بات پر یقین نہ آیا ہو۔ "پلیز، میں پاگل نہیں ہوں۔" میں نے اپنے والٹ میں کارڈ ٹٹولتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس میں میرا لیبارٹری کارڈ اور میک گل یونیورسٹی کا کارڈ موجود تھا۔ "میں مانٹریال میں ڈاکٹر ہوں۔ ہماری لیبارٹری سے زہر خورانی [illegible] میں گلوکوز کی کمی کی شکایت ہے۔"

وہ نرسنگ اسٹیشن کی طرف گئی اور فون اٹھاتے ہوئے بولی۔ "ایک منٹ، میں چارج نرس سے بات کرتی ہوں۔"

میں وہاں رات بھر بھی انتظار کر سکتی تھی اگر مجھے ڈاکٹر سے بات کرنے کا موقع مل جاتا لیکن ڈاکٹروں کی کمی کی وجہ سے زیادہ کام نرسیں ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس نے فون رکھ دیا اور بولی۔ "وہ جواب نہیں دے رہی۔"

میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اس کی حالت تشویشناک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

میں اس کے ساتھ ہال میں چلی گئی جو مریضوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں زیادہ تر کھانسی، بخار یا برف پر پھسل کر زخمی ہونے والے مریض تھے۔ وہ مجھے اس کمرے میں لے گئی جہاں مریضوں کو ہوش میں لایا جاتا تھا۔

"یہاں ڈاکٹر موجود ہے۔ تم جو کچھ سوچ رہی ہو، اسے بتانے کے لیے تمہارے پاس ایک منٹ ہے۔"

https://www.urdutubes.com/

ڈاکٹر نے پردہ ہٹایا اور مجھے دیکھنے لگا۔ وہ کوئی ایشیائی تھا جس کی مجھے توقع نہیں تھی۔ اس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو رہے تھے اور وہ دیکھنے میں چالیس سال کا لگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے کہا۔

میں نے کہا۔ "میرا نام ڈاکٹر ہوپ ہے اور میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر وین کو ہیموگلوبین کا مسئلہ ہے۔"

اسے سمجھنے میں ایک سیکنڈ لگا۔ "میں تم سے متفق ہوں مگر تم کون ہو؟"

"میں مانٹریال میں ڈاکٹر ہوں اور یہاں ایک مہینے سے ریسرچ کے لیے آئی ہوئی ہوں۔ اس پارٹی میں صرف میں ہی واحد ڈاکٹر تھی۔ میڈیکل ڈاکٹر۔" میں نے وضاحت کی۔ کیونکہ پارٹی میں تقریباً پی ایچ ڈی ڈاکٹر تھے۔ "کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔"

اس نے ایک سیکنڈ کے لیے توقف کیا پھر بولا۔ "تم کسی چیز یا فرد کو ہاتھ نہیں لگا سکتیں اور نہ ہی تمہیں کوئی استحقاق ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور اس کے پیچھے چل دی۔

ایک بستر کے پاس جا کر [illegible] کی طرف [illegible] ایک ٹیوب اس [illegible] تھی اور [illegible] اس کی وینٹی لیٹر کو کنٹرول کر رہا تھا۔ گو کہ اس کے جسم سے ٹیوب کے ذریعے فاسد خون باہر آ رہا تھا۔ اس کے باوجود اس کے ہونٹوں کی نیلاہٹ میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔

"اس کے جسم سے نکلنے والے خون کا رنگ کتھئی ہے جس سے مجھے شبہ ہو رہا ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "ٹیوب کے ذریعے خون نکالنے اور آکسیجن دینے کے باوجود نیلاہٹ کم نہیں ہوئی۔ میں نے اس کے خون کا تجزیہ کروایا، اس میں آکسیجن کی مقدار نارمل تھی۔ میری تشخیص ہے کہ اسے میٹ ہیموگلوبین کا مسئلہ ہے۔ اسے میتھلین بلیو دینا ہوگی۔"

"ایک منٹ۔" میں نے کہا۔ "اس کے خون میں سرخ ذرات کی کمی ہے۔ تمہاری تجویز کردہ دوا دینے سے Hemolysis (خون میں سرخ خلیوں کا خاتمہ) کا خطرہ بڑھ جائے گا جبکہ اسے مزید سرخ خونی خلیوں کی ضرورت ہے۔"

ڈاکٹر نے نرس سے کہا۔ "مریض کا والٹ دیکھو۔"

نرس نے والٹ کھول کر اس میں رکھے ہوئے کارڈ دیکھنا شروع کیے۔ بالآخر اسے وہ کارڈ مل گیا جس پر سرخ حروف میں لکھا ہوا تھا۔ "جسم میں گلوکوز کی کمی۔"

میرا شبہ درست نکلا۔ اب اس کے مطابق ڈاکٹر کا علاج ہونا تھا۔ ڈیوٹی ڈاکٹر نے انتقال خون کے انتظامات شروع کر دیے۔ عام حالات میں انتقال خون کے ذریعے سرخ خونی خلیوں کا اضافہ کیا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر وین کا معاملہ مختلف تھا۔ نیا خون دینے سے پہلے اس کے جسم سے زہریلا خون نکالنا ضروری تھا۔

انتظامات مکمل ہونے کے بعد ڈاکٹر نے مجھ سے کہا۔ "میں نے اس سے پہلے اس نوعیت کا کیس نہیں دیکھا۔ اگر تم میری مدد نہ کرتیں تو شاید میں اس کا اندازہ نہیں کر پاتا۔" اس کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں جن میں حیرت جھلک رہی تھی۔ جین سمیت دوسری نرسیں بھی مجھے دیکھ رہی تھیں۔

میں نے کہا۔ "ڈاکٹر وین اور سمیر دونوں کو نیلا یرقان ہو گیا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں زہر دیا گیا ہے جو ان کے کھانے یا مشروب میں شامل تھا۔ سمیر شراب نہیں پیتا۔ اس لیے امکان یہی ہے کہ اس کے کھانے میں زہر تھا۔ میں نے گوشت نہیں کھایا اور میری طبیعت بھی خراب نہیں ہوئی۔ اس لیے ممکنہ طور پر وہ گوشت زہر آلود تھا۔"

"اس وجہ سے اسے میٹ ہیموگلوبین کا مسئلہ ہوا؟"

ماسٹر صاحب کلاس کو خاموشی کے بارے میں سبق دے رہے تھے۔ سبق دینے کے بعد پوچھا۔
"وہ شخص جو خود بات کرتا رہے اور دوسرے کسی کی بات پر توجہ نہ دے اور دوسرے کو بات کرنے کا موقع نہ دے اس کو کیا کہتے ہیں؟"
ایک کونے سے آواز آئی۔ "ماسٹر!"

محیط کا جواب کراچی سے

استاد (شاگرد سے) "فرید بتاؤ چیزوں کو گلنے اور خراب ہونے سے بچانے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟"
فرید (معصومیت سے) "جناب! کھا لینی چاہیے۔"

مٹھی سے راج کمار کی دلچسپی

ڈاکٹر نے کہا۔

''تو خوراک کے نمونوں کا تجزیہ کرنے کے بعد ہی معلوم ہوگا لیکن میرے خیال میں ڈاکٹر ڈین نے سب سے زیادہ گوشت کھایا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس میں سوڈیم نائٹریٹ یا اس جیسی کوئی دوسری چیز شامل تھی۔''

اسی وقت ایک ٹیکنیشن ڈاکٹر ڈین کے جسم سے زہریلا خون نکالنے کے لیے کمرے میں داخل ہوا۔ اس سے پہلے کہ میں پہلی بار انتقالِ خون کی کارروائی دیکھتی، پولیس مجھے پوچھ گچھ کے لیے اپنے ساتھ لے گئی۔

اس چھوٹے سے کمرے میں پارٹی میں شریک دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ پرنیتا، سمیر کی ماں، خالہ اور نانی کے گلے لگ کر رو رہی تھی اور سمیر اس کی کمر پر تھپکی دے رہا تھا لیکن وہ مجھے دیکھ کر پُرسکون ہو گئی۔ مائیکل اور کرس دروازے کے گرد منڈلا رہے تھے۔

پرنیتا نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیا ہمیں اجازت ہے؟'' میں نے سمیر کی فیملی سے کہا۔ ''میں صرف ایک منٹ لوں گی۔''

پرنیتا کے چہرے سے میں سمجھ گئی کہ وہ مجھ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی ہے۔ بہرحال سمران سب کو کمرے سے باہر لے گئی۔ میں نے دونوں دروازے بند کیے اور کھڑکی کے پردے بھی گرا دیے۔

ان کے جاتے ہی پرنیتا پھٹ پڑی۔ ''یہ سب میری غلطی سے ہوا۔''

''تمہاری غلطی؟'' میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم نے گوشت بنانے میں ان کی مدد کی تھی؟''

پرنیتا دوبارہ رونے لگی۔ ''نہیں، بالکل نہیں۔ سمیر نے کہا تھا کہ میں آرام کروں اور پارٹی سے لطف اندوز ہوتی رہوں۔''

میرے ذہن میں بہت سی باتیں گڈمڈ ہونے لگیں۔ جس طرح وہ اسپرین کے لیے باتھ روم گئی جبکہ اسے اپنا پرس اٹھانا چاہیے تھا پھر اس کا سابق بوائے فرینڈ سمیر کے گھر میں امر بیل لٹکا رہا تھا۔ وہ سمیر کی پارٹی میں شرکت کرنے نہیں آئی بلکہ اس کے ساتھ ہی رہ رہی تھی۔

''تم نے ہی سمیر کو نمک کی تھیلی دی تھی؟'' میں نے کہا اور دروازے کی طرف چل دی۔ ''پولیس یہ جاننا چاہے گی۔''

''میں سمیر کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔''

''جان بوجھ کر نہیں۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا گو کہ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ سچ بول رہی ہے۔ ''پھر تم نے اسے سوڈیم نائٹریٹ کی تھیلی کیوں دی اور کہا کہ یہ نمک ہے۔''

اس نے اپنا سر جھکاتے ہوئے نیچی آواز میں کہا۔ ''میں نے اسے وہ بیگ نہیں دیا۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور میں اس کے اعتراف کا انتظار کر رہی تھی۔

''کارسن سے تعلق ختم ہونے کے بعد میرا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ رہنے پر والدین پہلے ہی مجھ سے ناراض تھے اور میرے بہنوئی نے بھی اسے پسند نہیں کیا۔ اس موقع پر سمیر نے میری مدد کی۔ اس نے کہا کہ میں چند روز کے لیے اس کے مکان میں رہ سکتی ہوں۔ کسی کو معلوم نہیں ہو گا۔''

یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ اسے اپنے سابق بوائے فرینڈ سے چھپنے کے لیے ایک ٹھکانا چاہیے تھا اور سمیر کے گھر والے بھی اس معاملے میں خاموش رہتے لیکن کارسن کو معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ ''تم نے اسے اپنے ٹھکانے کے بارے میں کیوں بتایا؟''

''وہ بہت اچھا انسان [illegible] ملازمت [illegible] میرا [illegible] سامان [illegible] میں چھوڑ آئی تھی۔ اس میں بہت معمولی چیزیں بھی تھیں جیسے امر بیل، اس کے علاوہ کچھ گروسری بھی تھی جو میں نے خریدی لیکن استعمال نہیں کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ نمک کی یہ تھیلی بھی اسی سامان میں تھی اور مجھے بھی کرسمس پر اتنے زیادہ پودے نہیں ملے۔''

میں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''وہ سارے پودے زہر آلود ہیں۔ یہ پودے بڑوں کو تو نہیں البتہ بچوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کتے اور بلیاں بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ جانور جسامت میں چھوٹے ہیں۔ اس لیے ان میں جلدی زہر پھیل جاتا ہے۔''

وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ کرسمس کے موقع پر صرف میرے لیے یہ پودے لے کر آیا تھا۔ وہ یہ تہوار جوش و خروش سے مناتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے نومبر میں ہی بیڈروم میں ایک کرسمس ٹری لا کر رکھ دیا تھا۔ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہے گا۔ وہ کتوں سے بھی

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

پیار کرتا ہے۔''

''لوگوں کے بارے میں کیا کہو گی؟''

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔''

''ہم واپس نمک کی تھیلی کی طرف آتے ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ گروسری لے کر آیا تھا۔ میں ہی وہ تھیلی اٹھا کر کچن میں لائی تھی۔ کیا اس پر عربی میں نہیں لکھا ہوا تھا؟''

اس نے آہستہ سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اس پر عربی اور انگریزی دونوں میں ہی لکھا ہوا تھا۔''

''میں نے پولیس کو بتا دیا ہے کہ وہ اس تھیلے کو چیک کریں۔ اس میں کیا تھا۔ وہ یہ دیکھنے کے لیے سمیر کے گھر جا رہے ہیں۔ میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں کہ کارسن نے اس بیگ میں کوئی اور چیز بھی ڈالی تھی۔''

''مثلاً کیا؟''

''سوڈیم نائٹریٹ۔ اس کا ملنا کچھ مشکل نہیں۔ اسے گوشت کو محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں آدھے دن تک گوشت کو بھگو کر رکھا جائے۔ سمیر کی فیملی نے ایسا ہی کیا تھا۔''

پرنیتا ناک سکیڑتے ہوئے بولی۔ ''تم محض اندازہ لگا رہی ہو۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کارسن نے کیا کیا۔ وہ میری چیزیں لے کر آیا تھا۔''

''وہ تمہارے لیے زہریلے پودے اور ایک ایسی چیز لے کر آیا، جس نے ڈاکٹر وین کو تقریباً مار ڈالا کیونکہ اس نے سب سے زیادہ گوشت کھایا تھا۔''

''نہیں۔'' پرنیتا نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا اور سسکیاں لینے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ تمہیں یہ بُری خبر سنا رہی ہوں۔ یہ کام پولیس پر چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ کارسن نے تمہارے اور سمیر کے لیے امر بیل کیوں لٹکائی۔ یہ کام وہی کر سکتا تھا کیونکہ وہ ہم سب سے لمبا ہے۔''

''چھ فٹ۔''

''یعنی وہی پارٹی شروع ہونے سے قبل وہ بیل چھت میں لٹکا سکتا تھا۔''

''اس نے یہ بیل میرے اور اپنے لیے لٹکائی تھی۔ جب میں باتھ روم سے واپس آئی تو اس نے امر بیل کی جانب اشارہ کیا اور میرا بوسہ لینے کی کوشش کی۔ میں نے انکار کر دیا۔ اس نے مجھے مجبور نہیں کیا۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ وہ صرف مجھ پر چلایا اور چلا گیا۔''

''تم یہ ساری معلومات پولیس کو دو گی۔ اس کا پورا نام، پتا، فون نمبر، اور اس کی تصویر۔''

''مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

''ایک آخری سوال۔'' میں نے کہا۔ ''لیونگ روم میں وہ چھوٹا جھاڑی دار پودا (بونسائی) کس نے رکھا تھا؟''

''سمیر اس بات پر ناراض ہو رہا تھا کہ کارسن میرے لیے اتنے سارے پودے لایا۔ اس نے مشورہ دیا کہ میں انہیں اسپتال کو عطیہ کر دوں لیکن مجھے پودے پسند ہیں۔ لہٰذا اس نے مجھے جھاڑی دار پودا دے دیا۔'' اس نے شرماتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

میں تھوڑا سا ہچکچائی۔ مجھے اس وقت اس سے یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی لیکن شاید میں اس سے دوبارہ نہ مل سکوں۔ اس لیے میں بول پڑی۔ ''ابھی نہیں لیکن چند دنوں، ہفتوں یا مہینوں تک جب سب چیزیں واضح نہ ہو جائیں تو میں چاہوں گی کہ تم اس درخت کو چیک کرو۔ اس کی مٹی میں ایک کاغذ چھپا ہوا ہے۔ تم شاید اس کے بارے میں سمیر سے بات کرنا چاہو۔''

تین دن بعد اس نے مجھے دو تصویریں بھیجیں۔ ان میں ڈاکٹر وین کے ساتھ سمیر اور اس کی سیلفی تھی۔ ڈاکٹر وین [illegible] انداز میں کیمرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس سے لگا کہ اس کے دماغ کے تمام خلیے پوری طرح کام کر رہے ہیں۔

پرنیتا درمیان میں تھی۔ اس کے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے سابق بوائے فرینڈ کو پولیس پوچھ گچھ کے لیے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ وہ کچھ تھکی ہوئی لگ رہی تھی لیکن ہمیشہ کی طرح پرکشش اور خوب صورت لگ رہی تھی۔

سمیر کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔ اس کا ایک بازو پرنیتا کے گرد تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی مطمئن رہنے والا شخص تھا لیکن میں نے اسے کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا۔ پرنیتا نے جو دوسری تصویر بھیجی وہ ایک تحریر تھی جس پر مٹی لگی ہوئی تھی لیکن آسانی سے پڑھی جا رہی تھی۔ یہ وہی کاغذ تھا جو میں نے پودے کی جڑ میں دبا ہوا دیکھا تھا۔ اس میں صرف تین لفظ لکھے ہوئے تھے۔ ''مجھے سدا بہار پودے سے پیار ہے۔'' انہیں پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پرنیتا نے سمیر کا تحفہ قبول کر لیا تھا۔

سائمن اور میں گزشتہ ماہ اوگ ڈین شفٹ ہو گئے تھے تاکہ کرنل کرو اور اس کی بیٹی ڈیانا کے ساتھ مل کر پرائیویٹ سراغ رساں ایجنسی قائم کر سکیں۔ فی الحال کام کی رفتار سست بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی اور دفتر کھولنے کے علاوہ ہم نے ابھی تک کچھ نہیں کیا تھا۔ نہ کوئی گاہک آیا اور نہ ہی کوئی کیس ملا۔ کرنل کرو نے اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے سرکاری اداروں، ریلوے، ایکسپریس کمپنیوں اور کاشت کاروں کی ایسوسی ایشن سے رابطے کیے تھے۔

برف کی گہرائی میں دبے جرم کے ان مٹ نشانات......

درخت کی تلاش

عکس فاطمہ

تلاش و جستجو جاری رہے تو قسمت سے کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے... موسم سرما اور شدید برف باری نے وہاں کے مکینوں کو گھروں میں قید کر دیا تھا... مگر ساتھ ہی کرسمس کی تیاری کے لیے ایک درخت کی ضرورت تھی... کچھ سرپھرے موسم کی سختی کی [illegible] جنگل میں نکل گئے... انہیں اپنی پسند کے درخت کی تلاش تھی...

انہوں نے ہماری کامیابی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار تو ضرور کیا لیکن کہیں سے بھی کوئی کام نہ ملا۔

اس فراغت کی وجہ سے مجھے ڈیانا کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع مل گیا۔ اس نے بہت سے معاملات خصوصاً امورِ خانہ داری میں ہماری بہت معاونت کی۔ اس کی فیاضی اور سمجھ بوجھ نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میں اکثر خریداری کے لیے اسے اپنے ساتھ لے جاتا اور وہ مجھے میری مرضی کی چیز مناسب داموں پر دلوا دیتی۔ واپسی میں ہم کسی کافی شاپ میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے۔ غرضیکہ اس کے ساتھ میرا بہت اچھا وقت گزر رہا تھا۔ اس کے برعکس میرا بھائی سائمن کام نہ ہونے کی وجہ سے خاصا بیزار نظر آ رہا تھا۔

ان دنوں ہم تعطیلات منانے کی غرض سے بورڈنگ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک روز ناشتے کی میز پر ہماری مکان مالکن نے دوسرے کرائے داروں کی موجودگی میں کہا۔

''اس سال ابھی تک مجھے کرسمس ٹری نہیں ملا۔'' مجھے یوں لگا جیسے وہ خاص طور پر مجھ سے مخاطب ہو، پھر جب اس نے میری طرف کافی کی پیالی بڑھائی تو مجھے بھی اخلاقاً جواب دینا پڑا۔

''اوہ، اچھا۔'' میں نے کہا۔ ''ایپی نے مجھے بتایا تھا کہ پورے قصبے میں صنوبر، چیڑ اور سفیدے کے درخت ناپید ہو گئے ہیں۔''

مس ڈیرک کی خادمہ ابلی تلے ہوئے آلوؤں کی پلیٹ لے کر کچن سے برآمد ہوئی۔

''ہاں، یہ سچ ہے۔'' اس نے کہا۔ ''لوگوں نے پہلے ہی یہ درخت کاٹ کر بیچ دیے ہیں۔ آخر میں تو ایک درخت کی قیمت دس ڈالر تک پہنچ گئی تھی۔''

''بڑے شرم کی بات ہے۔'' مس ڈیرک نے کہا۔

ہم سب ناشتے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس لیے کسی نے کچھ کہنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ بس سر ہلا کر تائید کرنے پر اکتفا کیا۔ البتہ ایک نو وارد نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''یہ طلب اور رسد کا معاملہ ہے۔ جب کسی چیز کی مانگ زیادہ ہو تو اس کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔''

''یہ کوئی کاروبار نہیں ہے۔'' مس ڈیرک نے ناگواری سے کہا۔ ''بلکہ ایک روایت ہے اور ہر اچھے عیسائی کو اس پر عمل پیرا ہونے کا حق ہے لیکن کچھ لالچی لوگ انہیں اس حق سے محروم کر رہے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' اس شخص نے کہا اور ناشتا کرنے میں مصروف ہو گیا پھر ایک عمر رسیدہ شخص نے گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں مس ڈیرک کہ یونین پیسفک ریلوے تمہارے خیالات سے پوری طرح متفق ہے اور اسی لیے ایک خصوصی کرسمس ٹرین چلانے کا بندوبست کیا گیا ہے جو بڑی تعداد میں درخت لے کر یہاں پہنچنے والی ہے۔''

''کب؟'' مس ڈیرک نے پوچھا۔

''مجھے صحیح وقت کا تو علم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آج کل میں پہنچ جائے۔''

''میں تمہارے جواب سے مطمئن نہیں ہوں۔'' مس ڈیرک نے کہا۔ ''آج کل سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''میرا مطلب ہے کہ وہ مال گاڑی فار مسکٹن سے اسی وقت روانہ ہو سکتی ہے جب وہ پوری طرح بھر جائے۔'' بوڑھے شخص نے جواب دیا۔

''یعنی ریلوے والوں کو بھی زیادہ سے زیادہ آمدنی کا لالچ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم درختوں کا انتظار ہی کرتے رہ جائیں اور کرسمس سر پر آ جائے۔''

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میڈم۔'' میں نے کہا۔ ''آج کے بعد تمہیں درخت [illegible] ہوگا [illegible] پڑے گا۔''

https://www.urdutubes.com/

مس ڈیرک کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔ ''اوہ، پھر مجھے کس کا شکریہ ادا کرنا ہوگا۔''

''میرے بھائی کا۔'' میں نے کہا۔

سائمن ناشتا کرتے کرتے رک گیا۔ اس نے کانٹا پلیٹ میں رکھا اور مجھے گھورنے لگا۔

''معاف کرنا میڈم۔'' میں نے کہا۔ ''وہ مجھے اپنے بھائی کی طرف سے بولنا پڑ رہا ہے کیونکہ وہ اتنی دور بیٹھا ہوا ہے کہ اس کی آواز یہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔''

''اوہ، تم واقعی بہت اچھے ہو مسٹر مارک۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد ہم نے سکون سے ناشتا کیا گو کہ میں جانتا تھا کہ بعد میں مجھے اس کی کیا قیمت ادا کرنا ہوگی اور وہی ہوا جب ناشتا کرنے کے بعد سب لوگ وہاں سے چلے گئے اور مس ڈیرک بھی دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی تو سائمن نے غصے سے کہا۔

''کیا ضرورت تھی اتنا بڑھ چڑھ کر بولنے کی۔ لگتا ہے

کہ تمہاری عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے۔''

''اب تمہاری کرسمس اسپرٹ کہاں چلی گئی؟'' میں نے اسے چھیڑا۔

''وہ اپنی جگہ موجود ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کسی اور کے لیے درخت ڈھونڈتا پھروں۔''

''ایک سچے عیسائی کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ ماں نے سن لیا تو کیا کہے گی۔''

ماں کا نام سنتے ہی اس کی زبان بند ہو گئی اور اس نے منہ پھیر کر آتش دان کی طرف کر لیا۔ میں نے ایک بار پھر غلط وقت پر غلط بات کہہ دی تھی۔

''تم اس بات کو یوں دیکھو۔'' میں نے فوراً ہی بات بنائی۔ ''تم خود بھی کوئی کام نہ ہونے کی وجہ سے اکتاہٹ محسوس کر رہے ہو۔ اس طرح تمہیں ایک مصروفیت مل جائے گی اور ہم گھوم پھر کر اس جگہ کا جائزہ لے سکیں گے۔ تم جانتے ہو کہ اب یہی شہر ہمارا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس لیے ہمیں کام شروع ہونے سے پہلے یہاں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات ہونی چاہئیں۔''

سائمن نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''یعنی تم صرف مجھے ہی درخت تلاش کرنے کے لیے نہیں بھیج رہے بلکہ تم بھی [illegible] ہو۔''

''بالکل، میں بھی ساتھ جاؤں گا اور تمہیں ایک بات اور بتا دوں۔ یہ ایک بہت اچھی تفریح ہوگی۔''

ایک گھنٹے بعد ہم دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکلے۔ میری پیٹھ کے پیچھے کمبل میں لپٹی ہوئی ایک کلہاڑی تھی جو ہمیں مس ڈیرک کے ایک ملازم نے دی تھی۔ ہم جنوب کی جانب دریا اور ریل کی پٹری کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ شہر کی حدود سے باہر آنے کے بعد ہم نے ان دونوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ جن درختوں کے پاس سے ہم گزر رہے تھے وہ اونچائی میں بہت زیادہ تھے اور انہیں کسی کمرے میں نہیں رکھا جا سکتا تھا اور جن درختوں کی ہمیں تلاش تھی وہ پہلے ہی کاٹے جا چکے تھے۔

دریا سے چالیس گز کے فاصلے پر سائمن اچانک ہی اپنے گھوڑے کی زین پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ دریا کی مخالف سمت میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے بھی اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ وہ ایک سات آٹھ سال کا بچہ تھا جو ریلوے لائن کے پشتے کے ساتھ چلتا ہوا جا رہا تھا۔ جب اس کی نظر ہم پر پڑی تو وہ رک گیا اور اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر لے جا کر لہرانے لگا۔

''اے۔'' اس نے آواز لگائی۔ ''کیا تمہارے پاس گن ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے چلاتے ہوئے جواب دیا۔ ہم جنگلی جانوروں یا کسی ممکنہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیشہ ہتھیار لے کر نکلتے تھے۔ ''کیا کوئی مسئلہ ہے؟''

لڑکے نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس طرف، جلدی چلو۔''

وہ مڑا اور اسی جانب چل دیا جہاں سے آیا تھا۔

''تمہارے خیال میں کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟'' میں نے سائمن سے پوچھا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے پشتے کی جانب بڑھتا رہا۔ جب ہم بلندی پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ لڑکا ان دو آدمیوں کی جانب بڑھ رہا ہے جو سو گز کے فاصلے پر برف میں چت لیٹے ہوئے تھے۔

میں نے گھوڑے کی لگام سنبھالی اور اس جگہ کا جائزہ لے کر یہ جاننے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ دونوں اس طرح کیوں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا البتہ سائمن آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے گھوڑے کی لگام سنبھالی ہوئی تھی جبکہ دوسرا ہاتھ ہولسٹر میں رکھے ہوئے ریوالور پر تھا۔

لڑکے نے ہمیں دیکھا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے دوبارہ ان دونوں کی جانب بڑھنے لگا۔

''ایمن، سار یا، دیکھو۔'' وہ چلایا۔ ''مجھے یہ لوگ مل گئے۔''

''چپ ہو جاؤ گورڈن۔'' ایک آواز آئی۔

وہ زندہ تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ان کی عمریں بھی ہمارے نئے ساتھی کے برابر تھیں۔ وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور چلتے ہوئے اپنے ساتھی کے پاس آ گئے۔ جب انہوں نے اوپر سے برف جھاڑی تو میں نے دیکھا کہ ان کے کپڑے بوسیدہ اور ان پر جابجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ کسی غریب کسان کے بچے ہیں۔

''کیا مسئلہ ہے بچو؟'' میں نے پوچھا۔

بڑا لڑکا ایمن چوٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ہم کرسمس ٹری کی تلاش میں تھے کہ وہاں ہم نے ایک ریچھ دیکھا اور......''

''پہلے میں نے دیکھا تھا۔'' لڑکی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

ایمن اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا خیال ہے کہ وہ مر چکا ہے لیکن اگر زندہ ہو تب بھی اسے گولی مار کر اس کا گوشت بیچ سکتے ہیں۔''

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" لڑکی بولی۔
"لیکن ہمارے پاس گن نہیں ہے۔ اسی لیے ہم نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھیجا تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو تلاش کرے جس کے پاس ہتھیار ہو۔"
ایمن نے بلند آواز میں کہا۔ "اگر تم ہماری مدد کرو تو گوشت کی فروخت سے ملنے والی رقم ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔"
سائمن اور میں نے چوٹی کی طرف دیکھا، اگر وہاں کوئی زندہ ریچھ ہے تو یقیناً وہ گہری نیند سو رہا ہوگا۔
میں گھوڑے سے نیچے اُتر آیا اور گورڈن سے کہا۔ "کیا تم کچھ دیر کے لیے ہمارے گھوڑوں کی لگام سنبھال سکتے ہو؟"
اس چھوٹے لڑکے کے لیے ایک سنسنی خیز تجربہ تھا کہ ایسے دو آدمی اس سے کسی کام کے لیے کہہ رہے ہیں جو خود دیکھنے میں کاؤبوائے کے مانند لگتے ہیں۔ وہ پُرجوش انداز میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور بولا۔ "کیوں نہیں۔"
سائمن نے اپنے گھوڑے کی لگام اس کے حوالے کی اور اپنا ریوالور چیک کرنے لگا۔ میں نے بھی اس کی تقلید میں اپنا ریوالور نکال کر ایسا ہی کیا کیونکہ موسم سرما میں ہم دو بھیڑیوں کے ہاتھوں مرنے سے بال بال بچے تھے جب عین وقت پر ہمارے ہتھیار جام ہو گئے۔ اس لیے اب ہم کسی ریچھ کو یہ موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔
"بس تمہارے پاس یہی ہتھیار ہیں؟" ساریا نے پوچھا۔ "کوئی رائفل نہیں ہے؟"
"مس۔" میرے بھائی نے کہا۔ "ہم کرسمس ٹری ڈھونڈنے نکلے تھے کسی لڑائی کے لیے نہیں۔"
"تم پریشان نہ ہو۔" میں نے کہا۔ "گولی پھر گولی ہے۔ یہ اپنا کام کرے گی۔"
لیکن میں جانتا تھا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اگر ریچھ آپ پر حملہ کرے تو اسے روکنے کے لیے رائفل کا ہونا ضروری ہے۔
"ٹھیک ہے۔ تم لوگ یہیں رک کر ہمارا انتظار کرو۔"
یہ کہہ کر میں اپنے بھائی کے پیچھے چل دیا۔ ہم نے چوٹی پر پہنچ کر دوسری طرف دیکھا۔ پہاڑی کی ڈھلوان سطح پر ٹیلے اور برف سے ڈھکی ہوئی جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔
"وہاں۔" سائمن نے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی کی۔
نیچے کی جانب پچیس گز کے فاصلے پر فر کی ایک بڑی سیاہ گیند دو درختوں کے درمیان پڑی ہوئی تھی۔ دیکھنے میں وہ کوئی جانور ہی لگ رہا تھا لیکن جس انداز میں وہ آدھا برف کے اندر دبا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ کون سا جانور ہے۔
"تم نے دیکھا؟" گورڈن نے پیچھے سے آواز لگائی۔
"ہاں، ہم نے دیکھ لیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔
یہ آواز سننے کے بعد بھی اس گیند نے کوئی حرکت نہیں کی۔ سائمن نے گھٹنوں کے بل لیٹ کر پہاڑی کا جائزہ لیا اور بولا۔ "وہ دیکھو، برف باری نے تقریباً اسے ڈھک دیا ہے لیکن پوری طرح نہیں۔"
اس نے ایک چوڑی لکیر کی طرف اشارہ کیا جو برف کو کاٹتی ہوئی گزر رہی تھی۔ وہ ہمارے بائیں جانب پچیس گز کے فاصلے سے شروع ہو کر دائیں جانب اس سیاہ گیند تک چلی گئی تھی۔
"یہ تو گھٹنے کا نشان ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہ ریچھ نہیں ہے۔"
"ہو بھی سکتا ہے۔" سائمن نے کہا۔
میں نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسے یہیں چھوڑ کر دوبارہ درخت کی تلاش میں نکل جائیں؟"
"بالکل ہم جا سکتے ہیں۔" سائمن نے کہا۔ "لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ بچے بھی جانے پر تیار ہو جائیں گے۔"
"ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے دوبارہ سرد آہ بھری۔
وہ مسلسل اس سیاہ گیند پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس کے انداز سے میں سمجھ گیا کہ صرف بچے ہی نہیں بلکہ وہ بھی اپنے تجسس کی وجہ سے اس چیز میں دلچسپی لے رہا تھا۔ چنانچہ مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔
"ٹھیک ہے پھر تیار ہو جاؤ۔" میں نے کہا۔
میں نے اپنا ریوالور ہولسٹر میں رکھا اور برف کا گولا بنانے لگا۔
"یہ برف کے گولوں سے لڑنے کا وقت نہیں ہے۔" سائمن نے کہا۔
"مجھے اختلاف ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "برف کے گولوں سے لڑنے کا یہی وقت تو ہے۔"
سائمن نے تائید میں سر ہلایا۔ وہ میرا منصوبہ سمجھ گیا تھا۔ اس نے بھی برف کے گولے بنانا شروع کر دیے۔ میں

نے پوری قوت سے بیس بال کی طرح برف کا گولا اس سیاہ گیند کی جانب پھینکا جو سیدھا اس سے جا کر ٹکرایا لیکن اس گیند نے کوئی حرکت نہیں کی۔
"غالباً یہ مر چکا ہے۔" میں نے کہا۔
"ہاں، ایسا ہی لگتا ہے۔" سائمن نے کہا۔
اس نے قدم آگے بڑھایا اور اس جانب چلنا شروع کر دیا۔ میں بھی ریوالور نکال کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو ہمیں برف میں دبی ہوئی اس چیز کا بہتر نظارہ دیکھنے کو ملا۔ اس کی لمبائی تقریباً چھ فٹ تھی۔ میں نے اپنا ریوالور دوبارہ ہولسٹر میں رکھ لیا اور سائمن کو آگے جانے دیا۔ وہ لاش کے پاس جا کر جھکا اور اسے کھینچ کر درختوں کے درمیان سے نکال لیا۔
"یہ کیا ہے؟" میں چلّایا اور بے اختیار دوبارہ اپنا ریوالور باہر نکال لیا۔
میں کسی جمی ہوئی لاش کی نیلی جلد اور برف میں اکڑے ہوئے کپڑوں کی توقع کر رہا تھا۔ اس کے بجائے لمبے لٹکے بے ترتیب بال، بدصورت چہرہ اور اس پر لگے ہوئے دو لمبے مڑے ہوئے سینگ دیکھے۔ مجھے اپنے پیچھے کسی کی چیخ سنائی دی۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ساریا پھٹی پھٹی آنکھوں [illegible] اس لاش کو دیکھ رہی تھی۔ ایمن نے بھی دونوں [illegible]
ساریا دو قدم آگے بڑھی اور لاش کو قریب سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ تو بہت ہی بدصورت ہے۔"
دور سے گورڈن کے چلّانے کی آواز آئی۔ "مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا دیکھا؟"
"یہ ...... بھوت ہے۔" اس کا بھائی ہکلاتے ہوئے بولا۔
اس وقت تک میں ابتدائی صدمے سے سنبھل چکا تھا۔ میں نے اپنا ریوالور دوبارہ ہولسٹر میں رکھ لیا۔ "نہیں، یہ بھوت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔
ساریا نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور بولی۔ "پھر یہ کیا ہے؟"
"یہ کریمپس ہے۔" سائمن نے کہا۔
"یہ کیا ہوتا ہے؟" ایمن نے پوچھا۔
"یہ ایک طرح سے سانتا کا مددگار ہے۔" میں نے وضاحت کی۔ "یہ اچھے بچوں کو تحفے دیتا ہے اور خراب بچوں کو بھگا دیتا ہے۔"
ساریا نے مجھے غصے سے دیکھا اور بولی۔ "ہمیں بے وقوف مت سمجھو۔ ہم جانتے ہیں کہ سانتا کے ساتھ کوئی نہیں ہوتا۔"
وہ چند قدم آگے جا کر رک گئی۔ ایمن بھی اس کے ساتھ تھا لیکن اس کی نظریں مسلسل لاش پر جمی ہوئی تھیں۔
"یہ ایک روایت ہے۔" میں نے کہا۔ "آسٹریا اور باویریا کے مختلف حصوں میں کرسمس سے ایک رات پہلے لوگ کریمپس کا روپ دھار کر بچوں کو ڈراتے ہیں لیکن ہمارے یہاں ایسی کوئی روایت نہیں ہے البتہ ہم نے اپنے پڑوسیوں کو یہ روپ دھارتے دیکھا تھا۔ انہوں نے ہمیں اس کے

قارئین متوجہ ہوں
پرچا نہیں ملتا
کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔
☆ بک اسٹال کا نام جہاں پر چا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل نمبر۔
رابطے اور مزید معلومات کے لیے
مرزا ثمر عباس 0301-2454188
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت
63-C فیز II ایکسٹینشن [illegible]
مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں:
35802552-35386783-35804200
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

بارے میں بتایا۔"

"یعنی اس نے بھی کاسٹیوم پہن ہوا ہے۔" ایمن نے کہا۔

"ہاں۔" سائمن نے کہا۔ "اور اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کا اصل روپ کیا ہے۔"

وہ اس کے چہرے سے نقاب ہٹانے کے لیے آگے بڑھا۔ میں نے ایمن اور ساریا سے کہا۔ "تم لوگ مت دیکھو۔"

لیکن وہ پیچھے ہٹنے کے بجائے لاش سے اور قریب ہو گئے۔ سائمن نے نقاب ہٹایا۔ وہ تقریباً میری ہی عمر کے آدمی کا زرد مرجھایا ہوا چہرہ تھا۔ میرے بھائی نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بچوں سے پوچھا۔ "اسے پہچانتے ہو؟"

دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ کوئی اجنبی ہے اور یہاں کا رہنے والا نہیں ہے۔" سائمن نے کہا اور بچوں نے سر ہلا دیا۔

سائمن دوبارہ لاش کی طرف مڑا، اس نے لمحہ بھر کے لیے اس کے گال پر اپنا ہاتھ رکھا پھر اس کے لباس کو پکڑ کر کھینچنے لگا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" ساریا نے پوچھا۔

"یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ کب سے یہاں پڑا ہوا ہے۔" سائمن نے کہا۔ "اس کا جسم ابھی تک گرم ہے اور ہم نے برف میں کسی چیز کے گھسیٹے جانے کے نشان بھی دیکھے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اس لاش کو یہاں لا کر پھینکا گیا ہے۔ تم نے کسی اور کو تو یہاں آتے جاتے نہیں دیکھا؟"

دونوں بچوں نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر تو ایک ہی طریقہ باقی رہ گیا ہے۔" سائمن نے کہا اور لاش کے کپڑوں سے برف ہٹانے لگا۔ اس نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی مدد سے کوئی چیز پکڑ کر اٹھائی، وہ اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے بہت قریب ہو کر دیکھنا پڑا۔

"کیا یہ صنوبر کے درخت کا پتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" سائمن نے جواب دیا۔ "جو کہ ہمیں یہاں کہیں نہیں ملا۔"

میرے بھائی نے لاش کے سینے پر سے مزید برف ہٹائی۔ "یہاں اور بھی پتے ہیں۔"

پھر اس نے لاش کو تھوڑا آگے کی طرف کھینچا اور اس کی پشت پر سے برف ہٹانے لگا۔ جب اس نے آدھی کمر صاف کر دی تو وہ اچانک رک گیا۔ وہاں ایک زخم کا نشان تھا۔

"تمہارے دوست کی کمر میں گولی ماری گئی ہے۔" سائمن نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ اسے قتل کیا گیا ہے؟" ایمن بولا۔

"ضروری نہیں کہ اسے قتل کیا گیا ہو۔" میں نے کہا۔ "یہ کوئی حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"حادثہ؟" ساریا طنزیہ انداز میں بولی۔

میں نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم یہ دیکھو کہ اس نے کیا پہن رکھا ہے۔ ہم پہلے اسے ریچھ سمجھ رہے تھے۔ ممکن ہے کہ کسی اور کو بھی یہی مغالطہ ہوا ہو اور اس نے ریچھ سمجھ کر اسے گولی مار دی۔"

"ایسا ہو سکتا ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ لباس پہن کر یہاں کیوں آیا؟"

میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "شاید اس کے پاس گرم کپڑے نہیں ہوں گے بھی اس نے سردی سے بچنے کے لیے یہ لباس پہن لیا۔"

سائمن نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے کہ تم اس وقت وہاں موجود تھے۔"

"اوہ، میں تو مذاق کر رہا تھا بھائی۔" میں [illegible] ہوئے کہا۔

وہ دوبارہ لاش کی طرف مڑا اور اس کے جسم سے سیاہ فر کا کاسٹیوم اتارنے لگا۔ اس میں اندر کی جانب بٹن لگے ہوئے تھے۔ چار پانچ بٹن کھولنے کے بعد اس نے فر کو اتنا ہٹا دیا کہ اس کے نیچے جو کچھ پہنا ہوا ہے وہ نظر آ جائے۔ اس نے براؤن رنگ کا کوٹ اور پرانی قمیص پہن رکھی تھی جس پر جابجا دھبے لگے ہوئے تھے۔

"اس کے کپڑوں سے لگتا ہے کہ یہ کوئی کاریگر تھا۔ یہ دھبے تیل یا گریس کے معلوم ہوتے ہیں۔ بہرحال یہ جو بھی کام کرتا ہو لیکن اس کی آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ اس کے کپڑوں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔"

سائمن نے اس کی جیبیں ٹٹولیں اور جو چیزیں برآمد ہوئیں، انہیں برف پر رکھ دیا۔ ان میں ایک ٹن سولجر (کھلونا) ایک ماؤتھ آرگن، چار ہیئر پنیں اور ایک کتاب تھی جو سائمن نے میری طرف اچھال دی کیونکہ وہ جرمن زبان میں تھی۔ میں نے وہ کتاب کھولی۔ اس پر جرمن میں ہی ہاتھ سے لکھا ہوا تھا۔ "پیاری ماں کے لیے۔"

https://www.urdutubes.com/

"یعنی اس نے یہ کتاب کسی عورت سے چرائی تھی۔" ایمن نے کہا۔

سائمن کو اس بے تکے تبصرے پر غصہ آ گیا۔ اس فقرے کو سننے کے بعد اس کے اندر آگ بھڑک اٹھی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور غصے سے زمین پر پاؤں مارتے ہوئے بولا۔ "اس نے کوئی چیز نہیں چرائی۔"

"کیا یہی ارنسٹ ہے؟" ساریا نے پوچھا۔

"ہاں۔" سائمن نے کہا۔ "اور اب ہم جان گئے تھا کہ اس نے یہ لباس کیوں پہنا تھا، وہ کہاں جا رہا تھا اور قتل کیا گیا تو وہ کیا کر رہا تھا۔"

"ہم کیا جانتے ہیں؟" ایمن نے پلکیں جھپکاتے [illegible] کہا۔

سائمن بولا۔ "تم صرف یہ دیکھو کہ اس نے سوٹ کے نیچے کیا پہن رکھا تھا۔ اس کی جیبوں میں کیا تھا اور کیا نہیں [illegible] سے یہاں تک اس کے گھسٹنے کے نشان۔ ان [illegible] چیزوں کو دیکھو گے تو پوری کہانی سمجھ میں آ جائے گی۔"

"اور یہ بھی کہ کس نے اسے گولی ماری؟" میں نے [illegible]

"ہاں۔" سائمن نے کہا پھر وہ ساریا سے مخاطب [illegible] ہوئے بولا۔ [illegible] کی جیب [illegible] [illegible] پہنچتے ہیں۔"

[illegible] کر وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ میں نے جلدی سے [illegible] لاش کے کاسٹیوم میں رکھی اور تیز تیز قدموں [illegible] بھائی کے پاس پہنچ گیا۔

"تم دونوں کہاں جا رہے ہو؟"

"اس شخص کو پکڑنے جو ارنسٹ کو یہاں چھوڑ کر گیا [illegible]" سائمن نے بغیر رکے جواب دیا۔

[illegible] دونوں ہمارے انتظار میں [illegible] گھوڑوں کی باگیں [illegible] تھا۔ اس نے اشتیاق سے پوچھا۔ "کیا وہ کوئی [illegible]"

[illegible] سائمن نے جواب دیا۔ یہ کہہ کر اس نے [illegible] کی باگ سنبھالی اور اس پر سوار ہو گیا۔ ہم دونوں [illegible] اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ بولا۔

"اس آدمی کے ساتھ کیا ہوا؟"

"کسی نے قتل کر کے یہاں پھینک دیا۔" میں نے [illegible] سے کہا۔ "لیکن تم فکر نہ کرو۔ اس کا قاتل جہاں [illegible] ہو، اسے اس جرم کی سزا ضرور ملے گی۔"

ہم نے شمال کی جانب سفر کرنا شروع کیا اور اسی راستے پر چلتے رہے جس پر سے گزر کر یہاں تک پہنچے تھے۔ میں نے سائمن سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں لیکن مجھے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی منزل کون سی ہے۔ میرا خیال درست نکلا اور ہم ریل کی پٹری کے ساتھ چلتے ہوئے یونین اسٹیشن پہنچ گئے جو کہ ایک بڑا ریلوے جنکشن تھا۔ وہاں سے کئی پٹریاں مختلف سمتوں میں جا رہی تھیں۔ وہ ایک بہت بڑی سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی عمارت تھی۔ اس وقت وہاں ایک ٹرین کھڑی ہوئی تھی جس میں پانچ مسافر بوگیاں اور ایک مال گاڑی کا ڈبا لگا ہوا تھا۔ اس نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس طرف۔"

> ڈاکے اور اغوا کی ایک خبر پڑھ کر بیوی نے خاوند سے پوچھا: "اگر کوئی مجھے اغوا کر کے بھاگنے لگے تو آپ کیا کریں گے؟"
>
> خاوند نے جواب دیا۔ "میں اسے کہوں گا۔ شریف آدمی بلاوجہ بھاگنے کی کیا ضرورت ہے، آرام آرام سے لے جاؤ۔"
>
> شاہدہ صبا اختر، ٹنڈو آدم

ہم نے اپنے گھوڑے مخصوص جگہ پر باندھے اور پلیٹ فارم کا رخ کیا۔ میں دائیں بائیں دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ کوئی پولیس والا نظر آ جائے۔ پہلے میں نے سوچا کہ بکنگ کلرک یا اسٹیشن ماسٹر کے دفتر سے ریلوے پولیس کے بارے میں پوچھوں لیکن اس سے ہمارا مقصد حل نہ ہوتا۔ وہ لوگ ریلوے کی حدود سے نکل کر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے لیے ہمیں قانون نافذ کرنے والے فرد کی ضرورت تھی۔

مجھے وہاں مسافر، قلی اور کلرک تو نظر آئے لیکن پولیس والا کوئی نہیں تھا۔ اب ہمیں اپنی کارروائی کو اس کے بغیر ہی آگے بڑھانا تھا۔ چلتے چلتے ہم ٹرین کے بالکل سامنے پہنچ گئے۔ زیادہ تر مسافر بوگیاں خالی تھیں۔ البتہ مال گاڑی کے ڈبے کے سامنے کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کل چار افراد تھے۔ ان میں ایک کنڈیکٹر، سوٹ اور اوورکوٹ میں ملبوس دو مسافر اور ان سے کچھ فاصلے پر ایک نوجوان شخص کیمرا لیے کھڑا ہوا تھا۔ مال گاڑی کے ڈبے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور اس میں سے ایک داڑھی والا شخص باہر جھانک رہا تھا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو کنڈیکٹر نے ہمیں [illegible]

بارے میں بتایا۔"

"یعنی اس نے بھی کاسٹیوم پہن رکھا ہے۔" ایمن نے کہا۔

"ہاں۔" سائمن نے کہا۔ "اور اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کا اصل روپ کیا ہے۔"

وہ اس کے چہرے سے نقاب ہٹانے کے لیے آگے بڑھا۔ میں نے ایمن اور ساریا سے کہا۔ "تم لوگ مت دیکھو۔"

لیکن وہ پیچھے ہٹنے کے بجائے لاش سے اور قریب ہو گئے۔ سائمن نے نقاب ہٹایا۔ وہ تقریباً میری ہی عمر کے آدمی کا زرد مرجھایا ہوا چہرہ تھا۔ میرے بھائی نے پیچھے مڑکر دیکھا اور بچوں سے پوچھا۔ "اسے پہچانتے ہو؟"

دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ کوئی اجنبی ہے اور یہاں کا رہنے والا نہیں ہے۔" سائمن نے کہا اور بچوں نے سر ہلا دیا۔

سائمن دوبارہ لاش کی طرف مڑا، اس نے لمحہ بھر کے لیے اس کے گال پر اپنا ہاتھ رکھا پھر اس کے لباس کو پکڑ کر کھینچنے لگا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" ساریا نے پوچھا۔

"یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ کب سے یہاں پڑا ہوا ہے۔" سائمن نے کہا۔ "اس کا جسم ابھی تک گرم ہے اور ہم نے برف میں کسی چیز کے گھسیٹے جانے کے نشان بھی دیکھے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اس لاش کو یہاں لاکر پھینکا گیا ہے۔ تم نے کسی اور کو تو یہاں آتے جاتے نہیں دیکھا؟"

دونوں بچوں نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر تو ایک ہی طریقہ باقی رہ گیا ہے۔" سائمن نے کہا اور لاش کے کپڑوں سے برف ہٹانے لگا۔ اس نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی مدد سے کوئی چیز پکڑ کر اٹھائی، وہ اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے بہت قریب ہو کر دیکھنا پڑا۔

"کیا یہ صنوبر کے درخت کا پتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" سائمن نے جواب دیا۔ "جو کہ ہمیں یہاں کہیں نہیں ملا۔"

میرے بھائی نے لاش کے سینے پر سے مزید برف ہٹائی۔ "یہاں اور بھی پتے ہیں۔"

پھر اس نے لاش کو تھوڑا آگے کی طرف کھینچا اور اس کی پشت پر سے برف ہٹانے لگا۔ جب اس نے آدمی کی کمر صاف کر دی تو وہ اچانک رک گیا۔ وہاں ایک زخم کا نشان تھا۔

"تمہارے دوست کی کمر میں گولی ماری گئی ہے۔" سائمن نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ اسے قتل کیا گیا ہے؟" ایمن بولا۔

"ضروری نہیں کہ اسے قتل کیا گیا ہو۔" میں نے کہا۔ "یہ کوئی حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"حادثہ؟" ساریا طنزیہ انداز میں بولی۔

میں نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم یہ دیکھو کہ اس نے کیا پہن رکھا ہے۔ ہم پہلے اسے ریچھ سمجھ رہے تھے۔ ممکن ہے کہ کسی اور کو بھی یہی مغالطہ ہوا ہو اور اس نے ریچھ سمجھ کر اسے گولی ماردی۔"

"ایسا ہو سکتا ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ لباس پہن کر یہاں کیوں آیا؟"

میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "شاید اس کے پاس گرم کپڑے نہیں ہوں گے تبھی اس نے سردی سے بچنے کے لیے یہ لباس پہن لیا۔"

سائمن نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے کہ تم اس وقت وہاں موجود تھے۔"

"اور [illegible] مذاق کر رہا تھا بھائی۔ اس [illegible]" [illegible] ہوئے کہا۔

وہ دوبارہ لاش کی طرف مڑا اور اس کے جسم سے سیاہ فر کا کاسٹیوم اتارنے لگا۔ اس میں اندر کی جانب بٹن لگے ہوئے تھے۔ چار پانچ بٹن کھولنے کے بعد اس نے فر کو اتنا ہٹا دیا کہ اس کے نیچے جو کچھ پہنا ہوا ہے وہ نظر آجائے۔ اس نے براؤن رنگ کا کوٹ اور پرانی پتلون پہن رکھی تھی جس پر جا بجا دھبے لگے ہوئے تھے۔

"اس کے کپڑوں سے لگتا ہے کہ یہ کوئی کارکن تھا۔ یہ دھبے تیل یا گریس کے معلوم ہوتے ہیں۔ بہرحال یہ جو بھی کام کرتا ہو لیکن اس کی آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ اس کے کپڑوں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔"

سائمن نے اس کی جیبیں ٹٹولیں اور جو چیزیں برآمد ہوئیں، انہیں برف پر رکھ دیا۔ ان میں ایک ٹن سولجر (کھلونا) ایک ماؤتھ آرگن، چار ہیئر پنیں اور ایک کتاب تھی جو سائمن نے میری طرف اچھال دی کیونکہ وہ جرمن زبان میں تھی۔ میں نے وہ کتاب کھولی۔ اس پر جرمن میں ہی ہاتھ سے لکھا ہوا تھا۔ "پیاری ماں کے لیے۔"

"یعنی اس نے یہ کتاب کسی عورت سے چرائی تھی۔" ایمن نے کہا۔

سائمن کو اس بے تکے تبصرے پر غصہ آگیا۔ اس تبصرے کو سننے کے بعد اس کے اندر آگ بھڑک اٹھی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور غصے سے زمین پر پاؤں مارتے ہوئے بولا۔ "اس نے کوئی چیز نہیں چرائی۔"

"کیا یہی ارنسٹ ہے؟" ساریا نے پوچھا۔

"ہاں۔" سائمن نے کہا۔ "اور اب ہم جان گئے ہیں کہ اس نے یہ لباس کیوں پہنا تھا، وہ کہاں جارہا تھا اور جب اسے قتل کیا گیا تو وہ کیا کر رہا تھا۔"

"ہم کیا جانتے ہیں؟" ایمن نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

سائمن بولا۔ "تم صرف یہ دیکھو کہ اس نے سوٹ کے نیچے کیا پہن رکھا تھا۔ اس کی جیبوں میں کیا تھا اور کیا نہیں تھا اور چوٹی سے یہاں تک اس کے گھسٹنے کے نشان۔ ان سب چیزوں کو دیکھو گے تو پوری کہانی سمجھ میں آجائے گی۔"

"اور یہ بھی کہ کس نے اسے گولی ماری؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" سائمن نے کہا پھر وہ ساریا سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "تم ارنسٹ اور اس کی چیزوں کی [illegible]"

یہ کہہ کر وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ میں نے جلدی سے وہ کتاب اس لاش کے کاسٹیوم میں رکھی اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا بھائی کے پاس پہنچ گیا۔

"تم دونوں کہاں جارہے ہو؟"

"اس شخص کو پکڑنے جو ارنسٹ کو یہاں چھوڑ کر گیا ہے۔" سائمن نے بغیر رکے جواب دیا۔

گورڈن جو اس کے انتظار میں گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑا تھا، اس نے اشتیاق سے پوچھا۔ "کیا وہ کوئی انسان ہے؟"

"ہاں۔" سائمن نے جواب دیا۔ یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کی باگ سنبھالی اور اس پر سوار ہو گیا۔ ہم دونوں نے اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ بولا۔ "اس آدمی کے ساتھ کیا ہوا؟"

"اسے کسی نے قتل کر کے یہاں پھینک دیا۔" میں نے گورڈن سے کہا۔ "لیکن تم فکر نہ کرو۔ اس کا قاتل جہاں کہیں بھی ہو، اسے اس جرم کی سزا ضرور ملے گی۔"

ہم نے شمال کی جانب سفر کرنا شروع کیا اور اسی راستے پر چلتے رہے جس پر سے گزر کر یہاں تک پہنچے تھے۔ میں نے سائمن سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم کہاں جارہے ہیں لیکن مجھے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی منزل کون سی ہے۔ میرا خیال درست نکلا اور ہم ریل کی پٹری کے ساتھ چلتے ہوئے یونین اسٹیشن پہنچ گئے جو کہ ایک بڑا ریلوے جنکشن تھا۔ وہاں سے کئی پٹریاں مختلف سمتوں میں جارہی تھیں۔ وہ ایک بہت بڑی سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی عمارت تھی۔ اس وقت وہاں ایک ٹرین کھڑی ہوئی تھی جس میں پانچ مسافر بوگیاں اور ایک مال گاڑی کا ڈبا لگا ہوا تھا۔ اس نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس طرف۔"

ہم نے اپنے گھوڑے مخصوص جگہ پر باندھے اور پلیٹ فارم کا رخ کیا۔ میں دائیں بائیں دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ کوئی پولیس والا نظر آجائے۔ پہلے میں نے سوچا کہ بکنگ کلرک یا اسٹیشن ماسٹر کے دفتر سے ریلوے پولیس کے بارے میں پوچھوں لیکن ان سے ہمارا مقصد حل نہ ہوتا۔ وہ لوگ ریلوے کی حدود سے نکل کر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے لیے ہمیں قانون نافذ کرنے والے فرد کی ضرورت تھی۔

مجھے وہاں مسافر، قلی اور کلرک تو نظر آئے لیکن پولیس والا کوئی نہیں تھا۔ اب ہمیں اپنی کارروائی کو اس کے بغیر ہی آگے بڑھانا تھا۔ چلتے چلتے ہم ٹرین کے بالکل سامنے پہنچ گئے۔ زیادہ تر مسافر بوگیاں خالی تھیں۔ البتہ مال گاڑی کے ڈبے کے سامنے کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کل چار افراد تھے۔ ان میں ایک کنڈیکٹر، سوٹ اور اوور کوٹ میں ملبوس دو مسافر اور ان سے کچھ فاصلے پر ایک نوجوان شخص کیمرا لیے کھڑا ہوا تھا۔ مال گاڑی کے ڈبے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور اس میں سے ایک داڑھی والا شخص باہر جھانک رہا تھا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو کنڈیکٹر نے ہمیں سرسری انداز

ڈاکے اور اغوا کی ایک خبر پڑھ کر بیوی نے خاوند سے پوچھا: "اگر کوئی مجھے اغوا کر کے بھاگنے لگے تو آپ کیا کریں گے؟"

خاوند نے جواب دیا۔ "میں اسے کہوں گا۔ شریف آدمی بلاوجہ بھاگنے کی کیا ضرورت ہے، آرام آرام سے لے جاؤ۔"

شاہدہ صبا اختر، مجذوآدم

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

میں دیکھا لیکن دوسرے لوگوں نے ہماری جانب کوئی توجہ نہیں دی۔

"ہمیں دروازہ پورا کھول دینا چاہیے اور مسٹر ٹرنر درمیان میں کھڑے ہو جائیں۔" فوٹوگرافر نے کہا۔ "مسٹر ہومز اور مسٹر جیمو، تم دونوں اس کی طرف دیکھو۔"

"میرا خیال ہے کہ مجھے مسٹر ہومز سے مصافحہ کرنا چاہیے۔" جیمو نے کہا۔ "اس طرح۔"

یہ کہہ کر وہ دوسرے آدمی کی جانب مڑا اور اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مسکرانے لگا۔

"یقیناً۔" فوٹوگرافر نے کہا۔ "یہ بہت عمدہ رہے گا۔"

اس دوران کنڈیکٹر ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

"تم اسی گاڑی پر تھے جب یہ یہاں آئی؟" سائمن نے ٹرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" کنڈیکٹر نے دھیمی آواز میں جواب دیا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا کہ کہیں دوسرے لوگ تو اس جانب متوجہ نہیں ہیں لیکن وہ اپنی باتوں میں لگے ہوئے تھے۔

"کیا تمہارے ساتھ ریلوے کا کوئی اور ملازم بھی ہے؟" سائمن نے پوچھا۔

اس سوال پر دوسرے لوگ بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ مال گاڑی کے دروازے پر کھڑا داڑھی والا بھی ہمیں جھک کر دیکھنے لگا اور میں نے پہلی بار غور کیا کہ اس نے سرخ لبادہ اور ٹوپی پہن رکھی تھی۔

"ہاں۔" کنڈیکٹر نے کہا۔ وہ اب بھی سرگوشی کے انداز میں بول رہا تھا۔ اس نے سرخ لبادے والے کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور بولا۔ "مسٹر ٹرنر! کیا کوئی مسئلہ ہے؟"

"مجھے یہی اندیشہ ہے۔" سائمن نے کہا۔ "کچھ بچوں اور ہم نے قصبے سے دو میل دور ایک لاش دیکھی ہے۔ اس کی پشت میں گولی لگی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کی موت اسی ٹرین میں ہوئی ہے۔"

کنڈیکٹر کو زور کا جھٹکا لگا۔ وہ زور سے بولا۔ "کیا؟"

"یہ دونوں نشے میں ہیں۔" ہومز نے کہا۔ شاید وہ ہمارے حلیے کی وجہ سے بہت حقیر سمجھ رہا تھا۔

جیمو فوٹوگرافر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ "معذرت چاہتا ہوں۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔"

کیمرے کے پیچھے کھڑے ہوئے شخص نے اثبات میں سر ہلایا لیکن فوراً ہی ہم دونوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ تھی۔

"فضول باتیں مت کرو۔" کنڈیکٹر نے کہا۔ "اگر میری ٹرین پر کوئی حادثہ ہوتا تو کیا مجھے پتا نہ چلتا۔"

"یہ محض ایک مذاق ہے۔" ہومز نے دوسرے مسافر سے کہا۔ "نچلے طبقے کے لوگ معززین کو خوش کرنے کے لیے اس طرح کی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔"

کنڈیکٹر نے ایک قدم آگے بڑھایا اور بولا۔ "اگر تم نے واقعی شہر کی حدود سے باہر کوئی لاش دیکھی ہے تو اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ تم یہ کہانی جا کر شیرف کو سناؤ۔"

سائمن نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تک سارے ثبوت ضائع ہو جائیں گے۔ تم مجھے صرف ایک نظر اس ڈبے میں دیکھنے کی اجازت دے دو۔"

"بہت ہو چکا۔" ہومز نے غصے سے کہا۔ "مسٹر ٹرنر، ان لوگوں کو یہاں سے ہٹاؤ۔"

ریلوے کا ملازم کچھ خوف زدہ لگ رہا تھا۔ تاہم وہ پلیٹ فارم پر اتر آیا۔ فوٹوگرافر اور کنڈیکٹر اسے مسٹر ٹرنر کے نام سے پکار رہے تھے لیکن اگر کوئی بچہ وہاں سے گزرتا تو وہ اسے سانتا کلاز ہی سمجھتا۔ اس نے بالکل وہی حلیہ بنا رکھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ ہماری طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "اب یہاں سے جاؤ۔"

[illegible] لیکن اس کا رخ مال گاڑی کے ڈبے کی طرف تھا۔ اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا اور بولا۔ "ہم صحیح جگہ پہنچ گئے۔"

میں نے ڈبے میں جھانک کر دیکھا۔ اس میں درجنوں کے حساب سے صنوبر کے درخت بھرے ہوئے تھے۔ ہم نے جس کرسمس اسپیشل کے بارے میں صبح ناشتے پر سنا تھا، وہ پہنچ گئی تھی۔

"اس شخص کے جسم پر صنوبر کے پتے تھے جبکہ یہاں میلوں تک کوئی صنوبر کا درخت نہیں ہے۔" سائمن نے کہا۔ "اس کی لاش کو ریلوے لائن کی حدود سے باہر لے جا کر پھینکا گیا ہے۔"

جب سائمن نے صنوبر کے پتوں کا ذکر کیا تو سرخ لبادے والے کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور وہ دنگ رہ گیا لیکن فوراً ہی اس نے اپنے حواس پر قابو پایا اور دوبارہ ہماری طرف بڑھنے لگا۔

"بہت ہو گیا۔" وہ پھنکارا۔ "اب یہ مذاق ختم کرو۔"

سائمن نے ان لوگوں کی طرف دیکھے بغیر پیچھے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ "اس کے پاس کچھ کھلونے اور

ایک کتاب تھی جس پر اس نے اپنی ماں کے لیے کچھ لکھا ہوا تھا لیکن ہمیں اس کی جیب سے کوئی ٹکٹ نہیں ملا۔ وہ کرسمس منانے کے لیے گھر جا رہا تھا لیکن اس کے پاس ٹکٹ خریدنے کے لیے پیسے نہیں تھے۔ اس لیے وہ مال گاڑی کے ڈبے میں سوار ہو گیا۔"

اس سے پہلے کہ ٹرنر میرا راستہ روکتا، میں بھی بھائی کے پیچھے چل دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ دونوں مسافر اسے روک لیں گے لیکن اس کے بجائے جیمو نے اپنے دوست سے کہا۔ "کیوں نا ہم سانتا کلاز کے بغیر ہی ایک تصویر بنوا لیں؟"

"اگر کوئی ثبوت ہے۔" سائمن نے کہا۔ "تو وہ اسی ڈبے میں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک سرد آہ بھری۔ میں جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

میں اپنی جگہ پر رک گیا۔ سانتا کلاز ہماری طرف آ رہا تھا۔ جب وہ مجھ سے چار قدم کے فاصلے پر رہ گیا تو میں نے اس سے کہا۔ "تم نے میری بات سن لی۔"

وہ میرے بھائی کو قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن اب وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔

[illegible] کے پیٹ پر گھونسا مارا، اور بایاں ہاتھ [illegible] پر پڑا۔ پہلی ضرب سے وہ دہرا ہو گیا اور دوسری ضرب نے اسے ایک جھٹکے سے دوبارہ سیدھا کر دیا۔

سائمن تیر کی طرح آگے بڑھا۔ ہومز اور جیمز نے اسے دیکھتے ہی ہاتھ کھڑے کر دیے۔ "ایک منٹ، انتظار کرو۔"

یہ کہہ کر وہ ان کے درمیان سے گزرتا ہوا مال گاڑی کے ڈبے میں چلا گیا۔ ٹرنر نے دو مرتبہ آنکھیں جھپکائیں اور اپنا سر جھٹکنے لگا۔ اس نے اپنی مٹھیاں بند کیں اور میری طرف بڑھنے لگا پھر پہلی بار اس نے غور کیا کہ میں اکیلا ہوں۔ اس نے گھوم کر دوسرے لوگوں کی طرف دیکھا پھر اس کی نظر مال گاڑی کے ڈبے پر گئی اور وہ سمجھ گیا کہ سائمن کہاں ہے۔

"اسے باہر نکالو۔" وہ دہاڑا۔

اس سے پہلے کہ کوئی اپنی جگہ سے حرکت کرتا۔ ایک آواز فضا میں گونجی۔ "ہیلو۔"

میں نے فوٹوگرافر سے کہا۔ "تم اپنا کیمرا تیار رکھو۔"

میرا بھائی ویگن کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سرمئی رنگ کا ایک کمبل تھا۔ "یہ خون پر پڑا ہوا تھا۔" اس نے کہا۔ "سردی کی وجہ سے خون صاف نہیں ہو سکا اور یہ بھی فرش کے ساتھ چپک گیا۔ تمہیں امید تھی کہ کسی کی نظر پڑنے سے پہلے تم اسے گرم پانی سے صاف کر لو گے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ٹرنر؟"

کنڈیکٹر خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے ٹرنر سے پوچھا۔ "تم نے کیا کیا ہے؟"

ٹرنر کا منہ کھلا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ اس کی جگہ سائمن نے جواب دیا۔

"اس نے اس شخص کو پیچھے سے گولی ماری۔ اس نے چھپنے کے لیے غلط گاڑی کا انتخاب کیا۔ اس نے سردی سے بچنے کے لیے فر کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ کیا تم نے اسی لیے اسے گولی ماردی ٹرنر؟"

"فر کا سوٹ؟" جیمو نے حیرت سے کہا۔

"وہ اس لباس میں بالکل ریچھ لگ رہا تھا۔" ٹرنر زور سے بولا۔ "میں جب درختوں کو چیک کرنے آیا تو اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ لہٰذا مجھے اپنے دفاع میں گولی چلانا پڑی۔ اس میں میری کوئی غلطی نہیں ہے۔"

"تم نے اس کی پیٹھ میں گولی ماردی۔ اس نے تم پر حملہ نہیں کیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو گولی اس کے سینے میں لگتی۔ وہ چھپنے یا وہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن تم خوف زدہ ہو گئے اور تم نے گولی چلا دی۔ جب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو تم نے لاش کو کہیں دور لے جا کر پھینکنے کا فیصلہ کیا۔ تمہیں وہ جگہ معلوم تھی جہاں کسی کی نظر نہ پڑتی۔ ریلوے لائن اس چوٹی کے بالکل قریب سے گزرتی ہے لہٰذا تم نے لاش وہاں پھینک دی اور یوں ظاہر کیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اگر کچھ بچے وہاں سے نہ گزرتے اور ان کی نظر اس لاش پر نہ جاتی تو تم نکل چکے ہوتے۔"

اب ٹرنر کے پاس کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی۔ اسے شیرف کے دفتر میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد قانونی کارروائی شروع ہو گئی اور ہم نے ارنسٹ کی فیملی کو تلاش کر کے کمپنی کی طرف سے معاوضے کا چیک بجھوایا۔ ہمیں اپنے لیے کچھ نہیں چاہیے تھا۔ جب ہم اسٹیشن سے روانہ ہوئے تو ہمارے پاس صرف ایک صنوبر کا درخت تھا جبکہ ایک درخت ہم نے بچوں کے لیے چھوڑ دیا اور بورڈنگ ہاؤس کی طرف چل دیے۔ اب ہمیں جلد از جلد یہ درخت مس ڈیرک تک پہنچانا تھا۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

آوارہ گرد

قسط نمبر: 59

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

مندر، کلیسا، سینی گاگ، [illegible] شالے اور اناتھ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بہت نیک نیتی سے بنائے جاتے ہیں لیکن جب بانیوں کے بعد نکیل بگڑے ذہن والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ پال نے کلیسا کے نام نہاد راہبوں کو جیسے گھناؤنے الزامات میں نکالا ہے، ان کا ذکر بھی شرمناک ہے مگر یہ ہو رہا ہے... استحصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابل نفرت ہے... اسے بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک فلاحی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سکھ رہا مگر کچھ دن، پھر وہ ہونے لگا جو نہیں ہونا چاہیے تھا... وہ بھی مٹی کا پتلا نہیں تھا جو ان کا شکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گھات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی وقت تک رہا جب اس کے بازو توانا نہ ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الٹ کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چٹا کر اس نے دکھا دیا کہ طاقت کے گھمنڈ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے برتر... بہت برتر قوت وہ ہے جو بے آسرا نظر آنے والوں کو نمرود کے دماغ کا مچھر بنا دیتی ہے... پل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سنسنی خیز اور رنگا رنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

تحیر... سنسنی اور ایکشن سے بھرپور ... سلسلہ...

https://www.urdutubes.com/

گذشتہ اقساط کا خلاصہ

شہزاد احمد خان شہزی نے ہوش سنبھالا تو اسے اپنی ماں کی ایک ہلکی سی جھلک یاد تھی۔ باپ، سوتیلی ماں کے کہنے پر اسے اطفال گھر چھوڑ گیا جو یتیم خانے کی ایک جدید شکل تھی جہاں بوڑھے بچے سب ہی رہتے تھے۔ ان میں ایک لڑکی عابدہ بھی تھی، شہزی کو اس سے انسیت ہو گئی۔ شہزی کی دوستی وہاں ایک بوڑھے سرمد بابا سے ہو گئی جن کی حقیقت جان کر شہزی کو بے حد حیرت ہوئی کیونکہ وہ بوڑھا لاوارث نہیں بلکہ ایک کروڑ پتی شخص تھا۔ اس کے اکلوتے بیٹے نے اپنی بیوی کے کہنے پر سب کچھ اپنے نام کروا کر اسے اطفال گھر میں پھینک دیا تھا۔ اطفال گھر پر رفتہ رفتہ جرائم پیشہ عناصر کا عمل دخل بڑھنے لگتا ہے۔ شہزی کا ایک دوست اول خیر چوہدری ممتاز خان کے حریف گروپ جس کی سربراہ ایک جوان خاتون زہرہ بیگم ہے، سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں وہ چھوٹے استاد کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بڑا استاد کمیل دادا ہے جو زہرہ بانو کا خاص دستِ راست اور اس کا یکطرفہ چاہنے والا بھی تھا۔ زہرہ بانو درحقیقت ممتاز خان کی سوتیلی بہن ہے۔ دونوں بھائی بہنوں کے بیچ زمین کا تنازع عرصے سے چل رہا تھا۔ کمیل دادا، شہزی سے خار کھانے لگتا ہے۔ اس کی وجہ زہرہ بانو کا شہزی کی طرف خاص التفات ہے۔ بیگم صاحبہ کے حریف، چوہدری ممتاز خان کو شہزی ہر محاذ پر شکست دیتا چلا آ رہا تھا، زہرہ بانو، کیتھ شاہ نامی ایک نوجوان سے محبت کرتی تھی جو درحقیقت شہزی کا ہم شکل ہی نہیں، اس کا بچھڑا ہوا بھائی تھا۔ شہزی کی جنگ پھیلتے پھیلتے ملک دشمن عناصر تک پہنچ جاتی ہے۔ ساتھ ہی شہزی کو اپنے ماں باپ کی بھی تلاش تھی۔ وزیر جان جو اس کا سوتیلا باپ ہے، اس کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ وہ ایک جرائم پیشہ گینگ … کا زونل چیف تھا، جبکہ چوہدری ممتاز خان اس کا حلیف۔ رینجرز فورس کے میجر ریاض ان ملک دشمن عناصر کی کھوج میں تھے لیکن دشمنوں کو سیاسی اور عوامی حمایت حاصل تھی۔ لوہے کو لوہے سے کاٹنے کے لیے شہزی کو اعزازی طور پر بھرتی کر لیا جاتا ہے اور اس کی تربیت بھی پادر کے ایک خاص تربیتی کیمپ میں شروع ہو جاتی ہے، عارفہ علاج کے سلسلے میں امریکا جاتے ہوئے عابدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ اسپیکٹرم کا سربراہ لولوش، شہزی کا دشمن بن چکا ہے، وہ جے بی سی (جیوش بزنس کمیونٹی) کی ملی بھگت سے عابدہ کو امریکی سی آئی اے کے چنگل میں پھنسا دیتا ہے۔ اس سازش میں بالواسطہ عارفہ بھی شریک ہوتی ہے۔ باسکل ہولارڈ، ایک یہودی نژاد کٹر مسلم دشمن اور جے بی سی کے خفیہ دنیائے مسلم کے خلاف سازشوں میں ان کا دستِ راست ہے۔ باسکل ہولارڈ کی فورس ٹائیگر فیک شہزی کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ باسکل ہولارڈ کی لاڈلی بیٹی انجیلا، لولوش کی بیوی ہے۔ اڈیسہ کمپنی کے شیئرز کے سلسلے میں عارفہ اور سرمد بابا کے درمیان چپقلش آخری نہج پر پہنچ جاتی ہے، جسے لولوش اپنی ملکیت سمجھتا ہے، ایک نو دولتیا سیٹھ نوید سانچے والا مذکورہ شیئرز کے سلسلے میں ایک طرف تو لولوش کا ناؤٹ ہے اور دوسری طرف وہ عارفہ سے شادی کا خواہش مند ہے۔ اس دوران شہزی اپنے ماں باپ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کا باپ تاج دین شاہ، درحقیقت وطنِ عزیز کا ایک گمنام بہادر غازی سپاہی تھا۔ وہ بھارت کی خفیہ ایجنسی کی قید میں تھا۔ بھارتی خفیہ ایجنسی بلیو ٹمسی کا ایک افسر کرنل سی جی بھجوانی، شہزی کا خاص ٹارگٹ ہے۔ شہزی کے ہاتھوں بیک وقت اسپیکٹرم اور بلیو ٹمسی کو ذلت آمیز شکست ہوتی ہے اور وہ دونوں آپس میں خفیہ گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں۔ شہزی، کمیل دادا اور زہرہ بانو کی شادی کرنے کی بات چلانے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجے میں کمیل دادا کا شہزی سے نہ صرف دل صاف ہو جاتا ہے بلکہ وہ بھی اول خیر کی طرح اس کی دوستی کا دم بھرنے لگتا ہے۔ … عابدہ … خلل کرنے کی سازش میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ امریکا میں مقیم ایک بین الاقوامی … شہزی کو مطلع کرتی ہے کہ باسکل ہولارڈ، سی آئی اے میں ٹائیگر فیک کے دو ایجنٹ اس کو اغوا کرنے کے لیے خفیہ طور پر امریکا سے پاکستان روانہ کرنے والا ہے۔ شہزی ان کے شکنجے میں آ جاتا ہے، ٹائیگر فیک کے مذکورہ دونوں ایجنٹ اسے پاکستان سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاز راں کمپنی اڈیسہ کے شیئرز کے سلسلے میں لولوش برما (رنگون) میں مقیم تھا۔ اس کا دستِ راست سے جی کوہارا، شہزی کو ٹائیگر فیک سے چھین لیتا ہے اور اپنی ایک لگژری بوٹ میں قیدی بنا لیتا ہے۔ وہاں اس کی ملاقات ایک اور قیدی، بشام جھلکری سے ہوتی ہے جو کبھی اسپیکٹرم کا ایک ریسرچ آفیسر تھا جو بعد میں تنظیم سے کٹ کر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ بشام اسے پاکستان میں موئن جودڑو سے برآمد ہونے والے طلسم نور ہیرے کے راز سے آگاہ کرتا ہے جو غائب ہو چکا ہے اور لولوش اور سی جی بھجوانی کے ایک مشترکہ معاہدے کے تحت سے جی کوہارا کی بوٹ میں بلیو ٹمسی کے چندر ناتھ، شیام اور کوریلا آتے ہیں۔ وہ شہزی کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر بلیو ٹمسی کے ہیڈکوارٹر لے جاتے ہیں، وہاں پہلی بار بلیو ٹمسی کے چیف سی جی بھجوانی کو شہزی اپنی نظروں کے سامنے دیکھتا ہے کیونکہ یہ وہی درندہ صفت شخص تھا جس نے اس کے باپ پر اس قدر تشدد کے پہاڑ توڑے تھے کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔ اب پاکستان میں شہزی کے باپ کی حیثیت ڈکلیئر ہو گئی تھی کہ وہ ایک محبِ وطن گمنام سپاہی تھا، تاج دین شاہ کو ایک تقریب میں اعلیٰ فوجی اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے شہزی کی اہمیت بھی کم نہ تھی، یوں بھجوانی اپنے منصوبے کے مطابق اس کی رہائی کے بدلے پاکستان میں گرفتار شدہ اپنے جاسوس سندر داس کو آزاد کروانا چاہتا تھا۔ ایک موقع پر شہزی، اس بری قصاب، سے جی کوہارا اور اس کے ساتھی بھوبک کو بے بس کر دیتا ہے، وہاں سوشیلا کے ایل ایڈوانی سے اپنی بہن، بہنوئی اور اس کے دو معصوم بچوں کے قتل کا انتقام لینے کے لیے شہزی کی ساتھی بن جاتی ہے۔ دونوں ایک خونی معرکے کے بعد وہاں سے فرار ہو جاتے ہیں۔ پولیس ان دونوں کے تعاقب میں تھی مگر شہزی اور سوشی کا سفر جاری رہتا ہے۔ حالات کی مستقل پُرفریبیوں کے باوجود وہ اس چھوٹی سی بستی میں تھے کہ کوہارا اور چندر ناتھ حملہ کر دیتے ہیں۔ خونی معرکے کے بعد شہزی اور سوشیلا وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ شہزی کا پہلا ٹارگٹ صرف سی جی بھجوانی تھا۔ ممبئی ان کی منزل تھی۔ موہن اور ان دونوں کو ایک ریسٹورنٹ میں ملنا تھا مگر اس کی آمد سے پہلے ہی وہاں ایک ہنگامہ ان کا منتظر تھا۔ کچھ لوفر ٹائپ لڑکے ایک رینا نامی لڑکی کو تنگ کر رہے تھے۔ شہزی کافی دیر سے یہ برداشت کر رہا تھا۔ بالآخر اس کا خون جوش میں آیا اور ان غنڈوں کی اچھی خاصی مرمت کر ڈالی۔ رینا اس کی مشکور تھی۔ اسی اثنا میں رینا کے باڈی گارڈ وہاں آ جاتے ہیں اور یہ روح فرسا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ کے ایل ایڈوانی کی پوتی ہے۔ ان کے ساتھ آسمان سے گرے کھجور میں اٹکنے والا معاملہ تھا۔ شہزی، رینا کو اپنے پاکستانی ہونے اور اپنے مقاصد کے بارے میں بتا کر قائل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ رینا شہزی کی مدد کرتی ہے اور وہ اپنے ٹارگٹ بلیو ٹمسی تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہاں کی سیکیورٹی سے مقابلے کے بعد بلیو ٹمسی کے ہیڈکوارٹر میں تباہی مچا دیتا ہے اور سی جی بھجوانی کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ شہزی نے ایک بوڑھے کا روپ دھارا ہوا تھا۔ سی جی بھجوانی، شہزی کے گن کے نشانے پر تھا مگر اسے

مار نہیں سکتا کہ شہزی کے ساتھی اول خیر، شکیلہ اور کمیل دادا اس کے قبضے میں تھے اور کالا پانی "انڈمان" پہنچا دیے گئے تھے۔ کالا پانی کا نام سن کر شہزی گنگ رہ جاتا ہے کیونکہ وہاں جانا ناممکنات میں سے تھا۔ اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لیے سی جی بھجوانی کو تاریج کرتا ہے۔ اس اثنا میں کوریلا فون پر بتاتی ہے کہ تینوں کو "کلی منجارو" پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ نام سن کر شہزی مزید پریشان ہو جاتا ہے۔ بھجوانی مدد کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ مقابلے میں سی جی بھجوانی مارا جاتا ہے۔ پھر شہزی کی ملاقات نانا شکورا سے ہوتی ہے، جو ممبئی کا ایک بڑا اسمگلر تھا۔ نانا شکورا شہزی کی مدد کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اچانک بلراج سنگھ حملہ آور ہوتا ہے اور پھر شہزی، سوشیلا اور نانا شکورا کے ہمراہ کلی منجارو کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ نانا شکورا کی سربراہی میں رات کی تاریکی میں سفر جاری تھا۔ چھاگی کے گھنے دلدلی جنگل کی حدود شروع ہو چکی تھی کہ اچانک جنگلی وحشی زہریلے تیروں سے حملہ کر دیتے ہیں۔ شہزی اپنی گن سے جوابی فائرنگ کر کے کچھ جنگلی وحشیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر وہ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مگر تاریکی کی وجہ سے نانا شکورا دلدل میں پھنس کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس سناٹے میں اب شہزی اور زخمی سوشیلا کا سفر جاری تھا کہ وہ ایک نیم صحرائی علاقے میں پہنچ جاتا ہے جہاں حدِ نگاہ کالی چٹانوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ سوشیلا کو جیپ میں چھوڑ کر خود ایک قریبی پہاڑی کا رخ کرتا ہے۔ واپسی کے لیے پلٹتا ہے تو ٹھٹک کر رک جاتا ہے کیونکہ ہر طرف سیاہ رنگ کے موٹے اور بڑے ڈنک والے بچھو تھے۔ بچھوؤں سے بچ نکلنے کے لیے وہ اندھادھند دوڑتا ہے۔ ڈھلوان پر دوڑتے ہوئے لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے اور چٹانی پتھر سے ٹکرا کر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ہوش میں آنے پر خود کو ایک لانچ میں پاتا ہے۔ وہ لانچ میجر کیم کھلا اور اس کی بیٹی سوتنگ کھلا کی تھی۔ وہ نایاب کالے بچھوؤں کے شکاری تھے اور بچھوؤں کا کاروبار کرتے تھے۔ اچانک سوتنگ کھلا کی نظر بے ہوش شہزی پر پڑتی ہے اور اسے ان بچھوؤں سے بچا لیتی ہے۔ شہزی خود کو ایک ہندو ظاہر کر کے فرضی کہانی سنا کر باپ بیٹی کو اعتماد میں لے لیتا ہے۔ اس اثنا میں برمی مسلم گروپ کا مجاہد ٹولا ان پر حملہ کر دیتا ہے۔ شہزی کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیم کھلا کو بے گناہ اور مظلوم برمی مسلمانوں کے قتل کا ٹاسک ملا ہوا ہے تو وہ کیم کھلا اور اس کے ساتھیوں کو جہنم واصل کر دیتا ہے، پھر تھائی لینڈ کے ساحل کا رخ کرتا ہے۔ جہاں کلی منجارین سے ٹاکرا ہو جاتا ہے۔ شہزی گھات لگا کر ان کے ایک ساتھی دیال داس کو قابو کر لیتا ہے اور اس کا بھیس بھر کر ان میں شامل ہو جاتا ہے۔ وہاں پتا چلتا ہے کہ اس سارے چکر میں جنرل کے ایل ایڈوانی کا ہاتھ ہے اور اس کا نائب بلراج سنگھ بھی موجود ہے۔ جنرل ایڈوانی یہاں اپنے خاص مشن کی تکمیل اور ٹھکانے کو مضبوط بنانے کے لیے ڈارک کیسل نام کی عمارت تعمیر کروا رہا تھا جس کے پیچھے [illegible] تھیں۔ ایڈوانی نے اپنے مکروہ مفادات کے لیے کلی منجارین سے مل کر جادا قبیلے کے سردار کو مار کر پورے جادا قبیلے کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔ ایڈوانی اور بلراج شہزی کو دیال داس کے بہروپ میں پہچان نہ سکے اور وہ چالاکی سے اپنا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر شہزی منصوبے کے تحت بلراج سنگھ کو جہنم واصل کرتا ہے۔ ایڈوانی ڈارک کیسل سے موٹر بوٹ کے ذریعے فرار کی کوشش کرتا ہے۔ شہزی ساتھیوں سمیت ایڈوانی کا پیچھا کرتا ہے اور اسے سمندر برد کر کے طلسم نور ہیرا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے پھر ہندوستانی مچھیروں کے روپ میں پاکستان کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ راستے میں دونوں ملکوں کے کوسٹ گارڈز سے نمٹتے اپنی سرزمین پاکستان پہنچتے ہی زہرہ بانو سے رابطہ کرتا ہے۔ ملتان جانے سے پہلے لاڑکانہ پہنچ کر بشام کی بیوہ ارم سے ملتا ہے۔ وہاں کا وڈیرا شاہنواز خان جو … کرنے کے چکر میں بشام کی بیوہ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ شہزی وغیرہ کی آمد پر شاہنواز خان دھوکے سے رپورٹ کرا دیتا ہے۔ پولیس اول خیر اور کمیل دادا کو پکڑ کر لے جاتی ہے۔ … اپنا قیدی … اچانک رات کے سناٹے میں خطرناک ڈاکو پریل چانڈیو حویلی پر حملہ آور ہوتا ہے۔ … ساتھ ہوتی ہے جو اس کی محبوبہ ہے۔ جاتے ہوئے پریل، شہزی کو بھی اپنے اڈے پر لے جاتا ہے۔ اسی رات پریل کا نائب لائق … آ کر سازش کرتا ہے اور پریل کو غائب کروا کر خود سردار بن بیٹھتا ہے اور سونہڑیں کو تاوان کے لیے قبضے میں کر لیتا ہے۔ شہزی، لائق … کے ساتھی عارب خان کو قابو کر لیتا ہے۔ شہزی، پریل کو بچا لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پریل، شہزی کا احسان مند ہوتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شہزی کے ساتھیوں اور سونہڑیں کو چھڑانے کے لیے تھانے پر حملہ کر دیتا ہے مگر رینجرز کی اینٹی ڈکیت فورس وہاں پہلے سے موجود تھی۔ مقابلے میں پریل اور اس کے ساتھی مارے جاتے ہیں۔ شہزی اور اس کے ساتھی رینجرز کی تحویل میں چلے جاتے ہیں۔ شہزی، میجر وسیم کو اپنے بارے میں تمام حقائق سے آگاہ کرتا ہے، میجر وسیم، شہزی پر اعتماد کرتے ہوئے بھاری نفری کے ساتھ شاہنواز کے خفیہ ڈیرے پر ریڈ کر کے طلسم نور ہیرا برآمد کر لیتے ہیں۔ اس مہم کے بعد شہزی اپنے ساتھیوں سمیت بیگم ولا کا رخ کرتا ہے جہاں شہزی کے والدین اور زہرہ کی نگاہیں منتظر تھیں۔ پاکستان پہنچ کر شہزی کو پتا چلتا ہے کہ عارفہ، نوید سانچے والا کی قید میں ہے۔ عارفہ کو رہائی دلا کر نوید کو قانون کے شکنجے میں دے دیتا ہے پھر زہرہ کے تعاون اور ماں باپ کی دعاؤں کے سائے میں عابدہ کی رہائی کے لیے کمیل دادا اور شکیلہ کے ساتھ نئے مشن پر امریکا روانہ ہوتا ہے۔ طیارہ ابھی پاکستانی حدود میں تھا کہ شہزی کا ٹاکرا وزیر جان سے ہوتا ہے۔ مگر شہزی، وزیر جان کو چکمہ دے کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ایک تھائی لڑکی ساچی سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہاں ایک شاپنگ مال میں کچھ دہشت گرد حملہ آور ہوتے ہیں اور لوگوں کو یرغمال بنا کر اپنے قیدی چھڑانا چاہتے ہیں۔ ان کا سرغنہ، شہزی کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔ جو کاسپا کو کا آدمی تھا۔ ایک مقام پر وزیر جان سے پھر ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ تادیر لڑائی کے بعد وزیر جان کو تہِ آب کر کے اپنے ازلی دشمن سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ وزیر جان کے خاتمے کے بعد کاسپا کو کے ہرکارے شہزی کو بے ہوش کر کے پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ کاسپا کو، شہزی کی بہادری کا قائل ہو جاتا ہے اور خالص سونے کا گوتم بدھ کا مجسمہ جو پہلے ہی بینکاک میوزیم سے چرا لیا گیا تھا، اب اسے امریکا پہنچانا تھا۔ اور اس کے لیے کاسپا کو شہزی کا انتخاب کرتا ہے اور امریکی ایجنٹ روڈلف کے ساتھ امریکا روانہ ہونا تھا کہ اسپیکٹرم کے ایجنٹوں سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ روڈلف ہر قدم پر اس کا ساتھ دیتا ہے اور بالآخر ایک طویل ساتھ دینے کے بعد روڈلف مارا جاتا ہے۔ روڈلف کی دوست ڈاکمنا کے ساتھ شہزی امریکا روانہ ہوتا ہے۔ کوہارا یہاں بھی شہزی کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور طیارہ ہائی جیک کر لیتا ہے اور طیارے کو صحرا میں اتارنا چاہتا ہے مگر فیول ختم ہونے کے باعث طیارے کو کریش لینڈنگ کرنا پڑتی ہے یہاں شہزی سے دوبدو لڑائی میں کوہارا جہنم واصل ہو جاتا ہے۔ اور بالآخر شہزی کا جہاز شکاگو ایئرپورٹ پر لینڈ کرتا ہے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

کار...... مختلف سڑکوں پر فراٹے بھرتی ہوئی لگ بھگ نصف گھنٹے بعد ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں خال خال ہی چھوٹی بڑی رہائشی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ زیادہ تر کاٹیج نما تھیں۔ مجھے یہ علاقہ فرینسو کے شمال مضافات کا محسوس ہوا تھا۔

دورانِ سفر خاموشی رہی تھی۔ ایک گمبھیر سی خاموشی...... جیسے نجانے اب کون سا نیا آسیب وقوع پذیر ہونے والا ہو۔ عابدہ کی محبت اور اس کی لمبی جدائی سے شل ہو کر گویا میں نے اندھی نار میں کود جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ خود کو جیسے تن بہ تقدیر کر ڈالا تھا۔

کار کی رفتار آہستہ ہوگئی۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ کاٹا اور دائیں جانب کی ایک ذیلی سڑک پر کار اُتار دی۔ رفتار دھیمی ہی تھی۔ شاید مطلوبہ عمارت قریب تھی اور ایسا ہی ہوا۔

کار ایک رہائشی کاٹیج کے گیٹ پر رُک گئی اور میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ گو میرے تصور میں آبادی سے دور ایسا ہی علاقہ تھا مگر یہ عمارت......؟ جو ایک عام سی ہی تھی۔ ایک سرمائی یا گرمائی تعطیلات گزارنے والے چھوٹے کاٹیج جیسی۔ جو ایک فیملی کے لیے کافی ہوتا ہے۔

یہ ضرور ان کا کوئی عارضی ٹھکانا ہو سکتا تھا۔ اس میں زیادہ حیران کر دینے والی بات نہ تھی لیکن مجھے جس بات نے اُلجھن میں ڈالا تھا، وہ یہ تھی کہ عابدہ کو بھلا ایسی عام سی جگہ پر کیوں کر رکھا ہوگا؟ کہیں یہ خبیث یہودی میرے ساتھ کسی قسم کا دھوکا تو نہیں کر رہا تھا؟ یہی خدشہ مجھے بے چین و بے قرار کر رہا تھا۔

کار سے اُترتے وقت میں نے باسکل ہولارڈ کے چہرے کے تاثرات بھانپنے کی کوشش چاہی تو میرے اندر اچانک ایک کھٹک سی ہوئی تھی۔

ہولارڈ کا چہرہ اتھاہ سوچ میں مستغرق محسوس ہوا۔ یوں جیسے وہ کسی یکایک کسی نامعلوم سے مخمصے کا شکار ہو گیا ہو۔ کیوں؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو وہ خاصا خوش اخلاق اور مکارانہ فروتنی کا مظاہرہ کیے ہوئے تھا اور مجھ سے پُراُمید بھی تھا لیکن یہاں آ کر اچانک اسے کیا ہو گیا تھا کہ وہ گہری سوچوں کے دباؤ میں مبتلا نظر آنے لگا تھا۔

میں محسوس کر سکتا تھا کہ یہ تاثرات کسی بھی طور بناوٹی نہیں تھے، اس کی تہ میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور تھی۔

ہم اندر آ گئے اور کھلے سے لاؤنج میں بچھے مختصر سے فرنیچر پر براجمان ہو گئے۔

باسکل ہولارڈ کی عمر کا میں نے پچاس، پچپن کے درمیان اندازہ لگایا مگر وہ اپنی قابلِ رشک صحت اور مخصوص تربیت کے اعتبار سے کچھ زیادہ عمر رسیدہ نظر نہیں آتا تھا۔

بے شک اس کا جسم تھیم شحیم تھا مگر مضبوط اور ورزشی محسوس ہوتا تھا۔ شانے چوڑے تھے اور قامت دراز تھی، چہرہ البتہ کہیں کہیں سے جھریوں کی زد میں آتا دکھائی دیتا تھا۔ آنکھیں میچی میچی اور غلافی سی تھیں جو اس کی کثرتِ مے نوشی کی غمازی کرتی تھیں۔ گردن کے پاس بھی چربی کی تہ تھی۔

اس کے تینوں ساتھیوں میں سے ایک تو باہر ہی رہا تھا جبکہ دُو اس کے ہمراہ تھے، باقی آرام دہ نشستوں پر صرف میں اور ہولارڈ آمنے سامنے براجمان تھے۔ جبکہ وہ دونوں مستعد اور مودبانہ سے ہولارڈ کے عقب میں کھڑے رہے۔ ان کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

ہولارڈ جیب سے سگار نکال کر سُلگانے لگا تو عابدہ کے سلسلے میں میری بے چینی فزوں ہونے لگی، بے اختیار میں اس سے مستفسر ہوا۔

''مسٹر ہولارڈ! کیا عابدہ کو یہاں رکھا گیا ہے؟ کہاں ہے وہ......؟'' کہتے ہوئے میں نے بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''ایزی مین...... ایزی!'' وہ اپنے مخصوص [illegible] کے ساتھ گویا ہوا۔ [illegible]

https://www.urdutubes.com/

پھر سگار کے مرغولے [illegible] سُلگانے کے بعد ایک گہرا کش لگایا اور میرے چہرے کو یوں بہ غور دیکھنے لگا جیسے کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو......

''تمہارا یہ پُراسرار رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے ہولارڈ؟'' میں نے ذرا تیز لہجے میں دوبارہ اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''یاد رکھو......! اگر تم نے اپنے دل میں کسی قسم کے دغا اور فریب کو جگہ دینے کی کوشش......''

''اس کا مطلب ہے تم سچے ہو اور ہماری وہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی جو عابدہ کے سلسلے میں ہمیں تم سے تھی۔'' اچانک ہولارڈ نے میری بات کاٹ کر اسرار بھرے لہجے میں کہا۔

''میں سمجھا نہیں؟'' میں اس کی بات پر چونکا۔

''ہمیں یقین کی حد تک شُبہ تھا کہ عابدہ تمہارے یا تمہارے کسی ساتھی کے قبضے میں ہے لیکن تمہاری بے چینی، تشویش اور یوں عابدہ سے ملنے کے لیے ہمارے ساتھ، ہمارے بھروسے، ہمارے رحم و کرم پر چلے آنا، ہمارے اس یقینی شبہے کی نفی کر رہا ہے۔''

[illegible] باسکل ہولارڈ کی بات پر اس بری طرح چونکا [illegible] کہ ایک دم جوشِ غیظ تلے اپنی نشست سے اُٹھ [illegible] اسی سوچوں کے پندار میں اُلجھا ہوا سا سگار کا کش [illegible]

اس کے دونوں آدمی مجھے یوں اُٹھتا دیکھ کر تن گئے [illegible] کے ہاتھ بیک وقت اپنے کوٹ کی اندرونی جیبوں کی طرف رینگ گئے اور وہیں تک محدود رہے، یہ گویا ایک طرح کی خاموش تہدید تھی مجھے کہ میں کوئی ایسی ویسی حرکت [illegible] جو [illegible] کا سبب بنے۔

''بیٹھ جاؤ شہزی! اور میری بات ذرا غور سے سنو۔'' [illegible] ہولارڈ نے [illegible] آواز میں کہا۔ وہ میرے یوں اُٹھنے سے ایک ذرا بھی [illegible] ہلا تھا۔

''اپنا وعدہ نبھاؤ اور مجھے عابدہ کے رُوبرو پیش کرو۔'' [illegible] اسی طرح کھڑے کھڑے کہا۔

[illegible] اس کے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھنا بھی میں نے گوارا نہ کیا تھا جیسے وہ میرے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتے [illegible]

''یہ سچ ہے کہ عابدہ ہمارے قبضے میں تھی مگر وہ اب [illegible] انکشاف [illegible]

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے گومگو سے لہجے [illegible]

[illegible] آرام سے بیٹھ جاؤ، بتاتا ہوں۔'' وہ [illegible] الذہنی کی کیفیت میں دوبارہ اپنی نشست پر براجمان ہو گیا۔

[illegible] ایش ٹرے پر جھاڑتے ہوئے بولا۔ [illegible] چند روز پہلے ہی عابدہ ہماری کسٹڈی سے غائب کر [illegible] ہمارا یقینی شبہ تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر ہی [illegible] تم بھی اپنی محبوبہ کی تلاش میں یہاں قدم [illegible] گویا کچے دھاگے سے بندھے [illegible] اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خود تم بھی اس [illegible] لاعلم ہو کہ عابدہ...... نامعلوم افراد کے ہتھے [illegible]

[illegible] دماغ جھنجھنا گیا۔ دل و دماغ کی عجیب کیفیات [illegible] کبھی جی چاہا کہ اس خبیث یہودی کی گردن [illegible] نجانے اب کون سی نئی چال چلنے کی کوشش کر رہا [illegible] میں نے بھی موقع محل کی نزاکت اور حالات کا ادراک کرتے ہوئے ضبط سے کام لیا اور سوال کیا۔

''عابدہ کو تم لوگوں نے کہاں رکھا ہوا تھا؟''

''نیویارک میں...... جہاں ہمارا اصل ٹھکانا ہے۔'' وہ جواب میں بولا۔ ''اس کے بعد جب ہمیں معلوم ہوا کہ تم امریکا میں قدم رکھ چکے ہو تو ہم اسے دو ایک روز میں تل ابیب لے جانے والے تھے کہ اچانک وہ غائب کر دی گئی۔''

''جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، تمہارے آدمیوں نے عابدہ کو کورکوران کی جیل سے خفیہ طور پر نکلوا کر اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور اس میں لیڈی جیل وارڈن مسز بینسفورڈ...... نے تمہاری مدد کی تھی۔''

''ہاں! یہ درست ہے۔'' وہ خباثت سے مسکرا کر بولا۔ مجھے پھر اس پر تاؤ آنے لگا۔ لیکن صورتِ حال کی گمبھیرتا ہی ایسی تھی کہ میں اپنے اندر کے آتش فشانی اُبال پر قابو پانے پر مجبور تھا۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں جانتا تھا تمہارے علم میں یہ ساری باتیں آ چکی ہوں، جیسا کہ تمہیں یہ بھی پتا ہے کہ آنسہ خالدہ جے بی سی والوں کے چنگل میں تھی اور انہوں نے اس کے ساتھ گون برگ کے ذریعے کیا حشر کیا تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ ڈینی کے نام سے تم یا تمہارے کسی ساتھی نے جے بی سی والوں کو چکما دیا ہو، لیکن خیر، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے، ان کا معاملہ وہ جانیں۔''

وہ اتنا کہہ کر لمحہ بھر تھما اور میں اس عیار شخص کی مکاری پر اندر ہی اندر کھولنے لگا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا، وہ اس وقت بھی ایک امریکی افسر کا بہروپ بدلے ہوئے تھا اور جے بی سی ہی نہیں بلکہ پورے اسرائیل کے خفیہ اور وسیع تر کالے مفادات اور مقاصد کے لیے عمل پیرا تھا۔

''ہمارا مقصد عابدہ سے صرف اسی قدر تھا کہ وہ اپنے دیگر ساتھیوں کے بارے میں ہمیں بتائے، کہیں وہ امریکا میں نائن الیون جیسے اور کسی ایسے سانحے کی منصوبہ بندی میں مصروفِ کار نہ ہوں۔ ایک فرض شناس امریکی افسر کی حیثیت سے اور قانوناً عام عوام کے مفاد میں، ہمیں ایسے اقدام پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔''

مجھے اس کے لب و لہجے اور باتوں سے منافقت کی بُو آنے لگی۔ میرا اندر نفرت سے بھر گیا اور یہی سبب تھا کہ میں نے بھی زہریلے انداز میں کہا۔

''ہُنہ، فرض شناس افسر...... اور عوام کا مفاد...... یہ

قصے کہانیاں تم امریکی اداروں کو بے وقوف بنانے کے لیے محفوظ رکھو ہولارڈ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میری معصوم عابدہ کو سی آئی اے یا کسی اور دفتے دار امریکی ادارے کے افسران نے نہیں بلکہ صرف جے بی سی والوں نے اسرائیل اور اپنی قوم کے مفادات میں استعمال کرنا چاہا تھا۔"

میری بات پر ہولارڈ کے جسم کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا تھا لیکن فوراً ہی اس نے اپنے وجود کے اس ارتعاش پر قابو پاتے ہوئے گیند اپنے کورٹ سے نکالنے کی کوشش چاہی، بولا۔

"یہ سارا گند اس لبنانی رپورٹر آنسہ خالدہ کا پھیلایا ہوا ہے۔ جبکہ ہمارا ارادہ محض ایک ذرا سی تفتیش کے بعد عابدہ کے ساتھ قانونی تقاضے پورے کرنا تھا۔"

"قانونی تقاضے......" میں نے استہزائیہ کہا۔ "کیا اس کے لیے ایک جیل وارڈن کو بھاری رشوت کی پیشکش کی جاتی ہے؟ حکم نہ ماننے والوں کے بیوی بچوں کو دھمکایا جاتا ہے؟ کورکوران جیل کے نائب وارڈن اسٹاری کا کیا حشر کیا تھا تم لوگوں نے؟ کیا یہ سب قانون اور عام عوامی مفاد کے زمرے میں آتا ہے مسٹر باسکل ہولارڈ......؟"

ہولارڈ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا لیکن فوراً ہی اس نے سنبھالا لیا اور لاجواب ہونے کے بعد موضوع بدلتے ہوئے مکاری سے مسکرا کے بولا۔

"اگر تم اس طرح کی فضول بحث میں پڑ گئے تو معاملات مزید اُلجھ جائیں گے شہزی! اس وقت عابدہ کے بارے میں ہمیں سوچنا ہے کہ وہ کہاں ہے؟ اور کن نامعلوم لوگوں کی گرفت میں جا چکی ہے۔"

مجھے اسی کی توقع تھی کہ ہولارڈ سچائی سے گریزاں رہے گا۔ تاہم اس میں کوئی شک نہ تھا کہ گون برگ کے میرے ساتھ ٹاکرے اور آنسہ خالدہ کی وہاں سے بازیابی اس کے علم میں لائی جا چکی تھی۔ رہی بات یہ کہ وہ اس میں مجھے ملوث سمجھ رہا تھا (جو ظاہر ہے ایک حقیقت بھی تھی) لیکن یہ بات یقیناً اس نے اپنے ذاتی قیاس کی بنیاد پر ہی گھڑنے کی کوشش چاہی تھی کہ اس میں میرا ہی ہاتھ ہو سکتا تھا، حالانکہ گون برگ سمیت اس کے کسی بچے کھچے ساتھی کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ وہ میں اور میرے ہی ساتھی تھے۔

کیونکہ گون برگ اور میرے درمیان جو معاملہ طے پایا جانا تھا وہ میں اس سے اپنی اصل شناخت کے بجائے ایک گینگسٹر پیروٹ وہسکی کے کارندے ڈینی کی حیثیت سے کر رہا تھا اور یوں جس نے بھی ہولارڈ کو بہ سرعت گون برگ کے جہنم واصل ہونے کی اطلاع پہنچائی تھی، اس نے بھی میرے بجائے ڈینی کا ہی نام لیا ہوگا۔ ہولارڈ نے محض اپنے قیاسات کی بنیاد پر سمجھ لیا تھا کہ وہ میرے اور میرے ساتھیوں کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

البتہ میرے فرضی کردار ڈینی اور پیروٹ وہسکی کا ذکر اس کے علم میں لایا جا سکتا تھا۔ میں نے کہا۔

"اسپیکٹرم کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہشت......! وہ ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ ہاتھ جھٹک کر پورے یقین سے بولا۔

"اس لیے کہ اسپیکٹرم تمہارا زبردست حلیف ہے اور کیوں نہ ہو، اس کا سربراہ لولووش...... تمہارا اچھا یارانہ [illegible] ہے۔"

"ہم...... خاصی جان کاری رکھتے ہو تم۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"تم بھی بہت بھروسا کرتے ہو اس پر، شاید اس لیے کہ وہ بھی تمہاری طرح میرا دشمن نمبر ون ہے۔ لیکن مسٹر ہولارڈ! مفادات اور طاقت کے کھیل میں اس طرح کی اخلاقیات کو رد کرنے میں ایسے لوگ زیادہ دیر نہیں لگاتے۔"

"کیا [illegible] ہمارے منہ سے نوالہ چھینا ہے؟" وہ بھنویں سکیڑ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا تو عابدہ کو "نوالہ" کہنے پر میرا دماغ بھنا گیا۔ تب میں ضبط سے کام نہ لے سکا اور برہمی سے بولا۔

"ہولارڈ! عابدہ ایک انسان ہے، وہ کسی کا شکار نہیں۔ اسے نوالہ کہنے والے جلد ہی خود تر نوالہ ہو جائیں گے۔"

میری تلخ اور ترش گوئی پر ہولارڈ کے چہرے پر لمحہ بھر تندی کی لہر اُبھری لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے پرانا تکیہ کلام استعمال کرتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"ایزی مین......! ایزی...... جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو تم سے صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ تمہارا خیال غلط ہے کہ لولووش ایسی حرکت کر سکتا ہے۔"

"وہ ایسا ہی آدمی ہے جو یہ حرکت کر سکتا ہے ہولارڈ!" میں نے اس کے لب و لہجے سے مرعوب ہوئے بغیر کہا۔ "کیونکہ اس کے اور تمہارے خفیہ گٹھ جوڑ اوروں کی نظروں سے پوشیدہ سہی مگر مجھ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔"

"محض ایک سماجی بندھن اور رشتے داری کو تم

[illegible] نام کیسے دے سکتے ہو شہزی؟" اس کی مکاری قابل دید تھی۔ میں نے بھی بدستور استہزائیہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ! یہ تم امریکی عوام اور دنیا کو بے وقوف بنانا مسٹر ہولارڈ! میں تمہارے جھانسے میں نہیں آؤں گا اور نہ ہی میں تمہاری اس بات پر بھروسا کرنے پر تیار ہوں کہ بقول تمہارے عابدہ کو کسی نے تمہاری گرفت سے چھینا ہے۔"

آخری جملہ میں نے اس شاطر اور گھاگ آدمی پر [illegible] اُگلوانے کے لیے ادا کیا تھا۔

اگرچہ میں ابھی اس کی بات کی صداقت پر یقین نہ کرنے کا جواز نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس طرح ڈرامائی انداز میں میرا امتحان نہ لیتا، اس نے مجھے ٹٹولا تھا اور خود بھی اسی کسوٹی پر اُترتا تھا کہ وہ غلط نہیں کہہ رہا کہ عابدہ کے سلسلے میں کوئی اور پارٹی یا نامعلوم لوگ اسے اُچک کر لے گئے تھے۔

یوں لامحالہ اسے پہلا شبہ میرے ساتھیوں اور مجھ پر ہی ہونا تھا جو اب ظاہر ہے رفع ہو چکا تھا۔

"لیکن میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔" وہ بولا۔

"اچھا!" میں نے استہزائیہ کہا۔ "تو پھر ایک معصوم [illegible] عابدہ [illegible] اپنے [illegible] مقاصد کے لیے اپنے جال میں کیوں پھنسایا تھا؟"

[illegible] گفتگو کی نہج بدلی تھی۔ میری بات پر اس کے بھاری چہرے پر سرخی کی لہر سی اُبھری تھی کہ...... اچانک بپ کی آواز اُبھری۔ اس نے حسب سابق اپنے لانگ کوٹ کے کالر کو چٹکی سے پکڑا اور منہ اس کے قریب کر لیا۔

اس کے کالر میں غالباً بٹن کی صورت میں کوئی [illegible] ٹرانسمیٹر لگا تھا۔ ٹرانسمیٹر میں کوئی اہم اطلاع دی جا رہی تھی۔ میں آنکھیں سکیڑ کر اس کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ اٹھ کر ایک کونے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ [illegible] میرے سینے میں ہلچل سی پیدا ہوئی اور سنسنی کا احساس ہونے لگا، جیسے ابھی کوئی دھماکا ہونے والا تھا۔

"پتا چل گیا...... عابدہ کو کن لوگوں نے ہم سے چھڑایا ہے لیکن مجھے اس کا یقین کرنے میں شدید تامل ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا اور دوبارہ اپنی نشست پر براجمان ہو گیا۔ میں اُلجھی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ تکتا رہا جو شدید ذہنی خلفشار اور پریشانی میں مبتلا دکھائی دینے لگا تھا۔

"کیا تم پیروٹ وہسکی یا ڈینی نام کے آدمیوں سے واقف ہو؟" ہولارڈ نے اچانک مجھ سے سوال کیا اور میں یک دم محتاط ہو گیا۔ میرا ذہن پھر قلابازیاں کھانے لگا۔ کیا ہولارڈ کو گون برگ سے متعلق تفصیلات ابھی پتا چلی تھیں؟ اور یہ بھی کہ اس میں میرے فرضی کردار ڈینی اور پیروٹ وہسکی کا دخل ہے۔ اگر ایسا تھا تو ایسا ہی سہی۔ میرا مقصد تو ہولارڈ کو اول و آخر ڈاج میں رکھنا تھا۔

بہرکیف...... ایک ذرا سوچنے کے سے انداز میں نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، یہ دونوں نام میرے لیے نئے ہیں، کون ہیں یہ لوگ؟"

"میں خود نہیں جانتا اُن کے بارے میں......" وہ اُلجھن آمیز پریشانی سے بولا۔ میں دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے اس کی پریشانی سے حظ اُٹھانے لگا۔

"لیکن تم تو بڑے دعوے سے کہہ رہے تھے کہ اس میں میرا ہاتھ ہے؟" میں نے دانستہ ایک مصلحت کے تحت اس پر طنز کیا تو وہ اپنی میچی میچی مکار آنکھوں سے میری جانب گھور کر بولا۔

"مجھے اب بھی تم پر شبہ ہے مسٹر شہزی! بات بھولو کہ یہاں جو کچھ بھی جے بی سی یا ٹائیگر فیک کے خلاف محاذ آرائی ہوگی، وہ میں بلاکم و کاست تمہارے کھاتے میں ہی ڈالوں گا۔"

میں اس کی بات پر اندر سے ذرا گڑبڑایا [illegible] کھلی ہو۔ کیونکہ یہ حقیقت ہی تھی کہ میں نے ہی تو ڈینی کے روپ میں گون برگ سے آنسہ خالدہ اور عابدہ کے متعلق ڈیل کرنا چاہی تھی۔ فکر مند بھی ہوا کہ بات پوری نہ کھلی ہو۔

تاہم میں نے اس کی بات ہنسی میں اُڑائی اور کہا۔ "تمہیں واقعی شہزی فوبیا ہو گیا ہے مسٹر ہولارڈ! ویسے ہوا کیا ہے؟ کیا کیا ہے ان لوگوں نے......؟" بالآخر میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"کوئی مافیائی گینگ ہے، پیروٹ وہسکی اس کا سربراہ ہے۔ اپنے کسی ڈینی نام کے آدمی کو اس نے میرے ایک اہم آدمی گون برگ کے ٹھکانے پر بھیجا تھا۔ وہاں ان کے درمیان نجانے کس بات پر کوئی خفیہ ڈیل ہونا تھی کہ ایک دم سب گڑبڑ ہو گیا۔ میرا اہم ترین آدمی گون برگ، ڈینی اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔"

"اور تمہیں اس کا شبہ مجھ پر ہوا تھا؟"

"لامحالہ......!" اس نے کاندھے اُچکائے۔ میرے قیاس کی تصدیق ہو گئی اور میں اندر سے خاصا مطمئن ہو گیا۔

"اوہ...... تم لوگوں کے لیے یہ معمولی سی بات ہے۔"

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ں نے دانستہ بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''جس ادارے سے ہمارا اور ٹائیگر فیک کا تعلق ہے، ان کے ساتھ انڈر ورلڈ مافیا سے چپقلش عام سی بات ہے۔''

''ہمارا ونگ ٹائیگر فیک، سی آئی اے سے تعلق رکھتا ہے۔'' باسکل ہولارڈ وضاحتی لہجے میں بولا۔ ''جبکہ انڈر ورلڈ مافیا وغیرہ کو سنبھالنا ایف بی آئی اور سینٹرل پولیس کا کام ہے۔''

میں دل میں ہنسا۔ جی چاہا کہ کہہ دوں کہ ان سے بڑا مافیا اور انڈر ورلڈ اور کون ہو سکتا ہے۔ تاہم بولا۔ ''تمہارے ساتھی...... کیا نام بتایا تم نے......؟'' میں نے دانستہ اپنے سابقہ ڈرامے میں دم بھرنے کے لیے تجاہلِ عارفانہ سے نام لیتے ہوئے جملہ اُدھورا چھوڑا۔

''گون برگ......''

''ہاں! گون برگ کی ان کے ساتھ کس قسم کی خفیہ ڈیل ہو رہی تھی؟''

''یہ تو نہیں معلوم ہو سکا ہے اب تک۔'' اس نے کہا اور میں نے اندر ہی اندر بے اختیار طمانیت بھری سانس لیا۔

''لیکن وہ...... وہاں موجود ہماری ایک اہم مجرم قیدی عورت کو چھڑا کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور ہمارے آدمی بھی کافی تعداد میں مارے گئے ہیں۔''

''قیدی عورت؟'' میں نے دانستہ اُلجھن آمیز تشویش کا اظہار کیا۔ ''کک...... کہیں عابدہ تو نہیں تھی وہ......؟''

باسکل ہولارڈ نفی میں سر ہلاتا ہوا ایک بار پھر اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اس وقت سخت ذہنی دباؤ اور تشویش و پریشانی کا شکار نظر آ رہا تھا۔

حالات کچھ ایسی نہج پر تھے کہ مجھے اس کی بالکل بھی امید نہ تھی، یعنی...... ٹائیگر فیک جیسے دبنگ سربراہ باسکل ہولارڈ اور میرے اور عابدہ کے عظیم ترین دشمن نمبر ایک سے میری یوں بظاہر دوستانہ ماحول میں ''بیٹھک'' بھی ہو سکتی ہے، ورنہ تو میں اس کے ساتھ ایک پُرخطر اور دھواں دھار جنگ کی توقع رکھے بیٹھا تھا۔

تاہم اب بھی کچھ پتا نہ تھا۔ کس وقت اور کب ہمارے بیچ بات بگڑ جائے اور ہم ایک دوسرے پر ہلّا بول دیں۔

وہ اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے ٹہلتا رہا۔ میں نے بے چینی دکھاتے ہوئے دوبارہ اپنا سوال دہرایا تو وہ ایک دم رک کر بڑے غور سے میرا چہرہ تکنے لگا۔ جیسے کچھ ''اخذ'' کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر ایک دم بولا۔

''نہیں، وہ عابدہ نہیں تھی...... کوئی اور عورت تھی۔''

میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیجی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ ملعون اس دلیر خاتون آنسہ خالدہ کا نام لینے سے کترا رہا تھا۔ میں نے بھی زور نہیں دیا، بھلا دیتا بھی کیوں، مجھے تو پتا ہی تھی ساری حقیقت......

''تم عابدہ سے متعلق بات کر رہے تھے۔'' میں نے اسے پھر کُریدا۔

''ہاں!......'' وہ بولا۔ پھر ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنے پتلے پتلے ہونٹ بھینچ لیے۔

میری جانب اس نے صرف ایک لمحے کے لیے دیکھا ...اور پھر اپنے قریب کھڑے دو ساتھیوں کے چہروں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے معذرتی انداز میں کہا۔

''ایک منٹ! میں ذرا اپنے ساتھیوں کو حملہ آوروں کے متعلق کچھ ہدایت دے دوں......'' کہتے ہوئے وہ پھر اپنے کوٹ کا کالر چٹکی میں دبائے ہوئے کونے کی طرف بڑھ گیا اور میری نظریں بدستور اس کے تعاقب میں رہیں، پھر یہی وہ وقت تھا جب یکا یک مجھے ایک نامعلوم سی بے چینی کا احساس [illegible]

https://www.urdutubes.com/

اب پتا نہیں یہ میری چھٹی حس کی کارستانی تھی یا پھر غیر معمولی محتاط طبیعت کا شاخسانہ اور تربیت کا حاصل کہ میں نے باسکل ہولارڈ کے ہونٹوں میں خفیف سی ''اشارتی'' جنبش بھانپ لی تھی۔

اسی سبب جب ہولارڈ مجھے ''ایکسکیوز'' کر کے اپنے کوٹ کا کالر چٹکی میں دبائے کونے کی جانب بڑھا تو میری غیر ارادی مگر عقابی نظریں انہی دو افراد پر تھیں، جن کے دونوں ہاتھ ہنوز کوٹ کی اندرونی جیبوں میں چھپے ہوئے تھے۔

وہ تیزی کے ساتھ حرکت میں آئے اور لامحالہ اس سے زیادہ سرعت کا مظاہرہ مجھے کرنا پڑا تھا اور بروقت بھی......

ان دونوں مذکورہ افراد کے ہاتھوں میں پستولوں کی چمک اُبھری اور وہ مجھے اس کے نشانے پر رکھتے، میں اپنی نشست سے اُچھل کر دائیں جانب لڑھکا اور اتنی ہی تیزی کے ساتھ میں نے اپنی بیلٹ میں اُڑسا ہوا کوبرا کولٹ نکال لیا۔ اگلے ہی لمحے میرا پسندیدہ ہتھیار ہتھیلی پر تھر کنے لگا۔

ہولارڈ کے دونوں ساتھی ایجنٹوں نے اپنے پستول کی

Digitized by Google

نالوں کا رخ میری جانب تو موڑ لیا مگر فائر کا ایک ذرا الحاتی موقع مجھے مل گیا۔

ٹریگر پر میری اُنگلی متحرک ہوئی اور کوبرا کولٹ گرجا۔ شعلہ لپکا اور ایک ایجنٹ سینے پر گولی لیے چیختا ہوا گرا، دوسرے نے فائر کیا، تب تک میں اس پر بھی دوسری گولی داغ چکا تھا اور بیک وقت ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کی گولی سے بچنے کے لیے اپنی جگہ بھی بدلی۔

میں بائیں جانب ایک دروازے کی چوکھٹ کے عقب میں لڑھکتا چلا گیا تو جو پہلے ہی میری نگاہ میں تھا اور جس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ کچن ہی ہو سکتا تھا، جبکہ دوسرا ایجنٹ ایک فینسی اسٹائل کے ستون کی آڑ میں چلا گیا۔

رہا ہولارڈ...... اس کا خیال تھا کہ میرے لیے صرف اس کی ایک جنبش ابرو ہی کافی ہوگی اور میں اس کے دونوں زرخرید ساتھی ایجنٹوں کے ہاتھوں چشم زدن میں ڈھیر ہو جاؤں گا، گولیاں چلنے کی آوازوں سے اس نے بغیر میری طرف دیکھے اندازہ بھی لگا لیا ہوگا کہ میں ان کی زد میں آ چکا ہوں گا لیکن جیسے ہی اس نے اپنے ایک ساتھی کو چیخ مار کے گرتے اور دوسرے کو نکاسی والے دروازے کی چوکھٹ کی [illegible] سائلنسر لگا [illegible] کی آڑ [illegible] پستول نکال کر [illegible] میں چلا گیا۔

اس کا خیال تھا کہ یہ سب پلک جھپکتے میں ہو جائے گا، ادھر وہ بدبخت میرے نشانے پر تھا، میں اس پر صرف ایک گولی چلا سکتا تھا۔ لیکن میں نے کچھ سوچ کر ایسا نہیں کیا اور میری توجہ بدستور اس کے دوسرے ساتھی ایجنٹ کی جانب ہی رہی۔

وہ دروازے کی آڑ سے مجھ پر یکے بعد دیگرے گولیاں داغے جا رہا تھا اور مجھے اس بوچھاڑ میں ایک بھی فائر کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

یوں اس کے مسلسل فائر کرنے سے کچن کی چوکھٹ کے چیتھڑے اُڑنے لگے۔

میں اپنی بے بسی پر ہاتھ نہیں مل سکتا تھا، کیونکہ اس وقت میرے مقابلے میں ٹائیگر فیک کا چیف خود مقابلے میں تھا جو کوئی معمولی چیز نہیں تھا۔

میری تیزی سے گردش کرتی نظروں نے کچن کی کھڑکی کو تاڑ لیا، جو ادھ کھلی تھی اور میں نے اس کی جانب سرکنے میں محض چند پل کی دیر لگائی اور وہاں سے، بغیر اسے مزید دا کیے، اپنا ذرا سا سر اُبھار کر دیکھا اور اپنے مطلوبہ شکار کی پوزیشن کا اندازہ کیا، وہ تابڑ توڑ گولیاں برسانے کے بعد پیرا ٹروپنگ کے انداز میں قلابازیاں اور چھلانگیں مارتا کچن کی اُدھڑی ہوئی چوکھٹ کے قریب پہنچا، شاید اس کی مسلسل فائرنگ کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ مجھے ایک جگہ محبوس کرنے پر مجبور کر دے اور پھر خود فیصلہ کن حرکت کرتے ہوئے مجھ پر اگلا اور نتیجہ خیز وار کرے لیکن مجھے اس سے پہلے ہی اس کا موقع مل چکا تھا۔

میں نے ادھ کھلی کھڑکی سے ہاتھ نکال کر اپنے کوبرا کولٹ کی نال کا رخ اس کی جانب کیا اور گولی چلا دی۔ اس کے حلق سے کریہہ ناک چیخ خارج ہوئی اور وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ کوبرا کولٹ کی گولی نے اس کی پیشانی پھاڑ ڈالی تھی۔

باسکل ہولارڈ نے میری موجودہ پوزیشن کا اندازہ کرتے ہی مجھ پر اپنے پستول سے، چز...... چز...... اُوپر تلے دو فائر کیے...... میں جھک گیا۔ ادھ کھلی کھڑکی کا ایک پٹ اُڑ گیا۔

شاید اس کا خیال تھا کہ میں اسی کھڑکی سے دوبارہ اس پر جوابی فائر داغوں گا مگر یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ دو فائر کرنے کے بعد وہ تیسرے فائر کا منتظر ہو سکتا تھا۔

میں نے اُلٹی چال چلی اور پلٹ کر کچن کے دروازے کی جانب لوٹ لگائی۔

سامنے مجھے اس کے دوسرے ساتھی کی خون آلود لاش دکھائی دی۔

یہاں پر میں نے کھڑے ہونے کی غلطی کے بجائے کچن کے فرش پر لیٹے لیٹے ہی ذرا سرک کر سر باہر نکالا اور مجھے ہولارڈ پستول ہاتھ میں لیے محتاط قدموں سے کچن کی کھڑکی کی جانب بڑھتا ہوا دکھائی دے گیا۔

میں نے بے حد آہستگی کے ساتھ کوبرا کولٹ والا ہاتھ سیدھا کیا اور ٹریگر دبا دیا۔ شعلہ لپکا اور گولی ہولارڈ کے پستول والے ہاتھ میں لگی۔ وہ اُچھلا اور چند قدم پیچھے کی جانب لڑکھڑایا، ہاتھ اس کا زخمی ہو چکا تھا اور پستول سے محروم بھی۔

خود کو نہتا دیکھ کر اس مکار آدمی نے راہِ فرار کا راستہ اختیار کیا، اس لیے کہ وہ جانتا تھا میں ابھی اسے ہلاک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

اسے بھاگتا دیکھ کر میں اُٹھا اور وحشیانہ غراہٹیں حلق سے خارج کرتا ہوا اس کی جانب لپکا۔ ہم دونوں کا بیچ سے

باہر نکل آئے۔ بھاگم دوڑ کے درمیان...... پستول میں نے دوبارہ اپنی پینٹ کی بیلٹ میں اُڑس لیا تھا تاکہ اس کا آسانی سے پیچھا کرسکوں اور چھاپ لوں لیکن یہ دیکھ میں حیران رہ گیا کہ وہ...... اپنے بھاری مگر تنومند بدن کے باعث بڑی تیز رفتاری کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔

وہ کاٹیج کی درمیانی رو سے ہوتا ہوا...... پائن کے درختوں سے گھرے ہوئے ایک خاصے وسیع قطعۂ اراضی میں گم ہوگیا۔

ہولارڈ اس قدر جلد مجھے جُل دے جائے گا، مجھے اس کی ذرا بھی توقع نہ تھی لیکن میں نے بھی تہیہ کر رکھا تھا کہ اسے پکڑے بغیر یہاں سے ہلوں گا بھی نہیں، لہٰذا میں اسے ڈھونڈتا رہا اور خاصا اندر تک نکل آیا۔

اسی وقت مجھے عقب میں کسی گاڑی کے انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں بُری طرح چونکا۔

پہلے تو یہی سمجھا کہ کسی اور کی گاڑی ہوگی لیکن جھٹکے ہوئے ذہن میں یہ خدشہ بھی اُبھرا کہیں وہی مردود چھلاوا صفت ہولارڈ ہی تو نہیں جو اپنی کار میں فرار ہونے کی کوشش کررہا ہو؟

یہ خیال آتے ہی میں طوفانی بگولے کی طرح پلٹا اور...... اسی وقت میرے سر پر اچانک کوئی قیامت ٹوٹی...... میں شاید مغالطے میں مار کھا گیا تھا میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا......

☆☆☆

دوبارہ میری آنکھ کھلی تو مجھے بالکل مدھم اور لطیف سی گونج کا احساس ہوا، اگرچہ میرے حواس بہت آہستہ آہستہ بیدار ہوئے تھے اور مجھے اپنے گرد ہلکی نیلگوں روشنیاں دکھائی دی تھیں۔

میں ایک صوفہ کم بیڈ پر رسن بستہ حالت میں پڑا تھا اور دونوں ہاتھ پشت کی جانب بندھے ہوئے تھے، ٹانگوں میں بھی جکڑ بند محسوس کرکے میں نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

سر پر ہلکی سی سوزشی درد کا احساس ہوا اور آنکھوں کے سامنے کالے دھبے ناچتے رہے جو حواسوں کے بیدار ہونے کے ساتھ ساتھ کالے بادلوں کی طرح چھٹتے چلے گئے۔

پوری طرح دیکھنے کے قابل ہوا تو بری طرح چونک پڑا۔ پہلا منظر جو میری آنکھوں کے سامنے اُبھرا تھا، وہ کسی طیارے کا لگژری سوئٹ تھا کیونکہ سوئٹ کی مخصوص کھڑکیوں کی ساخت اور ان کے پار مجھے نیلگوں آسمان کی پنہائیاں نظر آرہی تھیں جو سہ پہر کے بعد کی اُترنے والی نارنجی سی شام میں ڈھلتی دکھائی دے رہی تھیں۔

فضائے بسیط کے اسی منظر کو دیکھ کر مجھے یقین کرنا پڑا تھا کہ میں کسی طیارے میں ہی محوِ سفر ہوں۔

میرے سامنے ایک میز نصب تھی اور اس کے گرد بچھی ہوئی تین کرسیوں پر تین ہی افراد خاصے چست لباس میں براجمان تھے۔

ان کی دائیں جانب چھوٹا سا صوفہ ٹائپ کی نشست تھی جو خالی تھی۔ یہ تینوں میرے لیے اجنبی تھے۔

مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر ایک فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور درمیانی دروازے سے باہر نکل گیا۔

میں اپنا سر جھٹکنے لگا اور اپنے سر کی چوٹ کو سہلانے کی خواہش اُبھری مگر میں بندھے ہوئے ہاتھ ہونے کے باعث اسے عملی جامہ پہنانے سے قاصر تھا۔

میں یہ سوچ سکتا تھا کہ کیا میں ہولارڈ کی گرفت میں آچکا تھا؟ یا کسی اور نے یہ معرکہ سرانجام دیا تھا؟ کیونکہ اگر میں ہولارڈ کی گرفت میں ہوتا تو وہ مجھے کہاں زندہ چھوڑنے والا تھا، اس لیے تو اس نے یہ یقین ہونے کے بعد کہ عابدہ کو میں نے نہیں کسی اور نے اس سے چھینا تھا، اس نے کاٹیج میں موجود اپنے دونوں مسلح ساتھیوں کو اپنی آنکھ کی خفیف جنبش سے [illegible] اشارہ [illegible]

مجھے خلائی ہتھیاروں کی بھی فکر تھی، جو بظاہر عام سی ہیئت رکھتے تھے، قلوپطرہ کے کوبرا سانپ والی انگوٹھی میری انگشتری میں موجود تھی اور غیر مرئی لہروں والے بھونرے کی موجودگی بھی محسوس کرکے میں نے اطمینان کی سانس لی تھی۔

لہٰذا اگر ہولارڈ نے ہی پائن کے جھنڈ میں دھوکے سے عقب میں مجھ پر وار کیا تھا تو وہ مجھے اسی بے ہوشی کی حالت میں ہلاک کرسکتا تھا، تو پھر مجھے کہیں نامعلوم مقام پر لے جانے کے لیے اس لگژری...... طیارے کا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

وہ آدمی جلدی ہی لوٹا تو اس کے ہمراہ باسکل ہولارڈ تھا۔ اسے دیکھ کر بے اختیار میرے حلق سے ایک سرد سی ہنکاری خارج ہوگئی اور میں چونکا بھی تھا کہ میرا یہ خدشہ غلط ثابت ہوا تھا کہ میں شاید کسی اور کی قید میں تھا۔ لیکن مجھے حیرانی بھی ہوئی تھی کہ اگر میں اس خبیث کی گرفت میں آچکا تھا تو زندہ کیونکر تھا؟ کیا یہ پھر کوئی میرے ساتھ چکر چلانے والا تھا؟ ساتھ ہی مجھے یہ اندازہ بھی ہو چلا تھا کہ ڈومیسٹک پرواز کا یہ طیارہ ذاتی یا چارٹرڈ ہوسکتا تھا۔

ایک بات اور میرے ذہن میں اُبھری تھی کہ میرے

اس طرح اندھیرے میں مار کھانے کی وجہ یہی تھی کہ میں ایک کار کے انجن کے اسٹارٹ ہونے پر چونکا تھا اور یہی سمجھا تھا کہ ہولارڈ فرار ہونے کی کوشش کررہا ہے؟ تو پھر وہ کون تھا جس نے کار اسٹارٹ کی تھی؟ شاید وہ کسی اور عام آدمی کا شاخسانہ تھا، تاہم میں مغالطے میں آکر بہرحال اب ہولارڈ سے دھوکا کھا چکا تھا۔

میں نے اس کی طرف نفرت بھری نظروں سے گھورا تھا۔ ہولارڈ کے چہرے کی مسکراہٹ بھی بڑی...... زہریلی تھی۔ پچکی پچکی اور غلافی پپوٹوں سے ڈھکی آنکھوں میں نفرت اور سفاکی جھلکتی محسوس ہوتی تھی۔

اس نے ایک استہزائیہ سی نظر مجھ پر ڈالی اور پھر صوفے والی نشست پر دھم سے گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کی اندر آمد پر اس کے تینوں ساتھی مودبانہ سے نظر آنے لگے تھے۔

''بہت شارپ ہو تم شہزی! جیسا تمہارے بارے میں سن رکھا تھا تمہیں ویسا ہی پایا...... لیکن افسوس کہ تمہارا مقابلہ یہاں کسی تیسرے درجے کے گینگسٹر سے نہیں بلکہ ایک ٹاپ پروفیشنل ادارے کے ہائی پروفائل ایجنٹوں سے ہے۔''

[illegible] کے بعد ذرا ٹھہرا تو [illegible]

''ہولارڈ! اس بزدلی اور وعدہ خلافی کو میں اور کیا نام دوں پھر...... جو تمہیں اور تمہارے اس ٹاپ پروفیشنل ادارے کو تیسرے درجے کے گینگسٹرز سے بھی گیا گزرا ثابت کرتی ہے۔ کیا تمہارا ذمے دار ادارہ تمہیں اس ماورائے قانون حرکت کی اجازت دیتا ہے؟''

دشمن کے منہ سے ایسے الفاظ باسکل ہولارڈ جیسے گھمنڈی یہودی کی مغرور انا پر ضرب بلاشبہ کاری ثابت ہوئے کیونکہ دوسرے ہی لمحے ہولارڈ کی آنکھوں میں ایک آگ سی اُترتی محسوس ہونے لگی۔

یہی حال اس کے چربیلے سے چہرے کا ہوا۔ میری جوابی کارروائی پر وہ بیک وقت اپنے دانت، ہونٹ اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں تک بھینچنے لگا۔

اسی جلتی اُبلتی کیفیات تلے وہ عالمِ طیش میں اُٹھا اور میرے قریب آکر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کے شکنجے میں میری گردن دبوچ لی، چند ثانیوں کے لیے مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا، یہی نہیں اس مردود نے مجھے اسی طرح گردن سے دبوچے ہوئے...... صوفہ کم بیڈ سے نیچے گھسیٹ لیا اور فرش پر لڑھکانے کے بعد مجھ پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کرڈالی۔

وہ مردود کسی جنگلی بھینسے کی طرح طاقت ور اور خونخوار فطرت کا ثابت ہو رہا تھا لیکن اس وقت اس کی حالت باؤلے کتے جیسی بھی ہو رہی تھی۔

کئی نازک جگہوں پر جب اس کے ہتھوڑے جیسے گھونسے اور مضبوط بوٹوں کی ٹھوکروں نے میری خبر لی تو بے اختیار میرے حلق سے بھی کراہ نما چیخیں برآمد ہونے لگیں۔

اس تشدد سے میرا نچلا ہونٹ پھٹ گیا۔ چہرے پر خراشیں اُبھر آئیں اور ناک سے بھی خون اُبل پڑا۔

''ذلیل! کتے! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا، تُو نے جرأت کیسے کی یہ کہنے کی؟ میں تجھے خالدہ اور عابدہ کی طرح نشانِ عبرت بنا دوں گا۔'' وہ خبیث باؤلے کتے کی طرح ہانپتا ہوا یہ کہتا چلا گیا اور جسمانی تکالیف کے باوجود اس کی ناپاک زبان سے خالدہ اور عابدہ کو نشانِ عبرت بنانے کا سنتے ہی میرا دماغ مثلِ آتش فشاں پھٹ پڑا، غیظ و غضب کا ایک لاوا تھا جو مجھے آپے سے باہر ہونے کے لیے میرے پورے وجود کو مرتعش کیے ہوئے تھا، کوئی تصور نہیں کرسکتا تھا کہ جس کا محبوب ایک طویل عرصے سے بچھڑا ہوا ہو اور پھر کوئی اسے اس سے اچانک ملنے کی نوید سنا دے لیکن عین وقت پر معاملہ اور نکل آئے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سہانا سپنا دیکھ رہا ہو اور پھر اس کی آنکھ کھل جائے تو دل کس قدر بوجھل اور خراب سا ہونے لگتا ہے، یہ عین میرے دل و دماغ کی بھی یہی کیفیات تھیں۔

باسکل ہولارڈ مجھے یہی کہہ کر لایا تھا مگر وہاں عابدہ کے بجائے اور کوئی اور ہی معاملہ نکل آیا۔ اگرچہ اس میں ایک طرح سے ہولارڈ کی بدنیتی کا دخل نہ تھا، وہ محض مجھے عابدہ کی پُراسرار گمشدگی کے بارے میں جانچنا چاہتا تھا کہ میں اس کے ساتھ چلتا ہوں یا نہیں، ظاہر ہے اگر عابدہ، اس کے خیال کے مطابق میرے پاس ہوتی تو میں اس کے ساتھ یوں اندھی نار میں کیوں کود پڑتا؟ اس سے وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ عابدہ میرے پاس نہیں تھی اور کوئی تیسرا آدمی ''ہاتھ'' دکھا گیا تھا۔

بہرحال میں ریچھ نما ہولارڈ کے تابڑ توڑ گھونسوں اور لاتوں سے رسن بستہ وجود کو مضروب کرواتا رہا یہاں تک کہ نیم بے ہوش سا ہوگیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے سنبھالا تھا کہیں اس طیش میں مغلوب الغضب ہولارڈ کی اپنی طبیعت نہ خراب ہوجائے۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

دوبارہ میرے چہرے پر...... ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس اُنڈیل کر ہوش میں لایا گیا۔ دیکھا تو وہ ریچھ نما وحشی درندہ ہولارڈ اپنی صوفہ کم نشست گاہ پر براجمان، ابھی تک ہانپ سا رہا تھا۔

اس کے تینوں ساتھی بالکل مستعد تھے۔ دو تو اس کے قریب ہی کرسیوں پر بیٹھے تھے، تیسرا میرے بیڈ کے پاس پانی کا جگ لیے کھڑا تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں کانچ کا خالی گلاس تھا۔

مجھے ہوش میں آتا اور کراہتا پاکر وہ پلٹا اور دونوں چیزیں میز پر رکھنے کے بعد اس نے بھی اپنی کرسی سنبھال لی۔

میرے وجود کا ایک ایک حصہ پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔ اس بدبخت نے عابدہ کے ساتھ کیا حشر کیا ہوگا؟ جس نے گون برگ کے ہاتھوں آنسہ خالدہ کو زندہ لاش بنا دیا، وہ میرا بھی یہی حشر کر سکتا تھا اسی لیے میں نے اس بار ذرا مصلحت اور ضبط سے کام لیتے ہوئے ذہن کو بروئے کار لاتے ہوئے خود کو سنبھالا۔

''سنو شہزی!'' وہ بولا۔ ''میں اس تصدیق کے بعد کہ عابدہ واقعی تمہارے قبضے میں نہیں ہے، تمہیں اُدھر کا میج میں ہی ہلاک کر دینے کا ارادہ رکھے ہوئے تھا، لیکن تم آسیبی چھلاوے کی طرح بچ نکلے، بڑی خطرناک زود حسی اور قوتِ ارادی کے مالک ہو تم...... نجانے کیسے تمہیں عین وقت پر اس کا ادراک ہو گیا اور تم ہمارے لیے آسیبی چھلاوا ...... بن گئے...... خیر......'' وہ اتنا کہہ کر رکا اور جیب سے سگار باکس نکال کر ایک کا انتخاب کیا، اس کا سرا توڑا اور لائیٹر سے سلگا لیا مگر کش لیے بغیر گویا جملہ مکمل کرتے ہوئے جلدی سے بولا۔

''لیکن اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔'' یہ کہنے کے بعد اس نے ایک لمبا کش لیا۔ میرا تو جوڑ جوڑ ٹوٹا ہوا تھا۔ سانسیں ہنوز چڑھی ہوئی تھیں۔ میں اپنے مضروب وجود کے اذیت زدہ حصوں کو سہلانے سے بھی قاصر تھا۔ بھلا اب اس منحوس سے کیا کہتا۔

وہ آگے بولا۔ ''دیکھو...... ممکن ہے مجھے پتا چل جائے کہ تمہاری محبوبہ عابدہ کو کون لوگ اُٹھالے گئے ہیں؟ وہ لازماً تمہارے اور عابدہ کے حریف تو نہیں ہو سکتے، پھر میں انہیں تمہارے یرغمال بنائے جانے کی اطلاع دوں گا اور اپنا شکار واپس حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔'' اس نے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔

''مم...... میں سخت تکلیف میں ہوں، برائے مہربانی...... مجھے کم از کم اپنی چوٹیں ہی سہلانے دو، بہت ادھ موا ہو رہا ہوں۔'' میں نے جیسے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

ایسا میں نے دانستہ کہا تھا۔ بے شک چوٹیں مجھے آئی تھیں مگر ایسی نہ تھیں کہ وہ ناقابلِ برداشت ہوتیں یا مجھے واقعی بہت زیادہ نڈھال کر ڈالتیں، ایسا میں نے ہولارڈ کو خود مجھ سے بے پروا ہونے کے لیے کہا تھا کہ جیسے میں کام کا ہی نہ رہا ہوں، تاہم اب میری ناک اور پھٹے ہوئے ہونٹ سے خون رِسنا بھی بند ہو چکا تھا۔

''ہاہا...... ہاہا...... تم چوٹیں کیا سہلاؤ گے، اب قبر میں ہی جا کر اپنا پورا جسم سہلانا۔'' وہ خبیث بدمست سے قہقہے کے بعد بولا۔ ''کیونکہ میں صرف ایک یا دو دن انتظار کروں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے گم شدہ شکار کا کھوج لگا لوں گا اور ان کا بھی جنہوں نے میرے منہ سے یہ نوالہ چھیننے کی کوشش کی ہے۔''

اس ملعون اور مردود کا عابدہ کو بار بار ''نوالہ'' اور ''شکار'' کہنا مجھے سخت ذہنی اذیت سے دوچار کر رہا تھا مگر اب یہ وقت جوش دکھانے کا بھی نہ تھا، جبکہ وہ رذیل مجھے زندہ رہنے [illegible] کر چکا تھا۔

''تت...... تو پھر مجھے تم اب کہاں لے جا رہے ہو؟''

اس نے ایک کش لگایا اور بولا۔ ''میں تو تمہارا نیویارک میں انتظار کر رہا تھا، کیونکہ عابدہ کو بھی اُدھر ہی سے غائب کیا گیا ہے، پھر میرے جاسوسوں نے مجھے اطلاع دی کہ تم شکاگو میں ہو اور وہاں سے کیلی فورنیا آ چکے ہو اور اب اسٹاری سے پینگیں بڑھا رہے ہو۔ تم نے...... یہاں آتے ہی میرے بہت سے اہم ساتھی مار ڈالے ہیں شہزی! اس لیے معافی کا خیال بھی ذہن سے نکال دینا۔ لیکن ہاں تم سے سود وصول کرنے کا بھی سوچ رہا ہوں، جس مقصد کے لیے میں نے عابدہ کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا وہ مقصد تمہاری اس سادہ لوح مگر ہٹیلی محبوبہ نے پورا نہیں ہونے دیا، اب وہ مجھے مل جائے تو تمہیں دیکھ کر اور تمہاری جان بخشی کے عوض شاید مان جائے، نہیں...... شاید نہیں......'' وہ عجیب سنکیوں کی طرح اپنا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔

''یقیناً مان جائے گی۔'' اس نے راکھ جھاڑی اور اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔

سوئٹ کی دیوار میں ایک خوب صورت سی دائن

JBD

نسیم حجازی کے شاہکار تاریخی ناول

آخری معرکہ 550/-
اور تلوار ٹوٹ گئی 550/-
شیر میسور (ٹیپو سلطان شہید) کی داستان شجاعت، جس نے محمد بن قاسم کی غیرت، محمود غزنوی کے جاہ و جلال اور احمد شاہ ابدالی کے عزم و استقلال کی یاد تازہ کر دی
گمشدہ قافلے 500/-
داستانِ مجاہد 300/-
پردیسی درخت 450/-
یوسف بن تاشفین 500/-
اندھیری رات کے مسافر 475/-
ثقافت کی تلاش 300/-
قیصر و کسریٰ 625/-

جہانگیر بکس 91

انسان اور دیوتا 450/-
پاکستان سے دیارِ حرم تک 300/-
آخری چٹان 450/-
سو سال بعد 225/-
سفید جزیرہ 325/-
شاہین 475/-
اندلس میں مسلمانوں کے نشیب و فراز کی کہانی
معظم علی 475/-
خاک اور خون 550/-
کلیسا اور آگ 450/-
قافلۂ حجاز 599/-
محمد بن قاسم 425/-
پورس کے ہاتھی 300/-

سبق آموز کتب سلسلہ
دو رنگی طباعت اور تصویری خاکوں سے مزین

- اقوالِ حضرت علی المرتضیٰؓ 165/-
- اقوالِ آئمہ کرامؒ 165/-
- حکایاتِ گلستانِ سعدیؒ 195/-
- اقوالِ شیخ سعدیؒ 140/-
- حکایاتِ رومیؒ 180/-
- دلچسپ و عجیب حقائق 170/-
- حکایاتِ بوستانِ سعدیؒ 199/-
- دلچسپ و حیرت انگیز باتیں 150/-
- ایمان افروز و سبق آموز سچے واقعات 180/-
- بڑے لوگوں کے روشن واقعات 165/-

جہانگیر
اُردو لُغت
(جامع ترین)
تلفظ کے اندراج کے ساتھ اُردو زبان کا پہلا لُغت

جہانگیر بُک ڈپو
022-2780128
042-37220879
042-35757086
051-5539609

https://www.urdutubes.com/

کیبنٹ تھی۔ وہ اس کی جانب بڑھ گیا۔ ذرا دیر بعد وہ چاروں شراب سے دل بہلا رہے تھے۔

میں بیڈ پر اسی طرح بندھا پڑا تھا اور دانستہ خود کو ہولارڈ کے ہاتھوں پٹنے کے بعد نڈھال اور ناتواں ظاہر کر رہا تھا۔ جیسے میرے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔ جبکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ میں رفتہ رفتہ جذبۂ جنون اور اپنی غیر معمولی قوتِ برداشت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس مشکل سے چھٹکارا پانے کے لیے غور کرنے لگا۔

میں نے اپنے حلق سے کچھ ایسی آوازیں بھی خارج کرنا شروع کر دی تھیں جیسے میری جان نکلی جا رہی ہو۔

ساتھ ہی میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا کہ عابدہ کو ان وحشی بھیڑیوں کی قید سے بھلا لولوش کے سوا اور کون نکال کر لے جاسکتا ہے۔

معاً کسی سیل فون کی میوزیکل بیل گنگنائی۔ میں بیڈ پر ایک کروٹ پر گویا پڑا تھا، وہیں سے میں نے دیکھا، ہولارڈ کی چیئر کے ساتھ ہی ایک مختصر اور دیدہ زیب سا ریک بنا ہوا تھا، وہیں لیپ ٹاپ بھی رکھا تھا اور ساتھ میں سیل فون کا ایک چھوٹا سا اسٹینڈ بھی تھا، سیٹ اسی میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ نکال کر ہولارڈ نے اپنے کان سے لگا کر 'ہیلو' کہا۔

میں نے اس کی گفتگو پر دھیان دیا لیکن بظاہر جسم کو یونہی وقفے وقفے سے اِدھر اُدھر حرکت بھی دیتا رہا تاکہ ان کا دھیان بٹ سکے، جبکہ حقیقت یہی تھی کہ میں اپنے ہاتھوں کی بندشیں کھولنے کی تگ و دو میں بھی مصروف تھا۔

یہی وجہ تھی کہ میں نے دانستہ اپنی پشت دیوار کی جانب کر رکھی تھی تاکہ وہ لوگ میرے رسن بستہ ہاتھوں کی جنبش کو نہ تاڑ سکیں۔

"اوہ...... مائی لولی ڈاٹر...... انجیلا! کیسی ہو، کہاں ہو؟" ہولارڈ کا لب و لہجہ یکا یک ایک باپ کی طرح پُرشفیق ہو گیا۔ جبکہ میں اندر سے بُری طرح کھٹک گیا۔

"انجیلا...... لولوش...... انجیلا......" اس نام کے ساتھ از خود اس ملعون اور اسپیکٹرم کے سربراہ لولوش کا نام بھی میرے ذہن میں کسی آسیبی چمگادڑ کی طرح گردش کرنے لگا۔ لولوش اس کا داماد تھا۔

مجھے یاد تھا جب میں پاکستان میں تھا اور عابدہ کی امریکن انٹیلی جنس ادارے میں حوالگی کے بعد اول خیر اور میں یہی پروگرام بنائے ہوئے تھے کہ کسی طرح انجیلا پر ہاتھ ڈالا جائے تو بدلے میں عابدہ کی برآمدگی ممکن ہو سکتی تھی، یہ اس وقت کی بات تھی جب میرا اسپیکٹرم کے ساتھ ٹھیک ٹھاک قسم کا محاذ جہنم واصل سے جی کو ہارا...... کے ساتھ ایڈیمان کے جزائر میں گرم تھا اور ان دنوں لولوش برازیل میانمار (برما) میں اپنی بیوی انجیلا کے ساتھ عارضی طور پر مقیم تھا۔

لیکن وہاں حالات ان دنوں اس قدر پُرخطر اور جاں گسل رہے تھے کہ ہمیں اپنے اس منصوبے پر عمل کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا تھا۔ اب...... انجیلا کے تذکرے پر میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا تھا مگر میں نے اپنے چہرے کے جوشیلے تاثرات چھپائے رکھے تھے، ہولارڈ کے تینوں مستعد ساتھی ایجنٹ تھوڑے تھوڑے وقفے سے میری ہی جانب گھورتے جاتے تھے۔

"یس مائی سویٹ ہارٹ! میں نیویارک پہنچ رہا ہوں۔ ایک ضروری کام سے مجھے کیلی فورنیا جانا پڑا تھا۔ اس وقت بھی میں اپنے لونا طیارے میں ہی ہوں، یاد ہے نا ڈارلنگ یہ وہی طیارہ ہے لونا...... جس میں، تمہیں میں نے رخصت کیا تھا۔"

باسکل ہولارڈ کی گفتگو اپنی بیٹی سے جاری تھی اور میں نے اس پر کان لگا رکھے تھے لیکن اب بھی میں نے تھوڑی دیر بعد کراہتے رہنا اور بے چینی اور درد کا تاثر ابھارنے [illegible] توقف نہیں کیا تھا۔

https://www.urdutubes.com/

[illegible] پشت پر بندھے اپنے ہاتھوں کو بھی میں [illegible] میں جنبش دیے جا رہا تھا مگر ابھی تک میں رسی کی ایک گرہ بھی ڈھیلا نہ کر سکا تھا، تاہم میری کوشش جاری تھی۔

"مائی لولی ڈاٹر! اس وقت ہمارا لونا پانچ سو [illegible] کی ایوریج اسپیڈ پر گامزن ہے، چار سے پانچ [illegible] نیویارک پہنچنے میں لگ ہی جائیں گے۔" ہولارڈ، بیٹی سے کہہ رہا تھا۔

"تم ایسا کرو اسٹار ولا پہنچ جاؤ، فریش ہو جاؤ [illegible] سنو ہیلگا سے دور ہی رہنا، معلوم ہی ہے نا...... اس کی [illegible] تمہیں...... یس مائی ڈاٹر، گڈ! ہاں......! سنو ذرا لولوش بھی تمہارے ساتھ ہے؟"

اس نے آخر میں پوچھا تو میری سماعتوں میں [illegible] سائیں ہونے لگی۔

دوسری جانب سے اس کی بیٹی انجیلا نے کوئی [illegible] دیا تھا جس پر ہولارڈ بولا۔

"او...... چلو خیر! کوئی بات نہیں، تم تو آ رہی ہو یہی بہت ہے، ویسے اگر وہ جادوگر کی اولاد بھی ساتھ ہوتا تو میرے پاس اس کے لیے ایک

Digitized by Google

سرپرائز تھا......" یہ کہتے ہوئے باسکل ہولارڈ نے معنی خیز نظروں سے میری جانب دیکھا۔

"بس ہے کوئی، تمہارے کام کی بات نہیں ہے، کیا کہا؟ تمہارے پاس بھی میرے لیے کوئی خبر ہے؟ اوکے، ہاں! میں ایئرپورٹ پر اُترتے ہی پہلے اپنے ہیڈ کوارٹر جاؤں گا...... تم میرا انتظار مت کرنا، تم بھی تھکی ہوگی اسی لیے آرام کر لینا، میں رات دیر سے آیا تو تمہارے کمرے میں آ کر تمہیں بوسہ دے دوں گا، پھر صبح کو گپ شپ ہوگی باپ بیٹی کی...... اوکے ڈارلنگ!؟ کیا......؟ کیا کہا......؟ او...... مائی [illegible]؟ تمہارا لہجہ اس قدر بوجھل کیوں ہو رہا [illegible] کیا بات ہے نا تمہاری؟ او...... ہو جاتا ہے [illegible] شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے؟ صرف چند سال...... میاں بیوی میں چھوٹی موٹی باتیں ہو جاتی ہیں، اچھا ٹھیک ہے میں سمجھا لوں گا اس شیطان کو، تم چھوڑو [illegible] سویٹ ڈاٹر...... وہ تمہاری ہی پسند تھا، اوکے مائی ڈاٹر! میں جانتا ہوں کہ وہ میرا قریبی ساتھی تھا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ تم......"

اس نے فوراً اپنی ہی بات کاٹ دی اور میری جانب [illegible] دیکھا پھر فون پر بیٹی سے بولا۔ "خیر...... صبح تفصیل سے بات کر لیں گے۔" یہ کہنے کے بعد ہولارڈ نے رابطہ [illegible] سیل وہیں اسٹینڈ پر رکھ دیا۔

https://www.urdutubes.com/

[illegible] کی طرف دیکھا، وہ بہی سے [illegible] کچھ فکرمند سا نظر آ رہا تھا، پھر ایک [illegible] کچھ سوچنے کے دوران بار بار [illegible] کسی بات کو اہمیت بھی دیتا اور پھر اپنے سر کو یوں جھٹکتا کہ جیسے اسے غیر اہم قرار دے ڈالا، انداز ایسا ہی تھا۔

[illegible] گھنٹوں کے درمیان طیارے نے نیویارک کے جانے کون سے ایئرپورٹ پر لینڈ کیا تھا، کیونکہ میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔

اپنی مستعار لیے اندھیاروں میں مجھے طیارے سے کسی گاڑی میں بٹھایا گیا اور وہ روانہ ہو گئی۔

[illegible] ٹریفک، کا پُرہنگم شور اور دیگر ایسی آوازیں میرے کانوں سے ٹکرائی تھیں پھر خاموشی چھا گئی تھی، کار کے شیشے ٹنٹڈ تھے۔

کار کا سفر نصف گھنٹے جاری رہا۔ اس کے بعد کار نے میرے محتاط اندازے کے مطابق دو تین موڑ کاٹے تھے اور کار رکی، چند سیکنڈوں بعد پھر آگے بڑھی اور رک گئی۔ (شاید گیٹ سے اندر داخل ہوگئی تھی)۔

دروازے کھلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ میرے ہاتھوں کی رسیاں جوں کی توں بندھی رہیں، میں پیہم کوشش کے باوجود اس کی ایک گرہ کو بھی ڈھیلی کرنے میں ناکام رہا تھا، کم بختوں نے بہت ہی "ٹیکنیکل" انداز میں باندھ رکھی تھیں، اس میں کچھ موقع کا بھی دخل تھا، کیونکہ انہوں نے مجھے اکیلا نہیں کیا تھا کہ میں کھل کر اپنی "کوشش" میں کامیابی حاصل کرتا۔

شاید اب موقع ملتا لیکن میرا دھیان باپ بیٹی کی گفتگو میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ اندازہ ہوتا تھا کہ انجیلا کا اپنے شوہر لولوش کے ساتھ کچھ چپقلش کا آغاز ہونے لگا تھا، اب پتا نہیں یہ میاں بیوی کی آپس میں روایتی چپقلش تھی یا پھر سنجیدہ نوعیت کی، اس کا ابھی بہرحال مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو پایا تھا۔

میرے پیروں کی رسیاں کھول دی گئی تھیں اور مجھے دو افراد نے بازوؤں سے دبوچ رکھا تھا۔ کار سے اُترنے کے بعد وہی مجھے کسی عمارت کے اندر لے کر بڑھے جو مبینہ طور پر ٹائیگر فیک کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

میں نے اپنے نڈھال ہونے کی "اداکاری" کو یہاں بھی جاری رکھا تھا تاکہ مجھے کمزور سمجھ کر ان کی غیر معمولی "مستعدی" میں کمی آتی رہے۔

شاید مجھے کسی کمرے میں لایا گیا تھا۔ شکر تھا کہ یہاں دوبارہ میری ٹانگوں میں رسی نہیں باندھی گئی تھی البتہ میری آنکھوں سے پٹی اُتار دی گئی۔

چند لمحے تک تو میری آنکھوں کے سامنے کالے دھبے رقص کرتے رہے۔ اس کے بعد ان میں بتدریج کمی آتی گئی۔ میں نے جائزہ لیا۔

وہ ایک آٹھ بائی دس کا کمرا تھا اور وہاں میرے علاوہ صرف یہی دو افراد تھے۔ باسکل ہولارڈ وہاں موجود نہ تھا۔ وہ دونوں مجھے فرش پر پھینک کر چلے گئے اور دروازہ باہر سے بند کر گئے۔

میں چند ثانیے تک اسی طرح ننگے فرش پر پڑا رہا۔ اس کے بعد تھوڑا لڑھکتا اور دانستہ کراہتا ہوا دیوار تک گیا اور اس کے ساتھ پشت ٹکا کر اسی کے سہارے بیٹھ رہا۔

یہ چونکہ مبینہ طور پر ٹائیگر فیک کا ہیڈ کوارٹر تھا، نیویارک کے کسی علاقے میں تھا، کہاں؟ یہ ابھی میں نہیں جان سکا تھا۔ دوسری بات میرے ذہن میں یہ بھی تھی کہ یہاں سے کسی خفیہ کیمرے کے ذریعے میری نقل و حرکت کو

دیکھا جاسکتا تھا۔ اسی لیے میں نے سرِدست ایسی کوئی مشکوک حرکات وسکنات سے اجتناب ہی برتنے کا فیصلہ کیا تھا۔

کمرے میں میرے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ ماسوائے چھت کے قریب ایک چھوٹے سے سوراخ نما روشن دان کے جہاں سے مجھے تاریکی کے ظلمت بھرے بطن سے روشنی کی ہلکی کرنیں سی پھوٹتی دکھائی دیتی تھیں۔

کمرے کی چھت بھی بہ مشکل چھ یا سات فٹ ہوگی، یہاں مزید کوئی جائزہ لینے والی شے نہ تھی اسی لیے میں نے ایک بار پھر اپنے ہاتھوں کی غیر محسوس انداز میں گرہیں کھولنے کی کوششیں تیز کردیں۔

میری پشت چونکہ دیوار کے ساتھ تھی اور میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اگر کسی خفیہ کیمرے کی دیوار گیر آنکھ مجھے دیکھ بھی رہی تھی تو میری اس کوشش کو بھی دیکھ سکتی تھی۔

میں اپنے ''کام'' میں جتا رہا اور ساتھ ہی ذہن کو بھی کام میں لاتا رہا۔

ٹائیگر فیک کے ہیڈ کوارٹر میں میرا قید ہو جانا معمولی بات نہ تھی۔ یہاں میرے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ انسانیت سوز تشدد یا پھر بے بسی کی موت...... لیکن بہ قول ہولارڈ کے وہ ابھی عابدہ کا کھوج لگانے اور ان لوگوں کو میرے حوالے سے بلیک میل کر کے کسی ڈیل کا منتظر تھا اور ظاہر ہے کہ یہ عرصہ زیادہ طویل نہیں ہوسکتا تھا۔

پاسکل ہولارڈ جیسے درندہ صفت یہودی افسر سے مجھے ہر طرح کی بربریت کی توقع تھی۔

ہولارڈ کی طرح یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ آخر وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ٹائیگر فیک جیسے لوگوں کے چنگل سے عابدہ کو چھینا تھا، یہ بات میرے لیے بھی تشویش کا سبب تھی کہ کیا اغواکنندہ کا تعلق میرے کسی چھپے ہوئے بہی خواہ سے ہوسکتا تھا اس کا جواب نفی میں تھا۔

اگر ایسا ہوتا تو وہ مجھ سے رابطہ ضرور کرتا اور بھلا ایسا میرا اجری اور بہادر خیر خواہ کون ہوسکتا......؟

آنسہ خالدہ خود زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی، بے چارے بدنصیب استاری کو اس خونی درندے ہولارڈ نے مار ڈالا تھا۔ سوزی ایسی کوئی طاقت نہیں رکھتی تھی کہ وہ ٹائیگر فیک جیسے خونخوار بھیڑیوں کی کچھار سے عابدہ کو نکال لانے کا کارنامہ انجام دے سکتی اور اگر اس نے ایسا کیا بھی ہوتا تو...... پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کرتی۔ کیونکہ فرینسو اور بیکرز فیلڈ میں فاصلہ ہی کتنا تھا؟

رہے کبیل دادا اور شکیلہ، تو وہ دونوں بے چارے بندرگاہ کے اس رہائشی کنٹینر میں میرے منتظر ہوں گے اور میرے اب تک نہ لوٹنے پر پریشانی کا بھی شکار ہو چکے تھے۔

تو پھر لولوش کے علاوہ بھلا اور کون ایسا بہادر ہوسکتا ہے جو پاسکل ہولارڈ، ٹائیگر فیک اور جے بی سی سے ٹکر لے سکتا؟ لیکن یہاں یہ اڑچن ذہن میں اُبھرتی تھی کہ ٹائیگر فیک اور اسپیکٹرم دونوں ایک دوسرے کے دستِ راست ہی نہیں بلکہ ایک زبردست حلیف بھی تھے۔

یوں اگر لولوش کو بھی اس خانے سے نکال دیا جائے تو اور کوئی نام میرے ذہن میں نہیں آتا تھا۔

میں زیادہ دماغ سوزی نہیں کر سکا۔ جتنا سوچتا اُتنا ہی اُلجھتا تھا۔ ایک تسلی تو بہرحال تھی کہ عابدہ خیریت سے تھی لیکن وہ بے چاری کن حالوں میں تھی اور کیسے جاں گسل مصائب سے اب تک گزری ہوگی، اس کا میں صرف ایک تکلیف دہ اندازہ ہی لگا سکتا تھا، زیادہ سوچنا بھی میرے لیے محال ہو جاتا اور خود کو ذہنی اذیت سے بچانے کے لیے میں نے اپنی ساری توجہ اپنے ہاتھوں کے جکڑ بند کھولنے پر مرکوز کردی۔

رات گئے تک میں اسی کوشش میں لگا رہا، حتیٰ کہ میری کلائیاں ایک دوسرے سے رگڑ رگڑ کر اور اُنگلیاں تک چھلنے لگیں مگر کم بخت رسی کی ایک گرہ [illegible] [illegible] پر اب بیزاری اور [illegible] غالب آنے لگی تھی، ایک اس پر سوا تھی۔ غنودگی سے میری آنکھیں بھی بوجھل ہو رہی تھیں۔ میں پہلے دیوار کے سہارے نیم دراز ہوا، پھر جانے کب لڑھک کر فرش پر گول مول ہوکر سوگیا۔

☆☆☆

پانی کے زوردار چھینٹوں سے میں جیسے ایک دم ہڑبڑا کر اُٹھا۔ نیند کا خمار ہنوز ذہن پر غالب رہا۔ کچھ دیر میں وہ رفع ہوا تو سامنے دو مسلح افراد کو کھڑے دیکھا۔ ایک کے ہاتھ میں گن اور دوسرے کے ہاتھ میں پانی کا خالی جگ تھا، جو اس نے مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر ایک جانب کونے میں رکھ دیا۔

دوسرے نے تحکمانہ درشتی سے مجھے کھڑے ہونے اور ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ مجھ سے ذرا فاصلے پر اور چوکنا کھڑے تھے۔ جیسے میں کوئی بھوت ہوں، حالانکہ میرے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے، میں دیوار کے سہارے اپنا رسن بستہ وجود رگڑتا ہوا بہ مشکل اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر ان کے ساتھ چل دیا۔

میں ان دونوں کے درمیان چلتا ہوا کمرے سے نکل

Digitized by Google

کر ایک قدرے چوڑی راہداری میں آگیا۔ دائیں بائیں چند ایک کمرے اور کچھ زینے دکھائی دیے تھے۔ درمیان میں چند قدموں کے بعد ایک ہال نما کھلا پورشن بھی نظر آیا تھا، وہاں میزیں اور کرسیوں پر کچھ لوگ براجمان کمپیوٹرز اور مانیٹرز پر جھکے کام میں مشغول رہے، کسی نے بھی ہماری طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی۔

یہاں چھت خاصی بلند تھی۔ یہاں سے ایک چکردار زینے سے ہم اُوپر فلور میں آگئے۔

دن اور وقت کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ تاہم ہال میں لگے ایک بڑے سے گھڑیال نما وال کلاک میں وقت دیکھنے کی کوشش چاہی تھی جہاں چھوٹی سوئی چھ کے ہندسے پر تھی۔ یقیناً یہ صبح کے چھ بجے کا وقت ہوسکتا تھا۔ اگر مجھے پاسکل ہولارڈ کے روبرو پیش کیا جارہا تھا تو وہ مجھ سے رات کو بھی مل سکتا تھا، ممکن تھا اس کی بیٹی انجیلا نے گھر آنے کی ضد کی ہو کہ وہ اس کی بات سن جائے یوں وہ رات اپنے گھر گزار کے صبح ہی یہاں ہیڈ کوارٹر میں آن دھمکا ہو۔

جلد ہی ہم اُوپری فلور کے ایک بڑے سے کمرے میں آگئے۔

یہ کمرا نسبتاً بہتر اور آرام دہ دکھائی دیتا تھا۔ یہاں صاف ستھرا فرنیچر رکھا تھا۔ ایک کونے میں صوفہ کم بیڈ اور میل [illegible] [illegible] قالین بچھا ہوا تھا [illegible] میں [illegible] [illegible] تھیں، وہاں ایک پر [illegible] ہولارڈ [illegible] سی [illegible] ٹاپ والی میز کے سامنے اپنی پشت ٹکائے سگار پی رہا تھا۔

مجھے اس کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آرہا تھا۔ میں اس کے چہرے کو گھورنے والے انداز میں دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔

اس نے ایک کش لیا اور راکھ سامنے میز پر رکھی سنگِ مرمر کی خوب صورت سی ایش ٹرے میں جھاڑی اور بولا۔

''معافی چاہوں گا شہزی! تمہیں مجبوراً ایک ایسے کمرے میں رکھا گیا جو بہرحال تمہارے شایانِ شان نہیں تھا۔ مجھے بعد میں اپنے سخت اور جارحانہ رویّے پر بھی افسوس ہوا جو میں نے طیارے میں تم سے روا رکھا، لیکن تم نے مجھے غصہ دلا دیا تھا میں تو تم سے دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔'' وہ مکار اتنا کہہ کر چند ثانیوں کے لیے رکا۔ میں نے بھی مصلحتاً اسے کوئی سخت جواب دینے سے گریز کیا۔ وہ آگے بولا۔

''درحقیقت مجھے رات ہی میں تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں، لیکن میری بیٹی انجیلا کی ضد تھی کہ میں ہیڈ کوارٹر سے اسی وقت گھر پہنچوں، وہ بہت ضدی ہے، میں جانتا تھا کہ وہ رات بھر نہیں سوئے گی جب تک مجھ سے بات نہ کرلے۔''

وہ اتنا کہہ کر رکا۔ میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ خلافِ معمول اس کا لہجہ بہت دھیما اور ہموار تھا لیکن میں اس کی کسی مکاری میں آنے والا نہیں تھا تاہم میں اس کے آگے بولنے کا منتظر رہا لیکن اسی وقت ایک پری جمال حسینہ ایک نفیس قسم کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

اس نے گہرے سرخ رنگ کا منی اسکرٹ اور اسی رنگ کا کھلے گریبان والا بلاؤز پہن رکھا تھا۔ رنگت اس کی گوری اور شفاف تھی۔ بال سلیقے سے بنا رکھے تھے، قددراز تھا، گھٹنوں سے اُوپر اس کے ٹائٹ اسکرٹ کے نیچے شفاف چمکتی جلد کی پنڈلیاں خاصی سبک نظر آتی تھیں۔

اس نے دل موہ لینے والی مسکراہٹ سے میری جانب دیکھا اور ٹرالی کو سائڈ میں روک کر کھڑی ہوگئی۔

ٹرالی میں لوازماتِ آوارہ کے علاوہ کچھ کھانے پینے کی اشیا رکھی تھیں۔ ان میں کافی کا فلاسک، بریڈ مکھن، سنکے ہوئے توس، شہد اور اُبلے ہوئے انڈے رکھے تھے۔ کچھ اور بھی رکھا تھا جو میں نہ سمجھ سکا، وہ کیا بلا تھی۔

''میرا خیال ہے تم کچھ کھا پی لو اس کے بعد میں تم سے ضروری باتیں کروں گا۔'' پاسکل ہولارڈ مجھ سے بولا اور لڑکی کی طرف دیکھ کر کوئی اشارہ کیا تو مسکراتے لہجے میں مجھ سے بولی۔

''مسٹر شہزی! آپ کیا لینا پسند کریں گے؟''

مجھے پیاس بھی لگی ہوئی تھی اور بھوک بھی...... مگر میرا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ یہ سوچ کر کہ اگر میں کچھ کھانے کی ہامی بھر لوں تو ممکن ہے مجھے اپنے دونوں ہاتھ کھلوانے کا موقع مل جائے اور یہی میرے لیے بہت تھا۔

''شکریہ! بھوک تو مجھے لگی ہے اور پیاس بھی...... لیکن میرے ہاتھ......''

''اس کی فکر نہ کرو...... مس ہیلی اپنے کام کی ماہر ہے۔'' پاسکل ہولارڈ نے کہا اور میں بے بسی سے اپنے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ وہ پھر ہیلی سے مخاطب ہوکر بولا۔

''مسٹر شہزی کو پہلے پانی پلاؤ اس کے بعد اسے ناشتا کروادو۔ ہم باتیں بھی کرتے جائیں گے۔ لیکن شہزی وِسکی نہیں پیتا، میرے لیے البتہ ایک پیگ تیار کردینا۔'' کہتے ہوئے اس نے قریب مستعد کھڑے اپنے دونوں مسلح آدمیوں میں سے ایک کی طرف دیکھا، وہ اس کی نظروں کا

https://www.urdutubes.com/

مطلب سمجھتے ہی فوراً چابی بھرے کھلونے کی طرح حرکت میں آیا اور اس کے لیے ایک گلاس میں شراب اُنڈیلنے لگا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ یہ خبیث اور متعصب یہودی کیوں بار بار کینچلیاں بدل رہا تھا؟ اس کے ساتھ میرے پہلے ہی ٹاکرے سے عجیب حالات رہے تھے۔ کبھی ہم دست و گریباں ہو جاتے تو کبھی دوستانہ ماحول پیدا ہونے لگتا۔ لیکن میں محسوس کر سکتا تھا کہ ہولارڈ کسی مشکل میں گرفتار ہے، جو اسے کبھی میری طرف مکارانہ روش پر مجبور کرتی ہو تو کبھی تشدد پر......

غرضیکہ اس کی کیفیات مجھے بوکھلائی ہوئی سی نظر آتی تھیں اور میں اس بات پر غور کر رہا تھا کہ میں اس سے کیونکر فائدہ اُٹھا سکتا ہوں؟ یہ ابھی وقت کی دہلیز پر ایک امتحان کے پتھر کی طرح رکھا تھا۔

ہیلی نام کی اس نازک اندام حسینہ نے پانی کا گلاس بھرا اور میرے منہ سے لگایا۔ اس دوران عیار ہولارڈ بغور میری حرکات و سکنات پر اپنی توجہ مرکوز رکھے ہوئے تھا۔

میرے لیے یہ بڑا کوفت کا مقام ہوتا تھا جب مجھے اپنے کسی بڑے چالاک اور شاطر دشمن کو بلف کرنا ہوتا تھا تو مجھے مجبوراً سہی، اپنی فطرت کے منافی انداز و اطوار اختیار کرنا پڑتا، لہٰذا...... طوعاً و کرہاً میں نے ہنوز دل موہ لینے والی مسکراہٹ اپنے نرم و گداز ہونٹوں پر سجائے ہوئے ہیلی کو ''شوقین'' سی نظروں سے گھورا اور اپنا منہ آگے کر لیا۔ اس نے مجھے اپنے نازک ہاتھوں سے پانی پلایا اور نغمہ بکھیرتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''آپ پہلے کیا لینا پسند کریں گے مسٹر شہزی؟''

''دو عدد اُبلے ہوئے انڈے کھلا دو، پھر مکھن لگا توس اور اس کے بعد کافی......'' میں نے بھی اس کی طرف دانستہ مخمور سی نظروں سے گھورتے ہوئے مسکرا کر کہا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ میرے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی اور ناشتا کرانے لگی۔

باسکل ہولارڈ اس دوران میں وہسکی کے دو تین گھونٹ بھر چکا تھا۔

اِدھر میرا ناشتا شروع ہوا اُدھر اس نے گفتگو کی ابتدا کر دی۔

''شہزی! سچ مانو تو میں نے ابھی تک تم سے ایک بات بھی جھوٹ نہیں کہی ہے۔ جب عابدہ میرے پاس تھی اور مجھے پتا چلا کہ تم اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ امریکا میں قدم رکھ چکے ہو تو میں نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ تمہارے سامنے کسی قسم کی لڑائی والا محاذ کھڑا نہیں کروں گا بلکہ مذاکرات کی میز پر تمہارے ساتھ یہ گمبھیر معاملہ حل کرنے کی کوشش کروں گا۔''

میں منہ چلائے جا رہا تھا اور ہیلی میرے منہ میں اُبلے ہوئے انڈے کے ٹکڑے چمچ سے ڈال رہی تھی۔ پھر اس نے ایک توس پر مکھن لگایا اور اسے ٹشو پیپر سے ایک سرے سے پکڑا اور میرے منہ میں ٹھونس دیا۔

اس دوران میں نے دانستہ شوخ حرکت کرنا ضروری سمجھا اور اس کی مخروطی نرم اُنگلیوں کو اپنا ہونٹ اور زبان لگا دی۔ اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی اس حرکت کا بُرا منایا۔

''لیکن......'' ہولارڈ نے اپنا بیان جاری رکھا۔ ''بدقسمتی سے عابدہ کو اس دوران میں ہم سے کوئی اور لے اُڑا۔''

''کیا ابھی تک تمہیں ان نامعلوم افراد کا سراغ نہیں ملا؟'' میں نے اچانک درمیان میں سوال کیا۔

''ابھی تو نہیں ملا ہے لیکن...... میں اب تمہارے ایک خدشے کو رد بھی نہیں کر سکتا۔''

''کیسا خدشہ؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''یہی کہ یہ حرکت اسپیکٹرم کے سربراہ اور میرے داماد لولوش کی ہو سکتی [illegible]''

''ہم......'' میں نے توس کا آدھا [illegible] نگلا۔ ''اب بھلا اچانک میرے خدشے کو رد نہ کرنے کی وجہ سامنے آ گئی؟''

''کوئی خاص وجہ تو سامنے نہیں آئی ہے لیکن مجھے احساس ہو رہا ہے کہ مجھ سے ٹکر لینے کی جرأت کرنے والا صرف ایک ہی آدمی ہو سکتا ہے اور وہ ہے لولوش [illegible]'' اس نے بتایا اور میرے سوچتے ہوئے ذہن میں ایک جھماکا سا چھوٹا۔ میں چپ رہا اور اس کی سنتا رہا۔ تاہم میرا دل سینے میں بے طرح دھڑکتا رہا۔ ہولارڈ ایک نمبر کا عیار اور شاطر انسان تھا۔ اس کے لہجے اور چہرے کے اُلجھے ہوئے پریشان کن تاثرات سے مجھے صاف نظر آ رہا تھا کہ اسے حقیقت کا علم ہو چکا ہے کہ یہ حرکت لولوش نے کی ہے مگر اسے یہ بات کسی غیر متوقع ذریعے سے معلوم ہوئی ہوگی۔ ٹائیگر فیک کے چنگل سے ہولارڈ کا شکار چھیننے کی جرأت صرف اور صرف اسپیکٹرم والوں نے کی ہے۔ گویا اب اس معاملے میں یہ دو بڑے ہاتھی جہاں ایک دوسرے کے زبردست حلیف بنے تھے اور اب یہی معاملہ گویا ان ہاتھیوں کے بیچ ایک بدترین جنگ کا آغاز تھا لیکن اب دیکھنا یہ تھا کہ... ہولارڈ مجھ سے کیا چاہنے والا تھا؟ میں اس کی گرفت میں تھا اور اس سفاک آدمی سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔ وہ میرا قصۂ حیات اِدھر ہی ختم کر سکتا تھا مگر کسی مجبوری نے اسے روک رکھا تھا۔ مجھے بھی اب جلد از جلد اس کی خطرناک اور سنگین ترین گرفت سے خود کو آزاد کروانا تھا۔

وہ تھوڑا رک کر میرے تاثرات پڑھنے کی کوشش کرتا رہا، جبکہ میں اب ہیلی کے نرم نازک ہاتھوں سے کافی کے سپ بھرنے میں مگن تھا۔

''تو اس کا مطلب ہے تمہیں اس بات کا پتا چل چکا ہے کہ تمہارے منہ سے شکار چھیننے کی جرأت کرنے والا لولوش ہی ہے۔''

''ہاں!'' بالآخر میں نے اس شاطر کو سچ اُگلوانے پر مجبور کر ہی دیا۔

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ حرکت اسپیکٹرم کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔''

''یو آر رائٹ شہزی!'' ہولارڈ بولا۔ ''مجھے تمہارا جملہ یاد ہے کہ طاقت اور مفادات کے کھیل میں انسان بڑے سے بڑے اخلاقی درس بھول جایا کرتا ہے۔''

''چلو، یہ طے ہو، اب بتاؤ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' [illegible] میں کافی پی چکا [illegible] اسے ایک آنکھ بھی مار دی۔

''میں عابدہ کی واپسی کے لیے تمہیں استعمال کرنے کا سوچ رہا ہوں۔''

''مجھے......؟'' میرے لہجے میں بناوٹی حیرت تھی۔

''ہاں! تمہیں۔'' کہتے ہوئے وہ اپنی نشست سے اٹھا اور قالین پر چند قدم سامنے کی دیوار کی جانب بڑھائے اور ٹھہر کر میری جانب پلٹا۔

''تم شاید نہیں جانتے کہ لولوش کو تمہاری کس قدر بے چینی سے تلاش ہے۔'' اس کی بات پر میرے پورے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ قصہ میری سمجھ میں آنے لگا تھا مگر اب بھی اس کے بہت سے گوشے مخفی تھے مگر میں نے بظاہر بے پروائی سے کہا۔

''لیکن مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔''

''تمہیں...... مجھے ہے......'' اس نے کہا۔

''تمہیں......؟'' میں نے بھویں سکیڑ کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں......!'' کہتا ہوا وہ دوبارہ چھوٹے قدم اُٹھاتا ہوا اپنی نشست کے قریب آ گیا مگر بیٹھا نہیں۔

''میں دراصل لولوش سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں، عابدہ کو حاصل کرنے کے بدلے میں......''

''یعنی تم مجھے اس کے حوالے کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے اپنے وجود کی سنسنی پر قابو پاتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تمہارے ذہن میں اس سوال کا اُبھرنا ایک فطری بات ہے لیکن ہے اس کے برعکس۔'' وہ بولا۔ مجھے اس کے لہجے سے عیاری کی بُو آتی محسوس ہوئی۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا اور اپنے لیے ایک اور پیگ تیار کرنے لگا۔

میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میرے اور ٹائیگر فیک کے مابین اس قدر گمبھیر اور پیچیدہ صورت حال آن کھڑی ہوئی تھی کہ ہم ایک دوسرے کے بدترین دشمن ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی نہج پر آن کھڑے ہوئے تھے۔

''تم چاہتے کیا ہو آخر؟ کیا تمہاری یہ اطلاع کنفرم ہے کہ عابدہ کو اسپیکٹرم والوں نے ہی تم لوگوں سے چھینا ہے؟''

''ہاں!'' اس نے اعتراف کیا۔

''کمال ہے، تم خود ایک بڑی طاقت رکھتے ہو، بیک وقت جے بی سی اور ٹائیگر فیک کے حمایت یافتہ ہو۔ دو اداروں کے بہترین لڑاکا اور ٹاپ ایجنٹس تمہارے ایک اشارے پر امریکا کو کھنگال ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور تم...... صرف ایک لولوش...... سے گھبرا گئے؟'' میں نے اپنے لہجے میں استہزائیہ سی حیرت سموتے ہوئے کہا۔

میری بات پر باسکل ہولارڈ کے چہرے پر تندی کی ایک لہر سی اُبھری تھی، وہ اب کافی ٹھہرے ٹھہرے انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ پھر تسلی کے ساتھ اس نے اپنے دوسرے پیگ سے ایک گھونٹ بھرا اور بولا۔

''شہزی! بعض معاملات میں اسپیکٹرم کو جے بی سی اور ٹائیگر فیک پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ اسے امریکی سرپرستی حاصل ہے بلکہ وہ عالمی سطح پر بھی اپنی ایک ساکھ رکھتے ہیں۔ ہمارا معاملہ اور ہے، جبکہ اسپیکٹرم نے خود کو ایک عالمی خدائی فوجدار کی حیثیت سے ڈکلیئر کر رکھا ہے۔ کئی بڑے طاقتور ممالک کے خفیہ مفادات میں بھی وہ ان کے لیے آزمودہ ہے۔''

''لیکن تمہیں ان کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے کہا۔ ''اپنے گماگ کمانڈو ایجنٹس کے ذریعے خفیہ آپریشن کر ڈالو اور عابدہ کو اس کی گرفت سے چھڑوا لو......''

میری بات پر ہولارڈ کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا اور وہ ایسی نظروں سے میری جانب چند ثانیے تکتا رہ گیا پھر اسے جانے کیا ہوا کہ ایک قہقہہ اس کے حلق سے بلند ہوا۔

''یہ یقین نہیں آتا کہ یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو؟'' وہ بولا۔

''اس لیے کہ تم مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو۔'' میں نے فوراً کہا۔

''عابدہ کے سلسلے میں اتنی بڑی بات کہہ سکتا ہوں میں؟'' وہ مصنوعی حیرت سے بولا۔ ''عابدہ اگر میرے پاس ہوتی تو تم بھی اب تک یہاں زندہ نہیں بیٹھے ہوتے۔'' اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

میں سمجھتا تھا کہ یہ حقیقت ہے لیکن مجھے محتاط رہتے ہوئے دیکھنا یہ تھا کہ آخر عابدہ کے معاملے میں یہ چالاک شخص مجھ سے ایسا کیا چاہتا تھا کیا میرے ہی ذریعے عابدہ کی بازیابی یا پھر لولوش سے اپنی کسی نئی اچانک اُبھرنے والی چپقلش؟ ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں تیزی سے اُبھرا تھا۔ ہولارڈ، لولوش سے اندرونی طور خائف تھا۔ وہ خود کو یا اپنی تنظیم کے کسی آدمی کو عابدہ کی بازیابی کی مہم میں شامل نہیں رکھنا چاہتا تھا یا پھر خود در پردہ اس مہم میں شامل رہتا اور مجھے آگے رکھتا، تاکہ کامیابی کی صورت میں وہ میرے ذریعے سے عابدہ کو بھی حاصل کر لے اور یہ ''مہم'' بھی میرے سر تھوپ دے۔

''تم لولوش سے اس سلسلے میں مذاکرات کیوں نہیں کر لیتے؟ آخر کو تم اس کے سسر ہو؟'' کچھ سوچ کر میں نے پھر اس کی کمزور رگ کو چھیڑا۔

''میں ایسا نہیں کر سکتا۔ کم از کم لولوش کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔ ''حتیٰ کہ میں تو اس پر یہ بات بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ عابدہ کو ہمارے قبضے سے چھڑا کر لے جانے میں اسپیکٹرم یا لولوش کا ہاتھ ہے۔ میں بے خبر رہتے ہوئے، اس کے خلاف خفیہ کارروائی کرنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے آگے رکھ کر اور میرے کاندھے پر بندوق چلا کر......'' میں نے وضاحت کی۔

''یقیناً، کیا تم اپنی محبوبہ کو اس جادوگر کے چُنگل سے آزاد نہیں کرانا چاہتے؟'' وہ مکاری سے بھویں اُچکا کر مسکراتے ہوئے بولا اور میں.... ایک گہری ہنکاری بھر کے کہا۔

''ہولارڈ! یہ بات چھوڑو اور مجھے بتاؤ کہ اس معاملے میں تم مجھ پر اتنا بھروسا کیوں کرنے لگے؟ جبکہ تم جانتے ہو اچھی طرح کہ عابدہ کو لولوش کے چنگل سے چھڑانے کے بعد کیا میں یہاں کا رخ کروں گا؟''

''یہ تم نے ٹھیک کہا۔'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''عابدہ جیسے ہی تمہارے ہاتھ آئے گی تم پہلی فرصت میں اسے لے کر پاکستان کوچ کرنے کی کوشش کرو گے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تم میری مدد کے بغیر عابدہ کو کہیں بھی نہیں لے جا سکتے، پاکستان تو دور کی بات ہے۔ ہمارے ایجنٹوں کا جال پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ صرف ایک گولی انہیں خرچ کرنا پڑے گی، تم پر نہیں، عابدہ پر......''

ہولارڈ کی فطری سفاکیت اس کی زبان پر آگئی اور میرا چہرہ مارے طیش کے سرخ ہو گیا اور میں شعلہ فشاں نظروں سے ہولارڈ کو گھورتا رہ گیا۔

''ایزی مین...... ایزی۔'' وہ یک دم میری جلتی سُلگتی کیفیات کو بھانپ کر بولا۔ ''اگر تم میری تھوڑی سی مدد کر دو گے تو کیا ہو جائے گا؟ پھر تم بڑے آرام سے اپنی عابدہ کو لے کر پاکستان روانہ ہو جانا، میں خود تم دونوں کی روانگی کا بندوبست کروں [illegible] ہونے عالمی عدالتوں کے کیس بھی ختم کروا دوں گا، ورنہ تم جانتے ہو کہ ایسے معاملات کتنے گمبھیر ہوتے ہیں۔ ملکوں کے درمیان عالمی مجرموں کی حوالگی کے سلسلے میں جنگیں چھڑ جایا کرتی ہیں ایسے میں...... اس لیے تمہارا صرف عابدہ کو یہاں سے لے جانا کافی نہ ہوگا بلکہ اس پر دائر کیس سے بھی جان چھڑانا ضروری ہے۔''

وہ بڑی مکاری سے مجھے ایک اور مسئلے میں اُلجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں کہاں ایسی باتوں کو خاطر میں لانے والا تھا۔ میں اسے جواب دے سکتا تھا کہ عابدہ جیسی سادہ لوح اور معصوم فطرت کو مجرم کہنے والے یہ چالاک اور عیار بھیڑیا نما لوگ اپنے کالے مفادات کی خاطر اور مذموم مقاصد کی برآوری کے لیے خود ہر طرح کے غیر قانونی اور کالے قانون کو حرکت میں لا سکتے ہیں اس وقت ان کا قانون کہاں ہوتا ہے؟

لیکن میں یہ سب ابھی نہیں کہہ سکتا تھا، میں.... دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر ہولارڈ کی کون سی گوٹ میرے پاس پھنسی ہوئی اور وہ مجھے اپنے کن پوشیدہ مقاصد کے لیے استعمال کرنا

چاہتا ہے۔

''تم خاموش ہو گئے؟'' ہولارڈ نے اچانک پوچھا۔

''ہاں! میں شاید بدقسمتی سے ابھی تک تمہارا اصل مقصد جاننے سے قاصر ہوں۔'' میں نے جواب میں کہا۔

''جب میں نے تمہیں اب تک اپنا مقصد بتایا ہی نہیں تو کیسے جان سکتے ہو؟'' وہ مکارانہ مسکراہٹ سے بولا۔ ''لیکن میرا خیال تھا کہ تم اب تک اندازہ لگا چکے ہو گے۔ خیر! میں بتائے دیتا ہوں۔ بہت سادہ سی بات ہے۔ تمہیں عابدہ کو لولوش کے چنگل سے چھڑانا ہوگا۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ میں، ہم لولوش یا اسپیکٹرم سے بہرحال تعلقات خراب نہیں کرنا چاہتا لہٰذا انہوں نے جس طرح خفیہ کارروائی کی ہے بعینہٖ ہم بھی یہی راستہ اختیار کریں گے، جبکہ لولوش کو اس بات سے بھی یکسر بے خبر رکھیں گے کہ ہمیں جیسے کچھ پتا ہی نہیں۔''

''لولوش، اس وقت کہاں ہے؟ اسپیکٹرم کا ہیڈکوارٹر دنیا کے کس خطے میں موجود ہے، نیز عابدہ کو انہوں نے کہاں رکھا ہوگا، اس بارے میں میری معلومات صفر ہیں۔''

''یہی تو وہ پچ ہے جس پر ہم دونوں مل کر مدمقابل کے خلاف راؤنڈ پلے کریں گے، مسٹر شہزی!'' ہولارڈ بولا۔ ''ساری معلومات میں دوں گا، آگے بڑھنے والے قدم [illegible] دوں گا۔ [illegible] گا۔''

''اگر ایسا ہے تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ویری گڈ......!'' ہولارڈ ایک دم خوش اور مطمئن ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ تب ہی اس نے اپنے ایک آدمی کو مخصوص اشارہ کیا اور اس نے فوراً آگے بڑھ کر میرے دونوں ہاتھ آزاد کر دیے۔ میرا دل اندر سے مارے خوشی کے بلّیوں اُچھلنے لگا۔

مفادات کی خاطر ہی سہی، میری اب تک کی زندگی میں یہ ہوتا آیا ہے کہ دشمن دوست بن جاتے تھے اور دوست دشمن، ہولارڈ بھی میرا بدترین دشمن تھا بلکہ ہے۔ اگر اس نے میری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا تو میں نے بھی مصلحتاً ایک ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

میرے ہاتھ آزاد ہوتے ہی میری کیفیات یوں ہونے لگیں جیسے کسی بھوکے شیر کو ایک دم پنجرے سے آزادی مل گئی ہو۔

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ مارچ 2019ء کی جھلکیاں

محسن اردو
وہ غیر مسلم تھا لیکن اس کا حکم تھا اسلامی کتب چھاپنے سے پہلے تمام مزدور وضو کر لیں۔ طباعت کی دنیا میں انقلاب برپا کر دینے والے کا زندگی نامہ۔

شہنشاہ جذبات
فلمی دنیا کے ایک تابندہ ستارے کی داستان جہد مسلسل

اتفاق
لوگ جسے بدقسمتی سمجھتے ہیں وہی ان کی خوش قسمتی ہوتی ہے

کالا جادو
یورپ میں کالا جادو کس طرح مقبول ہوا، دلچسپ معلومات

کربِ آشنائی
وہ سفید خون والے رشتے داروں میں گھری ہوئی تھی

اس کے علاوہ
بہت سی سچ بیانیاں، سچے قصے اور تاریخی حقائق۔
ایسی تحریریں جو سرگزشت کی پہچان ہیں

بس ایک بار سرگزشت پڑھ کر دیکھیں آپ خود گرویدہ ہو جائیں گے۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

میں عابدہ کے [illegible] ہولارڈ کو اسی وقت جہنم واصل کرنے کے لیے بے چین ہو گیا؟ اگر معاملہ عابدہ کی بازیابی کا نہ اٹک گیا ہوتا۔

اب باسکل ہولارڈ اور میرے درمیان ایک دوستانہ فضا قائم ہو چکی تھی۔

ایک سوال میرے ذہن میں بار بار اُبھر رہا تھا۔ اگرچہ اس کا جواب ہولارڈ نے مجھے بھی دیا تھا کہ لولودش نے مجھے جھکانے کی خاطر ایسا قدم اُٹھایا تھا، وجہ ظاہر تھی کہ اسپیکٹرم کو سب سے زیادہ میں نے ہی نقصان پہنچایا تھا۔ ان کے اہم ترین مگر مذموم مقاصد سے لے کر ان کی اعلیٰ قیادت کا خاتمہ سمیت اسپیکٹرم کی عالمی ساکھ بھی متاثر ہوئی تھی۔

ایک لحاظ سے لولودش بھی عابدہ کا مجرم تھا۔ کیونکہ ابتدا میں لولودش نے باسکل ہولارڈ کے ہی کہنے پر میرا راستہ کھوٹا کرنے اور مجھے جانی نقصان پہنچانے کی کوششیں کی تھیں اور اب بھی مصروف تھا۔ مگر اسے ہر بار میرے ہاتھوں ہزیمت ہی اُٹھانی پڑی تھی۔

ہولارڈ نے مجھے چند گھنٹے آرام کرنے کا مشورہ دیا اور اس کے بعد ہی مل بیٹھ کر آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دینے کا کہا۔

وہی دونوں آدمی مجھے لیے ایک دوسرے کمرے میں پہنچے، اس کمرے کو دیکھ کر میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی۔ یہ نسبتاً شاندار اور آرام دہ کمرا تھا اور کشادہ بھی۔ ہر آسائش یہاں موجود تھی۔

خدمت کے لیے وہ طرح دار حسینہ میرے سامنے خندہ پیشانی کے ساتھ موجود تھی۔ اس کی خوبصورت کشادہ آنکھیں اس سے مخموری ہو رہی تھیں۔

میں نے بھی جواب میں اس کی طرف معنی خیز مسکراہٹ سے... گھورنا ضروری سمجھا تھا۔

"مسٹر شہزی!! اگر آپ کی نیند پوری نہیں ہوئی تو آپ آرام کر سکتے ہیں۔ یہاں آپ کے سائز کے کپڑے بھی موجود ہیں اور ضرورت کی ہر شے بھی، پھر بھی اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ والی بیل بجا دیجیے گا، میں حاضر ہو جاؤں گی۔"

وہ مترنم لہجے میں بولی۔ اس کی نگاہوں میں مجھے کچھ ایسا تاثر محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میری مردانہ وجاہت سے بُری طرح متاثر ہو، اس کا انداز میرے سامنے بچھے جانے کا تھا کہ بس اک "اشارے" کی دیر تھی اور وہ اپنا سب کچھ مجھ پر وار دینے کو تیار ہو۔ میرے اندر کے "اسپائی ایجنٹ" نے فوراً اس کی یہ چال بھانپ لی تھی۔

خوب صورت اور حسین لڑکیوں کا استعمال خفیہ انٹیلی جنس کا سنگین اور ایک خطرناک ہتھیار ہوا کرتا ہے۔ اس میں "را" اور اسرائیلی سیکرٹ ایجنسی "موساد" کا نام قابلِ ذکر رہا ہے۔ سی آئی اے یا ٹائیگر ٹیگ میں ایسا کچھ نہیں سنا گیا تھا، لہٰذا ہیلی پر مجھے جے بی سی کی ایجنٹ کا ہی شبہ ہوا تھا۔

یہ سوچتے ہی میرے ذہنِ رسا میں خطرے کی گھنٹی بجی۔ ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں کلک ہوا۔ مجھے اس سے حد درجہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی، لہٰذا میں نے اپنی پہلے والی دل پھینک سی روش برقرار رکھی اور جہازی سائز کے نرم و گرم بیڈ پر تھکے تھکے انداز میں گرتے ہوئے ہیلی سے کہا۔

"مس ہیلی! یہ تو میرے لیے ایک نعمت سے بڑھ کر نہیں، پھر اس آرام اور عیش بھرے... ماحول میں تمہارا ساتھ..... اور کیا چاہیے۔"

میں نے دیکھا ہیلی کے حسین چہرے پر یک دم چونکنا انداز کے تاثرات کی ایک تیز سی رمق اُبھری اور غائب بھی ہو گئی۔ اس نے بظاہر دل لُبھانے والے انداز میں کھنکتی ہنسی سے کہا، لیکن درحقیقت اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"حیرت ہے، تم حسن کے اتنے شائق ہو مگر شراب کو تو بالکل ہاتھ نہیں لگاتے؟"

"میں پہلے پیتا تھا۔" میں نے بات بنائی اور بیڈ پر نیم دراز [illegible] کی طرف [illegible] ساتھ میں ہاتھ کا بھی اشارہ کیا۔ وہ جیسے کچے دھاگے سے بندھی بیڈ کی طرف کھنچی چلی آئی۔

اس نے بھی میرے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لیے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا تھا۔

اس نے جیسے ہی اپنا نرم و گداز ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا، میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میرے اُوپر آن گری۔ میرا دایاں ہاتھ اس کا مرمریں بدن سہلاتے ہوئے جب اس کی پشت سے دائیں پہلو اور پھر نیچے کو سرکنے لگا تو حسبِ توقع مجھے وہاں کوئی سخت سی شے محسوس ہوئی تھی، میں نے بھی اپنے ہاتھ کے "سفر" کو واپسی کی جانب گامزن کرتے ہوئے اس کی پشت پر کر لیا اور اسی دوران اس کے عنابی اور گداز لبوں کا بوسہ بھی لے لیا۔

عورتوں کے معاملے میں میرا تجربہ ایسا ہی تھا جیسے کسی مالی کو اپنے آم کے باغ کا پورا علم ہوتا ہے کہ کون سے پیڑ کو کب اور کس کے ساتھ "قلم" لگاتا ہے۔ ایک مرد کا دوسرے

مرد سے معاملہ اور ہوتا ہے، لیکن جہاں صنفِ مخالف کی بات آجائے تو اس میں ایک لطیف انداز کی گنجائش ضرور رہتی ہے، نفسیاتی دباؤ کا ایک باریک اور اَن دیکھا کچا دھاگا اجنبی عورت اور مرد کے درمیان بندھا رہتا ہے۔ یہی وہ دھاگا ہوتا ہے جسے وقت پر کھینچنا یا توڑنے والا دو طرح سے وار کرتا ہے، یا اسے بے وقوف بناتا یا پھر اس پر اپنا اعتماد بٹھا لیتا ہے، لیکن یہاں معاملہ اعتماد قائم کرنے سے زیادہ "بے وقوف" بنانے کا تھا اور وہ بھی ایسی عورت کو جو تربیت یافتہ ہو اور اس کے ذمے کوئی اہم ٹاسک سپرد کیا گیا ہو، کیونکہ یہی کچھ "کھیل" ہیلی بھی میرے ساتھ کھیل سکتی تھی، اب دیکھنا یہ تھا کون کس کو بلف کرتا ہے جبکہ ہیلی کو میں صرف اسی صورت میں..... بلف کر سکتا تھا جب میں اس کے روایتی ہتھیار کے جال میں پھنسنے لگتا۔

مجھے شبہ تھا کہ ہیلی کا ٹائیگر ٹائیگ سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ جے بی سی کی ایک منجھی ہوئی ایجنٹ تھی۔ اسرائیلی خفیہ تنظیموں کا یہی وتیرہ ہوتا ہے، وہ اپنا آدمی "اپنوں" میں بھی گھسا کر رکھتے ہیں۔ ہیلی بھی مجھے ایک ایسی ہی "گھس بیٹھی" ایجنٹ معلوم ہوئی تھی۔ میری بصری "آبزرویشن" اور "فیس ریڈنگ" نے سگنل دیا تھا۔

[illegible] تھی، کیونکہ [illegible] اندر داخل ہوئی تھی اور مجھے ناشتا [illegible] رہی تھی تو اسی دوران میں نے محسوس کیا تھا کہ باسکل ہولارڈ کا ہیلی کے ساتھ تحکمانہ رویے سے زیادہ "دوستانہ" قسم کا رویہ تھا۔

بہرکیف چند سیکنڈوں کی محض اٹکھیلیاں کرنے کے بعد جب وہ پوری طرح خودسپردگی کی سطح پر پہنچنے لگی تو میں نے گھبرانے کی اداکاری شروع کر دی اور اپنے چہرے پر انجانے اندیشوں کا خوف سمٹا لیا۔

"کیا ہوا ہنی......؟" اس نے خمار آلود لہجے میں پوچھا۔

"وہ... کک... کچھ نہیں، بب...... بس وہ ایک بے چینی کا دل کو اچانک ہو رہی ہے۔"

"کیسی بے چینی؟" ہیلی نے اپنے بھرے بھرے گداز ہونٹوں کو سیکس اپیل انداز میں وا کیا۔ اس کے دلکش لبوں کے درمیان موتیوں جیسے سفید دانتوں کی جھلک دلکش انداز میں دکھائی دی۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ ضرورت پڑنے پر میں ہیلی کے خلاف اپنے وہ دونوں خلائی ہتھیار استعمال کرنے میں ذرا بھی تامل سے کام نہیں لوں گا۔

"سوچ رہا ہوں کہیں ہولارڈ میرے ساتھ کوئی چال تو چلنے کی کوشش نہیں کر رہا ہے؟" میں نے اُلجھ کر کہا۔ وہ مترنم سی آواز کے ساتھ ہنسی۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے شہزی ڈارلنگ! یہ تمہارا محض وہم اور فطری خوف ہے۔ مسٹر ہولارڈ! ڈیل اور وعدے کے پکے ہیں، ان سے ڈرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔"

اس کے جواب پر میں سوچتا بن گیا لیکن سوچ میں یہ رہا تھا کہ کیا اس پر اسی وقت قابو پا کر ہولارڈ کو جہنم واصل کرنے اور یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی جائے یا پھر ابھی مزید مناسب موقع کا انتظار کیا جائے۔

کیونکہ عابدہ کی بازیابی کا معاملہ پھر بھی اٹکا ہوا تھا، کیا خبر اس ڈیل کے نتیجے میں، میں ہولارڈ کو بلف کرنے میں کامیابی حاصل کر لوں جبکہ اب تو ٹائیگر ٹیگ اور اسپیکٹرم کے بیچ بھی ایک سرد جنگ سی ٹھن چکی تھی۔

لیکن یہ بات بھی طے تھی کہ اسپیکٹرم سے ٹائیگر ٹیگ یا ہولارڈ کتراتا رہا تھا۔ جے بی سی واحد تنظیم تھی جو اسپیکٹرم سے ٹکر لے سکتی تھی۔

کبھی ذہن میں یہ شبہ ابھرتا کہ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ باسکل ہولارڈ کے ذاتی معاملات یا اس پر نگاہ رکھنے کے لیے جے بی سی نے خصوصی طور پر ہیلی کو ایک جاسوسہ کے طور پر ہولارڈ کے سر پر مسلط کر رکھا ہو؟ کیونکہ اسرائیلی انٹیلی جنس بہرحال یہودیوں کی مداخلت سے نالاں رہتے تھے۔

مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ہیلی نے اپنی مرمریں بانہیں میرے گلے میں حمائل کر دیں اور اپنے نرم ہونٹ میری جانب بڑھائے تھے کہ اچانک کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا...... میں اور ہیلی بیڈ پر سے یوں اُچھلے جیسے بیڈ پر کسی نے بچھو پھینک دیے ہوں۔

دروازے پر ٹائیگر ٹیگ کے وہی دو مسلح افراد خودکار گنیں تانے کھڑے تھے۔ میرے لیے تو خیر یہ سب غیر متوقع تھا مگر یہ دیکھ کر تو ہیلی کا حسین چہرہ ایک دم فق ہو کر رہ گیا تھا اور وہ دونوں ٹائیگر ٹیگ کے مسلح کارپرداز اسی کی جانب اپنی گنوں کا رخ کیے بڑی خوں ناک نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔

میرا دل ایک گہری تشویش تلے تیزی سے دھڑکنے لگا، اعصاب یکلخت تن گئے۔ میں ابھی اسی مخمصے کا شکار تھا کہ یہ معاملہ کیا ہو سکتا ہے کہ اچانک ہیلی، جو اب تک نیم برہنہ سی تھی، مثلِ پارا بن گئی، اس نے اپنے ادھ کھلے اسکرٹ کو جیسے

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

نوچ کر پھینکا، میری پھیلی ہوئی آنکھیں، غیر ارادی طور پر اس کی سبک رورانوں پر جم گئیں، وہاں اس کی باریک اور سرخ سی "پینٹی" پر دائیں بائیں دو چھوٹے ٹوٹولیڈیز پسٹل اٹکے ہوئے تھے، اس نے تیزی سے اُلٹی قلابازی کھائی۔ میں اس سارے پُراسرار چکر پر لمحہ بھر کو ہونق سا بن کر رہ گیا تھا۔

"شہزی! نیچے لیٹ جاؤ جلدی......"

اچانک ٹائیگر فیگ کے ان تینوں کارپردازوں میں سے ایک حلق کے بل چلّایا۔ پھر تو جیسے میرے جسم میں پارا دوڑ گیا۔

ادھر میں نے بیڈ سے فرش پر ان کی جانب جست بھری اُدھر...... ہیلی نے قلابازی لگانے کے دوران ہی بڑے "میکنیکل" انداز میں ان پر بیک وقت دو فائر جھونک مارے...... جبکہ بعین ایسے ہی پُرخطر لمحات میں ٹائیگر فیگ کے ایک کارپرداز نے ہیلی پر برسٹ فائر کیا۔ بیڈ دیکھتے ہی دیکھتے چھلنی ہو گیا اور اس میں سے ان گنت باریک روئیں ادھر اُدھر کر نکلے اور کمرے کی محدود فضا میں معلق سے نظر آنے لگے۔ ساتھ ہی مجھے ایک کارپرداز کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ وہ شاید ہیلی کے چلائے ہوئے پستولوں کی کسی گولی کی زد میں آ گیا تھا۔

میں نے دیکھا ہیلی تو جیسے بجلی بنی ہوئی تھی، اس نے اُلٹی جست لگاتے ہی، خود کو پہلے گولیوں کی زد سے بچایا اور پھر ایک بڑے فینسی شوکیش کی آڑ لیتے ہی لیٹے لیٹے اس نے دوبارہ برسٹ فائر کرنے والے پر تلے اُوپر گولیاں داغیں، اس کے سینے سے خون کا فوارہ اُبلا اور وہ گن سمیت گرا۔

"شہزی! فوراً ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کرو اور میرے ساتھ آؤ جلدی۔" اچانک میری کم صُم سی سماعتوں میں ہیلی کی آواز ٹکرائی اور میں شدید قسم کے مخمصے میں مبتلا ہو گیا۔ اسی وقت باہر راہداری میں شور کے ساتھ ہی دوڑتے قدموں کی آوازیں اُبھریں۔

"شہزی! وقت کم ہے، جلدی......" ہیلی کی جوش سے مرتعش آواز دوبارہ ٹکرائی اور میں بہ سرعت حرکت میں آیا۔ ٹائیگر فیگ کے دونوں ایجنٹوں کی لاشوں کے پاس سے میں نے ان کی گنز اُچک لیں اور اُدھر ہیلی نے کیچ کے انداز میں ہاتھ بڑھایا تو میں نے ایک اس کی طرف اُچھال دی اور چلّا کر بولا۔

"یہ سب کیا ہے ہیلی؟ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔"

"شہزی! مجھے اپنا ساتھی سمجھو اور ابھی وقت نہیں ہے، یہاں سے نکلو۔" وہ بولی اور اس نے ایک کونے والے دروازے کو لات رسید کی، وہ کھلتا چلا گیا۔

"لل...... لیکن میں ہولارڈ کے ساتھ......" میرے الفاظ منہ میں رہ گئے، وہ پھر چلا کر بولی۔

"میں عابدہ کی ساتھی ہوں، مجھے یہ بتانا پڑ گیا، کمرا بگڈ ہے، اب ہم دونوں کی جانیں خطرے میں ہیں، بھاگو۔" اس کا یہ کہنا تھا کہ میرا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔

اس کی "ساتھی" والی بات پر چونکے بنا نہ رہ سکا...... یہ میرے لیے ایک نئی اور سنسنی خیز سچویشن تھی۔

اسی وقت کمرے میں کوئی تین چار مسلح افراد داخل ہوئے۔ میری گن کا رخ، چند سیکنڈ پہلے ہی بلا ارادہ دروازے کی طرف ہو چکا تھا۔ لیکن مجھ سے پہلے ہی ہیلی نے برسٹ فائر کیا۔ چند ایک چلا کر ڈھیر ہوئے اور باقی دائیں بائیں لڑھک گئے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور چھلانگ لگائی۔

ہم دونوں اندرونی گوشے میں کھلنے والے دروازے سے باہر کو لپکے تو ایک ہال سے کمرے میں آ گئے۔ وہاں سے ہیلی دیوار کے ساتھ لگی چپکی ہوئی ایک زینے کی طرف بڑھنے لگی، میں اس کے پیچھے تھا۔ وہ مختصر لباس میں تھی۔ وہ فقط اپنے پنسل ہیل والے سینڈل ہی پہن سکی تھی، وہ [illegible] بعد میں کھلا اور ایسا کھلا کہ میں انگشت بدنداں رہ گیا۔ میں جو اسے اب تک ٹائیگر فیگ کے تعلق سے آزاد اور جے بی سی کی ایجنٹ سمجھے ہوئے تھا، اب اسی کی زبانی یہ عقدہ کھلتے ہی کہ وہ عابدہ کی ساتھی تھی، میری نظروں میں اب پل کے پل اس کی اہمیت آنسہ خالدہ اور سوزی جیسی ہو گئی تھی۔

ابھی اس نازک صورت حالات میں ان باتوں پر مزید غور کرنے کا وقت نہ تھا۔

ہم زینے، تیزی سے چڑھتے چلے گئے۔ لگتا تھا ہیلی یہاں ایک ایک گوشے سے واقف تھی۔

وہاں ایک گیلری تھی اور ساتھ ہی ایک طویل بالکونی۔ اسی جگہ پر گولیوں کی بھیانک تڑاتڑ اُبھری۔ ہیلی جھکائی دے کر گری اور میں نے بھی یہی کیا۔ ایسا اس نے گولیوں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے کیا تھا، ہم دونوں چکنے ماربل کے فرش پر پھسلتے ہوئے ایک نسبتاً کھلی جگہ پر لڑھکے ہی تھے کہ اچانک تین چست لباس میں ملبوس افراد نے ہم پر بیک جست بھری، ایک نے ہیلی کو دبوچنا چاہا تھا کہ وہ فرش پر پشت کے بل لیٹے لیٹے پھرکی کی طرح گھومی اور اس کی رانوں تک برہنہ ٹانگ کسی کھنچی ہوئی کمان کی طرح پنکھ کی صورت گھومی، تب اس کی سینڈل کی پنسل ہیل مدِمقابل کی کنپٹی پر پڑی، اس کے حلق سے دل ہلا دینے والی کریہہ ناک چیخ اُبھری۔

پنسل ہیل نصف تک اس کی کنپٹی میں پیوست ہو چکی تھی، ادھر میں نے اپنے مدِمقابل کو فرش پر لیٹے لیٹے اپنی دونوں ٹانگوں کے "لیگ لاک" میں پھنسایا اور گھما کر ایک جانب اس زور سے اُچھالا کہ وہ بالکونی کی ریلنگ سے ٹکرایا اور چیختا ہوا نیچے جا رہا۔

تیسرا اور دبو لڑائی سے دست بردار ہونے کی کوشش میں اپنی گن کی نال تولتا ہی رہ گیا اور ہیلی کسی برق کی طرح اس پر ٹوٹی، وہ مجھے مارشل آرٹ کی ماہر معلوم ہوتی تھی۔ ادھر تیسرے حملہ آور نے اس پر برسٹ فائر کیا اُدھر وہ فضا میں اچھلی، گولیوں کی پوری باڑ بالکونی کی فولادی ریلنگ سے ٹکرا کر چنگاریوں کی آبشار چھوڑتی ہوئی ادھر اُدھر اُچٹتی رہی، جبکہ ہیلی برقِ آسماں کی طرح اس پر کڑکی۔ وہ بھی گویا سنبھالا لیے ہوئے تھا، اس نے فلائنگ کک سے بچنے کی کوشش کی چاہی تھی اور کافی حد تک ہیلی کے اس مہلک وار سے خود کو بچا بھی گیا مگر گن اس کے ہاتھ سے [illegible] کے قریب فرش پر پورے قد سے گری تھی کہ تیسرے حملہ آور نے اس کے برہنہ مرمریں کاندھے پر اپنے دائیں ہاتھ کی ضرب لگانے کی کوشش چاہی، ہیلی نے جھکائی تو دی مگر اس کی بریزیئر کی ڈوری حملہ آور کے ہاتھ میں آ گئی، وہ لاسٹک کی تھی اور کھنچتی چلی گئی۔ ہیلی کے حلق سے گھبرائی ہوئی چیخ خارج ہوئی، وہ قدرے بوکھلا گئی۔

تب تک میں اس "نازک" موقع پر لڑھکنی لگا کر تیسرے حملہ آور کے پیچھے سے طلوع ہوا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گن کو لٹھ کی طرح گھما کر اس کے سر کے پچھلے حصے پر رسید کر ڈالا۔ وہ آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

اسی اثنا میں زینے بھاری بوٹوں کی دھمک سے گونجنے لگے۔

"اس طرف...... جلدی......" ہیلی اپنا لباس درست کرتے ہوئے بولی۔

میں اب اسی کے کہنے پر عمل پیرا تھا۔ وہ بالکونی سے متصل اسی کمرے کے دروازے کی جانب بڑھی تھی جہاں سے چند لمحوں پہلے ہی وہ تین مسلح حملہ آور برآمد ہوئے تھے۔

وہاں سے ہم ایک اندھیرے گوشے میں غروب ہو گئے، مجھے تو ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، البتہ ہیلی کو راستوں کا اندازہ تھا، اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں اندھے کی طرح راہ پاتا گرتا پڑتا اس کے ساتھ ہو لیا۔

وہ ایک اور زینہ طے کرتی ہوئی نیچے آ گئی۔ یہاں قدرے روشنی تھی اگرچہ مدھم تھی، نظر آتا تھا کہ یہ اس عمارت کی بیسمنٹ کا کوئی حصہ تھا۔ مگر یہاں چند ہی گاڑیاں کھڑی نظر آتی تھیں، درمیان میں بیشتر جگہ خالی تھی۔

اچانک بیسمنٹ کے اس وسیع ہال کی فضا میں مخصوص سیٹی کی آواز اُبھری۔

"ٹیئر بم...... ہوشیار......" مجھ سے پہلے ہیلی اس آواز کو پہچان گئی اور جلد ہی ہمیں ایک طرف دو سمتوں سے پھینکے ہوئے ٹیئر بم لڑھکتے دکھائی دے گئے۔ وہ آناً فاناً گاڑھا گاڑھا دھواں چھوڑنے لگے۔

میں پریشان ہو گیا، جانتا تھا میں کہ ٹیئر گیس کس تیزی کے ساتھ پھیلنے والی تھی۔ ایسے میں ہیلی نے ایک کیری ٹائپ گاڑی کے دروازے کا شیشہ توڑا اور اندر ہاتھ ڈال کر دروازہ کھول لیا۔ میں اس کا مطلب بھانپتے ہی دوسری جانب سے جب تک ڈرائیونگ سیٹ کے برابر میں براجمان ہوا اسٹیئرنگ سنبھال چکی تھی، اگلے ہی لمحے اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور گیئر بدل کر ایکسلریٹر دباتی چلی گئی۔ نیلے رنگ کی کیری کا انجن غرایا اور وہ تیزی سے حرکت میں آئی۔

"جو بھی نظر آئے بھون ڈالو......" ہیلی نے غرا کر مجھ سے کہا اور میں گن تھام کر محتاط ہو گیا۔

اسی وقت عقب سے گولیوں کی بوچھاڑ اُبھری۔ ہیلی کیری کو کورڈ پارکنگ فلور پر زگ زیگ انداز میں گھماتی ہوئی آندھی طوفان کی طرح مختلف موڑ کاٹتی دوڑاتی چلی گئی اور آخر ایک خطرناک سلوپ پر لے آئی اور سامنے گیٹ تھا۔

"مضبوطی سے بیٹھنا شہزی۔" اس نے اتنا کہا اور میں نے سیٹ بیلٹ باندھ لی۔ ہیلی نے بھی ایک ہاتھ کو مہارت سے حرکت میں لا کر یہی کیا۔

کیری گیٹ سے ایک تباہ کن دھماکے کے ساتھ ٹکرائی، دروازہ ٹوٹا اور اگلے ہی لمحے گاڑی ایک وسیع روش پر دوڑنے لگی۔

چند ثانیوں بعد ہی وہ ایک ذیلی سڑک پر دوڑ رہی

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

تھی۔ باہر دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور کیری آندھی طوفان کی طرح دوڑتی رہی۔

میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا اور کہا۔ ''تین گاڑیاں تعاقب میں آرہی ہیں۔''

''تم پچھلی سیٹ پر چلے جاؤ، یہ لوگ آسانی سے ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔'' ہیلی نے کہا۔ میں اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا، اس نے مجھے یہ ہدایت دیتے ہوئے اپنی گن بھی ایک ہاتھ میں پکڑ کر اسے مخصوص جھٹکا دیا اور گود میں رکھ لی۔ گویا بوقتِ ضرورت، ڈرائیونگ کے دوران بھی وہ اسے کام میں لانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

اسی وقت کیری کو ہیلی نے ایک خطرناک ٹرن دیا۔ موڑ کاٹنے کے دوران کیری ایک سائڈ سے اُٹھ گئی، میں پچھلی سیٹ پر لڑھکتے ہوئے بچا، یوں لگا جیسے ابھی وہ اُلٹ جاتی کہ ہیلی نے بڑی مہارت سے اسے بچایا اور اسٹیئرنگ ایکسپرٹیز کی طرح اسے جب تک سنبھالا تو وہ موڑ کاٹ چکی تھی۔

اب بڑی عجیب صورتِ حال تھی۔ ہیلی نیم برہنہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھی تھی اور میں بالکل پچھلی سیٹ پر تھا۔ ٹائیگر فیک کے ایجنٹ دو تیز رفتار اسپورٹس کار اور ایک بڑی سی وین میں ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

میں نے گن کا فولادی کندا شیشے پر رسید کر کے اسکرین توڑ ڈالی اور ابھی اپنی گن کی نال مطلوبہ پوزیشن میں لانے ہی لگا تھا کہ ان گاڑیوں میں سے جو اگلی کار تھی، سواروں نے ہم پر گولیاں داغنا شروع کر دیں۔

اس سڑک پر لوگوں کی آوک جاوک نہ ہونے کے برابر تھی۔ میں نیچے جھکا اور ہیلی نے عقب سے فائرنگ کی آواز سنتے ہی کیری کو دائیں بائیں لہرانا شروع کر دیا۔

چند گولیاں کیری کی باڈی پر زناٹ کی آواز سے ٹکرائی تھیں۔

میرے پاس بھی انہی سے چھینی ہوئی بہترین اسالٹ رائفل تھی، لہٰذا میں نے بھی ذرا سنبھل کر محتاط انداز میں تاک کے ایک برسٹ فائر کیا۔

میرا نشانہ اگلی کار تھی، میں نے اس کی ونڈ اسکرین ایک دھماکے سے کرچیوں میں بدلتے دیکھی اور شاید ڈرائیور کو بھی کوئی گولی لگی تھی، کیونکہ اگلے ہی لمحے کار لہرائی اور کسی کھلونے کی طرح اُلٹ پلٹ ہوتی ہوئی دائیں جانب کے پائن کے جھنڈ میں جا پڑی۔

اس کے عقب سے کار اور وین نمودار ہوئی، یوں کہ دونوں ایک ساتھ متوازی دوڑ رہی تھیں۔ کار... کی دونوں کھڑکیوں سے مجھے آتشیں ہتھیاروں کی جھلک نظر آئی اور اسی طرح وین کی چھت پر مجھے ایک شخص سینے تک باہر نکلا ہوا دکھائی دیا، یکلخت میری رگوں میں لہو کی گردش تیز ہوگئی۔ اس کے پاس راؤنڈڈ (گول) میگزین والی مشین گن تھی۔ جس کی نچلی نال سے راکٹ بھی فائر کیا جاتا تھا۔

''واؤ......! لگتا ہے تم نے دشمن کی ایک گاڑی اُڑا دی ہے۔'' ہیلی کی مسرت بھری آواز اُبھری۔

''ہم اب بھی خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ دشمن راکٹ فائر کرنے والا ہے۔'' میں نے ہانپتی سی آواز میں گویا اس کی خوش فہمی کو دور کرتے ہوئے کہا تو بے اختیار اس نے پھریری لینے والے انداز میں منہ سے اُگلا۔

''او مائی گاڈ......!''

ایسے میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے بجائے اب تسلسل سے ''تڑابڑی'' اُبھری، کیونکہ دشمن ایک کیری پر گولیاں برسائے جا رہا تھا۔

یہ وین کی چھت والے کی کارستانی تھی جس نے راکٹ مشین گن سنبھالی ہوئی تھی۔ ہیلی نے اسی وقت اسٹیئرنگ دائیں جانب کاٹا، گاڑی اُلٹتے اُلٹتے بچی مگر [illegible] کاٹتے ہی رفتار بھی بڑھاتی چلی گئی۔

یہ علاقہ رہائشی تھا، جس کے ایک جانب چھوٹے بڑے مکانوں کی قطاریں تھیں، اگرچہ ان کے درمیان بیس، پچیس فٹ کا فاصلہ تھا، ہمارے بائیں جانب پام کے درختوں کا سلسلہ تھا اور ان کے پار بھی کاٹیج کی جھلک نظر آرہی تھی۔

میں نے اس بار بیک اسکرین کے بجائے کھڑکی سے طلوع ہو کر ایک برسٹ فائر کیا، نشانہ اس بار وہ وین کی چھت پر دشمن ایک خطرناک آتشیں ہتھیار لیے ہوئے تھا اور وہ کسی بھی وقت ہم پر راکٹ فائر کر سکتا تھا۔ گولیوں کی بوچھاڑ پر وین کے ڈرائیور نے [illegible] اسی وقت اس کی چھت سے دشمن نے راکٹ فائر کیا جو دھواں کی لکیر عقب میں چھوڑتا ہوا ہماری کیری کی جانب لپکا۔

''راکٹ......!'' میں ہیلی سے چلا کر اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس نے اسٹیئرنگ کاٹا، ایک زبردست سنسناتی

[illegible] کی آواز سے آتشیں راکٹ کو میں نے اپنی پچھلی [illegible] کے سامنے سے...... کھڑکی کے بالکل قریب، [illegible] دیکھا، وہ آگے جا کر پائن کے ایک درخت سے [illegible] اور ساعت شکن دھماکے سے پھٹا۔

کیری دائیں جانب پام کے مختصر جنگل میں اُتر گئی اور [illegible] ہچکولے کھانے لگی۔ مجھے خود کو سنبھالنا دُشوار ہونے [illegible] میں نے چلا کر ہیلی کو ہدایت کی کہ گاڑی کو سڑک پر لے [illegible] اور اسی وقت میں نے ایک برسٹ فائر کر دیا۔ میرا [illegible] ایک بار پھر خطا گیا۔

ہیلی گاڑی کو دوبارہ سڑک پر تو نہ لا سکی البتہ جنگل کے [illegible] راستے پر ہو لی اور رفتار بھی بڑھا [illegible] ہموار تھا، میں نے دوبارہ پوزیشن [illegible] اور اسی وقت تعاقب میں آتی ہوئی کار ہمارے [illegible] جبکہ وین دائیں جانب سے اوورٹیک کی [illegible]

دشمن کی دونوں گاڑیوں کو بتدریج قریب آتے دیکھ کر [illegible] نے ایک برسٹ اور چلایا لیکن اسی وقت ہم پر بھی بیک [illegible] میں نیچے جھک گیا۔ کئی گولیاں گاڑی کی [illegible] تب ہی مجھے ہیلی کی چیخ سنائی دی اور کیری [illegible] لڑنے لگی۔ میرے اوسان خطا [illegible] ٹھیک ہو؟'' میں نے بوکھلا کر اسے [illegible] مجھے اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا، میں [illegible] فرنٹ سیٹ کی جانب پلٹا ہی تھا کہ کیری [illegible] مجھے یوں لگا جیسے پوری دنیا گھوم گئی ہو، میں بھی [illegible] کیری ایک جگہ رکی، تو میں نے اپنے [illegible] چوٹیں تو آئی تھیں تھی مگر وہ قابلِ [illegible] میں نے اپنے سر کو گاڑی کی باڈی [illegible] سے بچانے کی کوشش کی تھی۔

کیری بالکل اُلٹ چکی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر ہیلی پھنس [illegible] بے ہوش سی ہو گئی تھی۔ میں نے گن سنبھالی اور اسے [illegible] سنبھالنے میں وقت ضائع [illegible] عقبی اسکرین کے پار دیکھا، [illegible] فاصلے پر رک گئی تھیں اور ان میں سے پانچ [illegible] افراد اتر کے دائیں بائیں پوزیشنیں باندھنے میں [illegible] میں نے ان پر برسٹ چلا دیا، دشمن کچھ [illegible] میں نے ہیلی کو سنبھالتے ہوئے اسے لیٹے لیٹے [illegible] اس کے سر اور پیشانی سے خون بہہ رہا تھا، مجھے تشویش لاحق ہو گئی کہیں گولی اس کے سر میں تو نہیں پیوست ہو گئی تھی؟ لیکن جلد ہی میں نے اس کے بائیں بازو سے خون اُبلتا ہوا دیکھ کر سکھ کی سانس لی تھی۔

گولی کے نشان کی ''انٹرنس'' اور ''ایگزٹ'' دیکھ کر ہی میں بھانپ گیا تھا کہ وہ بازو کا گوشت چیرتی ہوئی آرپار ہو گئی تھی۔

نیم برہنہ ہونے کے باعث اسے سنبھالتے ہوئے میرے ہاتھ اس کے چکنے...... بدن پر پھسلے جا رہے تھے، یوں مجھے دقت ہونے لگی، وہ بھی کچھ ہوش میں آنے لگی تھی، میں نے اس کی گن بھی اُٹھالی تھی۔

''ہیلی! ہوش میں آؤ، ہم خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔'' میں نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس نے بھی صورتِ حال کی نزاکت کو بھانپ لیا اور خود کو فوراً سنبھالا۔

میں نے گن اسے تھمائی ہی تھی کہ ایک تواتر کے ساتھ فائرنگ شروع ہو گئی۔ نشانہ ہماری کیری تھی۔ اس کے فوراً بعد ایک راکٹ بھی فائر کیا گیا۔ کیری ایک دھماکے سے تباہ ہو گئی اور آناً فاناً شعلوں میں گھر گئی۔ شکر تھا کہ میں تب تک ہیلی کو سنبھالتا ہوا پام کے جھنڈ میں داخل ہو چکا تھا۔

ہیلی اپنے قدموں پر کھڑی ہو گئی تھی مگر لڑکھڑاہٹ غالب تھی۔ وہ زخمی بھی تھی، مگر اس نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری تھی، حیرت انگیز قوتِ ارادی سے کام لیتے ہوئے میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ سورج چھپا ہوا تھا۔ باغیچہ نما سایہ جنگل اسی لیے تاریکی کا منظر پیش کرتا تھا، اسی تاریکی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہم آگے بڑھتے رہے۔

میں جوابی فائرنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دشمن ہمیں کیری سے اُترتا ہوا نہیں دیکھ پائے تھے، وہ [illegible] ہی اندازہ لگا سکتے تھے کہ ہم [illegible] جل گئے تھے۔ لیکن یہ میری خام خیالی تھی، کیونکہ اسی وقت...... مجھے عقب میں گاڑیوں کے انجن کی آواز اُبھرتی سنائی دی۔

''ہیلی! ہمیں تیز چلنا ہوگا...... ورنہ دشمن سر پر پہنچ جائیں گے۔'' میں نے اس سے کہا۔

''میں دوڑ سکتی ہوں، چلو......'' اس نے کہا اور واقعی وہ دوڑ پڑی۔ میں بھی اس کا ہاتھ پکڑے دوڑتا رہا، ایسا زیادہ دیر نہیں چل سکتا تھا اسی لیے میں ایک مٹی کے تودہ نما

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

چبوترے کو دیکھتے ہی اس کی آڑ میں ہیلی کو لے آیا۔
یہاں ہم دونوں نے گنز سنبھال کر پوزیشن لے لی۔ میں نے عقابی نظروں سے عقب میں دیکھا جہاں جنگل کے بیچوں بیچ ناپختہ مگر قدرے ہموار راستہ جاتا تھا، وہاں میں نے دشمنوں کی نقل و حرکت دیکھی۔
میں نے ہونٹ بھینچ کر کچھ سوچا اور وہیں دبک کر رہ گیا۔
''تم ٹھیک ہو ناں......؟'' میں نے ہیلی سے سرگوشی میں پوچھا، مجھے اس کے بازو سے مسلسل بہتے ہوئے خون پر تشویش ہو رہی تھی۔ ہم سخت مشکل میں پھنسے ہوئے تھے، گاڑی تباہ ہو گئی تھی اور نجانے کیسے دشمنوں کو پتا چل چکا تھا کہ ہم گاڑی سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔
''ہم...... ٹھیک ہوں۔'' ہیلی نے بہ مشکل کہا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ خون کے بہنے سے اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی اور وہ سخت مضمحل بھی نظر آ رہی تھی۔
''نہیں، تم ٹھیک نہیں ہو۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا اور اپنی شرٹ پھاڑ کر میں نے اس کے بازو پر جلدی جلدی پٹی باندھ دی۔ اسی وقت اندھیارے سے جنگل میں تیز روشنی چمکی۔
میں بُری طرح چونکا۔
''دشمن قریب آ گئے ہیں شہزی! تم ایسا کرو...... بھاگ جاؤ میں دشمنوں کو روکتی ہوں۔'' ہیلی نے مجھ سے کہا اور میں اس کی بات پر بُری طرح تڑپ کر چونکا اور اس کا مضروب مگر حسین چہرہ دیکھتا رہ گیا۔ کیا لگتی تھی یہ میری؟ ابھی کتنی ہی دیر ہوئی تھی مجھے اس سے ملے ہوئے؟ محض چند گھنٹے......
''ہرگز نہیں...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو، ہیلی؟'' میں نے کہا۔ ''تم میری خاطر جان پر کھیلو گی اور میں تمہیں یہاں ٹائیگر ٹیگ جیسے خونخوار درندوں کے سپرد کر جاؤں؟ میں نے ان کی آنکھوں میں تمہارے خلاف نفرت کی جو آگ دیکھی تھی، وہ ابھی تک میں بھلا نہیں سکا ہوں۔ حالانکہ میں تمہیں جانتا بھی نہیں کہ تم کون ہو؟ اگرچہ میں تمہیں بھی ان کا ساتھی سمجھا تھا۔''
اسی وقت روشنیاں قریب آتی چلی گئیں۔ ہماری باتوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ میں نے...... دیکھا، دونوں گاڑیاں اسی چبوترے کی جانب چلی آ رہی تھیں۔ اس چبوترے کو تفریحی اور اردگرد کا نظارہ کرنے والوں کے لیے بنایا گیا تھا، اگرچہ اس وقت وہاں کوئی نہ تھا اور یہاں ابھی چہار دیواری کھڑی کرنے کا کام بھی اُدھورا پڑا نظر آتا تھا۔
''تم مجھے جان جاؤ گے مگر میں تمہیں غائبانہ جانتی ہوں، بعد میں تفصیل بتا دوں گی۔'' وہ اس حالت میں بھی ہلکی سی نرم مسکراہٹ سے بولی۔
''تم جے بی سی کی ایجنٹ تو نہیں ہو، جنہوں نے تمہیں ٹائیگر ٹیگ یا باسکل ہولارڈ کے معاملات پر نظر رکھنے کی ہدایت کر رکھی ہو؟'' میں سوال کیا۔
''اگر میں جے بی سی کی ایجنٹ ہوتی تو وہ...... ایسی جرأت کرنے کا تصور بھی نہ کرتے میرے ساتھ۔'' اس نے جواب دیا اور میں بے اختیار ایک گہری سانس خارج کر کے رہ گیا۔
اسی وقت مجھے گاڑیوں کے رکنے اور ان کے دھڑا دھڑ دروازے کھلنے کی آواز سنائی دی۔
میں نے چبوترے کی ڈھلانی سطح سے ذرا سر اُبھار کر دیکھا۔ وہ سب گاڑیوں سے اُتر رہے تھے اور چبوترے کو گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔
''ہوشیار......! وہ چبوترے کو گھیرے میں لے رہے ہیں، لڑائی ناگزیر ہے۔'' میں نے جوش تلے مرتعش آواز میں کہا۔
''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' ہیلی نے بڑے حوصلے [illegible] بھی [illegible] کی اور خود اس طرف کورنگ کیا جدھر ان کے بیچ بچے وہ راکٹ مشین گن والا شخص نظر آیا تھا۔
گولیوں کی دھنا دھن اور کار چیزنگ کی آوازوں پر پولیس بھی اس طرف متوجہ ہو گئی تھی کیونکہ اسی وقت پولیس کی گاڑیاں بھی سائرن بجاتی ہوئی اسی جنگل کا رخ کر رہی تھیں۔
معاملہ مزید خراب ہونے کے اندیشے تلے...... میں نے جنگ کا ارادہ ملتوی کیا اور چبوترے کے قرب و جوار میں نظریں دوڑائیں تو اچانک مجھے اس کے وسط میں ذرا فاصلے پر ایک کنواں نما گڑھا سا دکھائی دیا، جسے دیکھ کر معاً ہی میرے اندر ایک خیال سوجھا۔
میں تیزی سے پلٹا اور ہیلی کی طرف آیا۔ وقت اب بالکل نہ تھا، میں ہیلی سے کچھ کہے بنا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا مزید ڈھلان چڑھتا ہوا، اسی کنواں نما گڑھے تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ نکاسیِ آب وغیرہ کے لیے کسی گٹر سے منسلک کیا گیا تھا۔
میں ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر ہیلی کو لیے اس کے

اندر اُتر گیا لیکن زیادہ گہرائی میں اُترنے کے بجائے میں نے ہیلی سے کہا۔
''تم اِدھر ہی ٹھہرو، میں ذرا اُوپر جا کر صورتِ حال کا جائزہ لیتا ہوں، پولیس اور ان کے درمیان کیا معاملات طے پا رہے ہیں۔''
یہ کہہ کر میں دوبارہ طلوع ہوا اور ڈھلانی زمین پر لیٹے لیٹے اس طرف دیکھا، وہاں چند وردی پوش پولیس والوں سے ٹائیگر ٹیگ اپنے ''ادارے'' کے آئی ڈی کارڈ شو کرتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ میں تیزی سے واپس پلٹا اور ہیلی کے پاس آ گیا۔
''پولیس کیا کر رہی ہے؟'' ہیلی نے پوچھا۔ پولیس کی آمد پر وہ بھی کچھ تشویش زدہ نظر آ رہی تھی۔
''وہ دونوں آپس میں کوئی معاملہ طے کرنے میں مصروف ہیں۔'' میں نے جواب میں کہا اور نیچے نگاہ ڈالی۔
''ہمیں یہاں سے نیچے مزید اُترنا پڑے گا، ضرور کوئی نہ کوئی راستہ کسی قریبی مین ہول یا گٹر وغیرہ میں کھلتا ہوگا۔''
''یہ کرنا پڑے گا، ورنہ ہم ٹائیگر ٹیگ اور پولیس کے درمیان بُری طرح پھنس جائیں گے۔'' ہیلی نے بھی اپنی زیرک دماغی سے مخدوش پڑتے حالات کے مطابق مشورہ [illegible]
میں نے فوراً اس کے مشورے پر صاد کرتے ہوئے ہیلی کو سنبھالے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔
ہم جیسے جیسے نیچے گہرائی میں اُتر رہے تھے، ویسے ہی جگہ تنگ ہوتی جا رہی تھی، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آ گئی کہ صرف ایک ہی فرد کے گزرنے کی گنجائش رہ گئی، یوں میں نے خود کو آگے رکھا اور ہیلی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ گھٹن بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک جگہ رک کر میں نے ہیلی سے پوچھا۔
''یہاں کے سیوریج سسٹم کی بناوٹ کا مجھے اندازہ نہیں، تمہارا کیا خیال ہے ہیلی؟ یہ سرنگ نما راستہ کتنا طویل ہوگا؟ کہیں آگے جا کر یہ بند تو نہیں ہوگا؟''
ہیلی نے جواب میں کہا۔ ''یہ اس مختصر سے جنگل نما باغیچے کے جنوب مغرب میں ایک سڑک کے کنارے فٹ پاتھ قریب تک جا سکتا ہے، لیکن بند نہیں ہوگا، البتہ فولادی جالی راہ میں آ جائے تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔''
''وہ کوئی مسئلہ نہیں، اسے توڑا جا سکتا ہے۔'' میں نے مطمئن ہو کے کہا اور احتیاطاً پوچھا۔
''تم ٹھیک تو ہو نا......؟''
''ہاں، بس تھوڑی کمزوری ہو رہی ہے اور گھٹن بھی لیکن چلتے رہو۔ ہمیں اس گندی سرنگ سے بہت جلد باہر نکلنا ہوگا۔''
ہم اسی طرح گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل کرولنگ کے انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ کئی جگہ موڑ بھی آئے۔ گندا پانی بہہ رہا تھا اور بدبو سے دماغ کی نسیں تک پھٹی جا رہی تھیں۔ جان پر بنی ہوئی تھی اسی لیے یہ تعفن، بہ خوشی برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔
ہمیں سردی بھی لگ رہی تھی، ہیلی کو کمزوری اور بزدلی کے سبب زیادہ سردی لگ رہی تھی وہ تو بے چاری تھوڑی دیر بعد ہی...... کانپنے لگی تھی، میں نے اسے اپنی شرٹ اور جیکٹ پہنا دی تھی۔ تب اسے کچھ سکون ہوا تھا۔ البتہ اب خود میرا اوپری جسم برہنہ ہو گیا تھا، میں نے اس کی پروا نہ کی، کیونکہ ہیلی کی حالت زیادہ خراب تھی۔
آخر وہی ہوا، لگ بھگ [illegible] گز تک اسی طرح آگے بڑھتے رہنے کے بعد ایک گول آدم گزار سوراخ حائل ہو گیا جس پر آہنی جالی لگی ہوئی تھی۔
میں نے ہونٹ بھینچ لیے اور ہیلی کو اس جالی کے بارے میں بتایا۔ وہ بھی رک گئی تھی۔
میں نے گندی اور سیلن زدہ سی زنگ آلودہ جالی کی مضبوطی کا اندازہ لگایا، وہ خاصی موٹی تختی سے نصب کی گئی تھی۔
''اسے فائر کر کے توڑنا پڑے گا۔'' میں نے رائے طلب لہجے میں ہیلی سے کہا۔
''توڑ ڈالو، اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے ہمارے پاس۔'' اس نے کہا۔
ہم تھوڑا پیچھے کو سرک گئے۔ میں نے لیٹے لیٹے گن کو سنگل شاٹ پر کیا اور اسی وقت ہیلی کی لرزہ دینے والی چیخ اُبھری۔ میں بُری طرح ٹھٹک گیا اور جالی پر فائر کرتے کرتے رہ گیا۔ اندھیرا ہونے کے سبب ہم ایک دوسرے کو دیکھنے سے قاصر تھے۔
''کیا ہوا ہیلی؟'' میں نے اسے پکارا۔
''چچ...... چوہا تھا شاید......''
اسی وقت میرے بدن پر کوئی بڑی سی شے تیزی سے رینگتی اور ''چرچر'' کی مخصوص آواز کے ساتھ نکل بھاگتی چلی گئی۔

https://www.urdutubes.com/

بے اختیار میں ہنس دیا۔ وہ کوئی چوہا ہی تھا۔

میں نے ہیلی کو ہوشیار کیا کہ میں جالی پر فائر کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد میں نے نال کا رخ جالی کی طرف کر کے ایک فائر داغا، دھماکا ہوا اور مجھے اپنے کان ہی نہیں دماغ بھی سُن ہوتا محسوس ہوا، وجہ یہی تھی کہ وہ بہت قریب کا نشانہ تھا۔ پھر جگہ بھی تنگ اور فضا محدود، لمحہ بھر کے وقفے سے میں نے دوسرا فائر داغا۔

اس بات کا احتمال تھا کہ گولی اُچٹ کر ہمیں بھی لگ سکتی تھی۔ مگر ایسا نہیں ہوا، ایک تو میرا اندازہ درست تھا، دوسرے ہم جس طرف... چند فٹ پیچھے سرک کے تھے، وہ جگہ ذرا عمودی تھی۔

میں آگے بڑھا اور چھو کر جالی کو دیکھا وہ ایک جانب سے اُدھڑ چکی تھی۔

میں نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اسے مزید اُدھیڑ کر گزرنے کی جگہ بنائی اور آگے کو رینگ گیا۔

دوسری جانب آتے ہی ہم چند فٹ مزید اور سرکے ہوں گے کہ روشنی کی کرنیں نظر آنے لگیں اور آکسیجن اور ہوا کا احساس ہوا۔ میرا دل مسرت تلے یکبارگی زور سے دھڑکا۔ ہم نکاسی والے راستے پر پہنچ گئے تھے۔

زیرِ زمین سیوریج لائن کی تنگ اور سیلن زدہ سی بدبودار سرنگ میں ہمارا بُرا حال ہو رہا تھا، یہاں تک کہ اعصاب شل ہونے لگے تھے اور دماغ تک ماؤف ہوا جاتا تھا۔ روشنی دیکھنے کے بعد ہماری ہمت سوا ہونے لگی، لیکن ہیلی کی حالت تو زیادہ ناگفتہ بہ ہو رہی تھی، زخمی ہونے کے ساتھ بہت سا خون بہنے کے سبب اس بے چاری پر شدید کمزوری بھی طاری تھی۔ کئی بار اس پر غشی کے دورے بھی پڑے اور وہ وہیں رک جاتی اور نڈھال سی ہو کے پڑی رہتی۔ میں ہی اسے سنبھالتا اور اس کا نیم مردہ سا چہرہ تھپک تھپک کر ہوش میں لاتا۔

بلاشبہ ہیلی نے بڑا معرکہ سر کیا تھا، یوں مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہ تھا کہ میں بھی اگر ٹائیگر فیگ کے چُنگل سے نکلا تھا تو اس کی وجہ ہیلی ہی تھی۔ لیکن ابھی تک میں اس کی طرف سے اُلجھن اور کچھ نامعلوم قسم کے شکوک و شبہات کا شکار تھا۔

ہیلی کون تھی؟ اس کا تعلق کن لوگوں سے تھا اور یہ میری ساتھی ہونے کا کس حوالے سے دعویٰ کر رہی تھی، ابھی اس نے یہ مجھے نہیں بتایا تھا، یہ بات طے تھی کہ وہ کسی خاص [illegible] "فاتک" پر ٹائیگر فیگ کے ہیڈ کوارٹر تک کامیابی سے رسائی حاصل کیے ہوئے تھی اور میں بھی ہیلی کو انہی کا ساتھی سمجھے ہوئے تھا، ہولارڈ کا اسے میری خدمات میں پیش کرنے کا مقصد بھی میں یہی سمجھے ہوئے تھا کہ وہ مجھے اپنی حسین زُلفوں کے جال میں پھنسانے کی کوشش کرے گی اور ان کے کسی مخفی و مذموم مقاصد میں کام آئے گی، یوں میں بھی ان کی چال کو سمجھنے کی سعی میں، دیدہ و دانستہ خود کو اس کی مرمریں بانہوں اور حسین زُلفوں کا قیدی بنائے ہوئے تھا کہ اچانک سارا معاملہ ہی اُلٹا ہو گیا۔

میری دشمن میری ساتھی بن گئی تھی، مگر کیسے اور کیوں؟

یہ ابھی اسراریت کے پردے میں تھا۔ اس وقت میں خود ایسے حالات کی زد میں تھا کہ اس کا صرف میرا ساتھی ہونے کا دعویٰ کرنا ہی میرے لیے کافی ثابت ہوا تھا۔

اب ہم دونوں ایک ساتھ ایک محاذ پر تھے۔ میں خود اس سے حقیقت سننے کے لیے بے تاب تھا کہ وہ آخر کس حوالے سے میرا ساتھی ہونے کی دعوے دار تھی؟

بہرکیف...... ہم دونوں آگے ہی آگے سرکتے رہے یہاں تک کہ ہم نسبتاً کھلی سی جگہ پر آ گئے، یہ ایسی ہی جگہ تھی جیسے کسی کنویں کا فرش...... یہاں ایک لوہے کی سیڑھیاں تھیں جو اوپر تک جاتی نظر آ رہی تھیں، وہاں تنگ سا گول سوراخ تھا۔ وہ بند تھا۔ یہاں پانی بھی کافی تھا، گندے پانی میں [illegible] بے چاری کانپنے لگی تھی۔ نقاہت کی وجہ سے اسے سردی بھی زیادہ لگ رہی تھی۔ بہرحال، اب منزل قریب تھی، اب اُوپر پہنچ کر کیا ہونے والا تھا؟ اس سے ہم بے خبر تھے۔

میں نے ہیلی کو حوصلہ دیا اور مژدہ سنایا کہ ہم منزل کے قریب ہیں اور وہ ذرا اب ہمت پکڑے۔ سردی کے سبب اس کی سانسیں بھی بُری طرح پھول رہی تھیں۔

میں نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالا اور پھر خود کو بھی لوہے کی سیڑھی پر ایک قدم رکھتے ہوئے ہیلی سمیت اس پر قدم جمایا پھر اُوپر اُٹھنے لگا۔

مین ہول کا ڈھکن کھولنے میں مجھے تھوڑی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ ہیلی کو بھی میں نے ایک ہاتھ سے سنبھالا ہوا تھا۔

ایک موقع پر میں نے ہیلی سے کہا کہ وہ تھوڑا مزید ہمت سے کام لے اور سیڑھی کو مضبوطی سے تھامے رکھے تاکہ میں ڈھکن اُوپر کی طرف دھکیل سکوں، اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ کراہنے لگی، میں نے پھر بھی اپنے جسم کے زور پر اسے سہارا دینے کی کوشش برقرار رکھی تھی۔ وہ میرے ساتھ چپک گئی تھی۔

میں نے گن پھینک دی تھی، اب اس کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا تھا۔

خود کو سیڑھی پر کسی طرح، ہیلی سمیت ٹکا کر میں نے ڈھکن کو دونوں ہاتھوں سے کھولنے کی زور آزمائی شروع کر دی، ذرا ہی دیر میں کامیاب ہو گیا اور سرد مگر تازہ ہوا کا جھونکا چہرے سے ٹکراتے ہی میرے مضمحل سے وجود میں جیسے نئی طاقت بھر گئی، پھر بھی میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا اور ذرا ڈھکن ہٹا کر پہلے مقدور بھر کوشش سے بیرونی فضا کا جائزہ لیا۔

مین ہول کسی کھلی اور سنسان جگہ پر تھا، قریب بھی کسی گزرتی گاڑی کی آواز سنائی دے جاتی تھی، پھر خاموشی چھا جاتی۔ کچھ رہائشی مکانوں کی جھلک نظر آئی تھی۔

ہم فٹ پاتھ کے قریب سے ہی باہر نکلے تھے اور میں تیزی سے ہیلی کو لیے ایک نسبتاً کھلی جگہ پر پہنچا، جہاں باغیچہ سا بنا ہوا تھا اور وہاں پانی کا نلکا بھی لگا ہوا تھا، جس کے ساتھ ربر کا پائپ منسلک تھا۔

ہم نے صاف پانی سے پہلے اپنے جسم کی گندگی اچھی طرح دھوئی اور پھر اس کے بعد میں نے اطراف کا جائزہ لیا۔ [illegible] دیکھنے میں آ رہی تھی، [illegible] یہاں سے وہ پام کے درختوں اور باغ نما جنگل وہ حصہ نظر آ رہا تھا، جہاں سے ہم سیوریج لائن کے ذریعے نکلے تھے۔ اب ہم ایک پختہ سڑک کے پار تھے۔

"دشمن اور پولیس اب بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔" میں نے ہیلی سے کہا۔ "ہمیں یہاں سے جلد رفوچکر ہونا پڑے گا۔ لیکن افسوس کہ میں یہاں بالکل اجنبی ہوں اور میرا یہاں کوئی ٹھکانا بھی نہیں ہے۔ اگر ہم کسی ہوٹل......"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "کسی ٹیکسی کو روکنے کی کوشش کرو۔"

"لیکن تمہیں کسی ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت ہوگی؟" میں نے کہا۔

"نہیں، میرا یہاں ٹھکانا موجود ہے، وہاں پہنچ کر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بس، جلدی سے کوئی ٹیکسی......" اچانک وہ کہتے کہتے رکی، اس کی نگاہ سامنے پڑی تھی اور وہ ہراساں نظر آنے لگی۔

"او مائی گاڈ! یہ وہی لوگ ہیں اسی طرف آ رہے ہیں، ٹکلو شہزی!" کہتے ہوئے اس نے مذکورہ ہاتھ سے اشارہ کیا۔

میں نے چونک کر اس طرف دیکھا اور ہونٹ بھینچ لیے۔

اس طرف سے وہی وین دو پولیس کاروں کے جلو میں نمودار ہو رہی تھی اور ان کا رخ اسی طرف تھا۔ کار ان کی نجانے کدھر غائب تھی۔

میں پھر ایک لمحہ بھی نہ رکا اور ہیلی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیزی سے پلٹا اور دوڑتا چلا گیا۔

دوسری جانب ایک اور سڑک تھی، وہاں پہنچا تو ایک بس کھڑی نظر آئی۔ وہ کوئی اسٹاپ تھا۔ چند مسافر اتر چڑھ رہے تھے، جب تک ہم اس کے قریب پہنچے، اس کے دروازے خودکار انداز میں سلائڈ ہو کر بند ہو گئے۔ میں نے ہونٹ بھینچ لیے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے، جلد ہی مجھے ایک کیب نظر آ گئی، اس کے ڈرائیور نے بھی شاید ہمیں دیکھ لیا تھا، وہ ہمارے ہی قریب آ کر رکی۔ لیکن جب اس نے کھڑکی سے سر نکال کر ہماری اور بالخصوص ہیلی کی ہیئت کذائی دیکھی تو وہ گڑبڑا سا گیا۔

"کیا ہوا ہے، تمہاری حالت کیسی ہو رہی ہے؟" ہمارے کچھ بولنے سے پہلے ہی اس نے الٹا ہم سے سوال کر ڈالا۔

ہیلی زخمی تھی اور کم و بیش میری بھی ابتر حالت تھی۔

"ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، میری ساتھی کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے اس سے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"چلو پھر میں تمہیں کسی اسپتال پہنچا دوں۔" اس بھلے مانس ڈرائیور نے فوراً کہا۔

"نن...... نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے، تم ہمیں سینٹرل سٹی لے چلو، جنک روڈ اسٹریٹ نائن اے......" اس بار ہیلی نے اس کیب ڈرائیور سے کہا اور اس دوران میں جلدی سے عقبی سیٹ کا دروازہ کھولا اور ہیلی کو سوار کرانے لگا۔

"آر یو اوکے مس......؟" ہمارے سوار ہوتے ہی [illegible] شہری کا فرض نبھاتے ہوئے ڈرائیور نے ہیلی سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"کہیں تم نے شراب کے نشے میں آ کر اپنی گرل فرینڈ پر تشدد تو نہیں کیا ہے؟" اس نے ہیلی کو مخاطب کرنے کے بعد فوراً ہی مجھ سے بھی سوال کر ڈالا۔ اس کے لہجے اور آنکھوں میں تشکیک ابھر آئی تھی۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، آئم اوکے...... گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

"یو شیور......؟" ڈرائیور نے کہا اور مجھے اس پر غصہ

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

آنے لگا مگر ہیلی جواب میں اس بار اپنے سر کو ہی اثباتی جنبش دے پائی اور نڈھال سی ہو کر اس نے سیٹ کی پشت گاہ سے اپنا سر ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔

ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی لیکن وہ اب بھی بیک ویو میں بار بار ہمیں تکے جا رہا تھا۔ مجھے اس سے کوفت ہونے لگی، سمجھ گیا تھا میں کہ جب تک میں اسے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دوں گا۔ یہ چپکا نہیں بیٹھے گا، کیونکہ ٹیکسی آگے بڑھاتے ہی اس نے پھر مجھ سے سوال پوچھا۔

”آخر تم دونوں کے ساتھ ایسا کون سا واقعہ پیش آ گیا ہے؟“

”تم اپنا منہ بند نہیں کر سکتے؟ ہم پہلے ہی پریشان اور مصیبت میں ہیں......آہ......“

میرے بجائے ہیلی نے بالآخر برہمی سے ڈرائیور کو جواب دیا، وہ کراہی بھی تھی۔ شاید اس کے کہیں درد ... اُٹھا تھا۔ ڈرائیور اس کے سخت جواب سے گڑبڑا سا گیا۔

”تم اب اپنے کام سے کام رکھو اور خاموشی سے گاڑی چلاؤ۔“

”میں نے اس طرف پولیس بھی دیکھی تھی، وہ کسی کو ڈھونڈ رہی تھی شاید۔“ ڈرائیور بھی ڈھیٹ تھا۔ چپ بیٹھنا شاید اس کی سرشت میں نہیں تھا۔

”ہاں تو......“ اس بار میں نے اسے گھورا...... پھر حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس سے کہا۔

”دیکھو، مسٹر! میری گرل فرینڈ کے ساتھ ایک شرابی ٹولے نے بدتمیزی کی تھی، اب آگے تم خود سمجھ جاؤ اور خاموشی سے گاڑی چلاؤ۔“

میرا یہ جوابی وار کارگر ثابت ہوا، وہ اب مطمئن ہو کے سامنے متوجہ ہو گیا۔

یہ سفر خاصا طویل ثابت ہوا، کیونکہ پورے ایک گھنٹے کے بعد کیب نے ہمیں مطلوبہ مقام پر اُتار دیا۔

ہیلی کے پاس تو کرایہ دینے کے لیے کوئی رقم نہیں تھی، البتہ میں نے ایسے حالات اور مقاصد کے لیے اپنی پینٹ میں کچھ خفیہ جیبیں بنا رکھی تھیں۔ یہی حال شرٹ کا تھا، جو اب ہیلی نے پہن رکھی تھی۔

میں نے کرایہ نکال کر اسے فارغ کر دیا۔ ہیلی پر اب زیادہ جلدی جلدی غشی اور نیم بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے تھے۔

ہم جہاں اُترے تھے، یہ کسی مارکیٹ کا حصہ تھا، جس کے سامنے اسٹال اور دکانیں نظر آ رہی تھیں، عقب میں بڑی سی سربہ فلک رہائشی عمارت تھی۔ یہاں لوگ بھی زیادہ نظر آ رہے تھے اور ہماری ”حالت“ کے پیش نظر عجیب عجیب نظروں سے تکتے جاتے تھے۔

میں نے ہیلی کو سہارا دے رکھا تھا اور وہی مجھے راستہ بھی سجھا رہی تھی۔ ہم مارکیٹ کے اندرونی گوشے نکلنے والے راستے پر چلتے ہوئے عقب میں آ گئے۔

تھوڑی دیر بعد ہم اسی رہائشی بلڈنگ کے قریب تھے، میرا خیال تھا کہ ہیلی کا ٹھکانا یا اپارٹمنٹ وغیرہ اسی عمارت میں ہوگا مگر وہ وہاں سے بھی ہوتی ہوئی مجھے مزید کئی قدم دور لے آئی۔

یہ علاقہ بھی بلڈنگ کے پیچھے تھا۔ مزید آگے بڑھے تو ایک بڑا سا کیسینو دکھائی دیا، جو بظاہر ویران پڑا ہوا تھا۔ اس کے بڑے سے دروازے کی پیشانی پر نیون سائن، جو بظاہر اب دن کی روشنی میں بجھا ہوا تھا مگر اس پر کندہ ”ہاٹ لائٹ کیسینو“ کے رنگین الفاظ پڑھے جا سکتے تھے۔

مجھے اس وقت حیرت ہوئی جب ہیلی نے مجھے اس کے دروازے کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔

میرے دل میں لامحالہ کسی انجانی کھٹک کا احساس ہوا۔ وہی نامعلوم سی بے چینی جو مجھے ابھی تک ہیلی کی جانب سے لگی ہوئی تھی۔ ہیلی کا کسی کیسینو میں ٹھکانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا یہ ایک نئی اُلجھن میرے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

[illegible]

میں اس کے لیے پر گیٹ کے قریب جا پہنچا۔

یقیناً یہ رنگین و سنگین ہاٹ لائٹ کیسینو رات میں پوری آب و تاب سے جگمگاتا ہوگا۔ یہاں کی حسین و جمیل ویٹرس شام اور رات گئے تک لچکیلی کمر کو تھرکاتی، گاہکوں، جواریوں اور شرابیوں کے درمیان ٹرے تھامے رنگین تتلیوں کی طرح اُڑتی پھرتی ہوں گی۔ اس کی شبینہ رونقیں اپنے عروج پر ہوتی ہوں گی۔

میں ہیلی کو لیے گیٹ کی جانب بڑھا جو بند تھا۔ اس میں کہیں بھی مجھے کسی کال بیل کا کوئی بٹن تک نظر نہیں آیا تھا۔ دروازے پر دستک دی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔

میں نے ہیلی سے کچھ پوچھنا چاہا تو ایک دم چونک پڑا......

خونی رشتوں کی خود غرضی اور پرائے بن جانے والے اپنوں کی بے غرض محبت میں پرورش پانے والے نوجوان کی سنسنی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ

https://www.urdutubes.com/

میں نے ایک نظر باہر کے منظر پر ڈالی اور سرد آہ بھری۔ باہر زندگی معمول کے مطابق تھی۔ تیز رفتار اور ہجوم مگر مجھے اتنی ہی تنہا محسوس ہوئی جتنی میں اپنے کمرے میں موجود واحد جاندار شے کی صورت تنہا تھی۔ سب کچھ کتنا بدل گیا ہے۔ کتنے سال گزر گئے ہیں۔ یا شاید صدیاں...... لب شمار بھی مشکل تھا مگر میں یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وقت تیزی سے بدلا ہے۔ اس بدلاؤ کے سارے اثرات میں نے اپنی روح پر محسوس کیے تھے۔ اگرچہ میں جانتی ہوں کہ روح کچھ بھی نہیں ہے مگر پھر بھی مجھے یہ محسوس ہوتی ہے۔ میری اس بات پر سب دوست ہنستے ہیں سوائے میرا کے۔ روح کا خیال مجھے میرا نے ہی دیا۔ قدیم مذاہب پر اعتبار رکھتی ہے۔ ہمیشہ ان کے متعلق بات کرتی رہتی ہے۔ ہر بار اس کے پاس بتانے کے لیے کچھ نیا ہوتا ہے۔ وہ ان سب پر یقین بھی کرتی ہے۔ اب شاید میں بھی یقین کرنے لگی ہوں۔ مجھے بھی لگتا ہے کہ روح ہے اور میری روح بہت اُداس ہے۔ شاید اسی کی اداسی میرے وجود پر بھی طاری رہتی ہے۔

زندگی گزارنے کے لیے مثالی معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے...ایسا معاشرہ جہاں انصاف ہو...امن ہو...اور ہر انسان کو اپنے مساوی حقوق دستیاب ہوں...اور یہ اسی صورت ممکن ہوتا ہے اگر اکثریت ان برائیوں سے آگاہی رکھتی ہو...ایسے ہی ذہنوں کی کارفرمائی...جو ایک مثالی سلطنت کے متلاشی تھے...ان کے نزدیک ہر جگہ...ان کی حکمرانی اور حکومت ہو... بالآخر وہ ایک ایسی مثالی سلطنت کے بانی بن گئے...جہاں ہر شخص کے لیے مطمئن...پُرآسائش زندگی کا حصول ممکن تھا...سب کچھ پرفیکٹ ہونے کے باوجود کوئی ایسی چیز تھی جو اُن کے اندر کلبلانے لگی تھی...انہیں بغاوت پر اکسا رہی تھی...

قدرت کے قانون سے ٹکرانے کے نتیجے میں رونما ہونے والے حوادث

یومِ سیاہ

غزالہ یاسمین

پیٹر میری باتیں سُن کر برہم ہوتا ہے۔ اسے تو میرا دیا گیا نام بھی پسند نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے اپنے کام پر توجہ دینی چاہیے۔ میں حیاتیاتی تبدیلیوں اور ان کے ارتقاء پر کام کررہی ہوں مگر اب اسی کام نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے جو سالوں تک میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اب میں جانداروں کی تبدیلیوں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے لگی ہوں۔ مجھے ارتقائی عمل کے بہت سے عوامل پر اختلاف ہونے لگا ہے۔ اور کہیں نہ کہیں میں اس کا ذمّے دار موجودہ نظام کو بھی ٹھہراتی ہوں۔ موجودہ نظام جو جدید نظام ہے۔

جدید نظام مجھے ایسے ہی ملا تھا اور میں نے اسے پوری طرح قبول بھی کیا مگر اب مجھے لگتا کہ وہ میری غلطی تھی۔ حالانکہ مجھے ٹھیک سے یاد بھی نہیں کہ میں کب اس کا حصہ بنی۔ شاید یہ کہنے میں عجیب لگے مگر میرے پاس میری بیتی زندگی کا کچھ حصہ بالکل خالی ہے۔ اس حصے کی کوئی یادیں نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ ان یادوں کا مدھم عکس تک نہیں ہے۔ وہ ایک تاریکی کے مانند ہے جس میں کچھ نظر نہیں آتا۔ مگر نظر نہ آنے کے باوجود میں جانتی ہوں کہ وہ حصہ موجود ہے۔ مگر اس حصے میں کیا ہے، یہ میں نہیں جانتی۔

دفعتاً باہر کے ایک منظر نے میری توجہ کھینچی۔ دو انسان تیز رفتاری سے گزرتے ہوئے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور حادثے کا شکار ہوگئے۔ حادثہ بے حد بھیانک تھا۔ ان کے اعضاء بہت سے ٹکڑوں میں بٹ کر دور تک بکھر گئے تھے۔ مگر یہ اتنی تشویش کی بات نہیں تھی۔ ایسے حادثات اکثر ہو جاتے تھے اور ان سے نمٹنے کا خاطر خواہ انتظام موجود تھا۔ جلد ہی روبو پولیس وہاں پہنچ گئی۔ انہوں نے ٹکڑوں میں بکھرے اجسام کو سمیٹ کر ڈسپوز مشین میں ڈالا اور مشین آن کردی۔ چند سیکنڈز میں سب ایسے تحلیل ہوگیا جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ پھر انہوں نے پروٹیکشن کور میں چھپا دماغ اٹھایا اسے احتیاط سے ایک باکس میں ڈالا اور لیب کی طرف روانہ ہوگئے۔ میں جانتی تھی وہاں اس دماغ کے ساتھ کیا ہوگا۔ میں خود دو بار اس تجربے سے گزر چکی تھی مگر وہ سب یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میرے لیے وہ تجربہ بے حد تلخ تھا۔

میں نے دوبارہ باہر جھانکا۔ بس اِکّا دُکّا انسان نظر آئے مگر ہر طرف مشینیں تھیں۔ چلتی پھرتیں...... کام کرتیں...... زندگی سے بھرپور مشینیں...... ہاں اب انہیں زندہ کہا جاسکتا ہے۔ وہ اب ہم انسانوں سے زیادہ زندہ ہیں یا شاید مجھے لگتی ہیں۔ اگرچہ اب نئے قانون کے مطابق انہیں مشین کہنا جرم سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ روبوٹس کے احساسات مجروح ہوتے ہیں اور انسان کے احساسات...... ان پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ بہرحال اب یہ روبو ہیومن ہیں۔ انسان کے بہترین ساتھی...... جنہوں نے انسان کو جسمانی مشقت سے بالکل آزاد کردیا ہے۔ اب انسانوں کے کرنے کے لیے کوئی جسمانی کام نہیں۔ سب مشینوں اور روبوٹس نے سنبھال لیا ہے۔ اسی لیے اب زیادہ انسانوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بس وہی ہیں جو "کارآمد" ہیں۔

ہولوگرافک پروجیکشن آلارم بجا اور میں اپنی سوچوں سے باہر نکل آئی۔ میں نے اِن کمنگ اسٹیٹس دیکھا۔ وہ لورین تھی۔ ہماری قدامت پسند تنظیم کی ایک فعال ممبر۔ میں نے ریسیور پر کلک کیا تو لورین کا عکس نمودار ہوگیا۔ وہ سن باتھ لے رہی تھی۔ اس کی اس عیاشی پر مجھے اس سے تھوڑی سی جلن محسوس ہوئی۔ میں کتنے عرصے سے وہاں جانے کا سوچ رہی تھی مگر نہیں جا پارہی تھی اور لورین وہاں تھی۔ میں نے سرد آہ بھری اور لورین کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"ہائے لورین کیسی ہو؟" میں نے اپنے حاسدانہ جذبات اور مایوسانہ خیالات جھٹک کر خوشدلی سے پوچھا۔

"ہائے میری۔ تم کیسی ہو؟" اس نے بھی جواباً خوشدلی سے پوچھا۔

"میری کیا، کونسل کی میٹنگ کنفرم ہے تیرہ جون کو؟"

[illegible] جھکتے [illegible] رخساروں پر چمک رہی تھی جس سے اس کی سنہری رنگت اور بھی کھل اٹھی۔ وہ اس وقت ایک شوخ رنگ کا لباس پہنے چھتری تلے لیٹی تھی اور بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ پتا نہیں وہ پہلے سے ہی اتنی دلکش تھی یا دھوپ نے اسے خوب صورت بنا دیا تھا۔ میں نے اس کی دمکتی رنگت سے نظریں چرا کر بلاوجہ اپنے کمرے کے باقی حصے کا جائزہ لیا۔ تاہم یہ کوشش کچھ خاص کامیاب نہ رہی۔ میں لاشعوری طور پر تقابل میں الجھ گئی۔

"میری کیا تم سن رہی ہو......" میرا جواب نہ پاکر اس نے پکارا۔

"ہاں بالکل میٹنگ تیرہ تاریخ کو ہی ہے۔ کیا تم نے ای میل نہیں سنی؟" میں نے سوچوں کو دماغ سے جھٹک کر دھیان اس کی باتوں پر لگایا۔

"اوہ...... میری تم جانتی ہو...... کہ مجھے ان مشینی پیغامات سے کتنی کوفت ہوتی ہے۔ مجھے انسانی پیغام انسانی زبان سے سننا ہی پسند ہے۔" وہ دھوپ کے مسحور کن منظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

میں یہ بات جانتی تھی مگر مجھے ہر بار یہ اس کے منہ سے سننا اچھا لگتا تھا۔ شاید ہم قدامت پسندوں کی عادت تھی کہ ہم اپنی قدامت کا اظہار کریں اور بار بار اسے دوسروں سے بھی سنیں۔

"میری تم وہاں خود جاؤ گی یا پروجیکشن بھیجو گی؟" لورین نے مجھ سے پوچھا۔

"لورین میں پروجیکشن سے وہاں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" میں تڑپ کر بولی۔ "تم جانتی ہو...... مجھے کتنی چڑ ہے ان جدید مشینوں سے۔ ہمیں وہاں اپنی قدامت دکھانی ہے۔ اگر ان مشینوں کا سہارا لیا تو ہمارا کیس کمزور ہو جائے گا۔"

میں بات کرتے ہوئے ذرا جذباتی ہوگئی۔ مجھے یقین تھا لورین نے یہ بات محسوس کرلی ہوگی اور یہ کافی سبکی کا باعث تھا میرے لیے۔ جذباتی پن کو ابھی تک قدامت پسندوں میں بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ جدید دنیا کی بہت سی چیزیں ہم اپنی زندگی سے نہیں نکال سکے تھے۔ اچھی بات یہ تھی کہ لورین نے میرے جذباتی پن کو محسوس کرکے بھی کچھ نہیں کہا۔

"ہاں ہاں میں جانتی ہوں میں تو بس اس لیے پوچھ رہی تھی کہ تم گزشتہ دنوں طبیعت کی بیزاری کا ذکر کررہی تھیں [illegible]" لورین نے [illegible] وضاحت کی۔

"ہاں مگر کونسل کی میٹنگ کا تصور ہی مسحور کن ہے۔ ہمیں یوم سیاہ کا مقدمہ جیتنا ہے اور ہمارا وہاں حقیقی طور پر موجود ہونا بے حد ضروری ہے۔" میں نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

وہ میٹنگ میں شرکت کی یقین دہانی کرا کر چلی گئی۔ لورین سے بات کرکے میں اور بھی افسردہ محسوس کرنے لگی۔ مجھے اب باہر جانا چاہیے ورنہ یہ اُداسی بڑھتی جائے گی۔ میں نے خود کلامی کی۔

جان کو کچھ ضروری کاموں کی تاکید کرکے میں باہر نکل آئی۔

جان میرا پرسنل روبو تھا جو میرے گھر اور آفس کے معاملات دیکھتا تھا۔ مجھے کسی انسان نما مشین کی اپنے گھر میں موجودگی بالکل گوارا نہیں تھی مگر اس کو رکھنا مجبوری تھی۔ میں اپنی تحقیق کے ساتھ گھر اور دفتر کے کام اکیلے نہیں نمٹا سکتی تھی۔ مجھے کسی معاون کی ضرورت تھی اور معاون صرف مشینیں ہی ہو سکتی تھیں۔ کبھی کبھی جان سے میرا رویہ تضحیک آمیز بھی ہو جاتا۔ جو شاید اسے محسوس ہوتا ہوگا۔ مگر اس نے کبھی اظہار نہیں کیا۔ وہ اپنے کام بخوبی انجام دے رہا تھا۔ حقیقتاً وہ ایک اچھا معاون تھا۔

کافی دیر میں بلاوجہ شہر کا چکر لگاتی رہی۔ گھر کے اندر اور باہر کے ماحول میں کوئی خاص فرق نہ تھا مگر میں نے ان مناظر سے توجہ ہٹا کر صرف اچھا سوچنے کی کوشش کی۔ کئی دنوں بعد سست روی سے چلنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ میں کافی دیر چہل قدمی کرتی رہی۔ واپسی پر مجھے پیٹر مل گیا۔ اور اسے دیکھ کر میرا موڈ کافی حد تک خوشگوار ہوگیا۔ اس کے چہرے پر مجھے واضح تبدیلیاں نظر آئیں۔ پچھلے دنوں وہ ایک حادثے کا شکار ہوا تھا۔ یقیناً اسی کے بعد اسے یہ تبدیلیاں کرنے کا موقع ملا ہوگا۔ کسی اور کے چہرے پر یہ تبدیلی مجھے بالکل پسند نہ آتی مگر پیٹر اس تبدیلی کے ساتھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"ہائے پیٹر بہت دنوں بعد نظر آئے۔"

"ہائے ایس نائن ٹو ٹو ایٹ۔" وہ بھی جواباً خوشدلی سے بولا۔

"پلیز مجھے میری کہہ کر بلایا کرو۔" میں نے احتجاج کیا۔

"تم بھی مجھے میرے نام سے بُلایا کرو۔" اس نے بھی جواباً منہ بنایا۔

ہماری اس دنیا میں اب انسانوں کے نام نہیں تھے، نمبر تھے۔ ناموں کا استعمال ماضی قدیم میں ہوتا تھا جو اب ترک کردیا گیا تھا۔

ہر انسان کا ایک مخصوص نمبر تھا جو اس کی شناخت، قابلیت، عہدہ، لوکیشن، ڈی این اے سب کچھ بتانے کے لیے کافی تھا۔ پروٹیکشن کور کے سسٹم میں یہ نمبر درج ہوتا تھا جسے بہ آسانی دوسرا پروٹیکشن کور پہچان کر اپنے جسم کو آگاہ کر دیتا۔ ہر انسان کا پروٹیکشن کور ہیڈ کوارٹر کے میگا سپر سسٹم سے جڑا تھا جہاں سے حکمران کسی کی بھی سرگرمیوں کو دیکھ اور پرکھ سکتے تھے۔ ہم قدامت پسند تو خاص طور پر مانیٹر کیے جاتے تھے۔ شناخت یا لوکیشن چھپانے کے لیے اب خاصی جدوجہد کی ضرورت تھی۔

کسی کو بھی نمبروں سے پکارے جانے پر اعتراض نہیں تھا سوائے مجھ جیسے چند لوگوں کے جنہیں اب بھی ماضی دلکش لگتا تھا اور وہ اسی میں رہنا چاہتے تھے۔ پیٹر کو یہ نام میں نے دیا تھا جو اسے بالکل پسند نہیں تھا۔ اس کے برعکس میرے قدامت پسند دوستوں نے میرے دیے گئے

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ناموں کو خوشدلی سے قبول کیا تھا۔ تاہم میرا نے میرا دیا نام قبول کرنے کے بجائے اپنا نام خود چُنا تھا۔ اسے قدیم مذاہب اور خاص کر ہندومت میں بہت دلچسپی تھی سو اسی کی مناسبت سے وہ اپنے لیے مختلف نام منتخب کرتی اور پھر ہمیں پیغام بھیجتی کہ اب اسے اس نام سے پکارا جائے۔ آج کل اس نے میرا کا نام اپنایا ہوا تھا۔

پیٹر قدامت پسند نہیں تھا مگر میرا پڑوسی تھا۔ میں اسے پسند کرتی تھی اس لیے اس سے رابطہ رکھنے کی کوشش کرتی تھی تاہم ہمارا رابطہ بہت کم ہو پاتا تھا۔ یہ ایک یکطرفہ کوشش تھی۔ پیٹر کو مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر پھر بھی مجھے اس سے بات کرنا اچھا لگتا تھا۔ مجھے اسے پیٹر پکارنا بھی اچھا لگتا تھا۔ اسی لیے اسے یہ نام دیا تھا جبکہ اسے پیٹر پکارا جانا بالکل پسند نہیں تھا۔

''پیٹر ان چھٹیوں میں میرے ساتھ سن باتھ لینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے بات بدلتے ہوئے پیشکش کی۔ اگرچہ میں اچھے سے جانتی تھی کہ میری سابقہ کئی پیشکشوں کی طرح یہ بھی رد کر دی جائے گی۔

''او نہیں ڈیئر۔'' اس نے سر کو نفی میں ہلایا۔ ''میں نے چھٹیاں سی ون کے ساتھ گزارنے کا پروگرام بنایا ہے۔''

مجھے سی ون سے شدید جلن کا احساس ہوا۔ سی ون اس کی روبو گرل فرینڈ تھی۔ میں اکثر سوچتی تھی کہ مشینوں سے میری اتنی نفرت کی وجہ کہیں سی ون تو نہیں۔ تاہم یہ ایک مضحکہ خیز خیال تھا۔ بھلا مشینوں سے بھی جیلس ہوا جاتا ہے؟

جدید دور میں مشینوں نے انسانوں کی جگہ لے لی تھی۔ اب نسل بڑھانے یا تسکین کے لیے بھی انسان، انسان کا محتاج نہیں تھا۔ انسانی روابط بہت محدود تھے مگر مجھ جیسے قدامت پسند اب تک انسانوں سے تعلق کو ڈھونڈنے میں لگے تھے۔

میں نے سرد آہ بھر کر اس کو خوشگوار چھٹیوں کے لیے وش کیا۔ اسی وقت اس کا بائیونک پپّی دوڑتا ہوا آیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر سر رگڑنے لگا۔

میں فوراً دور ہٹی۔ مجھے یہ بائیونک کتے بالکل پسند نہیں تھے۔ اگرچہ یہ بالکل قدیم نسل کی ہی کاپی تھے مگر مجھے ان سے مشینی بو آتی تھی۔ تابکاری کے اثرات سے جانوروں کی بہت سی نسلیں ختم ہو چکی تھیں اور جو باقی تھیں، ان کی بھی افزائشِ نسل نہ ہونے کے برابر تھی۔ کتے مجھے بھی پسند تھے مگر مجھے کسی اصلی کتے کی تلاش تھی جس کا ملنا بہت نایاب تھا۔

پیٹر اپنے کتے کے ساتھ مگن ہو چکا تھا اور میں واپس گھر لوٹ آئی مجھے کونسل کی میٹنگ کی تیاری کرنی تھی۔

☆☆☆

یہ سن انتیس ہزار چونتیس (2934) ہے۔ جدید دور...... مشینوں کا دور...... قدیم دور سے یکسر مختلف......

2165 تک کا دور قدیم شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ اس وقت بھی سائنسی ترقی اپنے عروج پر تھی مگر آج کی ترقی سے بہت پیچھے۔ بے حد پیچھے...... کیونکہ انسان تمام تر ترقی کے باوجود مر رہا تھا۔

2119ء کے اختتام پر ہونے والی عالمی ایٹمی جنگ عظیم نے انسانی آبادی کا 75 فیصد حصہ ختم کر دیا تھا۔ جو بچ گئے تھے، وہ بھی مر ہی رہے تھے۔ بھوک سے، افلاس سے...... اور بیماری سے...... وجہ کوئی بھی تھی مگر موت طے تھی۔ ایٹمی تابکاری کے نتیجے میں زمین بنجر ہو گئی۔ نباتات مرنے لگے۔ جانوروں کی بہت سی نسلیں ختم ہو گئیں اور اوزون لیئر بالکل ہی تباہ ہو گئی۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے خوراک کا حصول قدرتی ذرائع سے تقریباً ناممکن ہو گیا۔ خوراک لیبارٹریز میں تیار کی جانے لگی مگر وہاں محدود مقدار میں ہی پیدا کی جا سکتی تھی جو اربوں لوگوں کی ضرورت پوری کرنے سے قاصر تھی۔ حکومتیں بے بس تھیں۔ انہیں جن آفات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا جنگ کرنے سے قبل انہوں نے اس کے بارے میں سوچا تک نہ تھا۔

بظاہر [illegible] اب تک جاری تھی۔ ہر شخص سڑکوں پر نکل آیا۔ ذرا سی خوراک کی امید میں قتل و غارت عام ہو گیا۔ بھوک نے انسان کو درندہ بنا دیا۔ سائنسدانوں کی اہمیت بے تحاشا بڑھ گئی جبکہ قانون اور حکومت بس نام کی حد تک رہ گئے۔ تب دنیا کے تمام بڑے سائنسدانوں نے ایک میٹنگ کی۔ موجودہ صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے سوچ و بچار کرنے لگے۔ قدرتی وسائل ختم ہو رہے تھے اب صرف مصنوعی وسائل پر دارومدار تھا مگر کب تک۔ ان حالات سے نمٹنے کے لیے ایک مؤثر اور جامع منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔ جو صرف اب سائنسدان ہی کر سکتے تھے۔ چنانچہ اتفاقِ رائے سے ماہر سائنسدانوں کی ایک ٹیم تشکیل دی گئی جن کی سربراہی میں لائحہ عمل طے کر کے دنیا کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔

یہیں سے ''پروجیکٹ ریولوشن'' کا آغاز ہوا۔ اس پروجیکٹ کے تحت دنیا کو ازسرِنو بسانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک نئی دنیا...... جو قدیم سے یکسر مختلف ہو۔ جہاں سائنس کی حکومت ہو۔ ایسی دنیا جسے لوگ اپنے مذہبی جنون، سیاسی

بالادستی اور وسائل پر اقتدار کی خواہش میں کبھی تباہ نہ کر سکیں۔ ایسی دنیا جو انسان کو ترقی کی انتہا پر لے جائے۔ ایسی دنیا جو انسان کے وجود کو محفوظ کر دے۔

اس پروجیکٹ کے کئی مقاصد تھے جن میں سے سب سے بڑا مقصد ''موت کا خاتمہ'' تھا اور باقی ذیلی مقاصد اسی سے جڑے تھے۔ موت جو تمام تر ترقی کے باوجود انسانی وجود سے جڑی ہوئی تھی۔ انسان ہزارہا کوششوں کے باوجود ابدی حیات پانے سے یکسر قاصر تھا۔ اب تک کی ترقی نے انسان کو سب کچھ دیا مگر ابدی زندگی نہیں دے سکی۔ اور اب جدید دور کی بنیاد اسی ابدی حیات پر رکھنے والی تھی۔

بالآخر 13 جون 2165 کو دنیا میں انقلاب آیا۔ جب انسان نے موت پر فتح پالی۔ اب حیات ابدی تھی۔ انسان سو بار مر کر بھی زندہ رہتا۔ اب نسلِ انسانی کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

اور یہیں سے جدید دور کا آغاز ہوا جس میں موت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ جینیٹک انجینئرنگ اپنی انتہا پر تھی۔ تمام تر امراض سے پاک کلون تیار کیے گئے۔ انسان کی ذہانت اور دیگر صلاحیتوں کو تیز تر کیا گیا۔ تمام منفی اثرات جیسے کہ مذہبی لگاؤ، نفرت، تفرقہ اور اقتدار کی چاہ جیسے جذبات کو برسوں کے تجربات سے ختم کر دیا گیا۔ بالآخر ایک ماڈل کلون تیار کر [illegible] پروٹیکٹر کلون کی تیاری کا عمل شروع ہوا۔ لیب میں ہر انسان کے کئی کلون موجود تھے جو حسبِ ضرورت اسے نئی زندگی دینے کو تیار رہتے۔ ضرورت صرف دماغ کو محفوظ رکھنے کی تھی۔ ایسا دماغ جو سابقہ سوچ اور خیالات کے ساتھ نیا جسم لے سکے۔ جسم مر جائے تباہ ہو جائے مگر دماغ زندہ رہے۔ جہاں سے زندگی کی ڈور ٹوٹے نئے جسم میں سلسلہ وہیں سے جڑ جائے۔

یہ یقیناً بے حد مشکل کام تھا مگر ناممکن ہرگز نہیں تھا۔ آخرکار بہت سی کوششوں کے بعد ایک ایسا پروٹیکشن کور تیار کیا گیا جو انسانی دماغ کو تمام تر حادثات سے محفوظ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ انسان کسی حادثے کا شکار ہو کر چیتھڑوں میں بھی بٹ جاتا تو بھی اس کا دماغ محفوظ رہتا۔ تمام تر ذہانت اور یادداشتوں کے ساتھ جو اس کے نئے جسم میں منتقل کر دیا جاتا۔

کسی بھی حادثے کی صورت میں پروٹیکشن کور دماغ کو لاک کر کے فوراً بند کر دیتا۔ حادثے کا شکار ہونے والے شخص کے لیے یہ ایسا ہی تھا جیسے کسی تکلیف کے بغیر اچانک سے بے ہوش ہو جانا۔ اس دوران جسم کے چیتھڑے بھی اڑ جاتے تو کسی تکلیف کا احساس دماغ کو نہ ہو پاتا۔ اور جب لیب میں اسے نئے کلون میں منتقل کر کے اسے ان لاک کیا جاتا تو دماغ وہیں سے دوبارہ فعال حالت میں آ جاتا۔ جیسے کسی نیند سے جاگنے کے بعد ہوتا ہے۔

اب اگلے پڑاؤ کا آغاز ہوا۔ سائنسدانوں کے سامنے یہ سوال تھا کہ کیا سب انسانوں کو پروٹیکشن کور دیا جائے۔ کیا سب کے کلون تیار کیے جائیں۔ مگر اس کا فائدہ کیا ہوگا۔ اتنی بڑی آبادی کو کنٹرول کرنا، ان کی خوراک کی ضروریات پوری کرنا اور انہیں کارآمد بنانا آسان نہ تھا۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر شعبے کے ماہر افراد ہی کو یہ سہولت دی جائے۔ صرف وہی افراد جدید دنیا کے شہری بن سکیں گے جو اس جدید دنیا کی ترقی میں حصہ لے سکیں۔ باقی بیکار انسانوں کو مار دیا جائے۔ بظاہر یہ سفاکانہ تھا مگر یہی ضروری تھا۔ خوراک کی کمی جلد یا بدیر انہیں مارنے ہی والی تھی اور ان کو ابدی حیات دینا بیکار تھا چنانچہ انہیں مخصوص خوراک کے پیکٹ پہنچا کر خاموشی سے ختم کر دیا گیا۔ بچے ہوئے افراد نہ تو احتجاج کرنے کی پوزیشن میں تھے، نہ ہی جدید دنیا کا باسی بننے سے انکار کر سکتے تھے۔ تمام کارآمد انسانوں کو پروٹیکشن کور دے دیے گئے۔ ان کو برائیوں اور بیماریوں سے پاک کلون اجسام عطا کیے گئے اور یوں جدید دنیا کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

جدید دنیا جو صدیوں سے قائم ہے۔ اس پر اب سائنس دانوں کی حکومت ہے۔ پروجیکٹ ریولوشن کے تحت ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس دور میں کسی مذہبی بالادستی یا سیاسی حکمرانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سائنس داں اب دنیا کو اپنی منشا سے چلا رہے ہیں۔ مشینوں کی بہتات ہے۔ مشین انسانوں کی رہنما ہیں، معاون ہیں، دوست ہیں کہ سب کچھ ہیں۔ مخصوص انسان اپنے کلون کے ساتھ ابدی حیات جی رہے ہیں۔ ضرورت کے مطابق نئے انسان پیدا کیے جاتے ہیں مگر اس کے لیے بھی انسانی کوکھ درکار نہیں ہے۔ افزائش کا تمام عمل لیبارٹری میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ پیدائش سے قبل ہی جنیاتی تبدیلیاں کر کے حسبِ منشا انسان حاصل کر لیا جاتا ہے۔ اب تمام انسان زندہ ہیں۔

بظاہر کچھ بھی غلط نہیں ہے۔ ایک مثالی دنیا قائم ہو گئی ہے جہاں سب کچھ ٹھیک ہے مگر پھر بھی سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

میں اور مجھ جیسے کچھ لوگوں نے سوچنا شروع کر دیا ہے۔ اور ہماری سوچ قدامت پسندوں کی سوچ

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ناموں کو خوشدلی سے قبول کیا تھا۔ تاہم میرا نے میرا دیا نام قبول کرنے کے بجائے اپنا نام خود چنا تھا۔ اسے قدیم مذاہب اور خاص کر ہندومت میں بہت دلچسپی تھی سو اسی کی مناسبت سے وہ اپنے لیے مختلف نام منتخب کرتی اور پھر ہمیں پیغام بھیجتی کہ اب اسے اس نام سے پکارا جائے۔ آج کل اس نے میرا کا نام اپنایا ہوا تھا۔

پیٹر قدامت پسند نہیں تھا مگر میرا پڑوسی تھا۔ میں اسے پسند کرتی تھی اس لیے اس سے رابطہ رکھنے کی کوشش کرتی تھی تاہم ہمارا رابطہ بہت کم ہو پاتا تھا۔ یہ ایک یکطرفہ کوشش تھی۔ پیٹر کو مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر پھر بھی مجھے اس سے بات کرنا اچھا لگتا تھا۔ مجھے اسے پیٹر پکارنا بھی اچھا لگتا تھا۔ اسی لیے اسے یہ نام دیا تھا جبکہ اسے پیٹر پکارا جانا بالکل پسند نہیں تھا۔

''پیٹر ان چھٹیوں میں میرے ساتھ سن باتھ لینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے بات بدلتے ہوئے پیشکش کی۔ اگرچہ میں اچھے سے جانتی تھی کہ میری سابقہ کئی پیشکشوں کی طرح یہ بھی رد کر دی جائے گی۔

''او نہیں ڈیئر۔'' اس نے سر کو نفی میں ہلایا۔ ''میں نے چھٹیاں سی ون کے ساتھ گزارنے کا پروگرام بنایا ہے۔''

مجھے سی ون سے شدید جلن کا احساس ہوا۔ سی ون اس کی روبو گرل فرینڈ تھی۔ میں اکثر سوچتی تھی کہ مشینوں سے میری اتنی نفرت کی وجہ کہیں سی ون تو نہیں۔ تاہم یہ ایک مضحکہ خیز خیال تھا۔ بھلا مشینوں سے بھی جیلس ہوا جاتا ہے؟

جدید دور میں مشینوں نے انسانوں کی جگہ لے لی تھی۔ اب نسل بڑھانے یا تسکین کے لیے بھی انسان، انسان کا محتاج نہیں تھا۔ انسانی روابط بہت محدود تھے مگر مجھ جیسے قدامت پسند اب تک انسانوں سے تعلق کو ڈھونڈنے میں لگے تھے۔

میں نے سرد آہ بھر کر اس کو خوشگوار چھٹیوں کے لیے وش کیا۔ اسی وقت اس کا بائیونک پپی دوڑتا ہوا آیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر سر رگڑنے لگا۔

میں فوراً دور ہٹی۔ مجھے یہ بائیونک کتے بالکل پسند نہیں تھے۔ اگرچہ یہ بالکل قدیم نسل کی ہی کاپی تھے مگر مجھے ان سے مشینی بو آتی تھی۔ تابکاری کے اثرات سے جانوروں کی بہت سی نسلیں ختم ہو چکی تھیں اور جو باقی تھیں، ان کی بھی افزائش نسل نہ ہونے کے برابر تھی۔ کتے مجھے بھی پسند تھے مگر مجھے کسی اصلی کتے کی تلاش تھی جس کا ملنا بہت نایاب تھا۔

پیٹر اپنے کتے کے ساتھ مگن ہو چکا تھا اور میں واپس گھر لوٹ آئی مجھے کونسل کی میٹنگ کی تیاری کرنی تھی۔

☆☆☆

یہ سن انتیس ہزار چونتیس (2934) ہے۔ جدید دور...... مشینوں کا دور...... قدیم دور سے یکسر مختلف......

2165 تک کا دور قدیم شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ اس وقت بھی سائنسی ترقی اپنے عروج پر تھی مگر آج کی ترقی سے بہت پیچھے۔ بے حد پیچھے...... کیونکہ انسان تمام تر ترقی کے باوجود مر رہا تھا۔

2119ء کے اختتام پر ہونے والی عالمی ایٹمی جنگ عظیم نے انسانی آبادی کا 75 فیصد حصہ ختم کر دیا تھا۔ جو بچ گئے تھے، وہ بھی مر ہی رہے تھے۔ بھوک سے، افلاس سے...... اور بیماری سے...... وجہ کوئی بھی تھی مگر موت طے تھی۔ ایٹمی تابکاری کے نتیجے میں زمین بنجر ہو گئی۔ نباتات مرنے لگے۔ جانوروں کی بہت سی نسلیں ختم ہو گئیں اور اوزن لیئر بالکل ہی تباہ ہو گئی۔ اس صورت حال کی وجہ سے خوراک کا حصول قدرتی ذرائع سے تقریباً ناممکن ہو گیا۔ خوراک لیبارٹریز میں تیار کی جانے لگی مگر وہاں محدود مقدار میں ہی پیدا کی جا سکتی تھی جو اربوں لوگوں کی ضرورت پوری کرنے سے قاصر تھی۔ حکومتیں بے بس تھیں۔ انہیں جن [illegible] اس کے بارے میں سوچا تک نہ تھا۔

بظاہر جنگ ختم ہو گئی تھی مگر درحقیقت اب تک جاری تھی۔ ہر شخص سڑکوں پر نکل آیا۔ ذرا سی خوراک کی امید میں قتل و غارت عام ہو گیا۔ بھوک نے انسان کو درندہ بنا دیا۔ سائنسدانوں کی اہمیت بے تحاشا بڑھ گئی جبکہ قانون اور حکومت بس نام کی حد تک رہ گئے۔ تب دنیا کے تمام بڑے سائنسدانوں نے ایک میٹنگ کی۔ موجودہ صورت حال سے نمٹنے کے لیے سوچ و بچار کرنے لگے۔ قدرتی وسائل ختم ہو رہے تھے اب صرف مصنوعی وسائل پر دارومدار تھا مگر کب تک۔ ان حالات سے نمٹنے کے لیے ایک مؤثر اور جامع منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔ جو صرف اب سائنسدان ہی کر سکتے تھے۔ چنانچہ اتفاق رائے سے ماہر سائنسدانوں کی ایک ٹیم تشکیل دی گئی جن کی سربراہی میں لائحہ عمل طے کر کے دنیا کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔

یہیں سے ''پروجیکٹ ریولوشن'' کا آغاز ہوا۔ اس پروجیکٹ کے تحت دنیا کو از سر نو بسانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک نئی دنیا...... جو قدیم سے یکسر مختلف ہو۔ جہاں سائنس کی حکومت ہو۔ ایسی دنیا جسے لوگ اپنے مذہبی جنون، سیاسی

https://www.urdutubes.com/

بالادستی اور وسائل پر اقتدار کی خواہش میں کبھی تباہ نہ کر سکیں۔ ایسی دنیا جو انسان کو ترقی کی انتہا پر لے جائے۔ ایسی دنیا جو انسان کے وجود کو محفوظ کر دے۔

اس پروجیکٹ کے کئی مقاصد تھے جن میں سے سب سے بڑا مقصد ''موت کا خاتمہ'' تھا اور باقی ذیلی مقاصد اسی سے جڑے تھے۔ موت جو تمام تر ترقی کے باوجود انسانی وجود سے جڑی ہوئی تھی۔ انسان ہزارہا کوششوں کے باوجود ابدی حیات پانے سے یکسر قاصر تھا۔ اب تک کی ترقی نے انسان کو سب کچھ دیا مگر ابدی زندگی نہیں دے سکی۔ اور اب جدید دور کی بنیاد اسی ابدی حیات پر رکھنے والی تھی۔

بالآخر 13 جون 2165 کو دنیا میں انقلاب آیا۔ جب انسان نے موت پر فتح پا لی۔ اب حیات ابدی تھی۔ انسان سو بار مر کر بھی زندہ رہتا۔ اب نسل انسانی کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

اور یہیں سے جدید دور کا آغاز ہوا جس میں موت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ جینیٹک انجینئرنگ اپنی انتہا پر تھی۔ تمام تر امراض سے پاک کلون تیار کیے گئے۔ انسان کی ذہانت اور دیگر صلاحیتوں کو تیز تر کیا گیا۔ تمام منفی اثرات جیسے کہ مذہبی لگاؤ، نفرت، تفرقہ اور اقتدار کی چاہ جیسے جذبات کو برسوں کے تجربات سے ختم کر دیا گیا۔ بالآخر ایک ماڈل کلون تیار کر [illegible] اسی کی [illegible] کی تیاری کا [illegible] میں ہر [illegible] طرز پر دیگر کلون [illegible] اسے نئی [illegible] انسان کے کئی کلون موجود تھے جو حسب ضرورت اسے نئی زندگی دینے کو تیار رہتے۔ ضرورت صرف دماغ کو محفوظ رکھنے کی تھی۔ ایسا دماغ جو سابقہ سوچ اور خیالات کے ساتھ نیا جسم لے سکے۔ جسم مر جائے تباہ ہو جائے مگر دماغ زندہ رہے۔ جہاں سے زندگی کی ڈور ٹوٹے نئے جسم میں سلسلہ وہیں سے جڑ جائے۔

یہ یقیناً بے حد مشکل کام تھا مگر ناممکن ہرگز نہیں تھا۔ آخرکار بہت سی کوششوں کے بعد ایک ایسا پروٹیکشن کور تیار کیا جو انسانی دماغ کو تمام تر حادثات سے محفوظ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ انسان کسی حادثے کا شکار ہو کر چیتھڑوں میں بھی بٹ جاتا تو بھی اس کا دماغ محفوظ رہتا۔ تمام تر ذہانت اور یادداشتوں کے ساتھ جو اس کے نئے جسم میں منتقل کر دیا جاتا۔

کسی بھی حادثے کی صورت میں پروٹیکشن کور دماغ کو لاک کر کے فوراً بند کر دیتا۔ حادثے کا شکار ہونے والے شخص کے لیے یہ ایسا ہی تھا جیسے کسی تکلیف کے بغیر اچانک سے بے ہوش ہو جانا۔ اس دوران جسم کے چیتھڑے بھی اڑ جاتے تو کسی تکلیف کا احساس دماغ کو نہ ہو پاتا۔ اور جب لیب میں اسے نئے کلون میں منتقل کر کے اسے ان لاک کیا جاتا تو دماغ وہیں سے دوبارہ فعال حالت میں آجاتا۔ جیسے کسی نیند سے جاگنے کے بعد ہوتا ہے۔

اب اگلے پڑاؤ کا آغاز ہوا۔ سائنسدانوں کے سامنے یہ سوال تھا کہ کیا سب انسانوں کو پروٹیکشن کور دیا جائے۔ کیا سب کے کلون تیار کیے جائیں۔ مگر اس کا فائدہ کیا ہوگا۔ اتنی بڑی آبادی کو کنٹرول کرنا، ان کی خوراک کی ضروریات پوری کرنا اور انہیں کارآمد بنانا آسان نہ تھا۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر شعبے کے ماہر افراد ہی کو یہ سہولت دی جائے۔ صرف وہی افراد جدید دنیا کے شہری بن سکیں گے جو اس جدید دنیا کی ترقی میں حصہ لے سکیں۔ باقی بیکار انسانوں کو مار دیا جائے۔ بظاہر یہ سفاکانہ تھا مگر یہی ضروری تھا۔ خوراک کی کمی جلد یا بدیر انہیں مارنے ہی والی تھی اور ان کو ابدی حیات دینا بیکار تھا چنانچہ انہیں مخصوص خوراک کے پیکٹ پہنچا کر خاموشی سے ختم کر دیا گیا۔ بچے ہوئے افراد نہ تو احتجاج کرنے کی پوزیشن میں تھے، نہ ہی جدید دنیا کا باسی بننے سے انکار کر سکتے تھے۔ تمام کارآمد انسانوں کو پروٹیکشن کور دیے گئے۔ ان کو برائیوں اور بیماریوں سے پاک کلون اجسام عطا کیے گئے اور یوں جدید دنیا کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

جدید دنیا جو صدیوں سے قائم ہے۔ اس پر اب سائنس دانوں کی حکومت ہے۔ پروجیکٹ ریولوشن کے تحت ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس دور میں کسی مذہبی بالادستی یا سیاسی حکمرانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سائنس داں اب دنیا کو اپنی منشا سے چلا رہے ہیں۔ مشینوں کی بہتات ہے۔ مشین انسانوں کی رہنما ہیں، معاون ہیں، دوست ہیں حتیٰ کہ سب کچھ ہیں۔ مخصوص انسان اپنے کلون کے ساتھ ابدی حیات جی رہے ہیں۔ ضرورت کے مطابق نئے انسان پیدا کیے جاتے ہیں مگر اس کے لیے بھی انسانی کوکھ درکار نہیں ہے۔ افزائش کا تمام عمل لیبارٹری میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ پیدائش سے قبل ہی جنیاتی تبدیلیاں کر کے حسب منشا انسان حاصل کر لیا جاتا ہے۔ اب تمام انسان زندہ ہیں۔

بظاہر کچھ بھی غلط نہیں ہے۔ ایک مثالی دنیا قائم ہو گئی ہے جہاں سب کچھ ٹھیک ہے مگر پھر بھی سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

میں اور مجھ جیسے کچھ لوگوں نے سوچنا شروع کر دیا ہے۔ اور ہماری سوچ قدامت پسندوں کی سوچ ہے۔ ہمیں

Digitized by Google

ماضی اچھا لگنے لگا ہے۔ ہمیں ماضی سے جُڑی چیزیں اچھی لگتی ہیں۔ ابدی حیات سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی ہے اور ریولوشن ہمیں یومِ سیاہ محسوس ہوتا ہے۔ ایسا سیاہ دن جس نے ہماری زندگی کی ساری روشنی کو تاریکی میں بدل دیا اور اب ہم اس تاریکی سے نکل نہیں پا رہے ہیں۔

ہم جیسوں کے لیے ریولوشن پروجیکٹ دراصل اس بُرے دور کا آغاز تھا جس نے مشینوں کی بہتات میں انسان کو بھی ایک رُوبوٹ بنا دیا۔ ایسا روبوٹ جو مر نہیں سکتا...... ایسی مشین جو کتنی بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے مگر اسے پھر سے بنا لیا جاتا ہے۔ میں اور مجھ جیسے قدامت پسند اب اس طویل زندگی سے تھکنے لگے تھے ہمیں سکون چاہیے تھا وہ سکون جو ہمیں اس جدید دنیا میں میسر نہیں تھا، وہ سکون جس کے لیے اب ہم چاہتے تھے کہ موت کے قانون کو لاگو کر دیا جائے اور اسی ضمن میں ہم نے ریولوشن ڈے کو یومِ سیاہ کے طور پر منانا شروع کیا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہم اور ہمارے جیسے لوگ جواب جینا نہیں چاہتے، انہیں مرنے کا حق دیا جائے مگر اب سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا جنہوں نے یہ دنیا تیار کی تھی انہوں نے ہر انسان کو اس کی خصوصیات ذہانت اور قابلیت کی بنیاد پر مختلف عہدوں میں بانٹا تھا جن کے ذمّے مختلف کام تھے جو انہوں نے کرنے تھے۔ ہمیشہ کرنے تھے۔ چنانچہ اگر ان کو مار دیا جاتا تو سوال یہ پیدا ہوتا کہ وہ ان کے نہ ہونے سے پیدا ہونے والے خلا کو کیسے پُر کیا جائے۔ مگر ہم قدامت پسندوں کو جدید دنیا کی اس ضرورت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ ہم ان سب ضرورتوں سے بے نیاز ہو کر اس دنیا سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے کب سے جدوجہد کر رہے تھے۔ ہمیں بہت ساری مصیبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا مگر اس مسلسل جدوجہد کا ہی نتیجہ تھا کہ آج کونسل کی میٹنگ میں مباحثہ رکھا گیا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ ہمیں عالمی سطح پر اپنی آواز اٹھانے کا موقع ملا تھا۔ ہمارے مسئلے کو سمجھا گیا تھا اور ہمیں اپنی بات کہنے کا موقع ملا تھا۔ تھامسن کا کہنا تھا کہ یہ محض پہلا قدم ہے۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے ابھی تو اس جدوجہد کا آغاز ہے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ کسی بھی بڑے مقصد کی شروعات ہمیشہ معمولی چیزوں سے ہوتی ہے۔

☆☆☆

''یہ تصور ہی کتنا بھیانک ہے کہ دنیا کی آبادی گیارہ ارب تھی۔ ذرا سوچو جی ایٹ تھری سکس۔''

ایل کے ون فائیو نے دائیں طرف رخ موڑ کر طنزیہ لہجے میں تھامسن کو مخاطب کیا۔

کونسل کی میٹنگ تھی اور تھامسن ہماری قدامت پسند تنظیم کے صدر کی حیثیت سے مباحثے میں شریک تھا۔ کونسل کی صدارت ایل کے ون فائیو کر رہا تھا۔ جو کونسل کا جنرل سیکریٹری ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پُرجوش مقرر بھی تھا اور آج اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ ہمیں غلط ثابت کر سکے۔

ہولوگرافکی کسی مقام پر پہنچنا ایسے ہی ہے جیسے آپ حقیقتاً وہاں موجود ہوں۔ یہ ان ہولوگرافک اجسام کے لیے بھی ایسا ہی تھا جیسے یہ کونسل کی میٹنگ ان کے گھروں میں منعقد ہو رہی ہو۔

''لوگ مر رہے تھے بھوک سے بیماریوں سے جنگوں سے مگر آبادی پھر بھی بڑھ رہی تھی۔ کتنی عجیب بات ہے نا۔'' اس نے مجمع سے مخاطب ہو کر کہا۔ ہولوگرافک اجسام کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''یہ سب شاید ایسے ہی جاری رہتا۔ شاید ساری دنیا ختم ہو جاتی یا شاید آبادی گیارہ سو ارب تک پہنچ جاتی اگر 13 جون 2165 کا وہ شاندار دن نہ طلوع ہوتا۔ جس نے انسانی تاریخ کی کایا پلٹ دی۔ جدید انسان اسے ریولوشن ڈے کے نام سے یاد کرتے ہیں مگر کچھ قدامت پسند لوگ اسے یومِ سیاہ کے طور پر منا رہے ہیں۔'' کہتے ہوئے اعلیٰ کے [illegible]

''کتنا افسوسناک ہے یہ سب۔ سائنس کی اتنی بڑی ایجاد کے دن کو یومِ سیاہ کہنا۔''

''کیا نہیں ہے۔'' اس نے ہجوم سے مخاطب ہو کر کہا جواباً ہولوگرافک اجسام کا ایک شور بلند ہوا۔

''جدید انسان بھی آج تک شور مچانے سے باز نہیں آسکا۔'' میرا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''چلو کچھ تو مشترک ہے ہم میں اور ان میں۔'' لورین نے قہقہہ لگایا جس پر میرا منہ بن گیا۔

ان سے مماثلت کا کوئی بھی پہلو میرے لیے باعث خوشی نہیں تھا۔

''لوگ مذاہب، وسائل اور اقتدار کی جنگ میں الجھے تھے... اور سب ہی کا حصول تھا... ابدی اور دائمی زندگی۔ جس کی ترغیب دے کر مذہبی رہنماؤں نے انتشار پھیلایا۔ وہ ایک خواب دکھا کر لوگوں کو موت کی طرف دھکیل رہے تھے اور پروجیکٹ ریولوشن نے اس خواب کو حقیقت کر دیا۔ ذرا سوچیں قدیم زمانے میں انسان کی حالتِ زار اور جدید دور کے انسان کا معیارِ زندگی۔''

ایل کے ون فائیو بولتا جا رہا تھا اور میں نے اکتا کر اپنی توجہ دوسری چیزوں کی جانب مرکوز کی۔

سالوں سے یہ سب سن کر میں اکتا چکی تھی کہ پروجیکٹ ریولوشن نے کیا کچھ کیا۔ درحقیقت یہ بھی اقتدار کی ہی ایک قسم تھی مگر سائنس داں ایسا ماننے کو تیار نہیں تھے۔ وہ بار بار ہمیں یہ بتاتے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا نسلِ انسانی کی بقا اور فلاح کے لیے کیا مگر ہمیں اب ان باتوں پر یقین نہیں تھا۔

ایل کے ون فائیو اپنی تقریر مکمل کر چکا تھا۔ اب تھامسن کو اپنے دلائل دینے تھے۔ میں نے ایک بڑی سی جمائی لے کر خود پر سوار کوفت کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ آنکھوں کو رگڑ کے آتی ہوئی نیند کو بھگایا اور کانوں کو تھامسن کے الفاظ پر مرکوز کیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''بظاہر ریولوشن پروجیکٹ بہت خوشنما ہے۔ بھوک افلاس سے بے نیاز لامحدود زندگی۔ مگر یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کے بدترین اثرات کیا مرتب ہوئے۔ اس ترقی نے انسان سے اس کی فطری چیزیں چھین لیں۔ انسان محض ایک روبوٹ بن کر رہ گیا۔ پروجیکٹ ریولوشن نے اس کائنات کے فطری عمل سے چھیڑ چھاڑ کی جس کی وجہ سے [illegible] اپنی [illegible] سورج [illegible] قابل ہے [illegible] زمین کو مصنوعی کر دیا۔ انسان کو [illegible] کی روشنی چھین لی۔ ساری [illegible] بارش جیسی رحمت سے محروم کر دیا۔ انسان آسمان دیکھنے کو ترس گیا۔ وہ وقت جب زمین پر قدرتی نباتات تھیں، یہ اس کائنات کا سب سے خوش رنگ سیارہ تھا مگر قدرت کے عمل سے نبرد آزما ہو کر انسان نے اسے ایک بے رنگ سیارہ بنا دیا۔ ایسا سیارہ جہاں سب کچھ مصنوعی ہے۔ حتیٰ کہ انسان بھی۔ انسان اب ایک مشین بن چکا ہے۔ اس کے سوچنے کی صلاحیت محدود ہو گئی ہے۔ وہ صرف ایک مخصوص شعبے میں ہر وقت مصروف ہے۔ اس کی جمالیاتی حس ختم ہو گئی ہے۔ آرٹ اور فن ناپید ہو گیا ہے۔ انسان جنسی تسکین تک کے لیے مشینوں کا محتاج ہو گیا ہے۔ اس پروجیکٹ کی تکمیل کے لیے کروڑوں انسانوں کو مارا گیا۔ اگر ہم قدیم دور کے ظلم و ستم کی بات کرتے ہیں تو ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ جدید دور کی بنیاد بھی قتل و غارت پر رکھی ہے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ قدیم دور اقتدار کی ہوس میں انسانوں پر قابض تھا تو جدید دور بھی اس سے مختلف نہیں۔ سائنسدان حکمران ہیں اور ہم ان کے غلام۔ حتیٰ کہ ہمارا اپنی زندگی پر بھی کوئی اختیار نہیں۔ ہم چاہ کر بھی اس نظام سے نکل نہیں سکتے۔ یہ سب ہم نے اپنی مرضی سے نہیں چنا نہ ہی ہمیں چننے کا اختیار دیا گیا مگر پھر بھی ہم اس کا حصہ ہیں۔ کیا یہ غلامی کی بدترین مثال نہیں؟''

تھامسن بولتا جا رہا تھا اور ہم سب تالیوں سے اس کے موقف کی بھرپور تائید کر رہے تھے

''ہم اس ابدی زندگی سے اکتا چکے ہیں۔ ہمارے لیے یہ ایک قید کے مانند ہے۔ ہمیں اس مشینی دنیا سے گھٹن ہوتی ہے

ہمیں اس سے نجات چاہیے۔ ہمارا بس اتنا مطالبہ ہے کہ ہمارے دماغوں کو پروٹیکشن کور سے نجات دی جائے۔ ہماری جگہ نئے انسان بنا لیے جائیں جو ہماری کمی کو پورا کر دیں۔ ایسے لوگ جو اس نظام سے مطمئن ہوں جو اس عظیم دن کو یومِ سیاہ نہ کہیں۔''

تھامسن نے اپنے مطالبے کے ساتھ اپنی تقریر کا اختتام کر دیا۔ ججز نے دونوں کے موقف کا احاطہ کرتے ہوئے چھوٹی سی تقریر کی جس کا لبِ لباب یہ تھا کہ ہم یومِ سیاہ کی آڑ میں عوام میں انتشار اور مایوسی پھیلا رہے ہیں۔ ہم جیسے شرپسندوں کے مطالبات مان لیے جائیں تو اگلے دنوں میں مزید افراد اس بیماری میں مبتلا ہو کر موت کا مطالبہ کریں گے۔ اگر سب کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے سب کو مار دیا جائے تو ہماری اس دنیا میں کیا بچے گا۔ کیا اس دن کے لیے یہ دنیا بنائی گئی تھی۔ اس نے اس بات پر خصوصی زور دیا کہ ہم اپنے دیوانے پن میں اس دنیا کے اختتام کے لیے کوشاں ہیں اور نسلِ انسانی کے وجود کو مٹانا چاہتے ہیں اور ہماری ایسی خواہش بذاتِ خود مشینی حکومت کی طرف ایک قدم ہے۔ مختصر الفاظ میں ہماری توقع کے عین مطابق ہماری تجاویز رد کر دی گئیں۔

ہم سب بددلی سے اپنی نشست گاہ سے اٹھنے لگے۔

''تھامسن کیا ہماری تحریک کبھی سرخ رو نہیں ہو سکے گی۔''

میں نے ہال سے باہر نکلتے تھامسن سے پوچھا۔ میرے لہجے میں تھکن نمایاں تھی۔ یہ حقیقت تھی میں بہت تھکن محسوس کر رہی تھی۔

''ضرور ہو گی میری۔ تم یقین رکھو۔'' تھامسن نے شاید میرے چہرے کی تھکن پڑھ لی تھی۔ نہ بھی پڑھتا تو بھی اس کا جواب یہی ہوتا۔

وہ ہمیں کبھی بھی مایوس نہیں ہونے دیتا تھا۔ سچ تو یہی تھا کہ ہم سب کو جوڑ کر رکھنے اور اس تحریک کا سرگرم رکن

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

بنانے کا سہرا تھامسن کے سر تھا۔ وہ ہمیں ہر مایوس لمحے میں امید کا درس دیتا۔

کونسل کی میٹنگ کے بعد ہم سب ممبرز کا کچھ وقت ساتھ گزارنے کا پروگرام تھا۔ مگر اب میرا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں گھر جا کر کچھ دیر تاریکی میں بیٹھنا چاہتی تھی۔

ایسا صرف میرے ساتھ ہی نہیں تھا۔ سب کے ہی چہرے اُترے ہوئے تھے۔ مگر سب نارمل نظر آنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ میں نے ایک نظر سب کی طرف دیکھنا اور جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس وقت ہم سب جس حالت میں تھے ایسے میں میرا جانا ان کے دل اور بُرے کر سکتا تھا۔ لہٰذا میں خود پر جبر کر کے ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ احساسات کا خیال کرنا میں نے قدامت پسند تحریک سے جڑ کر سیکھا تھا۔ یہ قدیم دنیا کا جذبہ تھا جو جدید انسان میں ناپید تھا۔

ہم نے شہر کے گرد ایک چکر لگایا۔ اپنے پیروں کو فلائنگ شوز (ایسے تیز رفتار جوتے جن سے بے حد تیز رفتار کے ساتھ چلا یا اڑا جا سکتا تھا) کی قید سے آزاد کیا اور ننگے پیر کافی دور تک چہل قدمی کی۔ زمین سے پیروں کو ہم آہنگ کر کے چلتے ہوئے سکون کا احساس ہوا۔ طبیعت کی بیزاری کسی حد تک کم ہوئی۔ مشین سے نجات پانا ہی کتنا خوش کن احساس ہے۔ میں نے سوچا۔

☆☆☆

ہم سب ٹاؤن ہال میں موجود تھے۔ آج میں بہت عرصے بعد خوش دلی سے تیار ہوئی تھی۔ میرا تو غضب ڈھا رہی تھی۔ اس نے سر پر جنگلی پھولوں کی مالا پہنی تھی جس نے اس کے بالوں کو ایک انفرادی انداز دیا تھا اور وہ اس پر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان پھولوں کی تلاش اور تیاری میں اس نے کیا کیا جتن کیے ہوں گے۔ رابرٹ کسی قدیم مبلغ کا روپ دھارے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی کا ٹکڑا تھا جسے بہت قریب سے دیکھنے پر ہی پتا چلتا کہ وہ اصل میں دھات ہے۔ اس نے بتایا کہ قدیم زمانے میں ایسے ٹکڑے کو عصا کہتے تھے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس دن کے لیے میں بھی کوئی انفرادی روپ اختیار کروں مگر مجھے باوجود تلاش کے ایسا کچھ نہ مل سکا جو مجھے قدیم دور سے مماثل کر سکتا۔ سب نے ہی اپنے طور پر قدیم اور منفرد نظر آنے کی کوشش کی تھی مگر کوئی کوئی ہی اس میں کامیاب ہو پایا تھا۔ میں نے تھامسن کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ آخرکار وہ ایک جانب لوئیس کے ساتھ بات کرتا نظر آ گیا۔ ایسی کسی بھی تقریب میں میری پہلی کوشش ہوتی کہ میری تھامسن پر نظر پڑ جائے۔ اسے دیکھ کر مجھے مضبوطی کا احساس ہوتا اور میرا حوصلہ بڑھ جاتا۔ وہ ہمیشہ کی طرح سادہ حلیے میں تھا۔ مسکراہٹ چہرے پر سجائے دھیمے اور پُرامید لہجے میں بولتا ہوا۔ کبھی کبھی مجھے تھامسن کے ایک قدیم روح ہونے کا احساس ہوتا۔ جو غلطی سے اس دنیا میں بھٹک کر آ گئی تھی۔ اور اب اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اس دنیا سے نکال کر لے جانا چاہتی ہو۔ کسی نجات دہندہ کی روح......

کونسل ہال کی میٹنگ کے بعد ہم نے اپنی تحریک کو عوام تک بھرپور انداز میں پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ حکمرانوں کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہاں ہماری بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا جا رہا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ ہم زیادہ لوگوں تک اپنا پیغام پہنچا کر اپنی قوت بڑھائیں۔ جتنے زیادہ لوگ اس تحریک سے جڑتے اتنا ہی حکومت کے لیے ہمارے مطالبات سے نظریں چرانا مشکل ہو جاتا۔

اس ضمن میں تھامسن نے قدیم دور کی یاد تازہ کرنے کے لیے ایک نمائش کے اہتمام کا پروگرام بنایا۔ میرا کے ذمے قدیم مذاہب کا تعارف اور ان سے متعلقہ دریافت ہوئے مواد کی نمائش تھی۔ رابرٹ قدیم زمانے کے رہن سہن اور ان کی عادات و اطوار پر [illegible] پرانی تہذیبوں اور [illegible] پر بنائی ہوئی [illegible] اینی میشن فلم دکھانے والی تھی۔ جیری قدیم دور کی تاریخ کے مختلف پہلو اجاگر کرنے والا تھا اور میں نے قدیم دور کے جانوروں اور نباتات پر مواد اکٹھا کیا تھا۔ باقی ممبران کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ افراد کو نمائش دیکھنے پر راغب کریں۔

ہم سب کے پروگرام ترتیب سے رکھے گئے تھے تاکہ لوگ ہر ایک کے تیار کردہ مواد کو دیکھ سکیں۔ سب سے پہلے میرا قدیم مذاہب کے بارے میں تفصیلات بتا رہی تھی۔

قدیم دنیا کی ابتدا سے ہی مذاہب کا سراغ ملتا ہے۔ قدیم لوگوں کا ماننا تھا کہ صرف ایک انسان اربوں کی پیدائش کا ذریعہ بنا۔ مذاہب دراصل لوگوں کو ایک خاص طرزِ فکر اور طرزِ عمل کی طرف راغب کرتے تھے اور بدلے میں ابدی یا نئی زندگی کا تصور دیتے تھے۔ قدیم لوگوں کا ماننا تھا کہ انسان بہت محدود مدت کے لیے اس سیارے پر بھیجا گیا ہے۔ اس کے بعد کسی اور سیارے پر وہ لامحدود زندگی جی سکے گا۔ قدیم دنیا میں موت تھی۔ انسان فانی تھا۔ ایک مخصوص مدت کے بعد اسے مرجانا تھا۔ مگر بعد از موت زندگی

کے تصور نے اسے خوب صورت بھی بنا دیا تھا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ مذاہب کی تقسیم نے انتشار پھیلا دیا۔

میرا کا بتانے کا انداز دلکش تھا اور لوگ بھی انہماک سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ وہ تمام مذاہب اور ان سے جڑی چیزوں کا جائزہ لے چکی تو شرکا کو سوال جواب کرنے کا کہا گیا۔

”مذاہب ابدی یا نئی زندگی کا تصور کس طرح دے رہے تھے۔ کیا انہوں نے جدید دنیا کی پیش گوئی کر دی تھی۔“ ایک شخص نے سوال کیا۔

”شاید کر دی تھی یا شاید نہیں کی تھی۔ عیسائیت اور اسلام بعد از موت، ابدی حیات کا تصور دیتے تھے جہاں موت نہیں ہوگی۔ لوگ ہمیشہ جوان رہیں گے۔ انہیں کوئی مشقت اور کام نہیں کرنا ہوگا۔ اسی طرح ہندومت میں دوسری زندگی اور کئی زندگیوں کا تصور ملتا ہے۔ مگر یہ سب مذہبی شرائط پوری کرنے کی صورت میں مل سکتا تھا۔“ میرا نے تسلی بخش جواب دیا۔

”اگر مذاہب کا ابدی اور نئی زندگی کا تصور دلکش تھا اور لوگوں کے لیے اتنا اطمینان بخش تھا تو جدید دنیا بھی اس کی ہی ایک مثال ہے اور شاید یہ وہی دنیا ہے جس کا تصور دیا گیا تو اب قدامت پسند اس سے منحرف کیوں ہیں؟“ کسی [illegible] مجھے [illegible] شاید [illegible] ساری محنت پر پانی پھیرنے والا ہے کیونکہ اس بات کا جواب دینا بے حد مشکل تھا کہ اگر قدیم لوگ ایسی ابدی دنیا کی خواہش کرتے تھے تو ہم اس ابدی دنیا میں بے سکون کیوں ہیں مگر میرا ہنوز مسکرا رہی تھی۔

”اس کی وجہ بہت صاف ہے۔ یہ دنیا مصنوعی ہے جو فطرت سے چھیڑ چھاڑ سے وجود میں آئی۔ یہ قدرتی عمل سے تخلیق نہیں ہوئی بلکہ اسے انسانوں نے خود بنایا۔ مذاہب میں جس خدا کا تصور ملتا ہے وہ اس ابدی دنیا کا اکلوتا حکمران تھا۔ ایسا حکمران جس کی رسائی سوچ تک بھی تھی اور اس کو بدل دینے کا اختیار بھی رکھتا تھا۔ مگر ہماری جدید دنیا میں بہت سے سائنس داں حکمران ہیں۔ یہ ایک شخص کی حکومت کے مقابلے میں ایک گروپ کی حکومت ہے۔ قدیم دور کی ابدی دنیا کا حکمران انسان نہیں تھا۔ وہ انسانوں سے جدا کسی طاقت کی بات کرتے ہیں۔ جبکہ ہماری جدید دنیا میں حکمران ہم جیسے انسان ہی ہیں۔ اپنے جیسوں کی حاکمیت کا تصور بذاتِ خود بے سکونی ہے۔“

میرا بہت کامیابی سے اپنے موقف کا دفاع کر رہی تھی۔ میں نے کونے میں کھڑے تھامسن کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ میرا کے دلائل پر خوش ہے یا رسمی طور پر مسکرا رہا ہے۔

”میرا بہت اچھا دفاع کر رہی ہے۔ ہے نا تھامسن۔“ میں نے اس سے تائید چاہی۔

”ہاں۔“ تھامسن نے مختصر جواب دیا اور پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا۔

”اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا نے جدید دنیا سے اپنے تنفر کا سبب جان لیا ہے۔ اس نے مذہب اور اس کی ضرورت کو سمجھ لیا ہے۔ جو جدید دنیا میں ناپید ہے۔ وہ اس وقت قدیم دنیا کی باسی بن کر اپنی دنیا کا دفاع کر رہی ہے۔“

میں پوری توجہ سے اس کی بات سُن رہی تھی تاہم میری نظریں اب تک میرا پر ہی مرکوز تھیں۔

”کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ تمہیں جدید دنیا سے رغبت کیوں نہیں ہے؟“ تھامسن کے ان الفاظ نے میری نگاہوں کا ارتکاز توڑا اور میں اس کی طرف تقریباً گھوم گئی۔

”کیا تم نے کبھی اس پر سوچا ہے؟“ اس نے پھر پوچھا۔

اور میں سوچ میں پڑ گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں تھا۔ مجھے اپنی بے سکونی اور ابدی حیات سے تنفر کا اب تک مکمل جواز نہیں ملا تھا۔ شاید مجھے مشینیں پسند نہیں تھیں مگر یہ ہمیشہ سے نہیں تھا۔ میں نے تحریک سے جڑ کر جانا کہ مشینوں نے ہم انسانوں کی جگہ لی ہے۔ اس لیے ان کا بہتات سے ہونا بُرا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اس تحریک کو جاننے اور سمجھنے سے پہلے اپنی دنیا سے تنفر کے احساس کو کبھی محسوس ہی نہ کر پائی تھی۔ شاید مجھے کہیں نہ کہیں کچھ غلط ہونے کا احساس ہوتا تھا مگر میں ان محسوسات کو نام نہیں دے پائی تھی۔ حیاتیاتی ارتقا میرے لیے صرف ایک موضوع تھا۔ اس کو جاننا سمجھنا پرکھنا میرا کام تھا اور وہ میں بخوبی کر رہی تھی مگر میں نے اس کی وجوہات پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میں نے اس سے پہلے کبھی نباتات کی اہمیت تک کو نہیں سمجھا تھا۔ کبھی قدیم دور کے جانوروں اور ان کی ناپید ہوتی اقسام پر دکھ محسوس نہیں کیا تھا۔ مگر اس سب کے باوجود کچھ تھا جو مجھے بے چین رکھتا تھا۔

تھامسن نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور میں سوچ رہی تھی مگر جواب نہیں ملا تھا۔

میرا نے بہت کامیابی سے اپنے حصے کا کام کیا۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

لوگوں نے قدیم مذاہب میں دلچسپی دکھائی مگر مجھے پھر بھی ایسے لگ رہا تھا جیسے کہ وہ ساری دلچسپی کسی فکشن فلم کے کرداروں کے لیے ہو۔ جس کا پتا ہو کہ یہ حقیقی نہیں ہیں اور دل بہلا رہے ہوں۔

اگلی باری رابرٹ کی تھی۔ وہ قدیم دور کے رہن سہن اور اطوار کے بارے میں بتانے لگا۔

قدیم دنیا میں افزائشِ نسل کا ذریعہ انسان ہی تھے۔ اگرچہ ڈی این اے کی دریافت اور جینیٹک انجینئرنگ کے آغاز کا سہرا قدیم دور کے ہی سر جاتا ہے مگر انہوں نے اس کا عمل دخل اپنی زندگیوں میں بہت محدود رکھا۔ قدیم دور میں انسان خاندان کی شکل میں زندگی گزارنے کا قائل تھا۔ یہ سسٹم افزائشِ نسل سے شروع ہوا اور اسی سے منسلک رہا۔ انسان کی پہچان اس کے نام حسب نسب اور رشتوں سے کی جاتی رہی۔ مشترکہ خاندانی نظام میں ایک فرد کا دوسرے سے تعلق بے حد مضبوط تھا۔ انسان رشتوں سے جڑا تھا۔ رشتوں کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔ افراد اپنی ضرورتوں اور خوشیوں کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتے تھے۔ وہ جدید دور کے انسان کی طرح تنہائی کا شکار نہیں تھا۔ اپنی نسل بڑھانے کی خواہش فطری تھی جو خاندانی نظام کو اور بھی مضبوط کرتی تھی۔

رابرٹ خاندانی نظام کی خصوصیات بتا رہا تھا اور مجھے اچانک سے احساس ہوا کہ یہ وہ بنیادی وجہ تھی جس نے اس ابدی زندگی کو میرے لیے بے معنی کر دیا تھا۔ ہماری دنیا میں رشتے نہیں تھے۔ افزائش نہیں تھی۔ انسانوں کا جیسا ربط نہیں تھا جس کی مجھے ضرورت تھی۔ مجھے اس لمحے اپنی سب سے بڑی خواہش کا ادراک ہوا۔ مجھے ایک خاندانی نظام کی خواہش تھی۔ افزائشِ نسل کی خواہش تھی۔ مجھے اس سب کے لیے ایک انسانی ساتھی کی خواہش تھی۔ درحقیقت مجھے انسان سے ربط اور محبت کی خواہش تھی۔ اگر جدید دنیا میں بھی مجھے قدیم دنیا جیسا خاندانی نظام ملتا تو شاید میں آج اس تحریک کی ممبر بن کر یہاں نہ کھڑی ہوتی۔

اس لمحے مجھے شدید کمی اور بہت کچھ کھو دینے کا احساس ہوا۔ مگر نہیں شاید یہ کہنا غلط ہوگا۔ مجھے تو یہ سب کبھی ملا ہی نہیں تھا تو کھونے کا احساس کیسے ہوتا۔ مجھے درحقیقت محرومی کا احساس ہو رہا تھا۔

مجھ پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ یہ اچھی علامت نہیں تھی۔ میں نے رابرٹ کی باتوں سے دھیان ہٹانے کے لیے اپنے سیشن کے نکات دیکھنے شروع کر دیے۔ اور خود کو مزید سوچنے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

نمائش کے نتائج اتنے حوصلہ افزا نہیں تھے۔ اگرچہ لوگوں کی اچھی تعداد نے شرکت کی اور ایک بڑی تعداد نے اس کی ہولوگرافک ویڈیو بھی دیکھی مگر سب کچھ وقتی ثابت ہوا۔ کئی دن گزر جانے کے بعد بھی ایک بھی انسان اس تحریک کا ممبر نہیں بنا۔ ہم سب ہی مایوس تھے مگر کوئی بھی اس پر بات نہیں کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ ہم ایک دوسرے سے رابطہ کرنے سے بھی گریز کر رہے تھے۔ شاید یہ ایک بیکار کوشش تھی مسئلے سے نظریں چرانے کی مگر ہم سب یہی کر رہے تھے۔

معلوم نہیں یہ سب کتنے دن تک اور ایسے ہی رہتا مگر اس دوران تھامسن کا ای پیغام آگیا۔ اس نے ہم سب کو اپنے گھر بلایا تھا۔ یہ ایسا عجیب نہیں تھا۔ ہم اکثر میٹنگ کے لیے اس کی رہائش گاہ پر چلے جاتے تھے۔ مگر اس بار کسی ایجنڈا کے بغیر بلایا گیا تھا یہ عجیب بات تھی۔ تھامسن بغیر وجہ کے اپنے گھر کبھی نہیں بلاتا تھا۔

مقررہ وقت پر ہم سب اس کی رہائش گاہ پر جمع ہو گئے۔ ہم میں سے اکثر ہولوگرافک اجسام کے ساتھ شریک ہوئے تھے حتیٰ کہ میں بھی۔ کئی دن سے طاری مایوسی نے سب کے اعصاب پر برا اثر ڈالا تھا۔ ہم حقیقت [illegible] لانے پر آمادہ نہیں [illegible] تھامسن ہماری حالت کو سمجھ رہا تھا اس لیے اس نے فوراً میٹنگ کا آغاز کر دیا۔

''مجھے یقین ہے کہ تم سب کے ذہنوں میں یہ بات ہو گی کہ آج کی میٹنگ کا ایجنڈا کیا ہے۔ دراصل آج کوئی ایجنڈا نہیں ہے مگر آج تم سب لوگوں کو مجھے کچھ بتانا ہے۔''

ہم سب تھامسن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میں جانتا ہوں کہ نمائش کے نتائج نے تم سب پر برا اثر ڈالا ہے۔ یہ ایسی بُری بات بھی نہیں ہے۔ قدیم دور میں بھی انسان بہت جلد مایوس ہو جاتا تھا جیسا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ مایوسی سے ہی امید جنم لیتی ہے۔''

''اس مایوسی میں کون سی امید ہے تھامسن۔'' میں نے اپنی بیزاری پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں اسی طرف آرہا ہوں میری۔'' تھامسن کے چہرے پر وہی ازلی مسکراہٹ تھی۔

''ہمارا مشن درحقیقت دو حصوں میں جاری ہے۔ ایک حصہ وہ جس کے آپ سب ممبر ہیں جبکہ دوسرا حصہ وہ ہے جس پر میں اکیلے ہی کام کرتا رہا ہوں۔

''پہلے حصے میں ہم نے بہت کامیابی سے کونسل میٹنگ تک اپنی تجاویزات پہنچائی۔ ہم نے حکمرانوں کو اپنی مشکلات سے آگاہ کیا اور ان کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ ہمیں مرنے کا حق دیا جائے۔ پھر ہم نے قدیم دور کی یاد تازہ کرنے کے لیے نمائش کا اہتمام کیا۔ ہم نے عوام کو اس دور کی خوبیوں سے روشناس کرایا۔ انہیں بتایا کہ جدید دور میں کیا کمی تھی۔ اس حصے پر ہم سب نے مل کر محنت کی اور ہمیں کافی کامیابی بھی ملی۔''

''کیا یہ کامیابی تھی؟'' میں نے تھامسن کو گھورتے ہوئے سوچا۔

''کامیابی صرف یہ نہیں ہے کہ ہماری بات مان لی جاتی۔ کامیابی یہ بھی ہے کہ لوگوں کو ہمارے مسئلے کا پتا چلا۔'' تھامسن نے شاید میرے دل کی بات پڑھ لی تھی۔ ''ان تک ہماری بات پہنچ گئی ہے۔ وہ شعوری یا لاشعوری طور پر اس پر ضرور سوچیں گے۔'' تھامسن نے بات جاری رکھی۔

''اب آتے ہیں دوسرے حصے کی طرف۔ دوسرا حصہ دراصل ایک خفیہ پلان تھا جس پر مجھے اکیلے ہی عمل کرنا تھا۔ کیونکہ کامیابی نہ ہونے تک اس کا آشکار ہونا اس کو تباہ کر سکتا تھا۔''

''دوسرا حصہ کیا تھا تھامسن؟'' لینا نے بے تابی [illegible] برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

تھامسن ذرا سا مسکرایا اور بولا۔ ''میں تمہاری بے صبری سمجھ سکتا ہوں۔ میں اسی طرف آرہا ہوں لیکن اس سب کا پس منظر بتانا ضروری ہے تاکہ میرے ساتھی میری نیت پر شک نہ کریں۔''

''تھامسن آپ نے ہمیں نئی تحریک دی ہے۔ ہمارے تھکے ذہنوں کو امید بخشی ہے۔ ہم آپ پر شک نہیں کر سکتے۔'' رابرٹ نے ہم سب کے احساسات کی ترجمانی کی۔

''مجھے یقین ہے۔'' تھامسن نے بات جاری رکھی۔ ''اسی لیے آج تم سب کو اس سے آگاہ کر رہا ہوں۔ کیونکہ آج اس پلان کا پہلا قدم بخوبی طے ہو گیا۔''

ہم سب کے چہروں پر بے چینی نمایاں تھی مگر ہم ضبط کر کے تھامسن کی بات سن رہے تھے۔

''اس پلان کے تحت مجھے حکمرانوں کو بھی اس تحریک کا حصہ بنانا تھا۔'' بالآخر تھامسن نے راز افشاں کیا۔

''کیا...... ایسا کیسے ممکن ہے؟'' بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

''وہ کیوں چاہیں گے کہ ہماری تحریک کامیاب ہو؟'' لورین نے سوال اٹھایا۔

''بالکل ہم تو ان کی اس حکمرانی کا اثر زائل کر رہے ہیں اور ہماری وجہ سے وہ بہترین افرادی قوت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔'' رابرٹ نے بھی سوال کیا۔

''بالکل وہ نہیں چاہیں گے اور نہ ہی وہ چاہتے ہیں۔'' تھامسن نے جواب دیا اور ایک ثانیے کے توقف سے دوبارہ شروع ہو گیا۔

''مگر جس طرح ہم اس طویل زندگی سے بیزار ہیں وہ بھی تو ہو سکتے ہیں نا؟'' تھامسن کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ہم سب اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

''یقین نہیں آرہا ناں۔'' اس نے ہمارے ساکت چہروں پر نظر ڈالی اور بولا۔

''اصل میں اس کامیابی کا یقین مجھے بھی نہیں تھا۔ مگر مسلسل جہد اور کوشش کچھ بھی ممکن بنا سکتی ہے۔ میں نے کئی سائنسدانوں کی روزمرہ روٹین کا جائزہ لیا۔ ان کے رویے میں آنے والی معمولی سے معمولی .... تبدیلی کو بھی نوٹ کیا اور آخرکار چند ایسے سائنسدان ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا جو ہماری طرح سوچتے ہوں یا سوچ سکتے ہوں۔ پھر میں نے مختلف ذرائع سے ان تک جدید دنیا کے مضمرات کے پیغامات ارسال کرنا شروع کیے۔ زیادہ تر نے مجھے سختی سے رد کر دیا کچھ نے کوئی ردِعمل نہیں دکھایا لیکن ایک نے میرے موقف کی تائید کر دی۔''

بالآخر تھامسن نے دھماکا کر ہی دیا۔ اس کی اس بات نے ہم سب کو شاک کر دیا۔

''کون ہے وہ......؟'' ہم سب بیک وقت بولے۔

''ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون۔'' اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

ہم حیرت سے منہ کھولے تھامسن کو سن رہے تھے۔ وہ ہمیں کسی انہونی کے ہونے کی خبر دے رہا تھا۔ ہم کسی بھی بڑی سے بڑی بات کی توقع کر سکتے تھے مگر جو تھامسن نے کہا وہ ناممکنات میں سے تھا۔ ایم نائن زیرو ون ان ابتدائی سائنسدانوں میں سے ایک تھا جنہوں نے پروجیکٹ ریولوشن کو شروع کیا اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ان میں سے کسی کا ہمارے موقف کی تائید کرنا بہت بڑی بات تھی۔ ہم میں سے کوئی اس بات کو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔

''ڈاکٹر ابھی کھل کر ہمارے موقف کی تائید نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے برسوں اس پروجیکٹ پر کام کیا اور صدیوں

https://www.urdutubes.com/

اس سے جڑا رہا۔ وہ اس جدید دنیا کے بانیوں میں سے ایک ہے۔ وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا کے خلاف کی کوئی بات کو نہیں سراہ سکتا۔ مگر اس نے کہا ہے کہ وہ ہماری تکلیف کو سمجھتا ہے۔ اسے بخوبی احساس ہے کہ ابدی حیات ایک تکلیف دہ چیز ہے اور جلد ہی ہر انسان اس تکلیف کو محسوس کرے گا۔"

تھامسن اب تفصیل سے ساری بات بتا رہا تھا۔ مگر ہم سب اب تک بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"یقین نہیں آتا تھامسن کہ ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون ایسا سوچ بھی سکتا ہے؟" جوزف جو عموماً خاموش ہی رہتا تھا، آج وہ بھی اپنی حیرت کا اظہار کرنے سے نہیں رک سکا۔

"میری اس ضمن میں ڈاکٹر سے بہت تفصیلی بات ہوئی ہے۔ درحقیقت وہ بھی اس کرب سے گزر رہا ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ مگر وہ چاہ کر بھی اس سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اس کرب کی تکلیف انہی کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے احساس ہے کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے جس دنیا کی بنیاد رکھی وہ اب بہت تکلیف دہ ہوگئی ہے۔" تھامسن نے ڈاکٹر کی تائید کی بنیادی وجہ بتائی۔ "مگر اس نے یقین دلایا ہے کہ وہ ہماری موت کی منظوری کے مدعے پر دیگر حکمرانوں سے بات کرے گا۔ اور انہیں قائل کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔"

"اگر باقیوں نے انکار کر دیا تو......؟" میں نے سوال اٹھایا۔

"اس بارے میں سوچنا قبل از وقت ہوگا۔ ہمیں اچھی امید رکھنی چاہیے۔" تھامسن نے ہمیں مثبت سوچنے کی تاکید کی اور میں مثبت سوچنے لگی۔

"ہو سکتا ہے ڈاکٹر باقی حکمرانوں کو قائل کر لے۔ ہو سکتا ہے ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون کی طرح انہیں بھی ابدی حیات کے تکلیف دہ ہونے کا احساس ہو جائے۔"

"شاید یہ ناممکن کام ممکن ہو جائے۔ شاید اس جدید دنیا سے ہمیں نجات مل جائے۔ اور شاید ایک دن ایسا آئے کہ ہر سائنسدان ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون کی طرح خود ہی اپنی تخلیق سے بیزار ہو جائے۔"

☆☆☆

تھامسن صحیح کہتا تھا ناامیدی سے ہی امید جنم لیتی ہے۔ ہم نے جس دل گرفتگی اور مایوسی کے احساسات کے ساتھ میٹنگ میں شرکت کی تھی، اختتام تک ہمارے محسوسات یکسر بدل چکے تھے۔ امید کا بیج پھوٹ گیا تھا بس اب کونپل کے نکلنے کا انتظار تھا۔

اگرچہ یہ بڑی کامیابی تھی کہ حکمرانوں میں سے ایک نے ہمارے مسئلے کو سمجھا اور اس پر بات کرنے کی حامی بھری۔ مگر یہ اتنی بھی بڑی کامیابی نہیں تھی کہ ہم اپنی تحریک ترک کر کے اس کی امید پر بیٹھ جاتے۔ اس میں کامیابی کا تناسب بے حد کم تھا اور ناکامی اس کی امید تو ہر دم تھی۔ پے در پے ناکامیوں کے بعد اب کوئی بھی ناکامی اتنی بڑی نہیں لگتی تھی۔ تھامسن کی صحبت میں اب میں نے امید کے ساتھ جینا سیکھ لیا تھا۔

اور یہ تجربہ بے حد کامیاب رہا۔ مجھے تنہائی کا احساس ہونا کم ہو گیا۔ مجھے اب جان اتنا برا نہیں لگتا تھا۔ میرا رویہ اس سے قدرے بہتر ہو گیا تھا۔ اس تبدیلی کو جان نے بھی محسوس کیا اور میرا شکریہ ادا کیا۔ حتیٰ کہ ایک دن میں نے پیٹر کے کتے کو بھی پیار سے دیکھا۔ اور یہ خود میرے لیے بھی حیران کن تھا۔ میں اپنے کام پر بھی پوری توجہ دے پا رہی تھی۔ مگر اس سب کے ساتھ میں مسلسل انتظار کی کیفیت میں تھی۔ میں اس امید کے پورا ہونے کے انتظار میں تھی۔

میں روز کئی بار ای پیغامات کا جائزہ لیتی حالانکہ ان کا آلارم آن تھا مگر پھر بھی میری تسلی نہ ہوتی۔ کتنی ہی دیر تک میں ہولوگرافک مشین کو تکتی رہتی کہ شاید ابھی وہ خبر آجائے جو میں سننے کے لیے بیتاب ہوں۔ اب مجھے یہ مشینیں بھی کارآمد اور اچھی لگتی تھیں کیونکہ ... امید بر آنے والی تھی۔ بالآخر جان لیوا انتظار ختم ہوا اور تھامسن کا ای پیغام موصول ہوا۔ اس نے 4 بجے سب کو ہولوگرافک کانفرنس میں مدعو کیا۔ ہم سب تو پہلے ہی تیار تھے۔ مجھے اچھے سے یاد ہے کانفرنس کال پر منسلک ہوتے ہی میرا فشارِ خون بہت تیز ہو گیا تھا۔ مجھے اپنے دل کی دھڑکن بھی تیز تر لگی۔ یقیناً قدیم زمانے کی تھیوری درست تھی جذبات کا تعلق دل سے تھا۔ اور میں بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ شاید ہم سب ہی ایسا محسوس کر رہے تھے بس کسی کو بتا نہیں رہے تھے۔

ہم سب کانفرنس رابطے سے منسلک تھے۔ سب کی نظریں تھامسن پر ٹکی تھیں اور شدت سے اس کے بولنے کے منتظر تھے۔

مگر تھامسن نے جو خبر سنائی، اس نے ہمیں یکدم ساکت کر دیا۔

تھامسن کہہ رہا تھا کہ حکمرانوں نے ایم نائن زیرو ون کی تجویز رد کر دی ہے۔ کوئی ایک بھی اس پر بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ایسی اجازت دے کر وہ

عوام کو گمراہی کی طرف نہیں دھکیل سکتے۔

اتنا بول کر تھامسن چپ ہو گیا۔ اس نے ہم سب پر ایک نظر ڈالی۔ ہم سب ہی ساکت تھے۔ ہماری امید ٹوٹ گئی تھی۔ اگرچہ ایسا ہونے کی توقع تھی مگر پھر بھی ہم ایسا کچھ سننا نہیں چاہ رہے تھے۔

مجھے پہلی بار تھامسن پر شدت سے غصہ آیا۔ اسی کے کہنے پر میں نے ناامیدی سے اُمید کو نکالا تھا۔ اسی نے مجھے اچھی خبر کے انتظار پر راغب کیا تھا اور اب اسی نے میری امید کو ایک دم ختم کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں پھٹ پڑتی، تھامسن پھر سے بولنا شروع ہوا۔ "مگر اچھی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہے۔"

"وہ کیسے؟" میں بلا ارادہ بول اٹھی۔ میرا غصہ ایکدم سے بیٹھ گیا۔

"جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ ڈاکٹر خود بھی ابدی حیات کے کرب سے گزر رہا ہے۔ دراصل ہمارے مسئلے کو سامنے لا کر وہ بھی ابدی حیات سے نجات کے لیے اپنی راہ ہموار کر رہا تھا۔ مگر باقی حکمرانوں کے اس مسئلے پر بات تک نہ کرنے ... اپنی نجات ... کے لیے اس نے اب ہمیں نجات دلانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

میرا دماغ مسلسل کیسے کیسے کی گردان کر رہا تھا اور میں نے بمشکل خود کو بولنے سے روکا تھا۔ شاید ایسی ہی سچویشن سے باقی بھی گزر رہے تھے۔

"تو ڈاکٹر پروٹیکشن کور کو اتارنے کے لیے سسٹم کو ہائی جیک کرنے میں ہماری مدد کرے گا۔ جس کے بعد ہم اپنے سروں کو ڈسپوزر باکس میں ڈال کر خود کو مار سکتے ہیں۔"

آخرکار جواب مل ہی گیا۔ میرے سینے سے کافی دیر کی رکی طویل سانس خارج ہوئی۔

تھامسن کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ شاید اس انداز میں خوشخبری دینے کی عادت بھی تھامسن نے قدیم دنیا سے لی تھی۔

"کیا واقعی ڈاکٹر ایسا کرے گا۔" ہم سب بے یقینی سے تھامسن کو دیکھ رہے تھے۔

"ہاں وہ ضرور کرے گا۔ وہ خود اب موت کا خواہشمند ہے۔ ہمارے ساتھ ڈاکٹر خود بھی اپنا پروٹیکشن کور اتار کر خودکشی کر لے گا۔ کیونکہ اس غداری کے بعد اس کی

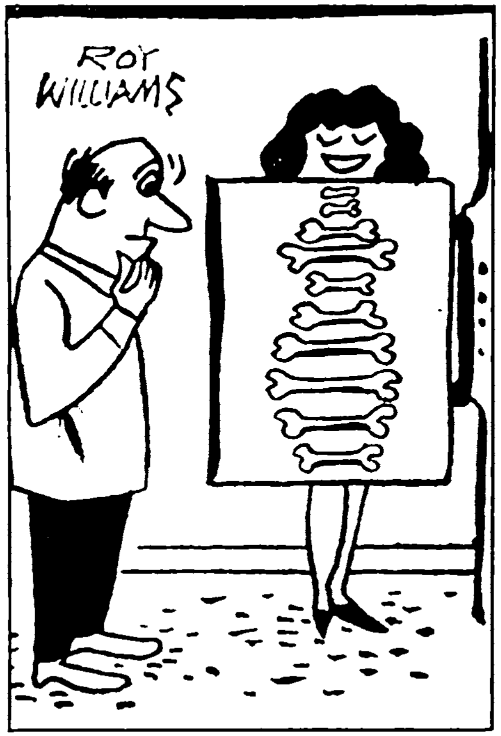

جی ہاں، میں آدم خوروں کے قبیلے سے ہوں!

زندگی ویسے بھی بدتر ہو جائے گی۔ میں اس کے ساتھ مل کر آگے کا لائحہ عمل مرتب کروں گا۔ ہمیں اب پروٹیکشن کور کا سسٹم ہائی جیک کرنا ہوگا۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ اس کا کوڈ صرف چند سائنس دانوں کے پاس ہی ہے اور ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون ان میں سے ایک ہے۔ ڈاکٹر اس کوڈ کا استعمال کر کے سسٹم کو بند کرے گا پھر جس سے ہمارے سروں پر نصب پروٹیکشن کور آف ہو جائے گا اور ہم اسے اتار کر خودکشی کر سکیں گے۔ اس کام کے لیے ہمارے پاس صرف دس سیکنڈز ہوں گے اس کے بعد سسٹم خودکار نظام کے تحت آن ہو جائے گا۔ چنانچہ ہمیں پہلے سے سب تیاری کرنا ہوگی۔ ہم سب اس وقت رابطہ میں ہوں گے۔"

پھر تھامسن ہمیں اس دن کی مناسبت سے ضروری تیاریوں کی بابت بتانے لگا۔

☆☆☆

ان دنوں میں بے حد خوش رہنے لگی تھی۔ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ اب نجات کا وقت قریب ...

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

اس سے جڑا رہا۔ وہ ان جدید دنیا کے بانیوں میں سے ایک ہے۔ وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا کے خلاف کی گئی بات کو نہیں سراہ سکتا۔ مگر اس نے کہا ہے کہ وہ ہماری تکلیف کو سمجھتا ہے۔ اسے بخوبی احساس ہے کہ ابدی حیات ایک تکلیف دہ چیز ہے اور جلد ہی ہر انسان اس تکلیف کو محسوس کرے گا۔“ تھامسن اب تفصیل سے ساری بات بتا رہا تھا۔ مگر ہم سب اب تک بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”یقین نہیں آتا تھامسن کہ ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون ایسا سوچ بھی سکتا ہے؟“ جوزف جو عموماً خاموش ہی رہتا تھا، آج وہ بھی اپنی حیرت کا اظہار کرنے سے نہیں رک سکا۔

”میری اس ضمن میں ڈاکٹر سے بہت تفصیلی بات ہوئی ہے۔ درحقیقت وہ بھی اس کرب سے گزر رہا ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ مگر وہ چاہ کر بھی اس سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اس کرب کی تکلیف انہی کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے احساس ہے کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے جس دنیا کی بنیاد رکھی، وہ اب بہت تکلیف دہ ہوگئی ہے۔“ تھامسن نے ڈاکٹر کی تائید کی بنیادی وجہ بتائی۔ ”مگر اس نے یقین دلایا ہے کہ وہ ہماری موت کی منظوری کے مدعے پر دیگر حکمرانوں سے بات کرے گا۔ اور انہیں قائل کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔“

”اگر باقیوں نے انکار کر دیا تو......؟“ میں نے سوال اٹھایا۔

”اس بارے میں سوچنا قبل از وقت ہوگا۔ ہمیں اچھی امید رکھنی چاہیے۔“ تھامسن نے ہمیں مثبت سوچنے کی تاکید کی اور میں مثبت سوچنے لگی۔

”ہوسکتا ہے ڈاکٹر باقی حکمرانوں کو قائل کرلے۔ ہو سکتا ہے ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون کی طرح انہیں بھی ابدی حیات کے تکلیف دہ ہونے کا احساس ہوجائے۔“

”شاید یہ ناممکن کام ممکن ہوجائے۔ شاید اس جدید دنیا سے ہمیں نجات مل جائے۔ اور شاید ایک دن ایسا آئے کہ ہر سائنسدان ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون کی طرح خود ہی اپنی تخلیق سے بیزار ہوجائے۔“

☆☆☆

تھامسن صحیح کہتا تھا ناامیدی سے ہی امید جنم لیتی ہے۔ ہم نے جس دل گرفتگی اور مایوسی کے احساسات کے ساتھ میٹنگ میں شرکت کی تھی، اختتام تک ہمارے محسوسات یکسر بدل چکے تھے۔ امید کا بیج پھوٹ گیا تھا بس اب کونپل کے نکلنے کا انتظار تھا۔

اگرچہ یہ بڑی کامیابی تھی کہ حکمرانوں میں سے ایک نے ہمارے مسئلے کو سمجھا اور اس پر بات کرنے کی حامی بھری۔ مگر یہ اتنی بھی بڑی کامیابی نہیں تھی کہ ہم اپنی تحریک ترک کر کے اس کی امید پر بیٹھ جاتے۔ اس میں کامیابی کا تناسب بے حد کم تھا اور ناکامی اس کی امید تو ہر دم تھی۔ پے در پے ناکامیوں کے بعد اب کوئی بھی ناکامی اتنی بڑی نہیں لگتی تھی۔ تھامسن کی صحبت میں اب میں نے امید کے ساتھ جینا سیکھ لیا تھا۔

اور یہ تجربہ بے حد کامیاب رہا۔ مجھے تنہائی کا احساس ہونا کم ہوگیا۔ مجھے اب جان اتنا برا نہیں لگتا تھا۔ میرا رویہ اس سے قدرے بہتر ہوگیا تھا۔ اس تبدیلی کو جان نے بھی محسوس کیا اور میرا شکریہ ادا کیا۔ حتیٰ کہ ایک دن میں نے پیٹر کے کتے کو بھی پیار سے دیکھا۔ اور یہ خود میرے لیے بھی حیران کن تھا۔ میں اپنے کام پر بھی پوری توجہ دے پا رہی تھی۔ مگر اس سب کے ساتھ میں مسلسل انتظار کی کیفیت میں تھی۔ میں اس امید کے پورا ہونے کے انتظار میں تھی۔

میں روز کئی بار ای پیغامات کا جائزہ لیتی حالانکہ ان کا الارم آن تھا مگر پھر بھی میری تسلی نہ ہوتی۔ کتنی ہی دیر تک میں ہولوگرافک مشین کو تکتی رہتی کہ شاید ابھی وہ خبر آجائے جو [illegible] کارآمد اور اچھی لگ رہی تھیں کیونکہ ان [illegible] امید بر آنے والی تھی۔ بالآخر جان لیوا انتظار ختم ہوا اور تھامسن کا ای پیغام موصول ہوا۔ اس نے 4 بجے سب کو ہولوگرافک کانفرنس میں مدعو کیا۔ ہم سب تو پہلے ہی تیار تھے۔ مجھے اچھے سے یاد ہے کانفرنس کال پر منسلک ہوتے ہی میرا فشارِ خون بہت تیز ہوگیا تھا۔ مجھے اپنے دل کی دھڑکن بھی تیز تر لگی۔ یقیناً قدیم زمانے کی تھیوری درست تھی۔ جذبات کا تعلق دل سے تھا۔ اور میں بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ شاید ہم سب ہی ایسا محسوس کر رہے تھے بس کسی کو بتا نہیں رہے تھے۔

ہم سب کانفرنس رابطے سے منسلک تھے۔ سب کی نظریں تھامسن پر ٹکی تھیں اور شدت سے اس کے بولنے کے منتظر تھے۔

مگر تھامسن نے جو خبر سنائی، اس نے ہمیں یکدم ساکت کر دیا۔

تھامسن کہہ رہا تھا کہ حکمرانوں نے ایم نائن زیرو ون کی تجویز رد کردی ہے۔ کوئی ایک بھی اس پر بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ایسی اجازت دے کر وہ

عوام کو گمراہی کی طرف نہیں دھکیل سکتے۔

اتنا بول کر تھامسن چپ ہوگیا۔ اس نے ہم سب پر ایک نظر ڈالی۔ ہم سب ہی ساکت تھے۔ ہماری امید ٹوٹ گئی تھی۔ اگرچہ ایسا ہونے کی توقع تھی مگر پھر بھی ہم ایسا کچھ سننا نہیں چاہ رہے تھے۔

مجھے پہلی بار تھامسن پر شدت سے غصہ آیا۔ اسی کے کہنے پر میں نے ناامیدی سے اُمید کو نکالا تھا۔ اسی نے مجھے اچھی خبر کے انتظار پر راغب کیا تھا اور اب اسی نے میری امید کو ایک دم ختم کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں پھٹ پڑتی، تھامسن پھر سے بولنا شروع ہوا۔ ”مگر اچھی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہے۔“

”کیسے؟“ میں بلا ارادہ بول اٹھی۔ میرا غصہ ایکدم سے بیٹھ گیا۔

”جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ ڈاکٹر خود بھی ابدی حیات کے کرب سے گزر رہا ہے۔ دراصل ہمارے مسئلے کو سامنے لا کر وہ بھی ابدی حیات سے نجات کے لیے اپنی راہ ہموار کر رہا تھا۔ مگر باقی حکمرانوں کے اس مسئلے پر بات تک نہ کرنے نے اسے احساس دلا دیا ہے کہ یہ کرب کتنا ہی اذیت ناک ہوجائے وہ اس سے نجات نہیں پا سکتا۔ [illegible] فیصلہ [illegible] کرلیا ہے۔“

میرا دماغ مسلسل کیسے کیسے کی گردان کر رہا تھا اور میں نے بمشکل خود کو بولنے سے روکا تھا۔ شاید ایسی ہی سچویشن سے باقی بھی گزر رہے تھے۔

”تو ڈاکٹر پروٹیکشن کور کو اتارنے کے لیے سسٹم کو ہائی جیک کرنے میں ہماری مدد کرے گا۔ جس کے بعد ہم اپنے سروں کو سپوزباکس میں ڈال کر خود کو مار سکتے ہیں۔“

آخر کار جواب مل ہی گیا۔ میرے سینے سے کافی دیر کی رکی طویل سانس خارج ہوئی۔

تھامسن کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ شاید اس انداز میں خوشخبری دینے کی عادت بھی تھامسن نے قدیم دنیا سے لی تھی۔

”کیا واقعی ڈاکٹر ایسا کرے گا۔“ ہم سب بے یقینی سے تھامسن کو دیکھ رہے تھے۔

”ہاں وہ ضرور کرے گا۔ وہ خود اب موت کا خواہشمند ہے۔ ہمارے ساتھ ڈاکٹر خود بھی اپنا پروٹیکشن کور اتار کر خودکشی کرلے گا۔ کیونکہ اس غداری کے بعد اس کی

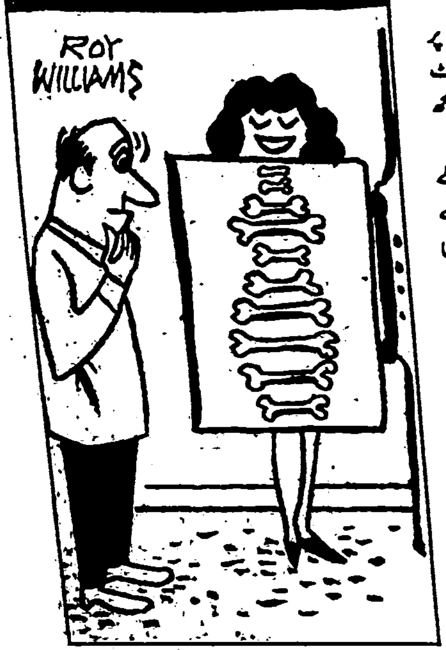

جی ہاں، میں آدم خوروں کے قبیلے سے ہوں!

زندگی ویسے بھی بدتر ہوجائے گی۔ میں اس کے ساتھ مل کر آگے کا لائحۂ عمل مرتب کروں گا۔ ہمیں اب پروٹیکشن کور کا سسٹم ہائی جیک کرنا ہوگا۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ اس کا کوڈ صرف چند سائنس دانوں کے پاس ہی ہے اور ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون ان میں سے ایک ہے۔ ڈاکٹر اس کوڈ کا استعمال کر کے سسٹم کو بند کرے گا پھر جس سے ہمارے سروں پر سب پروٹیکشن کور آف ہوجائے گا اور ہم اسے اتار کر خودکشی کر سکیں گے۔ اس کام کے لیے ہمارے پاس صرف دس سیکنڈز ہوں گے اس کے بعد سسٹم خودکار نظام کے تحت آن ہوجائے گا۔ چنانچہ ہمیں پہلے سے سب تیاری کرنا ہوگی۔ ہم سب اس وقت رابطہ میں ہوں گے۔“

پھر تھامسن ہمیں اس دن کی مناسبت سے ضروری تیاریوں کی بابت بتانے لگا۔

☆☆☆

ان دنوں میں بے حد خوش رہنے لگی تھی۔ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ اب نجات کا وقت قریب ہے۔ میں اپنے

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ادھورے کاموں کو جلدی مکمل کرنے لگی۔ ساتھ ساتھ ہی میں ہر کام سے متعلق ضروری معلومات اور ہدایات بھی ریکارڈ کرتی جارہی تھی تاکہ میرے بعد جو بھی اسے سنبھالے اسے خاص دقت نہ ہو۔ ان دنوں میں میں نے کوشش کی کہ سب سے الوداعی ملاقات بھی کرسکوں۔ میری بہت خواہش ہورہی تھی کہ سب کو یہ بتاؤں کہ مجھے اس حیات سے نجات ملنے والی ہے۔ مگر میں جانتی تھی کہ ایسا ممکن نہیں۔ کبھی کبھی خوشی کو چھپا کر رکھنا کتنا مشکل ہوجاتا ہے، یہ بات میں نے ان دنوں سیکھی۔ میں نے سب سے ملنے کا پروگرام ترتیب دے لیا۔ اگرچہ یہ یکطرفہ اور ادھوری الوداعی ملاقات ہوتی کیونکہ میں کسی کو بتا نہیں سکتی تھی کہ میں اب جارہی ہوں۔ مگر پھر بھی میں مل کر جانا چاہتی تھی۔ میں محسوس کرنا چاہتی تھی کہ میں اس جدید دنیا سے ہمیشہ کے لیے جارہی ہوں۔ میں پیٹر سے بھی ملی۔ اس دن میں خصوصی طور سے تیار ہوئی اور ایسا شعوری طور پر تھا۔ اگرچہ اب مجھے اس دنیا سے چلے جانا تھا مگر پیٹر کے لیے میرے جذبات اب بھی ویسے ہی تھے۔ میں چاہتی تھی کہ وہ ہمیشہ میرا دلکش روپ یاد رکھے۔ وہ میری درخواست پر مجھ سے ملنے میرے گھر کے باہر آگیا۔ میں تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور اسے چھونا چاہا۔ مگر میرا ہاتھ آر پار ہوگیا۔ خوشی کی شدت میں میں محسوس ہی نہ کرپائی کہ اس کا ہولوگرافک جسم ہے۔ اگرچہ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا مگر پھر بھی میں شرمندہ ہوگئی۔ پیٹر سے ملتے وقت میں اکثر محسوس نہیں کرپاتی تھی کہ وہ حقیقتاً ہے یا ہولوگرافک۔ مجھے وہ ہمیشہ حقیقی ہی لگتا تھا۔ پیٹر نے میری اس حرکت کو نظرانداز کردیا جیسا کہ وہ اکثر کرتا تھا۔

"کیسی ہو تم۔ مجھے بُلانے کی کوئی خاص وجہ؟"

اس کا لیا دیا اور رسمی سا انداز مجھے بُرا لگا۔ کم از کم اب تو اسے مجھ سے اچھے سے پیش آنا چاہیے۔ آخر یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ میں نے دل میں سوچا۔

"ہاں میں تم سے ملنا چاہ رہی تھی۔ شاید پھر ملاقات نہ ہوسکے۔" میں نے اپنے چہرے پر بشاشت سجاتے ہوئے کہا۔ اس سے زیادہ دیر غصہ ہونا بھی میرے لیے ممکن نہ تھا۔

"او...... اچھا... کیا تم کہیں جا رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں میں جارہی ہوں اور میں بہت خوش ہوں۔ اب کبھی واپس نہیں آؤں گی۔" میں جوش میں بولنے لگی۔

"چلو اچھا ہے۔ تمہارے ساتھ اچھا وقت گزرا۔" اس نے رسمی کلمات کہنے شروع کردیے۔

مجھے اس کے اس انداز پر افسوس ہونے لگا۔ اس نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ میں کہاں جارہی ہوں۔ حالانکہ اگر وہ پوچھتا تو میں شاید اسے بتادیتی۔ اس سے چھپانا میرے لیے ممکن نہ تھا مگر اس نے کچھ بھی نہیں پوچھا۔

میں خاموشی سے پلٹ آئی۔ ہر بار کی طرح پیٹر سے آخری ملاقات بھی ویسی نہیں تھی جیسی میں نے چاہی تھی۔

☆☆☆

آج 3 ستمبر 2934 ہے۔ میرے لیے آج کا دن بہت اہم ہے۔ میں نے آج بہت خوش رنگ لباس زیب تن کیا ہے۔ یہ ایسا ہی احساس ہے جیسے مجھے کسی دعوت پر جانا ہو۔ میں شاید ٹھیک سے اپنے محسوسات نہ بتا سکوں مگر آج سب کچھ میرے لیے بہت خاص ہے۔ ہم سب کانفرنس رابطے سے منسلک ہیں۔ ہمارے درمیان ایک سناٹا طاری ہے۔ اتنا سناٹا کہ ہم ایک دوسرے کی سانسوں کی رفتار بھی محسوس کرسکتے ہیں۔ ہم سب کے کان بس ایک آواز سننے کے منتظر ہیں۔ جان میرے پاس کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں لیزر اسٹک ہے۔ میں نے اسے ہدایت دی ہے کہ جیسے ہی میں پروٹیکشن کور کو علیحدہ کروں، وہ اس لیزر اسٹک سے [illegible] کا نشانہ لے۔ [illegible] ساکت کھڑی ہے۔ سب نے اپنے پرسنل روبوٹ کو ہدایت کردی ہے۔ بس ہمیں تھامسن کی آواز کا انتظار ہے۔ جس کو سننے کے ہم سب منتظر تھے۔ مجھے کئی بار لگتا تھا کہ وقت بہت مدھم ہوگیا ہے۔ اس کی رفتار میرے لیے کبھی کبھی بہت تکلیف دہ ہوجاتی تھی۔ ایسا عموماً تب ہوتا تھا جب مجھ پر اس دنیا سے اکتاہٹ کی کیفیت طاری ہوتی۔ جب مجھے اس حیات سے نفرت ہوتی۔ مگر یہ پہلی بار تھا کہ خوشی سے سرشاری میں بھی وقت بہت سست روی سے چل رہا تھا۔ اتنا سست کہ مجھے اس کے رک جانے کا گمان ہوا۔ یہ انتظار بے حد مشکل تھا مگر اس کو کرنا ہی تھا۔ اسی مشکل کے پار ہماری منزل تھی۔

"کاؤنٹ ڈاؤن۔" آخرکار تھامسن کی آواز آئی اور ہم سب الرٹ ہوگئے۔

"ٹین، نائن، ایٹ۔"

میرے دل کی دھڑکن یکدم بے حد بڑھ گئی۔

"سیون، سکس، فائیو...... تیز تر ہوگئی۔ اتنی تیز کہ میری پسلیاں بھی لرزنے لگیں۔ فور، تھری...... دھک دھک میرے کانوں میں بجنے لگی۔ مجھے لگا کہ میرا دل سینے سے نکل کر کانوں کے پاس آگیا ہے ٹو، ون...... ایک بیپ سی سنائی

دی اور پروٹیکشن کور کا لاک کھل گیا۔ میں... لرزتے ہاتھوں سے فوراً اسے اپنے سر سے الگ کرنے لگی۔۔۔ میرا وجود بری طرح کانپ رہا تھا۔ ایسا خوشی سے تھا یا کوئی اور وجہ تھی۔ اس پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے جیسے ہی پروٹیکشن کور اتار کر نیچے رکھا جان نے میری ہدایت کے مطابق میرے سر کا نشانہ لیا اور لیزر اسٹک دبادی۔ مجھے اپنے سر پر تیزی سے کچھ لگنے کا احساس ہوا اور پھر تاریکی چھا گئی۔ گہری سیاہ اور خاموش تاریکی۔ میں ہر احساس سے عاری ہوگئی۔ اردگرد کا سارا شور یکدم سے ختم ہوگیا جیسے کائنات تھم گئی ہو۔

یقیناً میں مرچکی ہوں، میری کہانی ختم ہوچکی ہے۔ یقیناً یہی میری کہانی کا انجام ہے۔ میرا من پسند انجام۔ میری نجات......

☆☆☆

وہ ایک کانفرنس ہال کا منظر تھا۔ بہت سے افراد اپنے ہولوگرافک اجسام کے ساتھ ایک لمبی میز کے گرد جمع تھے۔ جس کے ایک سرے پر درمیانی جسامت کا خوش رو شخص بیٹھا تھا جس کے ہاتھ میں ریموٹ نما ایک چیز تھی۔ وہ ایم ایٹ ٹو فائیو تھا۔ وہ اس میٹنگ کی صدارت کررہا تھا۔ وہ بے چینی سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ باقی سب کی نظریں بھی سامنے [illegible] لوگ بے چینی سے منظر شروع [illegible] ایم ایٹ ٹو فائیو نے ہولوگرافک مشین پر ریسیو کا بٹن دبایا۔ سامنے ایک لیبارٹری کا منظر ابھر آیا۔ جہاں کئی افراد مختلف مشینوں کے ساتھ مصروف نظر آئے۔

"ڈاکٹر ایل بی زیرو نائن کیا صورتِ حال ہے؟" ایم ایٹ ٹو فائیو نے لیب میں موجود ایک شخص سے پوچھا۔

"سب کچھ توقع کے عین مطابق ہے۔ دماغ لیب میں پہنچ گئے ہیں اور جلد ہی انہیں نئے کلون میں رکھ دیا جائے گا۔" اس شخص نے ایک مشین کے کچھ بٹنوں کو یکے بعد دیگرے دباتے ہوئے جواب دیا۔

"گڈ۔ اور ان کے برین واش کا عمل کہاں تک پہنچا۔" ایم ایٹ ٹو فائیو نے پھر سوال کیا۔

"یہ عمل دماغ کو نئے کلون میں داخل کرنے کے بعد شروع کیا جائے گا۔ اندازاً دو گھنٹوں میں آپ کو تمام اجسام مکمل فعال حالت میں بھیج دیے جائیں گے۔" اس شخص نے معروف انداز میں وضاحت کی۔

"ویلڈن ڈاکٹر۔ کام مکمل ہوتے ہی مجھے اطلاع کرنا۔" ایم ایٹ ٹو فائیو نے کہتے ہوئے ہولوگرافک مشین کا بٹن دبا کر رابطہ منقطع کیا اور ہال میں بیٹھے باقی افراد کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"اب میں آپ کو تمام واقعہ تفصیل سے بتاتا ہوں۔" ایم ایٹ ٹو فائیو نے لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا۔ تمام افراد اب اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"کونسل ہال کی میٹنگ کے بعد قدامت پسند عناصر نے ایک طرف تو عوام کو قدیم دنیا سے انسیت کی ترغیب دینا شروع کردی اور دوسری طرف ہمارے گروپ کے کچھ لوگوں سے بھی رابطے تیز کردیے۔ یہ حقیقت ہے اور میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ ہم میں سے کئی افراد قدیم دور سے متاثر ہونا شروع ہوگئے تھے۔ ہمارے اپنے خیالات ہمارے لیے تشویش کا باعث تھے چنانچہ میں نے ایم سیون ون ون اور ایم نائن زیرو ون کے ساتھ مل کر ایک پروگرام تشکیل دیا۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ ہم اب کسی بھی انسان سے ہاتھ دھونے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے ہمارے نئے انسانوں کو بنانے کے تجربات فیل ہورہے ہیں۔ ہمارے بنائے گئے انسان میں انجیکٹ کی گئی صلاحیتیں پوری طرح سے ابھر کر سامنے نہیں آرہیں اور موجودہ انسان اب افزائشِ نسل کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے کسی کے بھی موت کے مطالبے کو ماننا یا اسے ضائع کرنا اب ممکن نہیں۔ قدامت پسندوں کے بڑھتے رجحان کے پیشِ نظر ہم نے پروٹیکشن کور کو ایک الٹرا کور سے جوڑ دیا۔ جس سے اب دماغ کو دہری حفاظت مل سکتی تھی۔ اگر کسی وجہ سے پروٹیکشن کور اگر اتر بھی جاتا تو بھی دماغ سلامت رہتا۔ مگر یہیں تک کافی نہیں تھا۔ جس تیزی سے قدامت پسند اپنی تحریک کو چلا رہے تھے عین ممکن تھا کہ آبادی کا بڑا حصہ ان کی طرف ہوجاتا۔ چنانچہ زیادہ ضرورت اس کی تھی کہ اس رجحان کو سرے سے ہی ختم کردیا جائے اور قدامت پسندی کے منفی رجحان کو ختم کرنے کے لیے دماغ کے برین واش کا عمل تیار کیا گیا۔ پھر اسے لیب میں کئی بار ٹیسٹ کرکے دیکھا گیا۔ ہر بار اس کے نتائج سو فیصد آئے۔ اس تکنیک سے یادداشت، قابلیت، صلاحیت اور موجودہ علم برقرار رہتا ہے صرف ایسی غیر صحت مندانہ سرگرمیاں خارج کردی جاتی ہیں جو ماضی میں کی گئی ہوں۔ اس پروگرام پر عمل درآمد کی ذمے داری ایم نائن زیرو ون نے لی۔ قدامت پسندوں کے صدر نے جب حکمرانوں کو قدیم زمانے کی ترغیب دینا شروع کی اور سب کو مختلف پیغامات ارسال کیے جو قدیم زمانے کا دلکش پہلو دکھا کر موت پر اکسا رہے تھے۔ تقریباً سب نے ہی ان

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

پیغامات کو رد کیا سوائے ایم نائن زیرو ون کے۔ جو کہ اس منصوبے کا حصہ تھا۔ ایم نائن زیرو ون نے ایسا تاثر دیا جیسے کہ وہ بھی ابدی حیات سے بیزار ہے اور نہ صرف ان کے منصوبے میں ان کا ساتھ دے گا بلکہ خود بھی پروٹیکشن کور اتار کر خودکشی کرے گا۔

"سب کچھ ایک باقاعدہ پلاننگ کے تحت عمل میں آیا۔ ایم نائن زیرو ون نے ان کے ساتھ مل کر سسٹم ہائی جیک کرنے کا پروگرام بنایا اور پروٹیکشن کور کا ان لاک کر کے ان کے کور اتروا دیے۔ قدامت پسندوں کے پورے گروپ نے پروٹیکشن کور اتارتے ہی اجتماعی خودکشی کرلی مگر یہ ان کی خام خیالی تھی۔ پروٹیکشن کور ان لاک ہوتے ہی الٹرا کور ایکٹو ہو گیا۔ جیسے ہی لیزر اسٹک نے سر پر حملہ کیا، الٹرا کور نے اس حملے کو ناکام کر کے دماغ لاک کر دیا۔ اور اب ان کے دماغ لیب میں موجود ہیں جہاں وہ جلد ہی نئے کلون میں داخل ہو جائیں گے۔ برین واش کی تکنیک سے ان کے قدامت پسند رجحان کو ختم کر دیا جائے گا۔ اس عمل کے بعد جب ان کے دماغ ان لاک ہوں گے تو انہیں اپنے منفی اعمال سے متعلق کچھ بھی یاد نہیں ہوگا۔ وہ پہلے جیسے نارمل انسان بن کر اپنے گھروں میں جائیں گے اور پھر سے اپنا کام شروع کر دیں گے۔ انہیں یاد تک نہیں ہوگا کہ کبھی وہ قدامت پسند تحریک کے رکن تھے۔ اور نہ ہی اب وہ قدیم دور سے متاثر ہوں گے۔ اور اس ساری کامیابی کا سہرا ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون کے سر جاتا ہے۔ ایم نائن زیرو ون نے جتنی شاندار منصوبہ بندی سے یہ پورا کام سرانجام دیا، وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔" ایم ایٹ ٹو فائیو نے جیسے ہی اپنی بات مکمل کی ہال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ سب ایم نائن زیرو ون کو مبارکباد دینے لگے۔

"ایم نائن زیرو ون بہت شاندار۔ آخرکار تم نے قدامت پسندوں کا خاتمہ کر ہی دیا۔" ایم ایٹ ٹو فائیو نے ڈاکٹر کو سراہا۔

"میں چاہوں گا کہ اب تم اس ضمن میں اظہارِ خیال کرو۔" ایم ایٹ ٹو فائیو نے اسے بولنے کی دعوت دی۔

"شکریہ ایم ایٹ ٹو فائیو۔" ایم نائن زیرو ون نے سب پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"یقیناً قدامت پسندی کا بڑھتا رجحان ایک بڑا خطرہ تھا۔ اور اس پر قابو پانا ضروری تھا۔ ہم نے یہ دنیا بنائی اور صدیوں اس کو چلایا ہے۔ ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ ہمیں اس کو کیسے برقرار رکھنا ہے۔ ایسے شرپسندوں کو موقع دے کر ہم اپنی دنیا کو تباہ نہیں ہونے دے سکتے اس لیے ان سے موثر انداز میں نمٹنا ضروری ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہم نے اپنی موثر اور جدید تکنیک سے قدامت پسندوں کو ہرا دیا۔ ناسمجھ قدامت پسند۔" ایم نائن زیرو ون نے قہقہہ لگایا۔

"قدامت پسند جو ٹھہرے۔ جدید دور کی پلاننگ کا مقابلہ کیسے کر سکتے تھے۔ اب ہماری جدید دنیا کو کوئی خطرہ نہیں۔ جب بھی ایسے عناصر سر اٹھائیں گے، ان کا یہی علاج کیا جائے گا۔" ایم نائن زیرو ون نے رعونت سے کہا۔

"کیا کسی وقت تمہارے دماغ میں بھی ان کی تحریک اور قدیم دور سے رغبت پیدا ہوئی۔" ایک اور شخص نے اس سے پوچھا۔

"ہاں ایسا ہوا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے بھی بے سکونی کا احساس ہوا اور میں نے بھی اس حیات سے نجات کی خواہش کی۔ اور ایک وقت ایسا بھی تھا کہ میری شدت سے خواہش ہوئی کہ میں بھی اس تحریک سے جڑ جاؤں۔" اس نے جواب دیا اور سب خاموشی سے اسے دیکھنے لگے۔

"اور پھر...... میں نے اس خواہش کا سر کچل ڈالا۔" اس نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے بات مکمل کی۔

"منفی جذبات کا پیدا ہونا غلط نہیں مگر ان کو پنپنے دینا غلط ہے۔ میں اس جدید دنیا کے بانیوں میں سے ایک ہوں۔ [illegible] ہیں۔ اور یہی ہم سب کی سوچ ہونی چاہیے۔ اس کیس سے فارغ ہوتے ہی میں اپنی بھی برین واشنگ کرواؤں گا۔ اور ایسا ہی باقی سب کے ساتھ بھی کیا جائے گا جب بھی کسی کو منفی جذبات سے الجھنا پڑا۔"

ڈاکٹر نے یہ کہتے ہوئے بات ختم کی۔ پورا ہال تالیوں کے شور سے بھر گیا۔ سب ڈاکٹر ایم نائن زیرو ون کی فہم و فراست کو سراہ رہے تھے۔ آج انہوں نے ثابت کر دیا تھا۔ اب اس دنیا کو کسی تحریک کسی منفی عمل سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جدید دنیا میں جشن کا سماں تھا۔ اور ایسا کرنا یقیناً ان کا حق تھا۔

☆☆☆

آرٹی فور فور نائن کئی دنوں سے بیزاری محسوس کر رہی تھی۔ وہ اپنے کام پر بھی پوری توجہ مرکوز نہیں کر پا رہی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے وہ بے مقصد جی رہی ہے۔ اسے طویل ابدی حیات سے الجھن ہونے لگی تھی۔ ہر طرف مشینیں ہی مشینیں۔ انسان تو کہیں کھو گیا ہے، اس نے افسردگی سے سوچتے ہوئے باہر جھانکا۔

والد صاحب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کچھ دیر پہلے ہی والدہ سے ان کا جھگڑا ہو چکا تھا۔ بہت معمول کی بات تھی۔ کبھی کبھی میں یہ سوچتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ امی کے مزاج میں اتنی سختی کیوں ہے اور ابا اتنے نرم مزاج کے کیوں ہیں؟

ہم باپ بیٹے ایک دوسرے کے دوست بھی تھے۔ اسی لیے جب ابا، امی کی باتیں سن کر خاموش ہو کر اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ جاتے تو میں ان کے پاس جا کر کہتا۔ "یار ابا، یہ کوئی

دل کی گہرائیوں میں چھپی خواہش کی تکمیل کے مراحل

بچپن کے دکھ درد... بے بسی... اداسی... سیاسی اور ملکی انتشار اور دربدر کی ٹھوکروں کے باوجود حالات و واقعات کی اس دھند میں کہیں نہ کہیں کوئی چہرہ مل ہی جاتا ہے... جو زندگی میں دیا بن کر راستہ دکھاتا رہتا ہے... ذاتی اور سیاسی دونوں کارِ جہاں میں دھنسے شخص کی داستانِ حیات... دل پر لگی چوٹ کی ٹیسوں کے باوجود اسے دیے کی صورت میں روشنی کی لکیر مل گئی تھی...

روشن لکیر

شیرور اکرام

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

اچھی بات نہیں ہے۔"
"کون سی بات؟" وہ مسکرا کر میری طرف دیکھتے۔
"یہی کہ آپ امی کی باتیں سن کر چپ چاپ اٹھ کر چلے آئے؟"
"اب تو کیا کرتا، تمہیں تو معلوم ہے نا اگر میں نے کچھ بول دیا تو سارا دن گھر میں فساد ہوتا رہے گا۔"
ان جھگڑوں کی کوئی خاص وجہ بھی نہیں ہوتی تھی۔ بس یوں ہی کوئی بات امی کو بری لگتی اور وہ شروع ہو جاتیں۔
میں سب سے بڑا بیٹا ہوں۔ ظہیر الدین بابر۔ ابا نے میرا نام بہت سوچ کر رکھا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ میں نے یہ نام اس لیے رکھا ہے کہ میرے بیٹے میں بھی بابر جیسی قوتِ ارادی اور ہمت آ جائے۔ میرے بعد میرا بھائی تھا راحیل۔ عام سا نام۔ یہ نام امی نے رکھا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ نے اپنی ضد پر ایک نام رکھ دیا۔ اب اس بیٹے کا نام میں رکھوں گی۔ ان کے گھر والوں نے بھی ان کی حمایت کی اور چھوٹے کا نام راحیل رکھ دیا گیا۔ وہ مجھ سے چار سال چھوٹا ہے۔ اس کے بعد ایک بہن ہے یاسمین۔ اس کا نام بھی امی کا رکھا ہوا ہے۔ بس ہم تین اولادیں ہیں۔
یاسمین ایک ڈپلومیٹ قسم کی لڑکی ہے۔ وہ کبھی امی کا ساتھ دیتی اور کبھی ابا کا۔
وہ کہا کرتی تھی۔ "دیکھو بھائی، اپنا تو یہ اُصول ہے کہ جدھر دو پیسے کا فائدہ ہو، اسی طرف جانا چاہیے۔"
ویسے وہ بہت خوش مزاج قسم کی لڑکی ہے اور بھائی کچھ اکھڑ مزاج کا واقع ہوا ہے۔
اب میں اپنے والدین کے بارے میں بتا دوں۔ میرے والد احتشام صاحب کا تعلق ایک پڑھے لکھے گھرانے سے ہے۔ ان کے والد یعنی میرے دادا بھی ایک اسکالر تھے۔ میرے دو چاچا پروفیسر رہ چکے ہیں۔ وہی مزاج ابا کا تھا۔ اس کے برعکس امی کا خاندان پیسے والا ہے۔ نانا زمیندار تھے۔ اولادوں [illegible] کاروبار کیا۔ دو خالائیں بھی بزنس کرنے والوں کے گھر [illegible] طرح خوش حالی ان کے گھروں میں تھی۔
جبکہ ابا کے یہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بس وہ ایک کالج میں فلسفے کے استاد تھے۔ شاید ان ہی باتوں نے انہیں درویش قسم کا بنا دیا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ ان دونوں کے درمیان اختلافات کی وجہ یہی مالی کمزوری ہو۔
میں ایک بات محسوس کیا کرتا تھا کہ ابا نے نہ جانے [illegible] میں کیسے بھید چھپا رکھے ہیں۔ نہ جانے وہ کیا سوچتے تھے۔ کبھی کبھی میں ان سے پوچھ لیتا۔ "کیا بات ہے ابا، آپ کبھی کبھی بات کرتے کرتے بالکل چپ کیوں ہو جاتے ہیں؟"
اس وقت وہ ایک شعر سنا دیتے۔

افسوس کس قدر سخن ہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

نہ جانے کون سے سخن ہائے گفتنی تھے۔
ابا کی ایک خواہش تھی جس کا اظہار وہ عام طور پر کیا کرتے۔ "بھائی میرا مزاج بالکل مشرقی ہے۔ میری خواہش تھی کہ میرے بیٹے سر پر دو پلی ٹوپیاں رکھ کر مدرسے جائیں اور وہاں دینی تعلیم حاصل کریں۔"
"اور اسکول وغیرہ چھوڑ دیں؟" امی نے چمک کر پوچھا۔
"نہیں، میں نے یہ نہیں کہا۔" ابو جلدی سے کہتے۔ "وہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم بھی حاصل کریں لیکن اس کے ساتھ دینی تعلیم بھی ہو اور وہ بھی اس انداز سے جس طرح ہمارے بزرگ جایا کرتے تھے۔ کتنا اچھا لگتا تھا ان کو دیکھ کر۔"
امی کی سوچ اس کے برعکس تھی۔
ایک بار ایسا ہوا کہ ابا گھر سے کسی کام کا کہہ کر گئے اور رات گئے تک واپس نہیں آئے۔ [illegible]
نہ جانے کیا ہوا تھا۔ [illegible] تھے لیکن جیسے جیسے رات ہوتی جا رہی تھی ہماری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے پہلی بار امی کو اتنا پریشان دیکھا تھا۔
"بابر جا کر ان کے دوستوں سے پوچھو۔" امی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کے گھر چلے گئے ہوں۔"
میرا چھوٹا بھائی راحیل اس وقت تک واپس نہیں آیا تھا۔ یاسمین بھی بہت پریشان ہو رہی تھی۔
ابو کی واپسی رات گئے ہوئی تھی۔ اس دوران نہ جانے کیسے کیسے خیالات ہمارے ذہنوں میں آتے رہے تھے۔
رات ایک بجے دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں دوڑتا ہوا گیا۔ ابو دروازے پر کھڑے تھے۔ "ابو آپ کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے پوچھا۔
"بیٹا یہ ایک لمبی کہانی ہے۔" ابو نے بتایا۔ "راحیل واپس آیا؟"
"جی ابو، وہ اپنے کمرے میں ہے۔" میں نے بتایا۔ "ابھی ابھی آیا ہے۔"
اتنی دیر میں امی بھی دروازے تک آ گئی تھیں۔ ان کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ کچن میں چائے بنانے چلی گئیں۔ ابو کی یہ عادت تھی۔ وہ گھر آ کر چائے پہلے پیتے تھے۔ اس کے بعد گھر کے دیگر معاملات کو دیکھتے تھے۔ ابو ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ کچھ الجھے ہوئے ہیں۔ میں ان کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔
"ابو، خیریت تو ہے نا؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں بیٹا۔" انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ "آج راحیل کی وجہ سے میں ایک بہت بڑی الجھن میں پھنس گیا تھا لیکن تم اپنی امی کو کچھ مت بتانا۔"
میں پریشان ہو گیا۔ "کیا ہوا تھا ابو؟"
"بیٹے، راحیل آج تھانے میں بند ہو گیا تھا۔" ابو نے بتایا۔ "وہاں سے چھڑا کر لا رہا ہوں۔"
"کیا؟" میں یہ سن کر شاک میں آ گیا تھا۔

☆☆☆

"ہاں، مجھے پولیس والے لے گئے تھے۔" راحیل نے کہا۔ اس کا لہجہ بہت تلخ ہو رہا تھا۔ "اور یہ ابو کو کیا پڑی ہے کہ وہ میری ٹوہ لیتے رہیں کہ میرے دوست کون ہیں، وہ کیا کرتے ہیں؟"
"بے وقوف، وہ باپ ہیں۔ اگر وہ تمہیں چھڑا کر نہیں لاتے تو تم ابھی تک حوالات ہی میں ہوتے۔" میں غصے سے بولا۔
[illegible] طرف کر لیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ بدتمیز ہو گیا ہے۔ اس کی صحبت خراب ہو گئی ہے لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ معاملہ اتنا بگڑ گیا ہوگا لیکن کیوں؟ کچھ دنوں پہلے تک تو ایسا نہیں تھا۔ صرف ایک پرابلم تھی کہ وہ بے پروا ہو گیا تھا۔ احساسِ ذمے داری نہیں تھا اس کو۔ دن بھر دوستوں کے ساتھ رہتا اور رات گئے واپس آتا۔ ابو کی طرح میں بھی اس کے لیے پریشان رہا کرتا تھا۔
ایک بار میں نے اپنے ایک دوست انور سے بات کی تو اس نے ایک ہولناک صورت سامنے رکھ دی۔ "بابر! میرا خیال ہے کہ تمہارا بھائی کسی قسم کا نشہ استعمال کرنے لگا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی۔ وہ بدتمیز اور گستاخ ہو جاتا ہے۔ اچھے برے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔"
"ہاں بھائی، اس کے ساتھ بھی شاید ایسا ہی ہو رہا ہے۔"
"ایک پرابلم یہ ہے کہ وہ اب جوان ہو چکا ہے۔ ہم اس کو قید کر کے نہیں رکھ سکتے۔ وہ شام ہوتے ہی گھر سے نکل جاتا ہے اور دیر سے واپس آتا ہے۔"
"اب یہی ہو سکتا ہے کہ تم اس کی نگرانی کرو۔ پتا لگاؤ کہ وہ کن کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔"
ایک پرابلم یہ تھی کہ امی اسے کچھ نہیں کہتی تھیں۔ ان کے خیال میں وہ ابھی بچہ تھا۔ خود سدھر جائے گا۔
میں نے اپنے طور پر راحیل کی نگرانی شروع کر دی۔ حالانکہ اس میں میرا بہت وقت ضائع ہو رہا تھا لیکن راحیل کے بارے میں معلومات حاصل ہونے لگی تھیں۔
ایک شام میں اس کا تعاقب کرتا ہوا ایک پارک میں پہنچ گیا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ وہ مجھے دیکھ نہ پائے۔ وہ ایک خالی بینچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ میں اس سے کچھ فاصلے پر اس کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی اس کی بینچ کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک بیگ تھا۔ اس نے راحیل سے ہاتھ ملایا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ دونوں کچھ باتیں کر رہے تھے۔
میں اتنے فاصلے پر تھا کہ ان کی آوازیں نہیں سُن سکتا تھا۔ وہ آدمی کچھ دیر بعد اٹھ کر چلا گیا لیکن حیرت انگیز طور پر اس کا وہ چمڑے کا بیگ اسی جگہ رکھا رہا تھا۔ اب راحیل اس بیگ کو لیے کسی طرف جا رہا تھا۔
میں اس کے پیچھے چلتا رہا اور اس دن کے تعاقب کے بعد جو کچھ مجھے معلوم ہوا وہ بہت روح فرسا تھا۔ راحیل منشیات فروش ہو گیا تھا۔ اس آدمی نے اسے جو بیگ لا کر دیا تھا اس میں کسی قسم کے نشے کی پڑیاں تھیں جو پلاسٹک کی چھوٹی تھیلیوں میں تھیں۔
میں بھی اس بات پر حیران ہوا کرتا تھا کہ راحیل کے
پاس پیسے کہاں سے آتے ہیں۔ اس دن اس راز کا پتا چل گیا۔
اب یہ کرنا تھا کہ اس کو کسی طرح اس شہر سے کہیں اور بھیج دیا
جائے۔ امی کی بے پروائی نے اسے اس حال کو پہنچا دیا تھا۔
میں نے ابو سے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا وہ
پریشان ہو جاتے۔ امی سے تو بولنا ہی فضول تھا۔ نہ جانے
انہوں نے کیسا مزاج پایا تھا۔ اب یہی ہو سکتا تھا کہ میں اپنے
طور پر اس معاملے سے نمٹنے کی کوشش کروں۔
پہلے مرحلے کے طور پر مجھے وہ جگہ دیکھنی تھی جہاں سے
ان لوگوں کو منشیات ملا کرتی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ جس آدمی
نے راحیل کو بیگ پہنچایا تھا وہ بھی ایک عام سا ایجنٹ ہی ہوگا۔
اس قسم کی مافیا کے لوگ خود سامنے نہیں آیا کرتے، اپنے آپ کو
چھپا کر رکھتے ہیں۔
کوئی اور ہے جو نوجوانوں کو زہر پلا کر ناکارہ کر رہا
ہے۔ راحیل کی عادتیں اب کھل کر سامنے آ گئی تھیں۔ پہلے تو
اس کی حرکتوں سے اظہار نہیں ہوتا تھا لیکن اب واضح طور پر

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

اس کے نشے کی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ ابو اس کی طرف سے بہت پریشان رہتے تھے۔

ایک دن راحیل نے مجھ سے کھل کر بات کی۔ "بھائی، ایک بات کہوں، آپ میرا پیچھا نہ کیا کریں۔"

"تمہارا پیچھا؟" میں نے حیرت ظاہر کی۔

"ہاں، یہ میں جانتا ہوں۔ مجھے بہت پہلے ہی احساس ہو گیا تھا۔ یہ میں آپ کی بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔ میرا کیا ہے، میں تو تباہ ہو چکا ہوں۔ پلیز آپ اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ ورنہ وہ لوگ آپ کو نقصان پہنچا دیں گے۔"

"راحیل تم اگر چاہو تو اس جنجال سے نکل سکتے ہو۔"

"نہیں بھائی، اس ریکٹ میں داخل ہونا تو آسان ہے لیکن نکلنا بہت مشکل ہے۔ آپ کو تو خود اندازہ ہو گیا ہوگا مجھے یہ لوگ کس طرح گھیرے رہتے ہیں۔ میری کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔"

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم اس شہر سے کہیں اور چلے جاؤ؟" میں نے کہا۔

"کہاں جاؤں، ان کا نیٹ ورک بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ پتا لگا لیں گے کیونکہ میں ان کے بہت سے رازوں سے واقف ہو چکا ہوں۔" راحیل نے کہا۔ "ہاں، اگر میں مر جاؤں تو اس کے بعد ان سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔"

"لیکن تم ان کے چنگل میں کس طرح پھنس گئے؟"

"غزالہ کی وجہ سے۔" اس نے بتایا۔

"کون غزالہ؟"

"میری کلاس فیلو۔ اس کے ڈیڈی منشیات کا پورا ریکٹ چلاتے ہیں۔ غزالہ نے جاب دلانے کے چکر میں میری اپنے ڈیڈ سے ملاقات کروائی تھی۔ اس کے بعد سے میں اس جال سے نکل نہیں سکا ہوں۔"

"خدا کی پناہ، تو اب کیا تم اس جال سے نہیں نکل سکتے؟"

"نہیں بھائی، میں نے ایک دو بار کوشش کی تھی لیکن ان کا حصار بہت مضبوط ہے۔ ایک دو بار مجھ پر قاتلانہ حملے بھی ہو چکے ہیں۔ صرف مجھے ڈرانے کے لیے۔ مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے۔ اس لیے کہ میں ان کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکوں۔ ان کے حصار میں رہوں۔"

"تو کیا تمہاری نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے؟"

"صرف یہ کہ میں اس ملک سے باہر نکل جاؤں۔" راحیل نے کہا۔

"ملک سے باہر تو مشکل ہے۔" میں نے کہا۔ "ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ تم اس شہر سے چلے جاؤ۔"

"کہاں جاؤں؟"

"لاہور چلے جاؤ۔" میں نے کہا۔ "وہاں میرا ایک دوست ہے، وہ تمہارا ہر طرح خیال رکھے گا اور اس سے جو ممکن ہوا وہ کرے گا۔"

"بھائی، کیا امی اور ابو مان لیں گے؟"

"کیوں نہیں، جب انہیں خطرے کا احساس ہوگا تو ماننا پڑے گا۔"

راحیل مطمئن ہو گیا۔ میں نے اپنے دوست امجد کو فون کر کے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ وہ فوراً راضی ہو گیا۔ "ٹھیک ہے بابر، تم راحیل کو میرے پاس بھیج دو۔ میں اس کا ہر طرح خیال رکھنے کی کوشش کروں گا۔"

لیکن راحیل کے لاہور جانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ دوسرے ہی دن اس کا قتل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اس کے قتل کی اطلاع مجھے گھر پر ملی تھی۔ محلے کا ایک نوجوان تھا تنویر، اس نے بدحواسی کے عالم میں آ کر خبر دی تھی۔ "بابر بھائی، جلدی چلیں۔ راحیل بھائی کی لاش پارک میں پڑی ہوئی ہے۔"

میں یہ خبر سنتے ہی بدحواس ہو کر پارک کی طرف دوڑ [illegible] لگا۔ بہت سے لوگ [illegible] پہنچ [illegible] تھے۔ [illegible] کے لوگ راحیل کو اچھی طرح جانتے تھے۔ مجھے دیکھ کر سب ایک طرف سمٹ گئے۔ میں راحیل کی لاش کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ مجھ پر ایک سکتے کا عالم طاری تھا۔ کل تک میرا بھائی مجھ سے باتیں کرتا رہا تھا، میں نے اس کے لاہور جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ اپنے دوست سے بات بھی کر لی تھی۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا لیکن کہاں ٹھیک تھا۔ اس کو تو مار دیا گیا تھا۔

اس کے بعد ایک اور حادثہ۔ گویا حادثات نے ہمارا گھر ہی دیکھ لیا تھا۔

راحیل کی موت نے جہاں ہم سبھی کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہاں اس صدمے کا سب سے زیادہ اثر ابو نے لیا تھا۔ ایک رات ان کو برین ہیمرج ہوا۔ ہم ان کو اسپتال لے گئے۔ کچھ دنوں کے علاج کے بعد وہ ٹھیک تو ہو گئے تھے لیکن مفلوج ہو گئے۔

اب وہ بستر پر پڑے رہتے اور نہ جانے کیا سوچتے رہتے۔ میں اور یاسمین ان کی دل جوئی میں لگے رہتے جبکہ وہ صرف ٹھنڈی سانس لے کر رہ جاتے۔ شاید وہ کچھ کہنا

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

چاہتے تھے لیکن خاموش رہ جاتے۔ نہ جانے کیسے بھید انہوں نے اپنے سینے میں چھپا رکھے تھے۔

بھید تو راحیل کے سینے میں بھی تھے۔ راحیل کی موت نے ہم سب کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ امی، ابو اور یاسمین سب بجھ کر رہ گئے تھے۔ پورا گھر ماتم کے لبادے میں لپیٹ دیا گیا تھا اور اب ابو کے ساتھ ہونے والا المیہ۔ اب وہ گھر ایک ماتم کدہ بن کر رہ گیا تھا اور میں...... میں غزالہ کی تلاش میں تھا۔ وہ غزالہ جو راحیل کی کلاس فیلو تھی جس کے بارے میں راحیل نے بتایا تھا کہ اس کا باپ منشیات کا ایک ریکٹ چلاتا ہے اور اسی نے راحیل کو منشیات کی سپلائی کے گندے دھندے میں ملوث کیا تھا۔

پھر میں نے غزالہ کی تلاش شروع کر دی۔ پولیس راحیل کے قاتل کا پتا نہیں چلا سکتی تھی۔ یہ میں جانتا تھا۔ اس کا قتل جس مافیا نے کروایا تھا وہ بہت طاقتور تھی۔ ایسے لوگوں کے ہاتھ بہت دور تک پھیلے ہوتے ہیں۔

راحیل نے اشارہ دیا تھا کہ غزالہ اس کے ساتھ پڑھتی ہے۔ لیکن کہاں، وہ کالج بھی جاتا تھا اور کچھ دنوں تک ٹیوشن سینٹر بھی گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ لڑکی اس کے ساتھ کہاں تھی۔

سب سے پہلے میں ٹیوشن سینٹر پہنچ گیا۔ وہ شہر کا ایک معروف سینٹر تھا۔ اس میں آنے والوں کی بہت بڑی تعداد تھی [illegible] ایک طرف [illegible] کھڑا ہو گیا۔ [illegible] کو بھی نہیں طالب علم آ جا رہے تھے۔ میں [illegible] جانتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ دو تین لڑکے باہر نکلے۔ میں نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا۔ ایک لڑکا اپنی بائیک اسٹارٹ کر رہا تھا۔ میں جلدی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔ "میاں ذرا بات سنو۔"

"جی فرمائیں۔" اس نے بہت مہذب انداز میں کہا۔

"کیا تم راحیل کو جانتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کون راحیل؟ یہاں دو راحیل ہوتے تھے۔ ایک راحیل احتشام اور دوسرا راحیل وقار۔"

"میں راحیل احتشام کی بات کر رہا ہوں، جس کا مرڈر ہو گیا ہے۔"

"ہاں، وہ بے چارہ ہمارے ہی ساتھ تھا لیکن آپ کون؟"

"میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔" میں نے بتایا۔

"اوہ۔" وہ اپنی بائیک سے اتر آیا۔

اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ "جناب! ہم نے جب اس کے مرڈر کی خبر سنی تو ہم سب شاک ہو گئے تھے۔ وہ ایک اچھا لڑکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ نہ جانے....." وہ بولتے بولتے رک گیا۔

"ہاں، میں جانتا ہوں میرا بھائی منشیات کا عادی ہو گیا تھا۔"

"بس جناب، اس میں یہی ایک خرابی تھی۔ میں اس کا دوست ہوں۔ میں اس کو سمجھانے کی کوشش کرتا لیکن اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا۔ یار کیا بتاؤں، میں مجبور ہوں۔ پھنس گیا ہوں، اس جال سے نکل نہیں سکتا۔"

"ہاں، اس نے یہ بات مجھ سے بھی کہی تھی۔" میں دھیرے سے بولا۔

"نہ جانے اس بے چارے کے ساتھ کیا مجبوری تھی؟"

"تم ایک بات بتاؤ، کیا اس کے ساتھ غزالہ نام کی کوئی لڑکی بھی پڑھتی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"جی جناب، پڑھتی تھی لیکن اب وہ نہیں ہے۔ اس نے بھی سینٹر آنا چھوڑ دیا ہے۔"

"کیا میرے بھائی کی اس سے دوستی بھی تھی؟"

"جی جناب، دونوں اکثر ساتھ ہی دیکھے جاتے تھے لیکن آپ اس لڑکی کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"راحیل نے اس کے لیے ایک پیغام دیا تھا۔" میں نے کہا۔ "اس نے کہا تھا کہ یہ پیغام اسی کو دیجیے گا لیکن اب کیا کریں، نہ جانے وہ کہاں رہتی ہوگی؟"

"آپ ایسا کریں انتظامیہ سے جا کر معلوم کر لیں۔ ہو سکتا ہے ان کے پاس اس کا ایڈریس ہو۔"

میں انتظامیہ کے پاس چلا گیا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ ان کے پاس رجسٹر میں اس کا ایڈریس نہیں تھا۔ البتہ اس کے ڈیڈ کے دفتر کا پتا لکھا ہوا تھا۔ میرے لیے اتنا ہی بہت تھا لیکن سوال یہ تھا کہ میں اس کے باپ سے مل کر کیا کرتا۔ کیا وہ بتا دیتا کہ ہاں اس کے اشارے پر اس کے آدمیوں نے راحیل کا خون کیا ہے۔ کوئی ثبوت ہو تو لے آؤ۔ میرے پاس ثبوت کہاں تھا، میں تو بس ایک جوش کے عالم میں نکل آیا تھا۔

پھر بھی میں نے سوچا کہ جا کر دیکھ تو لوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں کوئی کلیو مل جائے۔ میں نے انتظامیہ سے ان کے باپ کا پتا لے لیا۔ وہ لوگ مجھ سے اس لیے تعاون کرنے کو تیار ہو گئے تھے کہ میں راحیل کا بھائی تھا۔

میں گھر واپس آیا تو ابو انتظار کر رہے تھے۔ "کہاں چلے گئے تھے بیٹا؟"

"کہیں نہیں ابو، بس یوں ہی اپنے آپ کو بہلانے کے

لیے چلا گیا تھا۔"

"جاؤ، تمہاری امی اور یاسمین اپنے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

میں کمرے میں آیا۔ امی کے سر میں درد تھا۔ یاسمین ان کے سرہانے بیٹھی ان کا سر دبا رہی تھی۔ وہ شوخ اور چنچل لڑکی بجھ کر رہ گئی تھی۔

"کہاں تھے بیٹا؟" امی نے پوچھا۔

میں نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو میں ابو کو دے چکا تھا۔

اچانک یاسمین نے کہا۔ "بھائی تم مجھے لے جاؤ گے؟"

"تم کہاں؟"

"میری ایک دوست کی طبیعت خراب ہے، اس کو دیکھنے جانا ہے۔"

"کون دوست؟" میں نے پوچھا۔

"غزالہ نام ہے اس کا۔ ہاں یاد آیا، وہ راحیل بھائی کے ساتھ ہی پڑھتی تھی۔"

میرے ذہن میں ایک دھماکا سا ہوا۔ یہ وہی غزالہ تھی اور کیسا اتفاق تھا کہ یاسمین کی دوست نکل آئی تھی۔

☆☆☆

میں یاسمین کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں اس کی دوست سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔ ویسے جب میں نے اس سے یہ کہا تھا کہ مجھے بھی اس لڑکی سے ملنا ہے تو وہ بہت حیران ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے، بن دیکھے بن جانے والی بات ہے کیا؟" اس نے شوخ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں پگلی، راحیل چونکہ اس کے ساتھ ہی پڑھتا تھا۔ اسی لیے اس سے کچھ باتیں پوچھنی تھیں۔"

راحیل کے ذکر پر وہ خاموش ہو گئی تھی۔ میں اسے اپنے ساتھ بائیک پر غزالہ کی طرف لے گیا لیکن میں یہ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ یاسمین مجھے ایک عام سے محلے کے ایک عام سے گھر کے سامنے لے آئی تھی۔

راحیل نے بتایا تھا کہ غزالہ کا باپ منشیات کا پورا ریکٹ چلاتا ہے۔ راحیل اس کے پاس اپنی جاب کے لیے گیا تھا۔ ایسا شخص ایسے معمولی سے مکان میں تو نہیں رہ سکتا تھا۔

"یاسمین، کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ گھر اسی غزالہ کا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بھائی، یہ اسی کا گھر ہے، آپ کیوں حیران ہو رہے ہیں؟"

"میں اس لیے حیران ہوں کہ راحیل نے بتایا تھا کہ غزالہ ایک پیسے والے باپ کی بیٹی ہے۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں بھائی، وہ بے چاری کہاں سے پیسے والی ہونے لگی۔ اس کے ابو تو ایک عام سے دفتر میں کام کرتے ہیں۔"

"حیرت ہے، چلو پھر بھی تم مجھے اس سے ملوا سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ ملاقات کر لے گی۔"

یاسمین اس گھر میں چلی گئی۔ میں باہر ہی انتظار کرنے لگا۔ یاسمین کچھ ہی دیر میں باہر آ گئی تھی۔ "چلیں بھائی، میں نے غزالہ سے بات کر لی ہے۔ وہ آپ کو اندر ہی بلا رہی ہے۔"

یاسمین مجھے اس مکان کے اندر لے آئی۔ ایک چھوٹا سا مکان اور ایک چھوٹا سا ڈرائنگ روم۔ جس میں عام فرنیچر رکھا ہوا تھا۔ میرے وہاں بیٹھنے کے کچھ دیر بعد غزالہ بھی آ گئی۔ وہ ایک قبول صورت لڑکی تھی۔ جس طرح کی ہمارے یہاں کی لڑکیاں ہوتی ہیں۔

اگر اس کا تعلق کسی منشیات کا ریکٹ چلانے والے سے ہوتا تو اس کی پوزیشن ہی کچھ اور ہوتی۔ لیکن وہ تو سیدھے سادے گھرانے کی ایک سیدھی سادی لڑکی تھی۔

"جی فرمائیے، یاسمین بتا رہی تھی کہ آپ مجھ [illegible] چاہتے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ "راحیل تمہارے ساتھ ہی پڑھتا تھا، اس بے چارے کی کہانی اب ختم ہو چکی ہے۔"

"جی ہاں، یہ بہت بڑا حادثہ ہے۔" اس نے کہا۔ "ہم سب یہ سن کر سکتے میں رہ گئے تھے۔"

"کیا تم لوگوں کے ساتھ غزالہ نام کی کوئی اور لڑکی بھی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں تو، غزالہ تو بس میں ہی تھی۔" اس نے بتایا۔

"ایک منٹ۔" اسے کچھ یاد آ گیا تھا۔ "ایک لڑکی تھی اس کا نام جویریہ تھا۔ اس نے اپنا نک نیم غزالہ رکھا ہوا تھا۔ وہ عام طور پر اپنے آپ کو اسی نام سے متعارف کرواتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس نے رجسٹر میں بھی یہی نام لکھوایا تھا۔"

"اوہ، پھر تو وہی ہو گی۔ کیا تم مجھے اس کے بارے میں بتا سکتی ہو؟"

"وہ ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہے۔ ایک بار اس کا گھر دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ بہت زبردست گھر ہے اس کا۔ خود بھی ایک شاندار گاڑی میں آیا کرتی تھی۔"

"کیا راحیل سے اس کی دوستی تھی؟"

"دوستی؟ نہیں جناب ایک بار تو اس نے راحیل کو تھپڑ مار دیا تھا۔ پوری کلاس کے سامنے۔ معاف کیجیے گا یہ میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ آپ دونوں کو یہ سن کر دکھ ہو رہا ہو گا۔"

"ہاں دکھ کی تو بات ہے۔"

اس دوران یاسمین یہ سن کر ڈرائنگ روم سے چلی گئی تھی۔ اسے یہ سننا گوارا نہیں ہوا تھا۔

"کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟"

"شاید راحیل نے اس سے محبت جتانے کی کوشش کی تھی۔" اس نے بتایا۔

پھر یہ سب کیا تھا۔ راحیل نے یہ کیوں کہا تھا کہ غزالہ اس کی محبت تھی جبکہ دوسری غزالہ یہ بتا رہی تھی کہ اس لڑکی نے راحیل کو تھپڑ مار دیا تھا۔ معاملہ الجھتا جا رہا تھا لیکن میں نے یہ سوچ لیا کہ میں اس غزالہ سے ضرور ملوں گا۔

"کیا تم اس کا گھر بتا سکتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں، دور سے دکھا دوں گی لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"میرے مرحوم بھائی نے غزالہ کی ایک امانت مجھے دی تھی اور یہ تاکید کی تھی کہ میں اسی کے ہاتھ میں دوں۔" میں نے وہی کہانی اس کو بھی سنا دی۔

[illegible] بتا رہی تھیں کہ وہ اندر جا کر روتی رہی ہے۔ میں نے غزالہ سے پروگرام طے کر لیا تھا کہ وہ مجھے اس غزالہ کا گھر دکھا دے گی۔ میں نے یاسمین سے کچھ نہیں کہا۔

دوسرے دن صبح کا پروگرام طے ہوا تھا۔ میں دوسری صبح غزالہ کے گھر پہنچ گیا۔ وہ اپنے مکان کے گیٹ ہی پر میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اسے اپنی بائیک پر بٹھا لیا۔ اس وقت تک میرے ذہن میں کچھ نہیں تھا کہ میں اس غزالہ سے مل کر کیا کروں گا۔ بس چل پڑا تھا۔ شہر کے ایک پوش ایریا میں اس غزالہ کا گھر تھا۔ بہت ہی شاندار۔ کم از کم چار پانچ ہزار گز پر بنا ہوا۔ اونچی دیواریں، اونچے گیٹ، یعنی ہر لحاظ سے وہ ایک شاندار کوٹھی تھی۔

"تمہارا بہت شکریہ۔" میں نے کہا۔ "چلو میں تمہیں واپس پہنچا دوں۔"

میں گھر آ کر سوچتا رہا کہ کیا کروں۔ راحیل کے قاتلوں کا ابھی تک پولیس بھی پتا نہیں چلا سکی تھی۔ میں کیا کر سکتا تھا۔ میں بھی بس ایک اندازے پر بھاگ دوڑ کیے جا رہا تھا۔ اس رات میں اپنے کمرے میں تھا جب یاسمین نے آ کر کہا۔

"بھائی، ابو تم کو بلا رہے ہیں۔"

میں ابو کے کمرے میں پہنچا۔ وہ اپنے بستر پر تھے ہمیشہ کی طرح۔ "جی ابو فرمائیں۔" میں نے کہا۔

"بیٹے میں نے عجیب زندگی گزاری ہے۔ میری زندگی کا ایک ایسا پہلو بھی ہے جس کے بارے میں تمہاری امی کو بھی نہیں معلوم۔"

میں خاموشی کے عالم میں ان کی طرف دیکھتا رہا۔ میرے وجود میں ایک سنسنی سی پھیل گئی تھی۔ ابو کیا راز بتانے والے تھے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ میں کسی سے نہ کہوں۔ ویسے تو ان کی زندگی کا ہر پہلو میرے سامنے تھا۔

"بیٹا! تمہاری ایک اور بھی امی ہیں۔" ابو نے بتایا۔

"کیا؟" میں یہ سن کر سکتے میں رہ گیا تھا۔

☆☆☆

پھر ابو نے جو کہانی سنائی، وہ بہت دکھ بھری تھی۔ بلکہ ابو نے مجھے اپنی ڈائری دے دی تھی کہ میں اسے پڑھ لوں۔ تاکہ پتا چلے کہ انہوں نے جو بھی کیا وہ غلط تھا یا ان کا فیصلہ درست تھا۔

ابو نے لکھا تھا۔ ویسے میں ابو کے مزاج کا ذکر کر چکا ہوں۔ وہ ایک لکھنے پڑھنے والے آدمی تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے۔ ان کے مزاج میں ایک دل گداز نرمی تھی۔ وہ ایک حساس طبیعت کے انسان تھے۔

یہ کہانی لاہور سے شروع ہوتی ہے۔ ابو اس زمانے میں لاہور کے علاقے سمن آباد میں رہا کرتے تھے۔ وہ یہاں اکیلے تھے۔ اب باقی کہانی ان کی ڈائری سے۔

"میں نے سمن آباد میں ایک کمرا کرائے پر لے لیا تھا۔ میرے والدین ابھی تک مشرقی پاکستان میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان کی کلیئرنس نہیں ہوئی تھی جبکہ میں دو تین سال پہلے پاکستان آ چکا تھا۔

لاہور میں میرا ایک قلمی دوست علی فیضان تھا۔ وہ ایک شاعر تھا۔ میری اس سے دوستی ادب کے حوالے سے ہوئی تھی۔ لاہور آ کر ملاقات ہوئی تھی۔ اگرچہ کچھ رشتے دار کراچی آ کر رہنے لگے تھے لیکن میرے مزاج کو لاہور ہی پسند آیا تھا۔ وہاں علی فیضان سے ملاقات ہوئی تو اس نے میرے لیے کرائے کے ایک کمرے کا بندوبست کر دیا۔ اس کے علاوہ اسی کے حوالے سے دو ٹیوشنز بھی مل گئیں۔

"اب زندگی کچھ اس طرح ہو گئی تھی کہ میں ٹیوشن پڑھا کر پاک ٹی ہاؤس میں آ کر بیٹھ جاتا۔ جہاں ادیبوں کی بیٹھک ہوا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ حلقۂ ذوق کی محفلیں بھی ہوا

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

کرتیں۔رات دس بجے تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔اس کے بعد لوگ منتشر ہو جاتے۔

"میرے والدین چونکہ ابھی تک مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں تھے۔اسی لیے ان سے رابطہ صرف خطوں کے ذریعے ہوا کرتا۔میں اپنے خطوط اسی پاک ٹی ہاؤس کے پتے پر منگوایا کرتا۔صرف میں ہی نہیں بلکہ اور بھی لوگوں کے خطوط اسی پتے پر آیا کرتے تھے۔عجب مزاج تھا اس ریسٹورنٹ کا۔ لاہور کی علمی ادبی اور ثقافتی زندگی میں پاک ٹی ہاؤس کی بہت اہمیت ہے۔میں کبھی کبھی مال روڈ سے پیدل ہی چلا جایا کرتا تھا۔ایک بار ایسا ہوا کہ راہ چلتے ہوئے کسی کی چیخ سنائی دی۔ میں نے دیکھا ایک لٹیرا ایک لڑکی سے اس کا بیگ چھین کر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔میں دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ واضح ہو کہ اس زمانے میں چھینا جھپٹی ہی کے واقعات ہوا کرتے تھے۔ایسا نہیں ہوتا تھا کہ پستول وغیرہ دکھا کر زبردستی زخمی کر کے یا گولی مار کر ہلاک کر دیا۔مجھے آتے دیکھ کر وہ لٹیرا اس لڑکی کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔میں اس لڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بے چاری بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

"اس نے کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔"لڑکی نے جواب دیا۔"آپ کا شکریہ، آپ نہیں آتے تو وہ میرا بیگ لے کر بھاگ جاتا۔"

"کہاں رہتی ہیں آپ؟" میں نے پوچھا۔

"کرشن نگر۔" اس نے بتایا۔"اس طرف اپنی ایک دوست کے پاس آئی تھی۔اب واپس جا رہی تھی کہ یہ واقعہ ہو گیا۔"

"چلیں میں آپ کو پہنچا دیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"یقین کریں میں ایک شریف آدمی ہوں۔آپ یہ نہیں کہہ سکیں گی کہ آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا۔"

وہ ہنس دی۔"میں ویسے بھی نہیں کہتی۔" اس نے کہا۔

"چلیں کوئی سواری کر لیتے ہیں بلکہ چھوڑیں کرشن نگر زیادہ دور نہیں ہے۔ہم پیدل چلتے ہیں۔"

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے کرشن نگر کی طرف چل دیے۔اس نے راستے میں اپنے بارے میں بتایا کہ وہ ایک نرس ہے اور اس نے باقاعدہ نرسنگ کے کورس کیے ہیں۔میں نے اپنے بارے میں بتایا کہ میں کیا کرتا ہوں اور کیسی زندگی گزار رہا ہوں۔

اس نے اپنا نام روزینہ بتایا تھا۔وہ ایک ہمدرد قسم کی لڑکی تھی۔ذہین بھی تھی۔میں نے اسے اس کے گھر کے دروازے تک پہنچا دیا تھا اور چلتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔"روزینہ کوشش کرو کہ اندھیرا ہونے کے بعد گھر سے نہ نکلا کرو۔"

"ہاں، آج مجھے ایک سبق مل گیا ہے۔ورنہ عام طور پر میں اپنی ڈیوٹی کے بعد ہی دوستوں سے ملنے جایا کرتی تھی۔"

میں ایک سرشاری کے عالم میں گھر واپس آ گیا۔گھر کیا وہی ایک کمرے کا مکان۔جس میں بہت سخت دن گزار رہا تھا۔سامان کے طور پر میرے پاس ایک چارپائی تھی۔کچھ برتن تھے اور بقیہ کتابیں تھیں۔لکھنے پڑھنے کا شوق مجھے ہمیشہ سے رہا ہے۔اسی لیے میں نے اس چھوٹے سے کمرے میں ایک چھوٹی سی لائبریری بنا رکھی تھی۔

کیا زندگی تھی اور اس زندگی میں روزینہ سے ملاقات ہوا کے خوشگوار جھونکے کی طرح تھی۔اگرچہ اس سے صرف ایک ہی ملاقات ہوئی تھی لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے قریب آنے والے ہیں۔

ایسا ہی ہوتا ہے جب زندگی میں کبھی کوئی خوش گوار یا ناگوار واقعہ ہونے والا ہوتا ہے تو ہماری چھٹی حس ہمیں خبردار کر دیتی ہے۔تو اس حس نے مجھی بتا دیا تھا کہ ہم نے ایک دوسرے کو ذہنی طور پر قریب سمجھ لیا ہے۔

ہم نے دوسرے دن ملنے کا پروگرام بنایا تھا لیکن دوسرا دن [illegible]

میں دو مہینے سے اس کمرے کا کرایہ بھی نہیں دے پایا تھا۔حالانکہ کرایہ کوئی خاص نہیں تھا لیکن ٹیوشنز کے پیسے نہیں ملے تھے۔اسی لیے مالک کمرا کی باتیں سننی پڑی تھیں۔میں اسی ڈپریشن میں روزینہ سے ملنے نہیں جا سکا تھا۔

ایک علی فیضان تھا جس سے میں پیسے مانگ سکتا تھا لیکن شام کے وقت پتا چلا کہ وہ اپنے گھر ساہیوال جا چکا ہے۔ایک ہفتے میں واپس آئے گا۔بہر حال میں تیسرے دن روزینہ سے ملنے اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس نے ملنے کے لیے کہا تھا، وہ موجود تھی۔

"کہاں رہ گئے تھے تم؟" اس نے شکوہ کیا۔"کیا تمہیں احساس ہے کہ میں دو دنوں تک یہیں آ کر تمہارا انتظار کرتی رہی ہوں۔"

"بس کیا بتاؤں، میں نہیں آ سکا تھا۔" میں نے کہا۔

اس نے جب کئی بار پوچھا تو میں نے اپنی پریشانی بتا دی۔میری بات سن کر اس نے ایک عجیب بات کی۔"فرض کرو، اگر تمہیں کہیں سے ادھار مل جائے تو اس کے بدلے کیا دو گے؟"

"میں نہیں سمجھا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں پانچ ہزار کی ضرورت ہے نا؟"

"ہاں۔"

"تم مجھ سے لے لو۔" اس نے کہا۔

"تم سے لے لوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تو کیا ہوا، ہم کم از کم اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کے کام آ جائیں۔" اس نے کہا۔"تم اس کو قرض سمجھ سکتے ہو جب تمہارے پاس آ جائیں تو واپس کر دینا۔"

اس طرح اس لڑکی نے میری مدد کر دی۔پھر اس نے ایک دو مواقع پر میری پریشانیوں کو حل کیا اور میری سمجھ میں آیا کہ

جو کہ رشتے میں کچھ نہیں ہوتے
ان سے رشتہ بلا کا ہوتا ہے

رفتہ رفتہ روزینہ سے میری دوستی گہری ہوتی گئی۔ایک دن اس نے مجھے کرسمس کی دعوت دی۔کل ہمارے گھر آ جانا ڈنر پر۔"

"کل تو کرسمس ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں، ہم ہر کرسمس کو پارٹی دیتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"تو کیا تم؟"

[illegible]" اس نے بتایا۔

اس دن پہلی بار اس کے کرسچین ہونے کا پتا چلا۔خیر اس سے کیا فرق پڑتا۔ہم نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا تھا۔

یہاں ایک بات بتا دینا ضروری ہے کہ میں نے جس گھرانے میں پرورش پائی ہے وہ کٹر مذہبی تھا۔مجھے یاد ہے کہ میں اپنے بچپن میں کرتہ پاجامہ پہن کر محلے کی ایک مسجد میں قرآن پڑھنے جایا کرتا تھا۔میرے ابو نے اسی انداز میں ہماری تربیت کی تھی۔ان کا کہنا تھا انہیں یہ دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے کہ بچے ٹوپیاں سروں پر رکھے مسجد کی طرف جا رہے ہیں۔ میرے دل میں تھا کہ شادی کے بعد میں اپنے بچوں کی پرورش اسی انداز سے کروں گا۔

خیر تو روزینہ ایک عیسائی لڑکی تھی۔میں نے جب شادی کی پیشکش کی تو اس نے قبول بھی کر لیا لیکن اس نے یہ شرط بھی رکھ دی کہ وہ اپنا مذہب تبدیل نہیں کرے گی۔یہ ایک بڑی رکاوٹ تھی۔

میں نے اپنے دوست علی فیضان سے مشورہ کیا تو وہ مجھے ایک عالم کے پاس لے گیا۔انہوں نے فرمایا، کوشش کرو

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں
گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت
باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 1200 روپے
امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 10,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 9,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔
بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔اس سے گریز فرمائیں۔
0301-2454188
0333-3285269
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35804200-35804300

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

کہ تم اسلامی تعلیمات دے کر اس لڑکی کو مسلمان کر لو۔ ویسے اہلِ کتاب سے شادی کی جا سکتی ہے۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ میں نے روزینہ سے شادی کر لی۔ کئی رکاوٹیں بھی آئیں۔ مذہبی اور سماجی اختلافات بھی ہوئے لیکن ہم ایک دوسرے کے ہو گئے۔ ہم نے سمن آباد ہی میں ایک مکان کرائے پر لے لیا۔

شادی کے بعد میری آمدنی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور خود روزینہ بھی ہیڈ بنا دی گئی تھی۔ یعنی اس کی سیلری بڑھ گئی تھی لیکن ابھی تک میں نے اس پر مسلمان ہونے کے لیے کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ میں اسے دینی اور مذہبی کتابیں لا کر دیا کرتا تھا اور وہ ان کا مطالعہ بھی کرتی رہتی تھی۔

وہ ایک ذہین لڑکی تھی اور میں اس کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ بلا کی ہمدرد تھی۔ کسی کا دکھ دیکھ نہیں سکتی تھی۔ شاید اسی لیے اس نے نرسنگ کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا کہ اچانک میرے والدین مشرقی پاکستان سے کراچی آ گئے۔

میرے لیے یہ بہت بڑی خبر تھی۔ انہوں نے اپنے ایک دوست کے گھر قیام کیا تھا جو بہت پہلے کراچی آ چکے تھے اور کاروبار کر رہے تھے۔ ابو بتاتے تھے کہ ان کا بہت اچھا بزنس ہے۔

ابو نے حکم دیا کہ میں فوراً کراچی آ جاؤں۔ میں نے روزینہ کو بتایا تو نہ جانے کیوں وہ کچھ فکرمند سی ہو گئی۔ میں نے سمجھایا کہ فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے جلد ہی کراچی بلا لوں گا۔ والدین کو اس کے بارے میں بتاؤں گا۔ سمجھاؤں گا کہ ہم نے شادی کر لی ہے اور اب وہ آپ دونوں کی بہو ہے۔

لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واقعات پر بس نہیں چلتا اور وہ سب ہو جاتا ہے جو سوچ سے بھی باہر ہوتا ہے۔ ابو کے دوست کا گھر بہت بڑا تھا۔ وہ پیسے والے آدمی تھے۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا تھا۔

ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ اس گھر کا ماحول تھوڑا آزادانہ تھا۔ یعنی ویسٹرن کلچر میں رنگا ہوا۔ جبکہ ہم بالکل مختلف ماحول سے آئے تھے۔ بہرحال ہوا یہ کہ مجھے روزینہ کے بارے میں بتانے کا موقع ہی نہیں ملا۔

ہوا یہ کہ مجھے بلانے سے پہلے ابو نے میرا رشتہ اپنے دوست کی بیٹی سے طے کر رکھا تھا جبکہ ان کے دوست کی بیوی کی حالت غیر تھی۔ ان کا ایک آپریشن ہوا تھا اور وہ بسترِ مرگ پر تھیں۔ یہ ان کی آخری خواہش تھی کہ اپنی موت سے پہلے اپنی بیٹی کی شادی کر جائیں۔ ایسی نازک صورتِ حال تھی۔ ابو اپنے دوست کی خواہش کو ٹال نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کے بہت احسانات تھے۔ انہوں نے میرے والدین کو اس وقت اپنے گھر میں رکھا تھا جب وہ بے گھر تھے۔ مشرقی پاکستان سے لٹے پٹے آئے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے ابو کو اپنا کاروبار کرنے کے لیے پیسے بھی دیے تھے۔ یعنی ہم ان کے احسانات کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ لہٰذا اس مرتی ہوئی خاتون کی خواہش پوری کر دی گئی اور میری شادی ہو گئی۔ مجھے بتانے کا موقع ہی نہیں مل سکا کہ میں لاہور میں شادی کر چکا ہوں۔ لیکن میں نے روزینہ سے کچھ نہیں چھپایا، میں نے اسے صورتِ حال بتا دی۔ شادی کے بعد میں کچھ دنوں کے لیے لاہور چلا گیا اور میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ وہ ایک صابر لڑکی ثابت ہوئی۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ "میں آپ کی مجبوری جان گئی ہوں لیکن صرف اتنا ہی کہوں گی کہ مجھے فراموش مت کیجیے گا۔ میرا مزاج بالکل مختلف ہے۔"

میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ میں اس کا ہوں اور رہوں گا۔ اس کے بعد سے اب تک میں اپنا وعدہ پورا کرتا چلا آ رہا ہوں۔ اب میں جو لاہور جاتا ہوں تو اس کی وجہ کاروبار بھی ہے اور روزینہ سے ملاقات بھی۔ وہ میری اس توجہ سے بہت خوش ہے۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ مجھے صرف اس بات کی فکر ہے کہ میرے بچوں کا مذہب کیا ہو گا۔ روزینہ سے میرے دو بیٹے ہیں۔ پتا نہیں روزینہ نے انہیں کیا تعلیم دی ہوگی۔ میں نے اپنی کہانی اس ڈائری میں [illegible] تاکہ وہ اس کو پڑھ کر اپنے باپ کی مجبوری سمجھ سکے۔

https://www.urdutubes.com/

اب اس ڈائری میں میرے والد نے مجھے مخاطب کیا تھا۔

"بیٹے! تمہاری دوسری ماں لاہور میں ہے۔ میرے دو بچے ہیں جو تمہارے بھائی ہوتے ہیں۔ بیٹے میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لاہور جا کر ان بچوں سے ملو۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ روزینہ نے انہیں اپنے مذہب کی تعلیم دی ہوگی۔ میں گزشتہ دو برس سے لاہور نہیں جا سکا ہوں۔ تم جا کر انہیں دیکھو اور کوشش کرو کہ ان بچوں کو اپنے ماں باپ کے مذہب کی طرف لا سکو۔"

انسان کے ساتھ بھی کتنے دکھ اور کتنے بھید ہوتے ہیں۔

میں اپنے ابو کو دیکھتا تھا۔ وہ معاشی طور پر کمزور تھے جبکہ امی کے گھر والے دولت مند تھے۔ ابو کے کاروبار کو بھی ان ہی لوگوں نے اسٹیبلش کیا تھا۔ اسی لیے اب ان کے زیرِ اثر رہے۔ وہ اپنی مرضی نہیں چلا سکتے تھے۔

ابو کا مزاج بالکل مشرقی تھا جبکہ امی کا گھرانا مغربی

تہذیب سے متاثر تھا۔ ابو کی خواہش تھی کہ ان کے بچے اپنی روایات کے مطابق پہلے دینی تعلیم حاصل کریں۔ اس کے بعد دنیا کی طرف آئیں۔ لیکن امی نے اس کے برعکس ہمیں ابتدا ہی میں انگلش اسکول میں داخلہ دلوا دیا تھا۔

ابو کو اس کا ہمیشہ سے دکھ رہا تھا پھر یہ ہوا کہ امی کی طرف سے انہیں توجہ بھی نہیں مل سکی۔ وہ ایک شاعر تھے۔ بہت حساس طبیعت پائی تھی۔ وہ محبت کی تلاش میں رہے جو انہیں اس عورت سے مل گئی جس کی کہانی انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھ دی تھی۔

پھر یہ ہوا کہ جوان بیٹا (راحیل) تباہ ہو کر موت کی آغوش میں چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا دکھ یہ ہوتا ہے کہ جوان اولاد کی لاش کو کندھا دینا پڑے۔ اس وقت پہاڑ جیسا انسان بھی ڈھے جاتا ہے۔ ابو کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ اب زندہ لاش کی طرح تھے۔

وہ اکثر اپنی ڈائری میں کچھ لکھا کرتے تھے۔ میں نے ایک بار دریافت کیا، ابو یہ آپ کیا لکھتے رہتے ہیں؟ انہوں نے کہا تھا کہ وقت آنے پر بتا دوں گا۔

شاید وہ وقت آ گیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے مجھے اپنی وہ ڈائری پڑھنے کو دے دی تھی۔

https://www.urdutubes.com/

[illegible] دیکھ کر ان کی آنکھیں چمک گئیں۔

"ابو۔" میں نے ان سے کہا۔ "میں نے آپ کی کہانی پڑھ لی ہے۔ آپ بے فکر رہیں، میں سمجھ گیا کہ آپ نے کن حالات میں امی سے شادی کی ہوگی۔ میں لاہور جا رہا ہوں۔ اپنی دوسری ماں اور اپنے بھائیوں سے ملنے کے لیے۔"

ابو کچھ دیر تک خاموش رہے پھر دھیرے سے بولے۔ "بیٹا! بس میں یہی چاہتا ہوں کہ تم ان بچوں کو اپنے مذہب اور روایت کی طرف لے آؤ۔ ان میں سے ایک چھ سال کا ہو گیا ہے، دوسرا چار سال کا ہے۔ دونوں ابھی بچے ہیں۔ ابھی مذہب کے بھید بھاؤ سے واقف نہیں ہیں۔ ابھی ان پر اپنی ماں کے مذہب کا رنگ نہیں جما ہوگا۔ تم ان کو کسی طرح واپس لا سکو تو یہ بہت بڑا کام ہوگا۔"

"ابو ایک بات بتائیں، میری امی اور آپ کی پہلی شادی میں دو تین سال کا فرق ہوگا۔ پھر وہ بچے اتنے چھوٹے کیوں ہیں؟"

"اس لیے کہ روزینہ کی بہت برسوں کے بعد اولادیں ہوئی تھیں۔" ابو نے بتایا۔ "وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا تھی کہ برسوں اس کا علاج چلتا رہا ہے۔ تب جا کر وہ ماں بننے کے

سمجھ میں نہیں آتا

اسکول میں داخلے کا فارم چیک کرتے ہوئے اُستاد نے بچے کی عمر پوچھی تو بچہ بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری عمر کیا ہے؟" پھر سوچتے ہوئے کہا۔ "جب پیدا ہوا تھا تو میرے ڈیڈی کے بیان کے مطابق میری ممی کی عمر پچیس سال تھی۔ گزشتہ منگل کو ممی نے اپنی چوبیسویں سالگرہ منائی ہے۔"

وہاڑی سے ناصر علی کی مصومیت

گردہ

کُل پاک و ہند مشاعرے میں شرکت کے لیے حضرت جگر مرادآبادی پہلی بار لاہور آئے تو ان کا شہرہ سن کر دور دور سے لوگ آ کر ان کے استقبال کے لیے ریلوے اسٹیشن پر جمع ہو گئے۔ بڑے بڑے ادیب بھی ان میں شامل تھے۔

جگر صاحب ٹرین سے باہر آئے تو لوگوں سے تعارف کرانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مختلف ادبی شخصیات سے ملتے ہوئے وہ منٹو کے پاس پہنچے تو منٹو نے بڑی سعادت مندی سے اپنا تعارف خود ہی کراتے ہوئے کہا۔ "حضرت بس یوں سمجھ لیجیے کہ اگر آپ مرادآباد کا جگر ہیں تو یہ خاکسار لاہور کا گردہ ہے۔"

خالد محمود بھٹی، گوجرخان

اصل وجہ

مالک: "ٹائر کیسے پنکچر ہو گیا؟"
ڈرائیور: "جناب یہ ایک قینچی پر چڑھ گیا تھا۔"
مالک: "کیا تم نے قینچی دیکھی تھی؟"
ڈرائیور: "جی نہیں، وہ اس آدمی کی جیب میں تھی جو میری گاڑی کے نیچے آ گیا تھا۔"

سردار خشونت سنگھ، پشاور سے

Digitized by Google

قابل ہوسکی ہے۔"

"ابو آپ فکر نہ کریں۔" میں نے تسلی دی۔ "میں اپنے بھائیوں کو اسلام کی راہ سے دور نہیں جانے دوں گا۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے بیٹا۔" ابو نے کہا۔ اب ان کے چہرے پر اطمینان سا تھا۔ "تم ان دونوں کو کسی اچھے سے ہوسٹل میں داخل کرادینا۔ اس کے اخراجات میں نے پیسہ پیسہ جوڑ کر اپنے دوست نفیس صاحب کے پاس رکھوا دیے ہیں۔ اسی دن کے لیے۔ جاؤ خدا تمہارا ساتھ دے۔"

میں نے وعدے کے مطابق امی اور یاسمین سے ابو کے اس راز کے بارے میں کچھ نہیں کہا اور کچھ دنوں کے بعد لاہور کے لیے روانہ ہوگیا۔

کرشن نگر کا وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جہاں میں دستک دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ دروازے پر ایک خاتون تھیں اور میرے اندازے کے مطابق وہی روزینہ ہوسکتی تھیں۔

"کیا ہے بیٹا؟" انہوں نے بہت نرم آواز میں پوچھا۔ "کس سے ملنا ہے؟"

"اگر آپ روزینہ ہیں تو پھر میں آپ ہی سے ملنے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ہاں، میں ہی روزینہ ہوں۔" انہوں نے بتایا۔ "لیکن تم کون ہو؟"

"میں آپ کا بیٹا ہوں۔" میں نے بتایا۔

"کیا؟" وہ یہ سن کر حیران رہ گئی تھیں۔

"ہاں، میں احتشام صاحب کا بیٹا ہوں۔ ان کی پہلی اولاد۔"

"اوہ تم......، ہاں مجھے یاد آگیا۔ تمہارے ڈیڈی مجھے تمہاری تصویر دکھایا کرتے ہیں۔ تم وہی ہو، تم میرے بیٹے ہو، آؤ بیٹے اندر آجاؤ، تم کب آئے؟"

"میں آج ہی آیا ہوں اور سیدھا آپ ہی کے پاس آیا ہوں۔"

"بیٹے یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ تم یہیں رہو گے میرے ساتھ۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ۔ ایک منٹ بیٹھو، میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لاتی ہوں آؤ۔" انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ کتنی ماتا بھری نرمی تھی ان کی گرفت میں۔

ایک چھوٹا سا ڈرائنگ روم تھا۔ انہوں نے مجھے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ "یہ بتاؤ، تمہارے ابو کیسے ہیں۔ دو سال سے وہ نہیں آئے، وہ ٹھیک تو ہیں نا؟"

"وہ بیمار ہیں۔" میں نے بتایا۔

"خدا رحم کرے۔ کیا ہوا ہے ان کو؟"

"کیا میں آپ کو ممی کہہ سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں بیٹا، جب ماں ہوں تو ممی ہی کہو گے نا؟ بتاؤ کیا ہوا ہے ان کو؟"

میں نے بہت مشکلوں سے انہیں ابو کے بارے میں بتایا۔ وہ اسی وقت رونے لگی تھیں۔ میں نے ایک ڈائری کے بارے میں بتا دیا جس میں ان کی اور ابو کی کہانی تھی۔ عجیب سا تاثر تھا ان کے چہرے پر۔ لیکن میں یہ نہیں بتا سکا تھا کہ ابو کو ان کی اور بچوں کی طرف سے کیا اندیشہ تھا۔ اتنی دیر میں دو بچے باہر سے اندر آگئے۔ دونوں نے سفید کرتا اور پاجامہ پہن رکھا تھا۔ ان کے بستے ان کے شانوں پر تھے۔ وہ دونوں بڑی حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"بیٹا! یہ تمہارے بڑے بھائی ہیں۔" انہوں نے اپنے بچوں کو بتایا۔

بچے کچھ حیرت کچھ جھجک کچھ محبت سے میری طرف دیکھنے لگے۔ پھر وہ میرے پاس آگئے۔ ان کے بدن سے مجھے اپنی ہی خوشبو آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کوئی اور تھوڑی تھے میرے ابو ہی کی اولاد تھے۔

"یہ ساجد احتشام ہے۔" ماں نے بڑے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر چھوٹے کا نام بتایا۔ "یہ حامد احتشام ہے۔"

"یہ دونوں اس وقت کہاں سے آ رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ دونوں [illegible] پڑھنے جاتے ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

مجھے ایسا لگا جیسے ابو نے یہ بات سن لی ہو اور ان کے ہونٹوں پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ نمودار ہوگئی ہو۔ وہ جس بات کا میری امی سے شکوہ کرتے رہتے تھے، وہ خواہش اس عورت نے پوری کردی تھی۔ جس کا مذہب کچھ اور تھا... عقیدہ کچھ اور۔ میں تو یہاں یہ سوچ کر آیا تھا کہ ان بچوں کو میں اسلام کی طرف راغب کروں گا۔ ان کو کسی اور مذہب کی طرف نہیں جانے دوں گا۔

لیکن اب میں کیا کہہ سکتا تھا۔ دونوں بچے تو مجھ سے، راحیل سے اور یاسمین سے بھی زیادہ مسلمان تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت اپنی ماں کی آغوش سے بہتر کہیں اور نہیں ہوسکتی تھی۔

انتہائی جذبات سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے دونوں بچوں کو خوب زور سے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔

اپنا اپنا دکھ

تمکین رضا

حُسن... محبت اور سچائی انسانوں کا شعار ہے... باشعور اور باذوق نظر آنے والے شخص کی کرم فرمائی... وہ غم زدہ اور یاس زدہ مجبور کی کتھا سننے پر مجبور ہو گیا تھا... اصل امتحان فیصلہ کن گھڑی تھی۔

ہمارے اردگرد بکھرے کرداروں میں سے ایک کردار کی المیائی عکاسی

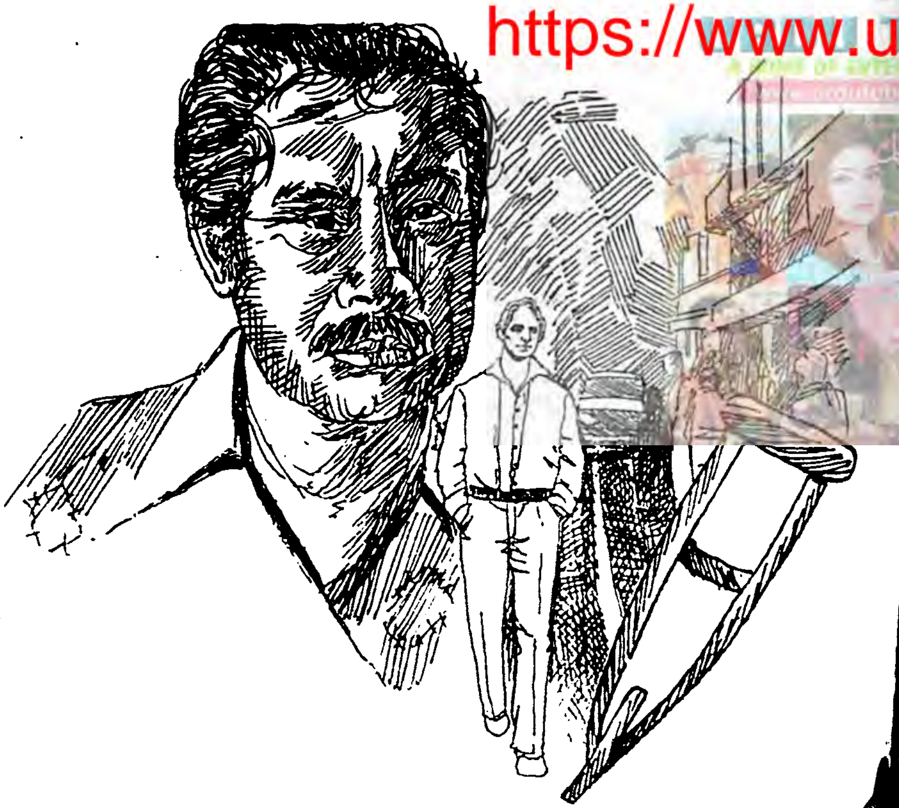

میں ان بڑے میاں سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔

وہ ایک لنگڑا شخص تھا جو بیساکھی کے سہارے کھڑا ہر آنے جانے والی سواری کو ہاتھ کے اشارے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کوئی بھی اس پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔ ہر شخص اسے نظرانداز کرتا ہوا گزر جاتا۔ خدا جانے ہمارے معاشرے میں اتنی بے حسی کہاں سے آگئی تھی۔ کم از کم ایک معذور شخص پر تو دھیان دے لیا کریں۔

اگر میرے پاس گاڑی ہوتی تو میں یقیناً اسے لفٹ

https://www.urdutubes.com/

دنے کر وہاں پہنچا دیتا جہاں وہ جانے والا تھا۔ اس کا لباس بھی پرانا اور میلا کچیلا تھا۔ اس کے ہر انداز سے غربت کا اظہار ہو رہا تھا۔

مجھ سے نہیں رہا گیا۔ میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا۔ ”جناب۔ آپ کہاں جائیں گے؟“

”نشتر کالونی۔“ اس نے بتایا۔ ”اتنی دیر سے کوشش کر رہا ہوں لیکن کوئی رکنے کو تیار ہی نہیں ہے۔“

نشتر کالونی اسی روڈ پر آگے جا کر دائیں ہاتھ کی طرف تھی۔ ایک بار میرا وہاں کسی کام سے جانا ہوا تھا توبہ، کتنا خراب راستہ تھا۔ جگہ جگہ گڑھے۔ ہر طرف کیچڑ پھیلا ہوا۔ شاید رکشا اور ٹیکسی والے اسی لیے اس کالونی میں جانے سے کترا رہے تھے۔ لیکن یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ جب وہاں آبادی تھی، لوگ رہ رہے تھے تو پھر کوئی نہ کوئی تو آتا جاتا ہوگا۔

میری رہائش اسی روڈ پر بہت آگے جا کر ایک پُرسکون علاقے میں تھی۔ وہ علاقہ نیا نیا ڈیولپ ہوا تھا۔ اچھے فلیٹس بنائے گئے تھے۔ جو خاصے مہنگے داموں فروخت ہوئے تھے۔ میں کرائے پر تھا لیکن مجھے پریشانی اس لیے نہیں ہوتی تھی کہ میرے پاس کنوینس نہیں تھی۔ دفتر آنے جانے کے لیے ہائی روف مہیا کی گئی تھی۔ جس پر میں اور نسیم صاحب آیا جایا کرتے تھے۔

نسیم صاحب کریم آباد میں رہتے تھے۔ دفتر سے نکلتے ہوئے ان کا علاقہ پہلے پڑتا تھا۔ اس کے بعد بہت سا سفر طے کر کے ہمارا علاقہ آیا کرتا۔

آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ہم دونوں ہائی روف میں بیٹھے۔ یعنی میں اور نسیم صاحب۔ ہمارے درمیان گپ شپ ہوتی رہی۔ پھر نسیم صاحب کریم آباد پر اُتر گئے لیکن ہائی روف آگے چل کر خراب ہو گئی۔

خرابی بھی ایسی کہ لمبا کام ہو گیا تھا۔ ڈرائیور نے مجھ سے کہا۔ ”عزیز صاحب، آپ کسی رکشا یا ٹیکسی سے چلے جائیں۔ میں گاڑی کو ٹو کر کے کسی مکینک کے پاس لے جاؤں گا۔“

”اگر تم کہو تو میں تمہارے ساتھ ہی رک جاؤں؟“ میں نے ماجد سے کہا۔

”نہیں صاحب، آپ چلے جائیں۔ آپ کہاں میرے ساتھ خوار ہوتے پھریں گے۔ میری فکر نہ کریں۔“

میں گاڑی سے اُتر کر ایک طرف چل پڑا اور آگے جا کر وہی بڑے میاں دکھائی دے گئے۔ جن کا ذکر کر چکا ہوں۔

ان کی بے بسی دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انسان بھی کس قدر بے بس اور کمزور مخلوق ہے۔

خدا اس کو سارے اعضا دیتا ہے۔ کام کرنے کے لیے ہاتھ۔ چلنے کے لیے ٹانگیں۔ دیکھنے کے لیے آنکھیں لیکن جب ان میں سے کسی میں کوئی کمی ہو جائے تو کتنا بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس طرح یہ بے چارے بڑے میاں ہو گئے تھے۔

میں ان بڑے میاں کو دیکھ رہا تھا اور لوگوں کی بے حسی کا ماتم کیے جا رہا تھا۔ کاش اس وقت وہ دفتر والی ہائی روف میرے پاس ہوتی تو میں ان کو ہر حال میں لفٹ دے کر وہاں پہنچا دیتا۔ جہاں یہ جانے والے تھے۔

لیکن میں تو خود بے بس ہو کے رہ گیا تھا۔

ایک رکشا بڑے میاں کے پاس آ کر رک گیا۔ بڑے میاں نے اس سے بات کی لیکن وہ رکشے والا رکشا اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔

یہ اتفاق تھا کہ میں اس راستے پر بڑے میاں سے ذرا آگے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ کا اشارہ دیا اور رکشا میرے پاس آ کر رک گیا۔ ”جی بھائی جان، کہاں جائیں گے؟“ رکشے والے نے پوچھا۔

”میں تو خیر نہیں جاؤں گا لیکن تم نے اس بے چارے کو کیوں نہیں بٹھایا؟“ میں نے پوچھا۔

”ارے صاحب، وہ نشتر کالونی کی بات کر رہا ہے۔ آج کل وہ راستہ بہت خراب ہے۔“

”یہ [illegible] بے چارہ [illegible] کہا۔ ”بہت دیر سے کھڑا ہوا ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے صاحب، لیکن میں نہیں لے جا سکتا۔“ رکشے والا رکشا اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔

میرا دل چاہا کہ میں اس کم بخت کے رکشے کو آگ لگا دوں، کیا مزاج ہو گیا تھا لوگوں کا۔ انسان روز بروز خود غرض ہوتا جا رہا تھا۔ اسے اس بات کی پروا نہیں تھی کہ کوئی معذور انسان اپنی منزل تک جانا چاہتا ہے۔

اسے اس بات کی فکر تھی کہ کہیں خراب راستے پر چلتے ہوئے اس کا رکشا نہ خراب ہو جائے۔ میں ایک بار پھر بڑے میاں کے پاس چلا گیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ان سے بہت ہمدردی ہو گئی تھی۔

ہو سکتا تھا کہ کبھی انہوں نے زندگی کے اچھے دن بھی دیکھے ہوں لیکن اب ان کی حالت خستہ تھی۔

”کیا بات ہے بیٹا؟“ بڑے میاں نے اچانک مجھے مخاطب کیا۔ ”تم نہیں گئے؟“

”نہیں محترم، میں تو آپ کے لیے رکشا کر رہا تھا لیکن وہ جانے کو تیار ہی نہیں ہوا۔“

”ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔“ بڑے میاں نے ایک گہری سانس لی۔ ”نشتر کالونی کی طرف بہت کم جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ علاقہ ہی ایسا ہے۔ کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ سڑک نام کی تو کوئی چیز نہیں ہے۔ بس زندگی گزر رہی ہے ورنہ......“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

”ہاں خیریت ہے۔ آپ کچھ بتا رہے تھے پھر رک گئے۔“

”کیا بتاؤں؟“ ان کے لہجے میں بے پناہ اُداسی تھی۔ ”ایک زمانہ تھا کہ میں سوسائٹی میں رہا کرتا تھا۔“

”ارے وہ تو بہت اچھا اور پوش علاقہ ہے۔“ میں نے کہا۔ ”پھر آپ نے وہ جگہ کیوں چھوڑ دی؟“

”بس بھائی۔“ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ”قسمت نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے۔ ورنہ میں......“ وہ کچھ بتاتے بتاتے رہ گیا۔ ”خیر چھوڑو، رات گئی بات گئی۔“

بہت کچھ تھا اس کے سینے میں۔ وہ بتاتے بتاتے رہ گیا تھا۔ میں نے جب اصرار کیا تو اس نے بتایا۔ ”بیٹا! میں استاد تھا۔ کالج کا استاد۔ لٹریچر پڑھایا کرتا تھا لیکن اب۔“ کچھ چپ رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ”یاد ہیں ہم کو بھی وہ رنگا رنگ بزم آرائیاں۔ لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں۔“

اندازہ ہو گیا کہ وہ واقعی لٹریچر کے استاد رہے ہوں [illegible] وقت کتنا بے رحم اور بے حس ہوا کرتا ہے۔ وقت کی چکی کا کام [illegible] اس کی زد میں کوئی بھی آ جائے۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جن کو وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں خود بھی اس وقت بہت دکھی ہو رہا تھا۔ نہ جانے اس دنیا میں کیا کیا ہوتا ہے۔ انسان کیسے کیسے وقت دیکھتا ہے۔ اس کے بعد سرینڈر کر جاتا ہے۔

یہ بڑے میاں بھی سرینڈر کر گئے تھے۔ کیا تھا ان کے پاس؟

”بیٹا! تم کہاں تک جا رہے ہو؟“ بڑے میاں نے پوچھا۔

”محترم میں نئی بستی کی طرف جا رہا ہوں۔“ میں نے بتایا۔ ”میری وہاں رہائش ہے۔ گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ ڈرائیور اس کو لے کر مکینک تک گیا ہے لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کو نشتر کالونی تک پہنچا کر چلا جاؤں گا۔“

”بیٹا۔“ اس نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ”تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔“

”ارے نہیں، مہربانی کیسی۔ یہ تو میرا فرض ہوگا۔“

”لیکن بیٹا، کوئی سواری بھی تو نہیں رک رہی۔ سب تیزی سے گزر جاتے ہیں۔ میری طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔“

”فکر نہ کریں، اب میں آپ کے ساتھ کھڑا ہوں۔“

”لیکن آج اتنا رش کیوں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”آج ہفتے کی شام ہے نا۔ سب لوگ گھر کی طرف جا رہے ہیں۔ وہاں سے تیار ہو کر پھر کسی طرف نکل جائیں گے۔ کل اتوار کی چھٹی ہے۔“

”کاش، میرا بھی کوئی ہوتا تو میں اس کی طرف چلا جاتا۔“

اس کی اس بات نے مجھے بھی اداس کر دیا۔ کتنی حسرت سے اس نے یہ بات کی تھی۔ کتنا دکھ سمٹ آیا تھا۔ اس لمحے میں نے یہ سوچا [illegible] کم از کم میں اتنا تو کر ہی سکتا ہوں کہ کبھی کبھی اس کے پاس چلا جایا کروں۔

”محترم، کیا آپ اپنے گھر کا ایڈریس بتا سکتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”ارے وہ کیوں؟“

”بس دل چاہتا ہے کہ کبھی کبھی آپ جیسے لوگوں کے ساتھ بھی بیٹھ جایا کروں۔“ میں نے کہا۔ ”آپ لٹریچر کے آدمی ہیں۔ آپ سے کچھ سیکھنے ہی کو مل جائے گا۔“

”میاں، بہت بڑی بات ہے کہ آج کے دور میں بھی تم جیسے نوجوان موجود ہیں۔“ اس نے کہا۔

اسی لمحے ایک خالی رکشا سامنے سے گزرنے لگا۔ میں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ ہم سے کچھ فاصلے پر جا کر رک گیا۔ میں رکشے کی طرف چل پڑا۔ اسی وقت میرے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے جیب سے موبائل نکال کر دیکھا۔ دوسری طرف راحیلہ تھی۔ میری دوست۔

”کہاں ہو تم؟“ وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

”گھر کی طرف جا رہا ہوں۔“

”جلدی واپس آ جاؤ۔ میں کینیئے لبرٹی میں بیٹھی ہوں۔ کتنی دیر سے تمہیں ٹرائی کر رہی تھی۔ اب نمبر ملا ہے، آ جاؤ جلدی۔“

”او کے، میں آ رہا ہوں۔“ میں نے کہا اور رکشے والے کے پاس پہنچ گیا۔ ”بھائی کینیئے لبرٹی جانا ہے۔“ میں نے کہا۔

”بیٹھ جاؤ صاحب۔“

میں ان بڑے میاں کی طرف دیکھے بغیر اس رکشے میں بیٹھ گیا۔ رکشے والے نے رکشا اسٹارٹ کیا اور میں کینیئے لبرٹی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں میری دوست میرا انتظار کر رہی تھی۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

تبدیلی دل، ایک کامیاب دل کا ٹرانسپلانٹ ہو چکا تھا۔ سچ کہتے تھے لوگ کہ اگر دولت پاس ہو، تو انسان کیا نہیں خرید سکتا۔ اس نے بھی آخرکار دل خرید لیا تھا۔ ٹرانسپلانٹ کے بعد سے دو دن پہلے بھی ایک بار پھر پوری تسلی کے لیے مکمل چیک اپ بھی کامیابی سے ہمکنار ہو گئے تھے۔ کچھ دواؤں اور نصیحتوں کا پینڈورا بکس لیے وہ ابھی اس انٹرنیشنل اسپتال سے ڈسچارج ہو رہا تھا۔ کاؤنٹر پر تو بل کب کا جمع تھا، اس نے سیکریٹری کے ساتھ کاؤنٹر پر آ کے سائن کیا اور چیک آؤٹ کر گیا۔ باہر گاڑی موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ائرپورٹ کی طرف جا رہے تھے۔

''سر پلیز......'' گاڑی اسپتال سے باہر نکلی تو سیکریٹری، جوان کے ساتھ ہی پچھلی نشست پر براجمان تھا، کندھے سے سہارا دے کر اسے نیم دراز ہونے کا حکم دیا۔ اس نے آہستہ سے اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ تھوڑی سی نقاہت کے باوجود دل کی دھڑکن معمول کے مطابق تھی۔

وہی جذبات، وہی احساسات، وہی خیالات تھے۔ صرف دل تبدیل ہوا تھا دماغ نہیں...... اس کا دماغ اپنے معمول کے مطابق دل تک لہریں بھیج اور وصول کر رہا تھا۔ ڈاکٹرز، سائنس داں زندگی بچانے کی کوشش کر سکتے تھے مگر کسی کو زندگی نہیں دے سکتے تھے۔ وہ ہر چیز کا ٹرانسپلانٹ کر سکتے تھے، مگر ایک حد تک...... ان کا ہر کامیاب تجربہ قدرت کے ایک اشارے سے کسی بھی وقت ناکامی سے دوچار ہو سکتا تھا۔ نئی زندگی کی مبارکباد چند دن پہلے ہی اسپتال میں کی گئی ایک چھوٹی سی تقریب میں وہ سب سے وصول کر چکا تھا۔ مبارکباد دینے والوں میں اس کا تھا ہی کون...... ایک نیجر، سیکریٹری اور اسپتال کے وہی ڈاکٹرز جنہوں نے اس کا آپریشن کیا۔ خونی رشتے تو بچپن سے ہی ناپید تھے۔

نیم دراز ہو کر، وہ خیالات کی اندھی وادی میں بھٹکنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا، موازنہ کر رہا تھا، موجودہ زندگی اور گزشتہ زندگی میں فرق ہی کیا ہوگا؟ یہ زندگی بھی احتیاط اور

اے محبت ذرا انداز بدل لے اپنا کہ
تجھ کو آئندہ بھی عشاق کا خون پینا ہے
ہم تو مر جائیں گے تجھ کو تو مگر جینا ہے

عشق کے راستے پُرخطر ہونے کے ساتھ پُرخار بھی ہوتے ہیں... لیکن ہمت اور جذبے کی لگن ہو تو خارزار بھی گلستان بن جاتے ہیں... دل کے سودے کرنے والے کبھی خسارے میں نہیں رہتے... ایک ایسے ہی دل گزیدہ شخص کی داستانِ حیات... جس کے سینے میں دل دھڑکتا ہے لیکن اس کے دل کی دھڑکنیں لرزیدہ اور ساتھ دینے سے قاصر تھیں... کسی بھی لمحے اسے بے جان بنا سکتی تھیں... مگر قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل جاتا ہے... اسے قسمت سے ایک محبت بھرا دل مل گیا... دکھ کی رات پھیلی تھی، اس کے درد کی کہانی میں مگر درد دل کو سمیٹ لیا جذبۂ عشق نے... اب وہ تھا اور اس کی منزل کی تلاش و جستجو...

تبدیلی دل کے کڑے امتحان سے گزرنے والے شخص کی داستانِ عشق

دواؤں کے سہارے گزرے گی اور کسی دن ٹشوز کی ذرا سی کس انڈر اسٹینڈنگ اس کی زندگی کا چراغ گل کر دے گی۔

اس کا نام ظفر علی تھا، داجلی گروپ آف انڈسٹریز کا اکلوتا مالک۔ زندگی کی تیس بہاریں گزارنے کے باوجود وہ [illegible] دیا تھا۔ دل کا عارضہ بچپن سے تھا، اکثر اوقات دورے پڑتے۔ اکلوتے خونی رشتے، باپ نے تو اس کے اکیس سال تک پہنچتے ہی دنیا کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ آہ! انہی دنوں اس کی شادی ہونے والی تھی جو نہ ہو سکی۔

اچانک اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ وہ تیز تیز سانس لینے لگا۔ بوڑھے سیکریٹری احسان علی نے اس کی حالت بھانپ لی، ایک وہی ہی تو تھا جو اس کے رگ و جان سے قریب تھا۔

اس نے ڈرائیور کو جلدی سے گاڑی واپس، اسپتال کی جانب موڑنے کا حکم دیا۔ حکم کے غلام نے اگلا اشارہ آتے ہی گاڑی واپس دوسری سڑک پر ڈال دی۔

فون ہو چکا تھا، ڈاکٹرز نے فوراً اسے باہر سے ہی ریسیو کیا اور اسٹریچر پر ڈال کر اندر ایمرجنسی وارڈ میں لے جانے لگے۔ ابھی دل کی پیوندکاری کو دس دن ہی تو ہوئے تھے۔ یہ امر لگا تھا۔ اس کی حالت تھوڑی دیر بعد ہی سنبھل گئی۔ مگر ایک بھیانک انکشاف نے اس کے اور احسان کے ہوش اڑا دیے۔ بتلانے کچھ دیر پہلے دماغ کی لہروں کے ساتھ اچانک ایک جنگ چھیڑ دی تھی۔ وہ دماغ سے آنے والی لہروں کو پہلے روکنے کی کوشش کرتا، پھر کچھ دیر بعد خود ہی تیزی سے انہیں آنے کی اجازت دے دیتا۔ لہریں جو پہلے کسی دباؤ کی وجہ سے رک جاتی تھیں، پھر فشارِ خون کے دباؤ کی وجہ سے تیزی سے آنے جانے لگتیں۔ یہ شاید کچھ غلط سوچنے کا نتیجہ تھا۔ کیوں کہ اس کا دماغ شروع سے ہی احساسِ کمتری کا شکار رہا تھا۔ ڈاکٹر نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسے کچھ نہیں سوچنا...... ماضی اور مستقبل کا خیال چند مہینے تک دماغ میں نہیں لانا۔ اس نے تو تھوڑی دیر پہلے ہی ماضی کے بارے میں سوچا تھا۔ اسے سکون آور دوا دی گئی جس نے دھڑکن پھر سے معمول کے مطابق کر دی۔ احتیاط کے طور پر انہیں ایک آدھ دن اور روک لیا گیا۔

☆☆☆

بار میں معمول سے زیادہ رش تھا۔ سنڈے نائٹ کی وجہ سے بھی آج میوزک میں کچھ زیادہ ہی دھمک تھی کہ بار میں موجود ہر شخص چاہے وہ بیٹھا تھا کہ ناچ رہا تھا۔ ہر کوئی میوزک کی لے پر جھوم رہا تھا۔ وال کلاک رات کے پونے دس بجا رہی تھی۔ اکیس سالہ جمی ویلز معمول سے زیادہ بیئر چڑھا چکا تھا۔ ایک وہی تھا جو پریشان سا، گلاس پر گلاس چڑھائے جا رہا تھا۔ اس کی جیب خالی تھی۔ اسے اپنی گرل فرینڈ ماریا کا انتظار تھا۔ وہ ہر چند لمحوں بعد بارٹینڈر کے اوپر لگی وال کلاک پر وقت دیکھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں آج وقت تھم سا گیا تھا جو آگے بڑھنے کا نام ہی

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

نہیں لے رہا تھا۔
آخر کار اس کا انتظار لاحاصل نہ رہا۔ اس نے ماریا کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔
ماریا بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ وہ ڈانسنگ فلور کی سائڈ سے ہوتی ہوئی فوراً اس کی طرف لپکی۔ ''ہائے جمی...... کیا ہوا کیوں منہ لٹکائے بیٹھے ہو؟'' وہ اس کے سامنے میز پر پرس پھینکتے ہوئے آہستہ سے کرسی پر ڈھے سی گئی۔
''کچھ نہیں...... مجھے کچھ پیسے چاہیے تھے ماریا......''
اس نے خالی گلاس میز پر لڑھکاتے ہوئے بلا جھجک اپنا مطالبہ بیان کر دیا۔
''پیسے...... پر کس لیے...... ابھی کل ہی تو دیے تھے۔'' ماریا کی کشادہ پیشانی پر شکن نمودار ہوئی۔ مہینے کے ابتدائی دنوں میں ہی اس کی سیلری اکثر جمی لے اڑتا تھا۔
''وہ میں نے...... اینڈریو سے کچھ ادھار لیا تھا۔''
اس نے اٹک کر کہا۔
''ادھار...... آخر کیوں جمی...... آخر کیوں؟'' اس کی آواز میں بے بسی تھی۔ ''تم کچھ کرتے کیوں نہیں؟''
''وہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔''
''کیا فیصلہ کر لیا ہے؟'' ماریا نے کہا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر اداسی کا ایک رنگ سا لہرا گیا۔ ''تو کیا تم کہیں...... جانے کی بات تو نہیں کر رہے؟''
''ہاں میں جا رہا ہوں...... میں نے ڈیڈ سے معافی مانگنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''
''اوہ! تم کیا سمجھتے ہو وہ تمہیں معاف کر دیں گے...... یاد رکھو جمی وہ کتے کی دُم ہیں، وہ تمہیں کچھ نہیں دیں گے۔''
''تو تم بتاؤ...... آخر میں کیا کروں؟''
''تم کوئی جاب کیوں نہیں کرتے؟''
''جاب اور میں...... مائی فٹ۔'' وہ چلّا اٹھا۔
''آخر جاب کرنے میں حرج کیا ہے؟'' اس نے اسے سمجھانے کی ایک بار پھر ناکام سعی کی۔
''حرج کی ماں آٹھ گھنٹے مجھ سے نہیں ہوتی ویٹر کی چاکری۔''
''اچھا میرے پاس اب تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں جمی...... اور نہ ہی میں کچھ دینے کی پوزیشن میں ہوں۔'' وہ پرس اٹھا کر جانے لگی۔
''رکو!'' جمی لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے لپکا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ وہ بھی بھاگتے ہوئے باہر نکلا اور اسے بازو سے پکڑ لیا۔ ''تم ایسے نہیں جا سکتیں پلیز۔'' وہ اس کا پرس لینے لگا۔ دور سڑک کی اسٹریٹ لائٹس سے چھن کر آتی دھندلی روشنی میں ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی چور کسی عورت سے پرس چھین رہا ہے۔ مگر وہ کوئی چور نہیں تھا۔ جب ایک پُرتعیش شہر میں بہت دن انسان کی جیب خالی رہنے لگے تو انسان کسی نہ کسی طرح سے خود بخود باغی ہونے لگتا ہے۔ وہ بھی ان دنوں اپنے حالات سے مجبور ہو کر باغی ہونے لگا تھا۔
''جمی میں آخری بار کہہ رہی ہوں...... چھوڑ دو۔''
اس نے پرس چھڑوانے کے لیے زور لگایا۔ ''مجھے جانے دو...... جمی۔''
''نہیں ماریا...... پلیز تم مجھے یہ دے دو۔'' دونوں میں پھر سے کھینچا تانی ہونے لگی۔
آخر کار جمی نے پرس چھین لیا اور اس میں سے پیسے نکالنے لگا۔ پاس ہی گاڑی کے ساتھ لوہے کی راڈ پڑی تھی۔ ماریا نے اسے اٹھا لیا۔ ''تم ایسے نہیں مانو گے جمی...... میں تم سے آخری بار کہہ رہی ہوں۔'' وہ بہت غصے میں لگ رہی تھی۔ ''ورنہ تمہارے ساتھ کچھ بُرا ہو جائے گا۔''
جمی نے لوہے کی راڈ دیکھ لی۔ وہ پرس خالی کر چکا تھا۔ ''اچھا بے بی پھر ملیں گے۔'' وہ خالی پرس منہ پر مار کر بھاگنے لگا۔
''رکو جمی [illegible]'' وہ چلائی۔ ''تم ایسا [illegible]'' [illegible] نے جمی کے پیچھے، تیزی سے راڈ پھینکی۔
راڈ سیدھی اس کی ٹانگوں میں جا کر لگی۔ وہ الٹ کر منہ کے بل گرا اور گرتے ہی اتنا غفیل ہو گیا۔ ماریا اس کے پیچھے لپکی، اس نے اسے سیدھا کیا مگر شاید وہ غشی میں چلا گیا تھا۔ وہ ڈر گئی، آخر کو وہ اس کا محبوب تھا۔ ''جمی...... جمی......''
اس نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ مگر اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ چلائی مگر رک گئی۔ اس نے سوچا یہ بڑا ڈرامے باز ہے۔ یہ ایسے نہیں اٹھے گا۔ ماریا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس میں سے اپنے پیسے نکالنے لگی۔ وہ کسمسایا اور اسے پکڑ کر نیچے، اپنے اوپر گرا دیا۔
تھوڑی دیر بعد وہ ماریا کے اپارٹمنٹ میں تھے۔ ہم خوابی کے تمام گُر آزمائے جا چکے تھے۔ ماریا اب اس کے راڈ سے لگنے والے زخم پر مرہم لگا رہی تھی۔ جمی ویلز ایک کامیاب بزنس مین مائیکل ویلز کی ناخلف اولاد تھا۔ وہ بیشتر امریکن لڑکوں کی طرح بہت عیاش تھا۔ اسے کوئی کام کرنا پسند نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی...... کہ مائیکل ویلز نے اسے اپنی جائداد سے عاق کر دیا تھا۔ وہ ان دنوں اپنی ویٹریس محبوبہ

ماریا کے ہاں ہی اس کی کمائی پر عیش کر رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ جمی ایک کلب فائٹر بھی تھا، فائٹنگ میں اکثر اس کی ہی پٹائی اور نقصان ہوتا تھا۔ اس لیے ماریا کے کہنے پر اس نے رنگ میں جانا چھوڑ دیا تھا، اور کچھ دن اس کے ساتھ ویٹر بننا بھی گوارا کر لیا تھا مگر ان دنوں وہ کوئی اور بڑا کام ڈھونڈ رہا تھا۔ کام ملتے ہی وہ دونوں شادی کرنے والے تھے۔

☆☆☆

ظفر علی ٹھیک تھا۔ اس کے سینے میں ایک جوان دل دھڑک رہا تھا۔ وہ اس وقت فلائٹ میں احسان کے ساتھ، واپس پاکستان جا رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے اجازت دے دی تھی۔ اسے صرف بھاری کام کرنے سے روکا گیا تھا، ورنہ اب وہ ہر لحاظ سے فٹ تھا۔ اس کے سینے میں موجود دل نے اب پوری طرح سے، اس کے جسم کے ساتھ سمجھوتا کر لیا تھا۔
فلائٹ میں ائرہوسٹس نے سیٹ بیلٹ باندھنے کا کہا تو ظفر اس کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔ ساتھ بیٹھا سیکریٹری اس کی مسکراہٹ سے حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ کیا ظفر مسکرایا ہے؟ یا اس کا وہم ہے؟
ظفر نے ان کی حیرانی بھانپ لی۔ اس لیے وہ احسان کو گومگو کی کیفیت میں دیکھ کر ہنس پڑے۔ ''کیا دیکھ رہے [illegible]''
[illegible] احسان جھینپ سا گیا۔ ''کچھ نہیں سر...... آج بہت سالوں بعد آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی۔'' وہ سنبھل کر مسکراتے ہوئے بولے۔ ''اس لیے خوشی اور حیرانی چھپائی نہ جا سکی۔''
''اچھا...... ویسے یار میں بہت عجیب فیل کر رہا ہوں۔'' اس نے شوخی سے کہا۔
''کیسا عجیب...... طبیعت تو ٹھیک ہے نا سر؟''
''یار ایسا لگ رہا ہے جیسے کچھ گدگدی ہو رہی ہے، اور میں ہواؤں میں اڑ رہا ہوں۔'' وہ پھر سے ہنسنے لگا۔
بوڑھا احسان اس کے یوں کھل کر بولنے اور بہت سالوں بعد ہنسنے پر بہت حیران تھا۔ وہ جہاندیدہ شخص تھا، سمجھ گیا کہ اس کا آقا دل تبدیل کروانے کے بعد بہت بدل گیا ہے۔ اس کے مطابق یہ نئی زندگی ملنے کا نتیجہ ہے کہ اب شاید وہ اپنی گزشتہ زندگی کی ساری محرومیوں کو بھلا کر ایسے ہی جینا چاہتا ہے۔
''سر ہم ہواؤں میں ہی اڑ رہے ہیں جہاز پر......'' وہ بھی زیرِلب مسکراتے ہوئے بولا تو ظفر اور زیادہ خوش ہو گیا۔
''کتنا عجیب ہے...... کہ میں بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں۔''
''ہاں بالکل سر...... وہ تو آپ کو دیکھ کر ہی لگ رہا ہے۔'' احسان بھی اندر سے بہت خوش تھے۔
''سچ میں میری فیلنگ بہت عجیب ہو رہی ہے۔ میرا من کر رہا ہے کہ میں اٹھ کر ناچنا شروع کر دوں۔''
اب ہنسنے کی باری احسان کی تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ ''سر کیا آپ وہی ہیں۔ مجھے کچھ شک ہو رہا ہے کہ ان انگریزوں نے آپ کے دل کی جگہ دماغ تو تبدیل نہیں کر دیا۔''
''ہاہاہا...... نہیں تو انکل۔ ارے ہاں! پلیز یار آپ مجھے سر نہ بلائیں۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔''
احسان اور زور سے ہنسنے لگے۔ ان کی عمر قریباً پچاس کے قریب تھی۔ مگر وہ صحت مند تھے۔ نظر کا خوبصورت چشمہ اور امریکا آنے کے بعد سے سر پر انگریزوں والا بلیک ہیٹ لگائے، بالشت بھر بلیک اینڈ وائٹ داڑھی کے ساتھ ان کی شخصیت بھی، بہت بارعب لگتی تھی۔ جھریوں سے پاک چہرہ لیے سرخ و سفید رنگت کے ساتھ...... احسان کوئی انگریز ہی نظر آتے تھے۔ ہنستے ہنستے انہیں تھوڑی سی کھانسی آ گئی۔ کھانسی روک کر وہ بولے۔ ''اوکے اوکے سر...... اور یہ انکل بھی اور یار بھی، آپ بھی کمال کرتے ہیں سر۔''
''ہاہاہا...... آپ نے پھر سر کہا۔'' ظفر پھر سے ہنسنے لگا۔ ''اچھا اچھا انکل اور یار...... مطلب انکل سے مراد آپ میرے بزرگ اور یار سے مراد اکلوتے دوست۔''
فلائٹ میں ہر کوئی اپنے میں مگن تھا اس لیے ان کے ہنسنے کا کسی نے نوٹس نہیں لیا تھا۔ اسی وقت ائرہوسٹس کھانے پینے کا آرڈر لینے دوبارہ آ گئی اور دونوں نے بامشکل اپنی ہنسی روک لی۔
احسان آرڈر دینے لگے جبکہ ظفر ان کی آنکھ بچا کر ائرہوسٹس کو آنکھ مار چکا تھا۔

☆☆☆

جمی نے پھر سے فائٹنگ کلب جوائن کر لیا تھا۔ ان دنوں اس کی قسمت یاوری کر رہی تھی کہ وہ ہر مقابلہ جیت رہا تھا۔ جمی میں ایک خامی تھی کہ وہ جواری تھا۔ اچھا خاصا کمانے کے باوجود وہ جوئے میں اور شرطیں لگا کر کنگال ہو جاتا تھا۔ ان دنوں وہ اگلے مہینے اسٹیٹ لیول پر ہونے والے فائٹنگ مقابلوں کے لیے بھی تیاری کر رہا تھا، یہی وجہ

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

تھی کہ وہ اپنی محبوبہ ماریا کو ٹائم نہیں دے پا رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر پژمردہ تھا اور ارادے رکھتا تھا کہ ماریا کو کچھ کر کے دکھائے گا۔ اس کے برعکس ماریا اداس تھی کہ جمی شاید اس سے ناراض ہے۔ جتنا وقت ملتا، وہ جمی کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی۔

جمی نے آج مقابلے سے بڑی رقم جیتی تھی اس لیے وہ سیدھا ماریا کے پاس آیا۔ وہ کچھ رقم اور گفٹ ماریا کو دینا چاہتا تھا۔ ''ہے...... بے بی کیسی ہو؟'' وہ صوفے پر گرتے ہوئے بولا۔ ماریا اس وقت کلینزر سے اپارٹمنٹ کی صفائی کر رہی تھی۔

''دیکھ لو...... جیسی ہوں سامنے ہوں۔'' وہ بوریت اور تھکاوٹ سے بولی۔

''ماریا تمہارے لیے میرے پاس ہے کچھ......'' وہ شوخی سے بولا اس نے ہاتھ پیچھے چھپا رکھے تھے۔

وہ صفائی کرتے کرتے رک گئی۔ ''میرے لیے...... کیا ہے؟'' وہ حیرانی اور خوشی سے اس کی طرف لپکی۔ ''کدھر ہے۔'' وہ اس کے پیچھے سے ہاتھ کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ اٹکھیلیاں کرنے لگا۔ آخرکار اس نے گفٹ سامنے کر دیا۔ شیشے کے جار میں ایک خوبصورت بریسلٹ جگمگا رہا تھا۔ یہ وہی بریسلٹ تھا جو گزشتہ دلوں ماریا نے اس کی خاطر بیچ دیا تھا۔ وہ بریسلٹ دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئی۔

''جمی...... تم بہت اچھے ہو...... آئی لو یو۔'' اس کے جذبات بیان سے باہر تھے۔

جمی بھی بہت خوش تھا۔ ''نہیں ماریا...... تم بہت اچھی ہو...... آئی لو یو ٹو ہنی۔'' تھوڑی دیر بعد وہ آؤٹنگ پر جا رہے تھے۔

یہ اگلے دن کا منظر تھا۔ جمی فائٹنگ مقابلہ کر رہا تھا۔ کلب میں آج اس پر بڑی رقمیں لگی تھیں مگر آج اس سے اچھے سے مقابلہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ صرف اپنی ضدی طبیعت کی وجہ سے وہ بامشکل کھیل جاری رکھے ہوئے ہے۔

اچانک اسے ایک کاری ضرب لگی...... وہ گر پڑا اور گرتے ہی فوراً غشی کی حالت میں چلا گیا۔ اگلے لمحوں اس کی حالت بہت نازک تھی جس کی وجہ سے اسے ایمبولینس میں اسپتال لے جایا جا رہا تھا۔ اسپتال میں اس کے ٹیسٹ ہوئے، آنے والی رپورٹس بہت بھیانک تھیں۔

وہ مر رہا تھا۔ اسے تھیلے سیمیا تھا۔ بلڈ کینسر کی خوفناک تشخیص ہو چکی تھی۔

☆☆☆

ظفر کے تمام کولیگز حیران تھے۔ آخر اس شخص کو ہوا کیا؟ کہاں وہ دل کے عارضے والا کم گو، کمزور بیمار سا شخص اور کہاں یہ کھلنڈرا، شوخ اور چنچل نوجوان۔ جو ہر روز جم جاتا ہے...... سب کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا ہے۔ تعجب ہے...... سب کہتے...... ہاں تعجب ہے۔ ظفر کے ساتھ سیکریٹری احسان میں بھی بہت تبدیلی آئی تھی۔ امریکا سے آنے کے بعد پاکستان میں بھی وہ گوروں والا ہیٹ استعمال کرنے لگے تھے اور اب وہ بھی ظفر کی طرح ہر وقت ہنستے رہتے۔

داجلی گروپ آف انڈسٹریز کا اکلوتا مالک موت کے منہ سے واپس آ گیا تھا۔ سب جانتے تھے، حیران تھے۔ پچھلے دنوں انڈسٹری میں جشن منائے گئے تھے۔ ورکرز کو انعام دیے گئے تھے۔

ظفر کی حالت ان دنوں بھی بہت عجیب سی تھی۔ اس نے احسان سے کہہ دیا تھا کہ اب اس کی گزشتہ زندگی کا کوئی ذکر نہیں ہونا چاہیے۔ وہ یہ زندگی کھل کر جیے گا۔ تمام تلخ یادیں فراموش کی جا چکی تھیں۔ قدرت نے ایک نئی زندگی کی صورت میں گزشتہ محرومیوں کا ازالہ کر دیا تھا۔

شام کو آفس سے واپس گھر جاتے ہوئے ظفر نے ڈرائیور کو گاڑی قریبی ریستوران کی [illegible] دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ساحل کنارے [illegible] بیٹھے ڈنر کر رہے تھے۔ ان کے سر پر رنگین بلبوں کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ رنگین قمقموں کی روشنی میں ساحل کنارے لگی ان کرسیوں پر دور دور تک فیملیز بیٹھی تھیں جو ساحل کا نظارہ کرنے اور ڈنر کرنے میں مشغول تھیں۔ وہ تینوں بھی یعنی ظفر علی، سیکریٹری احسان اور ڈرائیور جو ظفر کا سیکیورٹی گارڈ بھی تھا، آس پاس کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے آپس میں ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ظفر بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ ''کیا خیال ہے انکل...... مجھے اب شادی کر لینی چاہیے نا۔''

''ہاں ہاں...... کیوں نہیں سر۔'' احسان ہنس پڑے۔ ''نیک کام اور پوچھ پوچھ۔''

''تو کب ڈھونڈ رہے ہیں...... میرے لیے دولہن۔'' وہ بھی ہنستے ہوئے بولا۔

''آپ کو گزشتہ شب کچھ تصویریں دکھائی تو تھیں...... اب کوئی اور آپ کی نظر میں ہے تو بتاؤ۔'' وہ سنجیدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے بولے۔ ''ہم ان کو کان سے پکڑ کر...... آپ کے عقد میں دے دیں گے۔''

''انکل...... میں امریکا جانا چاہتا ہوں۔'' اس نے اچانک کہہ دیا۔

احسان کا لقمہ ہاتھوں میں رہ گیا۔ اس نے جیسے دھماکا کیا تھا۔ ''ہیں...... میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں امریکا جاؤں گا۔'' وہ یک بیک بہت دنوں بعد سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''امریکا...... پر کیوں...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ...... آپ کیا کہہ رہے ہیں ظفر؟'' احسان نے پہلی بار اس کا نام لے کر کہا۔

گفتگو کا رخ اچانک شوخی سے سنجیدگی کی طرف مڑ گیا۔ شاید ظفر انہیں یہاں لے کے ہی اس لیے آیا تھا کہ وہ مناسب موقع دیکھ کر احسان سے کچھ کہہ سکے۔

ڈرائیور کھانا ختم کر چکا تھا۔ وہ اسی وقت اٹھ کر گاڑی کی طرف جانے لگا۔ ویسے وہ لاکھ پرانا خاندانی وفادار ڈرائیور، باڈی گارڈ سہی...... مگر وہ موقع کی نزاکت سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بھی وفاداری کا تقاضا تھا کہ وہ مالک کے کسی بھی راز سے واقف ہی نہ ہو، بس اپنے کام سے کام [illegible] ملازم نہیں تھا۔ وہ اس کے باپ خادم حسین کا گہرا دوست تھا۔ وہی دوستی تھی جس نے خادم حسین کے بعد اس کے بیٹے پر آنے والی بیماری کی مصیبتوں، ایک بہت بڑے بزنس کی دیکھ بھال...... نیز ہر کام کو ایک سیکریٹری، ایک چچا اور ایک دوست کی حیثیت سے نبھاتا آیا تھا۔

وہ دونوں اپنے اپنے خیالات میں گم ڈرائیور کو گاڑی کی طرف جاتا دیکھتے ہوئے اندر ہی اندر تھوڑا بہت اس کی وفاداری پر رشک کرنے لگے کہ خادم حسین نے کیسے کیسے گوہر اپنے ملازمین میں شامل کر رکھے تھے، جو رازدارانہ باتوں کو بھولے سے بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ ظفر گم صم شاید کسی سوچ میں کھو گیا تھا۔ ان میں ہونے والی ہنسی مذاق کی تمام باتیں اب کہیں کھو چکی تھیں۔

احسان خاموشی سے اسے تکنے لگے۔ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہیں۔ ''میں بہت دنوں سے تمہیں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں ظفر...... پر شاید یہ میرے بس کی بات نہیں۔ انہوں نے آخرکار خاموشی کو توڑتے ہوئے سلسلۂ کلام پھر سے جوڑا۔

ظفر سمندر کی عمیق گہرائیوں میں کہیں دیکھ رہا تھا۔ ''میں بہت دنوں سے سوچ رہا ہوں انکل...... کہ میں بہت تبدیل ہو گیا ہوں پر کیسے یہ نہیں معلوم؟ میرے دل میں ایک عجیب سی خواہش بہت دنوں سے سر ابھار رہی ہے...... کہ مجھے اسے ڈھونڈنا چاہیے، مجھے اس کے بارے میں جاننا چاہیے۔''

''کیسی خواہش...... کس کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟'' احسان نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ میں امریکا جاؤں...... اس شخص کے بارے میں جانوں...... جس کا دل میرے سینے میں دھڑک رہا ہے۔''

''ظفر مجھے لگتا ہے کہ کہیں، تم سچ میں پاگل تو نہیں ہو گئے...... یہ بھلا کیسی خواہش ہے؟''

''بس انکل کیا کہوں...... میرے ذہن میں بس یہی بات بیٹھ گئی ہے، جتنا نکالوں نہیں نکلتی۔'' وہ ایک دم سے اداس ہو گیا۔ ''اک واہمہ سا بن گیا ہے...... جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔''

''ہنہ...... چلو ٹھیک ہے، دیکھتے ہیں۔'' احسان اسے پریشان ہوتا نہیں دیکھنا چاہتا تھا، وہ تو ہر وقت اسے ہنستا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اب اس کی اداسی دیکھ کر خود بھی اداس ہو رہا تھا۔

ظفر کی بہت عجیب خواہش تھی کہ وہ اس شخص کے بارے میں جاننے کے لیے، پھر سے امریکا جانا چاہتا تھا جس کا دل اس کے سینے میں دھڑک رہا تھا۔ احسان نے اس وقت تو ہامی بھر لی تھی کہ اگر اس کی یہی خواہش ہے...... تو ٹھیک ہے، وہ جائے امریکا۔ مگر وہ سوچ رہا تھا کہ شاید یہ اس کا عارضی ردِعمل ہو، واہمہ ہو...... اور بعد میں شاید وہ اسے باز رکھنے کے لیے کچھ نارمل کر سکے، روک سکے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔

☆☆☆

پی آئی اے کا طیارہ کراچی ائرپورٹ سے بلند ہو رہا تھا۔ آخری منزل امریکا تھی۔ ظفر اور احسان طیارے میں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ائرہوسٹس ان کی سیٹ بیلٹ چیک کرنے آئی تو وہ دونوں چونک گئے۔ ''ایں...... یہ تو وہی ہے۔'' ظفر نے احسان کو سرگوشی کی تو وہ دونوں مسکرا دیے۔ کیونکہ یہ وہی ائرہوسٹس تھی جس کو گزشتہ دنوں پاکستان آتے ہوئے ظفر نے شوخی میں آنکھ ماردی تھی۔

''سر سیٹ بیلٹ...... پلیز۔'' ائرہوسٹس ان سے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

مخاطب ہوئی تو وہ بھی ان دونوں کو پہچان کر جھینپ سی گئی۔ اس نے دل میں سوچا۔ "ہونہہ...... ہنہ...... وہی لفنگا ہے۔"

تھوڑی دیر پہلے فلائٹ میں لگے اسپیکر پر ائرہوسٹس...... کا اعلان سننے کے باوجود بھی انہوں نے ابھی تک جان بوجھ کر سیٹ بیلٹ نہیں باندھی تھی۔

"ہمیں سیٹ بیلٹ باندھنا نہیں آتا۔" ظفر کے ٹھوکا دینے پر احسان نے جواب دیا تو ائرہوسٹس...... اور ظفر دونوں ہنس پڑے۔ جبکہ احسان سنجیدگی سے دیدے پھاڑے ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ اندر ہی اندر وہ بھی اپنی ہنسی ضبط کیے بیٹھے تھے۔

"بہت شرارتی...... ہیں آپ۔" ائرہوسٹس...... آگے بڑھ کر، مسکراتے ہوئے اس کی سیٹ بیلٹ باندھنے لگی۔

☆☆☆

یہ جان ہاپکنز اسپتال کا منظر تھا۔ ظفر اور احسان وہاں موجود تھے۔ ظفر کا خانہ پری کے لیے چیک اپ کیا جا رہا تھا، ورنہ وہ تو پاکستان میں بھی دو تین بار چیک اپ کروا چکا تھا۔ چیک اپ کی رپورٹس تھوڑی دیر بعد آنا تھیں اس لیے وہ... جس کام کے لیے آئے تھے اس کے بارے میں معلومات لینا بہتر سمجھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ریکارڈ روم سے انفارمیشن لے رہے تھے۔

مگر یہ کیا...... انہیں کوئی معلومات ہی نہیں دی گئیں۔ مریضوں کے بارے میں تمام معلومات آف دی ریکارڈ رکھی جاتی تھیں۔ انہوں نے بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ تھک ہار کر اور مایوس ہو کر ریکارڈ روم کے باہر پڑی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

"یہ کیا انکل...... یہ گورے تو بتا کے ہی نہیں دے رہے۔" ظفر نے احسان سے کہا۔ وہ اس پراسس سے بہت اپ سیٹ ہو گیا تھا۔

احسان خود بھی گوروں کے ساتھ مشکل سے انگریزی بول بول کر گھن چکر بن چکا تھا۔ "کیا کہہ سکتے ہیں...... ہم نے تو ان کو بتایا بھی ہے کہ ہمیں اس پیوند کاری کے لیے انفارمیشن درکار ہیں...... جو تمہاری ہوئی تھی۔" وہ آہستہ سے کرسی پر نیم دراز ہو گئے۔

"ہونہہ...... لگتا ہے ہمیں کوئی اور طریقہ آزمانہ پڑے گا۔" ظفر نے سامنے شیشوں کے اس پار ڈسپنسری میں موجود لیڈی کمپاؤنڈر کی طرف دیکھا، جو دوائیں ٹرالی میں رکھتی اس کی طرف بار بار دیکھ رہی تھی۔ وہ صورت سے کسی ایشیائی ملک کی لگتی تھی۔

"اور طریقہ مطلب......؟" احسان نے بوجھل آواز میں پوچھا۔ اسے بہت زیادہ تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔

"انکل میں دکھنے میں...... کیسا لگتا ہوں؟" اس نے اچانک سوال داغ دیا۔

احسان کا آدھا چہرہ اس کے گوروں والے ہیٹ میں چھپ گیا تھا، اس نے اسی نیم دراز حالت میں جواب دیا۔ "دکھنے میں تو بندر لگتے ہو مگر...... ہو بہت حسین۔"

وہ ہنس پڑا۔ "انکل آپ بھی ناں...... کمال کرتے ہیں...... ویسے ذرا دیکھو تو...... سچ میں کیسا لگتا ہوں؟" اس نے احسان کے چہرے سے ہیٹ تھوڑا سا اوپر اٹھا دیا۔

وہ سیدھے ہو گئے اور اسے اوپر سے نیچے تک گھور کر دیکھنے لگے۔

"ماشاء اللہ بہت اسمارٹ ہو...... پہلی ہی نظر میں کسی بھی لڑکی کا دل جیت سکتے ہو۔" وہ مسکرانے لگے۔

"کیا کسی بھی لڑکی کا دل جیت سکتا ہوں...... اس عمر میں بھی؟"

"اور نہیں تو کیا...... اس عمر میں مطلب؟ ارے یار تم پینتیس کے تھوڑی ہو...... ابھی تو پچیس کے بھی نہیں لگتے۔"

احسان سچ کہہ رہے تھے۔ وہ بہت کم عمر لگتا تھا، اور دوا [illegible] باڈی بھی کھل آئی تھی۔ وہ ہر لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا تھا اور وہ یہ بات پچھلے کئی دنوں سے اچھی طرح سمجھنے بھی لگا تھا۔ کیونکہ لڑکیاں اسے یک ٹک دیکھنے لگتی تھیں۔

"اونہہ...... انکل بہت جھوٹ بولتے ہیں آپ۔" اس نے شرمانے کی اداکاری کی۔

"جھوٹ اور میں...... توبہ توبہ۔" انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

تھوڑی دیر پہلے ان کی طبیعت میں در آنے والی تھکاوٹ، مایوسی اور بوریت اب اک دم سے رخصت ہو گئی تھی۔ اب وہ بالکل ہشاش بشاش لگ رہے تھے۔ یہ ان چٹ پٹی باتوں کا ہی نتیجہ تھا جو ان دونوں کے درمیان اب اکثر ہوتی رہتی تھیں۔

اسی وقت لیڈی کمپاؤنڈر دواؤں کی ٹرالی کو دھکیلتی ہوئی ان کے سامنے سے گزرنے لگی۔ وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے جا رہی تھی۔ وہ قریباً بیس پچیس برس کی ایک قبول صورت لڑکی تھی۔

وہ دونوں اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ لیڈی

کمپاؤنڈر کو دیکھ کر احسان کے ذہن میں بھی وہی خیال آیا جو تھوڑی دیر پہلے ظفر کے دماغ میں لہرایا تھا۔ یعنی کہ اس کے ذریعے معلومات حاصل کرنے کا۔ وہ ابھی کچھ بولنے ہی والے تھے کہ ظفر بول پڑا۔ "انکل...... آپ کو ڈاکٹر جینیفر یاد ہے، مطلب ڈاکٹر جینی۔"

وہ چونک پڑے۔ "اوہ...... اچھا...... یاد آیا، وہ لڑکی جس نے ڈاکٹرز کے ساتھ مل کر...... تمہارا آپریشن کیا تھا۔"

"ہاں...... ہاں وہی۔ جس سے آپ نے بعد میں بھی بہت بار ایڈوائس لی تھی۔"

"ہاں یاد ہے...... پاکستان میں بھی ایک دو بار فون پر اس سے بات ہوئی تھی، اس نے تمہاری حالت کا بھی پوچھا تھا۔"

"جی بالکل......" وہ دونوں حیران رہ گئے تھے کیونکہ یہاں آ کر وہ اس سے ملے بھی نہیں تھے۔

یہ ڈاکٹر جینی کے آفس کا منظر تھا۔ آفس بند تھا۔ ان کے پوچھنے پر پتا چلا کہ وہ آج چھٹی پر ہیں اس لیے انہوں نے ڈاکٹر جینی کے گھر کا ایڈریس لے لیا، کیونکہ وہ اس کے مریض تھے۔

تھوڑی دیر بعد ٹیکسی والے کو ایڈریس دکھا کر وہ ڈاکٹر جینی کے ہاں جا رہے تھے۔ ڈاکٹر جینی تین کمروں کے [illegible] نے آ کر دروازہ کھولا، وہ انہیں وہاں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ "...... مسٹر ظفر آپ اور یہاں...... یقین نہیں آ رہا۔" وہ بہت خوش ہو گئی، اس نے گرمجوشی سے ان کے ساتھ مصافحہ کیا اور انہیں اندر لے گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اصل موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ ڈاکٹر جینی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ "مسٹر ظفر مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ پلیز ذرا کھل کر بتائیے۔"

وہ جلدی سے الیکٹرک کیتلی میں کافی بنا کر لے آئی تھی۔ اب وہ اس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"دراصل جب سے ان کی ٹریٹمنٹ ہوئی ہے...... یہ بہت جذباتی ہو گئے ہیں۔" احسان نے اس معاملے میں خود ہی بولنے کی ذمے داری...... سنبھال لینا مناسب سمجھا اور وہ سب کچھ کھل کر بتانے لگے۔ "ہوا کچھ یوں کہ جب سے ہم واپس پاکستان گئے ہیں...... یہ بہت ہنسنے کھیلنے لگے ہیں۔ ان کی ہر بات سے ایک بھرپور زندگی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ لڑکیوں کو کیا ہر کسی سے ہنسی مذاق کر کے...... سب کو بہت تنگ کرنے لگے ہیں۔"

"ہونہہ...... گڈ۔" ڈاکٹر جینی نے مسکراتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

احسان پھر سے بتانے لگے۔ "اصل میں یہ خود بھی حیران ہیں کہ ان میں یہ تبدیلیاں کیسے آئی ہیں۔ کیونکہ پیوند کاری سے پہلے انہوں نے زندگی میں کھل کر کسی لڑکی سے بات تک نہیں کی تھی اور نہ ہی کبھی اس طرح مسکرائے تھے...... اس بات کا تو میں بھی گواہ ہوں کہ میں نے انہیں کبھی ہنستے، مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ یہ ایک قسم کے سنجیدہ پرسنالٹی تھے۔"

ظفر بھی غور سے یہ باتیں سن رہا تھا، ڈاکٹر جینی نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرانے لگا۔

احسان کو دفعتاً خیال آیا تو وہ رک گئے...... اور کچھ سوچ کر ڈاکٹر جینی سے بولے۔ "مس آپ نے کہیں جانا تو نہیں ہے...... مطلب ہم نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا ہو ایسے اچانک آ کر...... اور آپ کو دیر ہو رہی ہو؟"

یہ باتیں انگلش میں ہو رہی تھیں۔ ڈاکٹر جینی یہ سن کر زور سے ہنس پڑی۔ "ارے...... نہیں تو۔ میں تو آج بالکل فری ہوں...... اور گھر میں بور ہو رہی تھی۔ چلو اچھا ہوا آپ دونوں سے ملاقات ہو گئی...... اور...... او مائی گاڈ۔ آپ دونوں کی باتیں سن کر مجھے بہت حیرانی اور خوشی ہو رہی ہے...... آپ ظفر کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے، پلیز آگے بتائیے ناں۔"

"شکر ہے کہ آپ نے ہمارا یہاں آنا مائنڈ نہیں کیا۔ اچھا میں بتا رہا تھا کہ...... ظفر اپنی نئی زندگی سے بہت مطمئن ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے سینے میں اب کسی اور کا دل دھڑک رہا ہے، یہ اسی نئے دل کا ہی نتیجہ ہے کہ ان کی زندگی بہت تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان کا محسن کون تھا، جن کا دل ان کے سینے میں دھڑک رہا ہے۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ کر رہ گئی ہے کہ یہ اپنے محسن کی ہسٹری دیکھیں، اس کی فوٹو دیکھیں...... شاید دنیا کا یہ واحد کیس ہوگا جس میں پیوند کاری کے بعد چند ہی دنوں میں مریض نے میڈیسن کھانا چھوڑ دیں اور دل نے پوری طرح ان کے جسم کے ساتھ کمپرومائز کر لیا۔" احسان اتنا بتا کر کچھ دیر دم لینے کو رک گئے۔

"ہونہہ...... ہنہ...... میں سمجھ گئی۔ آپ اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں...... جن کا دل مسٹر ظفر کے سینے میں دھڑک رہا ہے؟"

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

ڈاکٹر جینی کافی حد تک ان کا معاملہ سمجھ چکی تھی۔ اس کی عمر پچیس تیس کے درمیان تھی، ابھی تک اس نے بھی شادی نہیں کی تھی۔ ڈاکٹر جینی نے تمام باتیں بہت دلچسپی سے سنی تھیں، اس کی آنکھوں میں یہ باتیں سن کر کئی بار عجیب طرح کی چمک بھی لہرائی تھی۔ ظفر کا شروع سے تھوڑا بہت خیال تھا کہ ڈاکٹر جینی نے اس کی ذات میں تھوڑی سی سہی مگر دلچسپی لی تھی۔

ڈاکٹر جینی نے ان دونوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور بولی۔ ''اس شخص کے بارے میں کچھ معلومات تو اسپتال سے ہی مل سکتی ہیں۔''

''اسپتال میں تو کوئی ہماری بات ہی نہیں سن رہا۔'' ظفر نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''کہتے ہیں کہ وہ ایسی معلومات...... کسی پولیس افسر کو بھی نہیں دیتے۔''

''ہونہہ...... اچھا تو آپ چاہتے ہیں کہ میں...... اس سلسلے میں کچھ مدد کروں۔''

''جی...... بالکل...... اور آپ جانتی ہیں کہ ہم کسی غلط معاملے میں مدد نہیں مانگ رہے۔'' احسان نے ہیٹ کو انگلیوں میں گھماتے گھماتے ذرا رک کر کہا۔

''یہ ذرا مشکل ہے پر...... میں صرف آپ دونوں کے لیے کوشش کر سکتی ہوں۔'' اس نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔

''جی ہم آپ کے بہت مشکور ہوں گے۔'' احسان نے ٹھنڈی آہ بھری۔

ان دونوں کے بے حد اصرار پر جینی چھٹی پر ہونے کے باوجود کھڑی ہوگئی۔ ان دونوں کو اپنے محسن کے بارے میں جاننے کی عجلت تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر سے اسپتال میں تھے۔ ڈاکٹر جینی انہیں اپنے آفس میں بٹھا کر اندر چلی گئی۔

وہ دونوں اندر بیٹھے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ آفس بہت شاندار تھا، دیواروں پر میڈیکل کے مختلف چارٹس لگے ہوئے تھے۔ جن میں دل کی ہی مختلف زاویوں پر مشتمل تصویریں تھیں۔

قریباً پون گھنٹے بعد ڈاکٹر جینی کی آمد ہوئی تو وہ آج والی ظفر کی رپورٹس بھی لے آئی تھی۔ وہ حیران تھی کیونکہ جو کچھ احسان نے ظفر کے بارے میں بتایا تھا، وہ بالکل سچ تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ چیک اپ کی رپورٹس میں لگ ہی نہیں رہا تھا کہ مسٹر ظفر نے اپنا ہارٹ چینج کیا ہے۔ اس کی تمام رپورٹس ایک صحت مند آدمی کی طرح بالکل نارمل تھیں۔

''مجھے یقین نہیں آرہا مسٹر ظفر......'' اس نے اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی رپورٹس تو بالکل کلیئر ہیں۔''

وہ دونوں خاموشی سے اس کا منہ تکنے لگے۔ ''جی...... پاکستان میں بھی رپورٹس کلیئر آئی تھیں۔'' احسان نے جواب دیا۔

''ہم...... گڈ۔ اسے معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ویسے میری اپنے ساتھی ڈاکٹر سے ابھی بات ہوئی ہے اس بارے میں وہ خود بھی حیران ہیں۔''

''جی...... اور کیا آپ نے اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کیں؟'' ظفر نے جلدی سے اچانک سوال کردیا۔

احسان مسکراتے ہوئے اسے گھور کر رہ گئے۔ وہ اچانک ایسے ہی تو سوال کردیتا تھا۔ ڈاکٹر جینی بھی اس کی بے چینی بھانپ کر مسکرائی۔ ''ہاں میں نے اس بارے میں بھی بڑی مشکل سے کچھ معلومات حاصل کی ہیں۔'' اس نے ایک لفافہ ان کی طرف بڑھا دیا۔ ''اس میں آپ کے محسن کے بارے میں کچھ انفارمیشن ہیں...... ان کی تصویر بھی ہے۔''

احسان نے وہ لفافہ لے لیا۔ وہ دونوں بہت خوش ہوگئے اور ڈاکٹر جینی کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

''اگر کسی اور قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا......'' ڈاکٹر جینی نے کہا۔ وہ ظفر کی طرف [illegible] نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ظفر اس کی دلچسپی دیکھ کر جھینپ سا گیا اور ہلکے سے مسکرانے لگا۔ ''جی...... ہم آپ کے بہت مشکور ہیں۔''

''مشکور ہونے کی کوئی بات نہیں...... آپ تو میرے مریض ہیں اور ہر ڈاکٹر اور مریض کا آپس میں دوستی کا رشتہ ہوتا ہے۔'' اس نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور آپ دونوں ہیں ہی اتنے اچھے کہ قریبی دوست سے لگنے لگے ہیں۔''

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ ''یہ تو...... آپ کی کرم نوازی ہے مس۔'' احسان نے جواب دیا۔

''پاکستان جانے سے پہلے اگر موقع ملے تو...... میرے ساتھ ڈنر ضرور کیجیے گا۔''

''جی بالکل ضرور...... آپ کے ساتھ ڈنر تو ہمارے لیے باعث فخر ہوگا۔'' اس بار ظفر نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ڈاکٹر جینی سے مصافحہ کرکے ٹیکسی میں اپنے ہوٹل کی طرف جارہے تھے۔ فلک بوس عمارتوں کے اس خوبصورت شہر میں وہ انجان تھے، انہوں نے شہر

دیکھا ہی نہیں تھا۔ بس اسپتال اور ہوٹل کی حد تک تھوڑی سی جان پہچان تھی۔ ان کا ارادہ تھا کہ اب کی بار وہ اچھے سے گھوم پھر کر ہی واپس جائیں گے۔ ابھی شام کے پانچ بج رہے تھے۔ ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر ظفر نے احسان سے وہ لفافہ لے لیا جو ڈاکٹر جینی نے دیا تھا۔ وہ اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ اس نے اپنے محسن کی فوٹو دیکھی اور اس کے بارے میں ڈاکومینٹس پڑھنے لگا۔

ڈاکومینٹس پڑھتے پڑھتے وہ حیرانی کے ایک نئے دور سے گزرنے لگا۔ اس کا محسن کوئی عام انسان نہیں تھا۔ احسان اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے وہ لفافہ احسان کی طرف بڑھا دیا۔ اب حیران ہونے کی باری احسان کی تھی۔ انہوں نے پہلے اس شخص کی فوٹو دیکھی، پھر وہ بھی ڈاکومینٹس پڑھنے لگے۔

''جمی ویلز دی سن آف مائیکل ویلز...... میں پورے ہوش و حواس سے اپنا آخری بیان، وصیت کرتا ہوں کہ مجھ میں پچھلے برس، بلڈ کینسر کی خوفناک تشخیص ہوچکی ہے۔ میرے پاس اتنے پیسے نہیں اور نہ ہی وقت بچا ہے کہ میں ایک لمبے پروسس سے گزر کر اپنا اتنا مہنگا علاج کرواؤں۔ میرے پاس جینے کو شاید اب بس چند دن ہی بچے ہیں۔ مجھے اپنی [illegible] ہوں...... جو مجھے شاید معاف نہیں کرسکیں گے۔ ہاں میں اب اپنے گناہوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، میں اپنے ڈیڈی مائیکل ویلز سے معافی کی درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے اس نامراد بیٹے کو...... اگر ہوسکے تو معاف کردیں۔ میں اپنی گرل فرینڈ ماریا سے معافی مانگتا ہوں کہ پلیز وہ مجھے معاف کردے، میں نے اسے بہت تنگ کیا۔ میں اپنی زندگی میں بہت کچھ کرنا چاہتا تھا مگر اس تشخیص کے بعد موت مجھے اب اتنی مہلت نہیں دینا چاہتی۔ میں چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد ہی سہی اپنے پیاروں کے لیے کچھ کر کے جاؤں...... تاکہ ان کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہوں۔ اس لیے میں اپنی کوئی چیز فروخت کرکے جارہا ہوں، جو میرے بعد تو میرے کسی کام نہیں آئے گی مگر شاید دوسروں کو زندگی دے دے۔ ہاں میں اپنے جیتے جی اپنے اعضا، ...... یعنی اپنا دل، کڈنی، آنکھیں ڈونیٹ نہیں بلکہ فروخت کرکے جارہا ہوں۔ تاکہ میں اپنے پیاروں کو اپنا قرض چکا سکوں۔ میری موت کے بعد یہ اعضا میرے جسم سے نکال لیے جائیں گے۔''

''جمی ویلز''

آخر میں جمی کے سائن اور انگوٹھے کے ساتھ جان ہاپکنز اسپتال کی مہر ثبت تھی۔ انگلش میں لکھی گئی اس تحریر بلکہ وصیت کے علاوہ بھی کچھ ڈاکومینٹس تھے، مگر احسان اتنا پڑھ کر رک گئے۔ بیان میں بہت غلطیاں تھیں اسے ایسا لگا جیسے لکھنے والا بہت زیادہ شاکڈ زدہ حالت میں تھا۔

''یہ کیا ہے یار......'' احسان نے لفافہ میز پر پھینکتے ہوئے کہا۔ ان کی طبیعت بوجھل ہوگئی تھی۔

''پتا نہیں انکل...... مجھے خود بھی کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا یہ حقیقت ہے؟''

''ہونہہ...... میرے تو سر میں درد ہونے لگا ہے، کیا واقعی گورے ایسے ہی ہوتے ہیں؟''

''شاید......'' ظفر نے کہا، وہ بھی اپنی طبیعت میں بوجھل پن محسوس کرنے لگا تھا۔

''کیا ڈاکٹر جینی نے یہ سب پڑھا ہے؟'' احسان نے پوچھا۔

''پتا نہیں...... شاید نہیں۔''

''او کے کال کرو اسے اور اس بارے میں پوچھو کہ وہ کیا کہتی ہے۔'' احسان نے بیزاری سے کہا۔

ظفر ڈاکٹر جینی کو کال کرنے لگا۔ ''ہیلو! ڈاکٹر جینی اسپیکنگ۔'' اس نے پہلی ہی بیل پر کال اٹینڈ کرلی۔

''ہیلو! ڈاکٹر میں ظفر بات کررہا ہوں۔''

''یس...... ہائے...... ظفر کیسے ہو؟''

''بالکل ٹھیک! ڈاکٹر کیا آپ نے وہ معلومات پڑھی تھیں جمی ویلز کے بارے میں......'' اس نے کام کی بات کرنا مناسب سمجھا۔

''کون جمی ویلز؟...... اچھا یاد آیا...... نہیں تو۔ میں نے صرف اس کی فوٹو دیکھی تھی۔''

''ڈاکٹر کیا یہ معلومات بالکل سچ تھیں؟''

''ہاں...... کیوں کیا ہوا؟'' ڈاکٹر جینی نے پوچھا۔ وہ حیران ہورہی تھی کہ آخر ہوا کیا؟

''ڈاکومینٹس کے مطابق اس نے اپنا دل فروخت کر دیا تھا اسپتال کو۔'' ظفر نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''اوہ!'' ڈاکٹر جینی کی حیرانی ایک دم سے کافور ہو گئی۔ ''یہ تو عام سی بات ہے۔''

''یہ عام بات ہے...... ڈاکٹر مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔'' وہ حیران رہ گیا۔

''اس میں حیران ہونے کی کون سی بات ہے ظفر...... اسپتال میں تو ایسے کئی کیسز میرے سامنے ہوئے ہیں کہ لوگ

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

کسی مجبوری کے تحت یہ سب بیچتے یا...... اپنے مرنے کے بعد دل یا دوسرے آرگنز ڈونیٹ کرنے کی وصیت کر جاتے ہیں۔‘‘

اچانک کسی وجہ سے کال اسی وقت کٹ گئی۔ ظفر نے سیل فون ٹیبل پر پھینکا اور صوفے پر ڈھے سا گیا۔ اس کا سر بھی چکرانے لگا تھا۔ وہ سوچنے لگا، کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟ اسے یاد آیا کہ ہاں کچھ عرصہ پہلے اس نے اس بارے میں ایک دلچسپ نیوز بھی پڑھی تھی کہ کسی شخص نے صرف آئی فون لینے کے لیے اپنی کڈنی بیچ دی تھی۔ ہاں صرف آئی فون لینے کے لیے...... اس کے دماغ میں یہ بات گونجنے لگی۔ کیا اس شخص کے نزدیک اپنی کڈنی سے زیادہ آئی فون کی اہمیت تھی؟ اسے یاد آیا کہ اس کے سینے میں بھی تو خریدا ہوا دل دھڑک رہا ہے۔ اس نے بھی تو اس دل کی بہت بڑی قیمت ادا کی ہے۔ مگر اس قیمت کی اس کے نزدیک کیا اہمیت تھی، وہ یہ نہ سمجھ سکا۔ وہ قیمت جو اپنی پیوندکاری کے لیے اس نے ادا کی تھی، وہ کروڑوں میں سہی مگر اس کے نزدیک تو کچھ اہمیت ہی نہ رکھتی تھی۔ مگر ہاں! وہ قیمت کسی غریب کی زندگی جنت بنانے کے لیے کافی تھی۔ احسان نے بھی ڈاکٹر جینی کی باتیں سنی تھیں۔ وہ بھی صوفے پر نیم دراز اپنے ہیٹ سے کھیلتے ہوئے خیالات کی وادی میں سرگرداں تھا۔ وہ دونوں بہت تھکے ہوئے تھے۔

☆☆☆

دوسرے دن صبح فریش ہونے اور ناشتا کرنے کے بعد وہ واشنگٹن جا رہے تھے۔ رات کو احسان نے ظفر سے کہا بھی تھا کہ اب انہوں نے جمی ویلز کے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اس لیے انہیں اب اس معاملے سے دستبردار ہو جانا چاہیے مگر ظفر کچھ اور سوچ چکا تھا۔ وہ جمی کے والد اور اس کی محبوبہ سے ملنا چاہتا تھا۔ احسان کے نزدیک یہ بچپنا تھا، عجیب خواہش تھی مگر وہ اسے روک نہ سکے۔ وہ تو بس اس کی خوشی چاہتے تھے۔ اس لیے اب وہ واشنگٹن، مائیکل ویلز کے پاس جا رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد وہ واشنگٹن میں تھے۔ بالٹی مور سے واشنگٹن کا یہ سفر انہوں نے میٹرو بس سے طے کیا تھا۔ سفر میں ایک عجیب بات ہوئی تھی کہ ظفر کو تھوڑے بہت چکر آنا شروع ہو گئے تھے۔ ڈرنک اور میڈیسن لینے کے بعد اس کی حالت ٹھیک ہو گئی تھی۔

اسٹیشن پر اتر کر انہوں نے ٹیکسی پکڑی، چالیس منٹ بعد وہ مائیکل ویلز کے گھر میں مائیکل کے ساتھ بیٹھے تھے۔ سر پر برائے نام بال اور نظر کا چشمہ لگائے، مائیکل ویلز کی شخصیت کسی ماہر نفسیات کی نظر آتی تھی۔ چالیس پینتالیس کے پیٹے کے اس شخص سے باتیں کر کے انہیں لگا کہ یہ ایک خبطی شخص ہے۔ ان کا آنا اسے سخت ناگوار گزرا تھا۔ اس نے بس چند باتیں کر کے انہیں ٹرخا دیا۔ اس نے کہا۔ ’’مسٹر احسان میں نہیں جاننا چاہتا کہ آپ میرے بیٹے جمی کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔ بس اتنا بتا دوں کہ میرا اب اس سے کوئی رشتہ نہیں۔ نہ ہی وہ اب اس دنیا میں موجود ہے۔ براہ مہربانی مجھے اس مردود کی دوبارہ یاددہانی کروانے کا بہت شکریہ...... اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔‘‘

وہ باہر نکل آئے۔ ان کے خیال میں اگر وہ کچھ دیر اور وہاں رہتے تو وہ خبطی انہیں کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا تھا۔ باہر کوئی ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی اس لیے وہ لانگ مارچ کرنے کے لیے چل پڑے۔ امریکا کے دارالحکومت، ایک بہت خوبصورت شہر...... واشنگٹن کا مطلع صاف تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا میں وہ خوبصورت روڈ پر چہل قدمی کرتے ہوئے موجودہ معاملے کی باتیں کرنے لگے۔ انہیں مائیکل ویلز سے یہ امید نہیں تھی۔ ظفر نے کہا۔ ’’انکل یہ گورے تکلف کیوں نہیں کرتے...... اُف! اتنا گندہ رویہ...... ہم اس سے رشتہ تھوڑی مانگ رہے تھے۔‘‘

احسان دھیرے سے مسکرانے لگے۔ ’’ان گوروں کو سمجھنا ہمارے بس کی بات نہیں...... [illegible] ٹیڑھی چیز ہو [illegible]‘‘

’’ہونہہ...... ماریا کے بارے میں کیا کہتے ہیں انکل؟‘‘

’’مشکل ہے...... میں تو کہتا ہوں کہ باز آجاؤ۔ اب واپس چلتے ہیں۔‘‘ احسان نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ’’ویسے مجھے پتا ہے کہ تم ماریا سے ملنے کے لیے اتنے اتاؤلے کیوں ہو رہے ہو؟‘‘

وہ فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔ خالی ٹیکسی کے ہارن نے انہیں چونکا دیا مگر انہوں نے اس کو اگنور کر دیا کیوں کہ چہل قدمی میں انہیں اب مزہ آنے لگا تھا۔

’’کیوں ہو رہا ہوں انکل؟‘‘ ظفر نے کہا۔ اسے لگا شاید اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔

’’بیٹے یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ وہ کوئی حسینہ ہو گی۔ جو تمہارے یہ بتانے سے تمہاری طرف مائل ہو جائے گی کہ تمہارے سینے میں اس کے سابقہ بوائے فرینڈ جمی کا دل دھڑک رہا ہے......‘‘

’’سابقہ مطلب......؟‘‘ ظفر نے درمیان میں بات

کاٹ دی۔

’’سابقہ مطلب...... یہ مادر پدر آزاد معاشرہ ہے پیارے! اب تک نہ جانے اور کتنے بوائے فرینڈ بن چکے ہوں اس کے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اب جمی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں بنتی۔ بس بھی بہت ہو گیا پیارے، پاکستان واپس چلتے ہیں اب...... وہاں تمہارے لیے کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈ کے شادی وادی کر دیں گے تمہاری۔ پھر زندگی کو بھرپور انجوائے کرتے رہنا۔ ویسے مجھے پتا ہے کہ تم سوچتے ہو کہ تمہارے سینے میں اگر جمی کا دل ہے تو تمہارا دل صرف اسی کے لیے دھڑکتا ہے جس کو جمی چاہتا تھا۔ یہ سب فلمی باتیں ہیں ڈیئر۔ یہ غلط سوچ ہے۔‘‘

ظفر حیران رہ گیا۔ احسان نے بالکل صحیح تجزیہ پیش کیا تھا۔ اس نے ہلکی مسکراہٹ سے کہا۔ ’’انکل آپ یہ یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میری...... یہی سوچ ہے۔‘‘

’’میں سب سمجھتا ہوں پیارے...... اگر یہ بات غلط ہوتی تو تم فوراً میری تردید کر دیتے۔‘‘

’’چلو مان لیتے ہیں کہ ایسا ہی ہے۔‘‘ اس نے تھوڑی سی خفگی سے ہار مان لی۔ ’’مگر آخر ماریا سے ملنے میں حرج ہی کیا ہے۔‘‘

’’کوئی حرج نہیں ہے۔ مل کر اگر تمہیں اس سے پیار [illegible] جاؤ [illegible] ہوت۔‘‘

وہ ہنسنے لگا۔ ’’پیار...... انکل جی بھی مجھے لگتا ہے کہ آپ ٹیلی پیتھی جانتے ہیں جو یوں گہرائی تک پہنچ جاتے ہیں۔‘‘

احسان سنجیدہ تھے۔ انہوں نے سر پر ہیٹ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ ’’گہرائی میں جانا پڑتا ہے پیارے...... ابھی شاید تم نا سمجھ ہو۔‘‘

’’چلو ٹھیک ہے پھر دیکھتے ہیں، انکل...... تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے...... کوئی حرج نہیں۔‘‘

اب کی بار انہوں نے ایک خالی ٹیکسی روک لی اور اس میں سوار ہو گئے۔ وہ ماریا کے ایڈریس پر جا رہے تھے۔

قریباً بیس منٹ بعد وہ ماریا کے اپارٹمنٹ کی ڈور بیل بجا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک قریباً چالیس، پچاس سال کے پیٹے کی عورت نے دروازہ کھولا، تو وہ دونوں حیران رہ گئے۔ اس عورت کے بھورے بالوں میں چاندی کے تار واضح نظر آ رہے تھے۔ انہیں لگا کہ شاید یہی ماریا ہے۔ احسان کی اس عورت کو دیکھ کر اور یہ سوچ کر کہ وہ ماریا ہے تھوڑی سی ہنسی بھی نکل گئی، جو انہوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ضبط کی۔ اس عورت نے کہا۔ ’’جی فرمایئے......‘‘

ظفر محو حیرت تھا۔ وہ چونک کر بولا۔ ’’کیا آپ کا نام ماریا ہے؟‘‘

’’نہیں تو...... میرا نام نینسی اینڈریو ہے۔ آپ کو کس سے ملنا ہے؟‘‘

’’ہمیں ماریا سے ملنا ہے۔‘‘ اس بار احسان نے کہا اور اس نے ماریا کے اپارٹمنٹ کا ایڈریس اس کے سامنے کر دیا۔

’’اوہ...... ہونہہ۔‘‘ اس نے ہنکارا بھرا۔ ’’ماریا نے تین مہینے پہلے ہمیں یہ اپارٹمنٹ بیچ دیا تھا۔‘‘

’’اوہ!‘‘ ظفر تشنہ رہ گیا۔ ’’اب وہ کہاں ملیں گی؟‘‘

’’پتا نہیں۔‘‘ وہ چونکی۔ ’’اوہو...... آپ ایسے باہر کھڑے ہیں۔‘‘ اس نے ان دونوں کی طرف دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’شاید مجھے آپ کو اندر آنے کے لیے کہنا چاہیے تھا۔‘‘ اس نے دروازے سے راستہ چھوڑ دیا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور اندر چلے آئے۔ اپارٹمنٹ میں ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی تھی۔ کچھ کم و بیش قیمت نوادرات بھی تھے جو وہاں کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ فرش پر خوبصورت قالین اور چھت پر لٹکا قیمتی فانوس بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ اپارٹمنٹ تین کمروں پر مشتمل تھا۔

نینسی نے انہیں لاؤنج میں پڑے صوفوں پر بٹھا دیا اور فریج سے کولڈ ڈرنک نکالنے لگی۔ وہ اپارٹمنٹ میں اکیلی ہی رہتی تھی۔ وہ اندر آ کر سوچ رہے تھے کہ ’’یہ سچ ہے کہ ہر انسان ایک جیسا نہیں ہوتا۔‘‘ اگر مائیکل ویلز نے انہیں بغیر کسی تکلف کے اپنے گھر سے دھتکار دیا تھا تو نینسی ان کی میزبانی کر رہی تھی۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں نینسی کی میزبانی کا شرف اٹھا رہے تھے۔ اس کے شوہر کا دو مہینے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ نینسی سے انہیں ماریا کے بارے میں بس اتنا معلوم ہو سکا کہ ’’اپارٹمنٹ بیچ کے اس نے وہ بار خرید لیا تھا جس میں وہ کام کرتی تھی۔‘‘ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اتنے پیسے اس کے پاس کہاں سے آئے تھے۔ مگر وہ جانتے تھے کہ اتنے پیسے اس کے پاس کہاں سے آئے تھے۔ یہ وہی رقم تھی جو جمی کے مرنے کے بعد اس کے فروخت ہوئے آرگنز کی ملی تھی۔ نینسی کے پوچھنے پر انہوں نے بس اتنا بتایا کہ وہ ماریا کے پرانے دوست ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کا شکریہ ادا کر کے اور ماریا کے بار کا ایڈریس لے کر باہر نکل آئے۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

☆☆☆

یہ الٹرا نائٹ بار کا منظر تھا۔ چونکہ ابھی قبل از شام کا وقت تھا اس لیے بار میں گہما گہمی نہ ہونے کے برابر تھی۔ بار کے اندر جا کر انہیں ایسا لگا کہ شاید ان کے آنے سے بس چند منٹ پہلے ہی بار کھلا ہے۔ بار کے وسیع ہال، ڈانسنگ فلور پر کچھ لڑکے لڑکیاں صفائی کرتے اور کرسیاں سیدھی کرتے پھر رہے تھے۔ ہلکی ہلکی انگلش موسیقی اور رنگین بتیوں میں ماحول بہت پُرسکون لگ رہا تھا۔ ہال کے وسطی کونے میں انہیں کرسیوں پر دو تین گورے بھی بیٹھے نظر آئے جو بیئر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کسی بزنس ڈیل میں مصروف تھے۔ انہیں ماریا کی تلاش تھی۔ سامنے بارٹینڈر پر کچھ ویٹریس کھڑی خوش گپیوں میں مگن تھیں۔ وہ سیدھا ان کی طرف بڑھے۔

ویٹریس نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ مستعد ہو کر کھڑی ہوگئیں۔ احسان نے ان سے ماریا کے بارے میں استفسار کیا تو ایک ویٹریس اندر کسی روم میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ماریا کے سامنے بیٹھے تھے۔

وہ بالکل کسی دوشیزہ کی طرح تھی۔ درمیانہ قد، بھرا بھرا جسم، بیضوی چہرہ...... اور پیاسی آنکھیں جو دیکھنے والوں کو پہلی ہی نظر میں مقناطیس کی طرح کھینچ لیتی تھیں۔ اس کے جسم پر ہلکا باریک گاؤن تھا، جس کے اوپر اس نے ایک بلیک اوورکوٹ لیا ہوا تھا۔ شانوں پر بکھری زلفوں اور کھلتے پھول کی طرح چہرہ لیے اس کو دیکھ کر ایسا لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ نازک کلی اتنی کم عمری میں اس بہت بڑے بار کی اکلوتی مالک ہوسکتی ہے۔ مگر ایسا تھا۔ وہ اس بار کی مالک تھی۔ ہاں! وہ جمی ویلز کی محبوبہ ماریا ہی تھی۔ وہ دونوں گم صم اسے دیکھنے لگے۔ ظفر کی دھڑکنیں اس کا ساتھ دینے سے انکاری ہو رہی تھیں۔ ان میں ایک شور برپا تھا۔ اک طوفان کی آمد کا اعلان ہو رہا تھا۔ اس کے سینے کے اندر زور وشور سے نقارے بجنا شروع ہو گئے تھے۔ ہاں انسان بھی کتنا عجیب ہے کہ وہ پردے میں چھپی جس چیز کو دیکھنے کے لیے تجسس رکھتا ہے۔ اگر پردہ آشکار ہونے پر وہ چیز اس کی سوچ سے بڑھ کر نکلے تو فدا ہو جانا لازمی بات ہوتی ہے۔ ماریا بھی ظفر کی سوچ سے بڑھ کر حسین ثابت ہوئی تھی۔ وہ تو اسے دیکھنے کے لیے پہلے سے ہی باؤلا ہو رہا تھا مگر اب کی بار تو اسے دیکھتے ہی لٹو ہو گیا تھا۔

ماریا ان دونوں کی آمد سے حیران تھی۔ ظفر کا اسے یوں یک ٹک دیکھنا اس کے سینے میں بھی ہلچل مچا رہا تھا۔ وہ حیران ہوتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ ”اس اجنبی میں بہت کشش ہے۔ پتا نہیں یہ ہے کون؟ جو یوں مجھے دیکھ کر پلکیں جھپکانا بھی بھول گیا ہے۔“ اس کو یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ وہ ان کے یہاں آنے کا مقصد پوچھے۔

احسان نارمل انداز میں مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیدے پھاڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ اندر ہی اندر ان دونوں کو یوں آپس میں محو دیکھ کر خوش تھے۔

آخرکار احسان نے خاموشی توڑتے ہوئے ہنکارا بھرا تو وہ دونوں چونک گئے۔ ماریا نے صوفے پر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔ ”جی فرمایئے......“ وہ جھینپ سی گئی۔

”ہم جمی ویلز کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے تھے۔“ احسان نے لحہ بھر توقف کے بعد کہا۔

وہ ایک بار پھر چونک گئی۔ ”جمی ویلز...... میں کچھ سمجھی نہیں؟“ اس کی آواز بہت باریک تھی۔

”دراصل......“ اتنا کہہ کر احسان خاموش ہو گئے اور ظفر کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ ظفر اور ماریا خاموشی سے ابھی بھی ایک دوسرے کی طرف پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ احسان کو چپ ہوتے دیکھ کر وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ظفر احسان کو اپنی طرف متوجہ پا کر شرما سا گیا اور ہلکے سے مسکرانے لگا جیسے آگے بولنے کی اجازت دے رہا ہو۔

”دراصل...... جمی ویلز نے اپنے [illegible] سنجیدگی سے کہا۔

ماریا اب سنبھل چکی تھی۔ جمی کا نام سن کر اسے جھٹکا سا لگا تھا۔ ”جی...... جمی نے اپنے آرگنز فروخت کر دیے تھے۔“ اس نے تصحیح کی۔

”ہاں!“ احسان نے کہا۔ ”اور ہمیں پتا چلا کہ آپ ان کی گرل فرینڈ تھیں؟“

”ہاں...... تو...... میں کچھ سمجھی نہیں؟“ وہ حیران تھی۔

”اوہ! ارے ہاں...... یاد آیا ہم نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کروایا۔“ احسان کو اچانک جیسے یاد آیا تو وہ ظفر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ ”ان سے ملیے یہ ہیں مسٹر ظفر...... یہ کسی تعارف کے محتاج تو نہیں پر...... یہ وہی ہیں جن کے سینے میں جمی ویلز کا دل دھڑک رہا ہے۔“ احسان پوری طرح شاک پہنچانے پر آمادہ تھے۔ ”اور میں ان کا سیکریٹری...... احسان علی۔“

ماریا کو جیسے ایک جھٹکا لگا تھا۔ وہ تحیر زدہ رہ گئی۔

☆☆☆

یہ جمی کے آخری لمحات کا منظر تھا۔ اس کی ابھی چند سانسیں باقی تھیں جب ماریا اسے جان بلب ہسپتال لے کر پہنچی تھی۔ ماریا کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ جمی کے پاس بیڈ پر موجود تھی۔ جمی کا سر اس کی گود میں تھا۔ جمی چند دنوں میں ہی بہت لاغر ہو چکا تھا، اس کے چہرے پر موجود سال خوردہ سی مسکراہٹ داستانِ الم سنا رہی تھی۔ جمی کی حالت دیکھ کر ماریا کو ہچکی لگ گئی۔ ”تم ایسے نہیں جا سکتے جمی...... میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔“

وہ خاموش تھا۔ اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ ماریا نے اس کے دبلے پتلے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا رکھے تھے۔ وہ بس آہستہ سے اتنا ہی کہہ سکا۔ ”میں تمہارے لیے کچھ اثاثہ چھوڑ کر جا رہا ہوں...... پلیز مجھے معاف کر دینا۔ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں ماریا۔ میرا گاڈ مجھے یاد کر رہا ہے۔ مجھے جانا ہوگا۔“ اک آخری ہچکی لے کر وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ اس کے آخری الفاظ میں گہرا درد پوشیدہ تھا۔ اس کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں، مگر بے نور آنکھوں میں کچھ تشنگی رہ گئی تھی۔ ماریا کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے گرنے لگے۔ جمی کی روح عالمِ بالا کی طرف پرواز کر چکی تھی۔ وہ جا چکا تھا ہمیشہ کے لیے۔ آخری سانس سے پہلے وہ بس ایک رقعہ، ماریا کو تھما گیا تھا۔

[illegible] تھیٹر کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس کا آپریشن کر کے باڈی کے پارٹ نکالے جانا تھے۔

☆☆☆

”وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔“ ماریا ان کو جمی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس کی مقناطیسی آنکھوں سے شبنمی قطرے اس کے خوبصورت رخساروں پر پھسلنا شروع ہو چکے تھے۔

”آئی ایم سوری......“ احسان نے جیب سے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ دونوں ماریا کی اداسی اور جمی کی ہسٹری جان کر اندر ہی اندر شرمندہ ہو رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی حالت پر قابو پا چکی تھی۔ اچانک اسے کچھ یاد آیا تو وہ اپنا سیل فون نکال کر کسی کو کچھ ہدایات دینے لگی۔ وہ ان کے کھانے، پینے کے لیے کچھ منگوا رہی تھی۔ ان حالات میں، اسے کچھ یاد ہی نہ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ کافی پیتے ہوئے نارمل انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ ماریا کے پوچھنے پر احسان نے ظفر کی پیوند کاری سے لے کر یہاں تک پہنچنے کی تمام داستان اس کے گوش گزار دی۔ ماریا اب ظفر کی طرف عقیدت بھری نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ ظفر اس دوران خاموش رہا تھا۔ اسے تو ماریا سے پہلی ہی نظر کی محبت ہو چکی تھی۔

☆☆☆

دوسرے دن وہ واشنگٹن کے ایک ہوٹل میں موجود تھے۔ وہ اس وقت ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے روم کے اندر آرام دہ صوفوں پر نیم دراز ٹائم پاس کر رہے تھے۔

احسان حسبِ عادت اپنے ہیٹ سے کھیلتے ہوئے ڈرائنگ روم کی شیشے کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سوچوں میں گم تھے، جبکہ ظفر کچھ بے چین تھا۔ اس کی بے چین سوچوں میں آ کر ماریا بار بار انگڑائی لے رہی تھی۔ وہ اس کی نگاہوں میں کلی کی طرح چٹخ رہی تھی، پھول کی طرح کھل کر مسکرا رہی تھی۔ جب سے اس نے ماریا کو دیکھا تھا، وہ اپنے آپ میں نہیں رہا تھا۔ وہ اب اپنی اس بے چینی کو ختم کرنے کے لیے اپنے اسمارٹ فون پر کینڈی کرش سے دل بہلانے کی ناکام سعی میں مگن تھا۔ احسان ظفر کی بے چینی کی وجہ جانتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ظفر سے شوخی میں پوچھا۔ ”کیا ہوا پیارے...... کچھ بوجھل بوجھل سا ہے۔ کہیں پیار دیار کا کوئی چکر تو نہیں ہو گیا۔“

وہ زبردستی مسکرانے لگا۔ ”ہاں انکل...... میں اس سے پہلی ہی نظر میں محبت کرنے لگا ہوں۔“

”ماریا سے؟“

”ہاں اوہ بہت حسین ہے۔ شاید میں اسی لیے یہاں آیا تھا۔ کیونکہ جمی کا دل مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں یہاں دوبارہ آؤں اور ماریا کو اک نظر دیکھوں۔“

”اف! جمی کا دل...... پیارے مجھے کبھی کبھی یہ کیوں لگتا ہے کہ تم بہت وہ ہو......“ احسان بدستور شوخی پر آمادہ تھے۔ ”بے وقوف۔“

”نہیں تو...... وہ کیسے؟“ اس کے اسمارٹ فون پر چلتے ہاتھ رک گئے۔

”ابے یار...... تمہارے سینے میں موجود دل کو سگنل، ہدایات تمہارا دماغ بھیجتا ہے یا کہ جمی کا۔ ہر وقت اس بے چارے جمی کو گھسیٹ لاتے ہو بیچ میں۔“

وہ ہنسنے لگا۔ ”انکل اک بات سچ بتاؤں۔“

”ہاں ہاں ضرور...... سچ بولنے میں تاخیر کیسی؟“

”وہ اصل میں...... جب ہم پاکستان میں تھے۔“ وہ لحہ بھر توقف کے بعد پھر بتانے لگا۔ ”اور مجھے جمی کے

https://www.urdutubes.com/

بارے میں معلومات حاصل کرنے کا خیال آیا تھا تو نہ جانے کیوں میری پیوند کاری سے پہلے اک ڈاکٹر کی دوسرے ڈاکٹر سے کی گئی بات میرے ذہن میں آگئی تھی کہ میرے جسم میں کسی خوبصورت نوجوان کا دل لگایا جانے والا ہے۔ اس بات کے یاد آتے ہی مجھ میں یہ خواہش شدید ہونے لگی تھی کہ میں اس نوجوان کے بارے میں جانوں۔ آخر وہ کون تھا؟ مطلب آپ جانتے ہوں گے کہ میں شروع سے ہی لڑکیوں سے دور رہا ہوں...... اس لیے جب اس نوجوان کے بارے میں جاننے کا خیال آیا تو نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ بات بھی بیٹھ گئی کہ کیا پتا وہ نوجوان شادی شدہ بھی ہوگا۔ اگر نہیں تو پتا نہیں...... کسی سے محبت بھی کرتا ہوگا۔ اگر محبت کرتا ہوگا تو اس کی محبوبہ کیسی ہوگی؟ اور اب کہاں ہوگی؟ کن حالات میں ہوگی؟''

احسان بھرپور انداز سے مسکرانے لگے۔ ان کا دل کہہ رہا تھا کہ ظفر کے ان فرسودہ خیالات پر وہ ایک بھرپور قہقہہ لگائیں...... مگر اس سے ظفر کو کچھ غلط فہمی بھی ہوسکتی تھی کہ انہوں نے شاید اس کا مذاق اڑایا ہے۔ احسان کے نزدیک یہ بچپنا ہی تو تھا۔ یہ وہی ٹین ایجر لائف کے جذبات ہی تو تھے جب انسان کو نئی نئی جوانی آنے کے وقت امڈتے تھے۔ ظفر تو محرومیوں میں جیتا آیا وہ شخص تھا جو ایک بہت بڑی امپائر کا مالک ہونے کے باوجود اندر سے کھوکھلا رہا تھا، جوانی آنے سے پہلے ہی اسے دل کے عارضے نے آجکڑا تھا، وہ جوان ہوا، حتیٰ کہ عمر کی تیس بہاریں بھی دیکھی تھیں اس نے...... مگر صرف بزدل...... ایک بیمار دل کے ساتھ۔ اب اس کی گزشتہ محرومیوں کا ازالہ کرنے کا وقت آگیا تھا اور اب اس نے دل بھی لگایا تھا تو کس کے ساتھ۔ جو تھی تو بہت حسین مگر کسی اور کی محبوبہ رہ چکی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے اس راہ پر آگے کیا مصیبتیں دیکھنی ہیں۔ مگر احسان سمجھتا تھا کہ وہ بہت کٹھن راہ پر چلنے کی بات کررہا ہے۔ وہ آگ کے دریا سے گزرنے کی بات کررہا ہے۔ اگر ظفر، ماریا کو چاہتا تھا تو وہ بھی اس کی خوشی میں خوش تھا۔ مگر آنے والے خطرات کو وہ سمجھتا تھا اور ان سے بچنے کے لیے بھی کچھ تدارک رکھتا تھا۔

''ہونہہ...... بہت اچھے...... بالکل فلمی انداز سے سوچتے ہو پیارے۔'' احسان نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''واؤ...... ہاں انکل سچ میں...... ویسے مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ میرے دماغ پر بھی جمی کا قبضہ ہوگیا ہے۔ میرے دل میں بھی ماریا کے لیے شاید وہی شدت والی چاہت ابھر رہی ہے جو وہ ماریا سے کرتا تھا۔ جس کی خاطر اس نے اپنے اعضا فروخت کردیے تھے۔''

''ارے ایسا کچھ نہیں ہوا؟ یہ تمہارے دماغ میں کچھ واہمہ سا ہوگیا ہے پیارے! اس خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر۔''

''نہیں نہیں...... واہمہ نہیں انکل۔ یہ حقیقت ہے۔ میں تو اسے دیکھنے سے پہلے ہی چاہنے لگا تھا۔''

''اوہو...... یار تم بھی...... سچ میں بچے ہی ہو۔''

''آہ! انکل کاش بچہ ہی رہوں ساری عمر۔'' اس نے حسرت سے کہا۔

''اوکے اوکے...... چلو ٹھیک ہے! مان لیتے ہیں۔'' احسان نے کام کی بات کرتے ہوئے کہا۔ ''پر اب پلان کیا ہے؟''

''پلان کیا ہونا ہے۔ میں ماریا سے شادی کروں گا۔'' اس نے اصل بات بتادی۔

''شا...... شادی...... وہ بھی ماریا سے پوچھے بغیر...... پیارے، آئینے میں کبھی شکل دیکھی ہے اپنی۔'' احسان نے مسکراتے ہوئے شرارت سے اس کی نقل اتارنے کی کوشش کی۔

''نہیں تو...... اس سے پوچھ کر ہی کروں گا۔'' وہ ہنسنے لگا۔

''ہونہہ...... ٹھیک ہے! دیکھیں گے کچھ۔'' [illegible] نے ہنکارا بھرا۔

☆☆☆

دوسرے دن سہ پہر کے وقت ماریا اپنے موجودہ بوائے فرینڈ جیک المعروف جیکی کے ساتھ تھی۔ وہ دونوں اس وقت ایک ریستوران میں بیٹھے اکٹھے لنچ کررہے تھے۔ ماریا نے جیکی کو ظفر کے بارے میں بتانے کے لیے ہی ریستوران میں بلایا تھا۔ اس نے جیکی کو بتایا تھا کہ ظفر کے سینے میں...... جمی کا دل دھڑک رہا ہے۔ ماریا کے جیکی کو ظفر سے ملاقات کے بارے میں بتانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ماریا اور جیکی کی اگلے مہینے شادی طے ہوچکی تھی۔ جیکی بھی جمی کی طرح ایک امیر باپ کی بگڑی ہوئی اولاد تھا۔

اس کا امیر باپ رابرٹ ایک بدنام زمانہ گینگسٹر رہا تھا۔ جیکی کی اپنی شہرت بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ وہ بھی دو تین بار منشیات فروشی کے کاروبار کی وجہ سے پکڑا جاچکا تھا۔ ماریا کی جیکی سے کوئی زیادہ جذباتی وابستگی نہیں تھی۔ وہ دونوں بس ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ ماریا کے ویٹریس ہوتے ہوئے تو وہ ایک دوسرے کو جانتے تک بھی

https://www.urdutubes.com/

جیل نمبر، کنوارہ نمبر، خودکشی نمبر، دوسری شادی نمبر، عشق ناکام نمبر،
بینا نابینا نمبر، خطا نمبر، مرگ ناگہاں نمبر جیسے معرکۃ الآرا خاص
شماروں کے بعد سرگزشت کا ایک اور تہلکہ خیز نمبر

ماہنامہ سرگزشت
کراچی

خودساز نمبر

مئی 2019ء کے اس خاص شمارے میں ان شخصیتوں
کی رودادِ حیات جنہوں نے اپنی قسمت خودسنواری

[illegible] کا تذکرہ جنہوں نے ناکامیوں
کے پہاڑ کو ٹھوکروں سے اڑایا

وہ لوگ جن کی جیب خالی تھی لیکن حوصلے بلند تھے اور محنت
کرنا چاہتے تھے تبھی تو وہ دولت کے انبار پر نظر آرہے ہیں

دوسروں کی کامیابیوں سے سبق حاصل کرنا ہی عقلمندی ہے۔ زندگی میں کامیابی
حاصل کرنے کے خواہشمندوں کے لیے ہی یہ خاص شمارہ ترتیب دیا گیا ہے

ایک ایسا شمارہ جسے آپ مجلد کرا کر محفوظ رکھیں گے، ایسے خاص نمبر صرف سرگزشت ہی پیش کرسکتا ہے

آج ہی نزدیکی بک اسٹال پر اپنا شمارہ مختص کرالیں

Digitized by Google

نہ تھے۔ ان کی پہلی ملاقات تب ہوئی تھی جب ماریا اسی بار کی مالک بنی تھی۔ جیکی اس بار میں اکثر آتا رہتا تھا۔ اس نے سنا کہ ایک ویٹریس اس بار کی مالک بن گئی ہے تو اس کو ماریا کو دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ ماریا کو دیکھ کر وہ دیکھتے میں رہ گیا۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی...... اب جبکہ بہت امیر بھی ہو چکی تھی۔

وہ اسے پہلی ہی نظر میں اپنی بیوی بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ جیکی بیشتر امریکن لڑکیوں کا آئیڈیل لڑکا تھا۔ ماریا جب ویٹریس تھی تو وہ اسے تب سے تھوڑا بہت جانتی تھی۔ مگر جیکی کے قریب آنے تک اس نے کوئی پس و پیش نہیں کی۔ جب دوسری ہی ملاقات میں جیکی نے اسے شادی کی آفر کی تو وہ بھی خوشی سے راضی ہو گئی۔ اس کے خیال میں جمی تو اب واپس آ سکتا نہیں تھا۔

ماریا سے یہ سب سُن کر جیکی بہت حیران رہ گیا۔ ظفر کی ہسٹری جان کر جیکی نے یہ مفروضہ بھی بیان کیا تھا کہ ظفر شاید پھر سے اسے ملنے کی کوشش کرے گا اور کیا پتا وہ تمہیں دیکھ کر پسند بھی کرنے لگا ہو۔ ماریا نے کہا تھا کہ کیا پتا اب وہ واپس پاکستان چلا گیا ہو کیونکہ وہ یہاں صرف جمی کے بارے میں ہی معلومات حاصل کرنے آیا تھا۔ جو وہ حاصل کر چکا۔ مگر جیکی جانتا تھا کہ اگر وہ یہاں حقیقتاً جمی کے بارے میں ہی جاننے آیا تھا تو وہ ماریا کو دیکھنے کے بعد تو ہرگز، ہرگز واپس نہیں جا سکتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اس ظفر نامی بلا سے ایک ملاقات کرنی ہی پڑے گی کہ وہ کیا ارادے رکھتا ہے؟

☆☆☆

دوسرے دن شام کو ہی وہ ایک بار پھر الٹرا نائٹ بار میں موجود تھے۔ سچ کہتے ہیں کہ جب کسی سے محبت ہو جائے تو وہ چہرہ بار بار دیکھنے کو جی کرتا ہے۔ ظفر بھی ماریا کو بار بار دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ بھی چاہتا تھا کہ ماریا کو سامنے بٹھا کر صبح و شام بس دیکھتا ہی رہے۔ اس سے باتیں کرتا رہے۔ اسی ارادے کو لیے وہ ایک پھر سے بار میں آن وارد ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اکیلا ہی ماریا کے بار میں جائے کیونکہ یوں احسان کو اب وہ زحمت نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کے خیال میں جتنا بھی ہو، وہ اس کے بزرگ تھے۔ مگر احسان کا معاملہ برعکس تھا۔ وہ ظفر سے بھی دو ہاتھ آگے تھے۔ انہوں نے اس کے سر پر ایک چپت رسید کرتے ہوئے اسے سمجھایا تھا کہ

”پیارے تم ماریا سے وہاں باتیں کرتے رہنا، میرا من تو اس کے بار میں ڈانس کرنے کا ہے۔ میں وہاں ڈانس کرنے کے لیے ہی جاؤں گا۔ مگر جاؤں گا ضرور۔“ وہ سمجھ گئے تھے کہ بچہ ابھی سے ہی پرائیویسی کا متمنی ہے۔ مگر وہ اسے اکیلا چھوڑنے کا رسک بھی نہیں لے سکتے تھے۔ چاہے کچھ بھی ہو وہ اپنے دیش میں تھوڑی تھے۔

احسان بار کے ڈانسنگ فلور پر امریکن نوجوان لڑکے لڑکیوں کے ساتھ میوزک کی تیز لے پر ڈانس کرتے ہوئے خود بھی کوئی کاؤ بوائے ہی معلوم ہو رہے تھے۔ ان کا آدھا چہرہ ہیٹ میں چھپا ہوا تھا۔ وہ بھرپور انداز میں لڑکے لڑکیوں کا ساتھ دے رہے تھے۔

ظفر، احسان کو ڈانس کرتا دیکھ چکا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر زور کی ہنسی بھی آئی تھی۔ مگر وہ اسے نظر انداز کر کے مسکراتے ہوئے بارٹینڈر کی طرف بڑھ گیا۔ بارٹینڈر سے ماریا کا معلوم کرنے پر پتا چلا کہ وہ اپنے کمرے میں ہی موجود ہے۔ وہ فوراً اجازت لیے بغیر ہی ماریا کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ یہ وہی کمرا تھا جس میں کل ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ ایک طرح سے یہ ماریا کا آفس ہی تھا۔

اس نے کمرے سے باہر ناک کیا تو تھوڑی ہی دیر میں ماریا نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اسے دوبارہ وہاں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ”ہے...... ظفر...... پلیز کم اِن۔“ اس نے اندر آنے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے اندر چلا آیا۔ مگر یہ کیا، ماریا کے پیچھے اندر بڑھتے قدم، ایک اجنبی کو صوفوں پر نیم دراز دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے رک گئے۔ وہ [illegible] دراز تھا۔

جیکی نے بھی ماریا کے منہ سے ”ظفر“ سنا تو وہ بھی چونک گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ آج اس ظفر نامی بلا سے ملاقات ہو ہی گئی۔ ظفر کا بھی یوں چونکنا، وہ محسوس کر چکا تھا کہ ظفر اس کے بارے میں نہیں جانتا، کہ وہ ماریا سے شادی کرنے والا ہے۔ ماریا نے ظفر کو رکتے دیکھ کر اس کی حیرانی بھانپ لی۔ وہ فوراً ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ”اوہ...... مسٹر ظفر ان سے ملیے۔“ وہ جیکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کا تعارف کروانے لگی۔ ”یہ ہیں میرے بوائے فرینڈ...... جیک، سب پیار سے جیکی بلاتے ہیں...... اور جیکی یہ ہیں مسٹر ظفر علی...... ان کے بارے میں تو میں نے تمہیں بتایا ہی تھا۔“

ظفر کے دماغ میں ایک دھماکا ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں احسان کی ساتھ بوائے فرینڈ والی بات گردش کرنے لگی۔ وہ سوچنے لگا۔ اس کا دل بجھ سا گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ فوراً یہاں سے باہر نکل جائے مگر چاہ کر بھی وہ ایسا نہ کر

سکا۔ ماریا کے کہنے پر وہ ایک صوفے پر ڈھے سا گیا۔ وہ بس جیکی کو دور سے ہائے ہی کہہ سکا تھا...... ہاتھ ملانے کی اس میں سکت نہیں تھی۔

دونوں کے درمیان تعارف ہو چکا تھا۔ ماریا نے یہ بھی بتایا کہ ”وہ اور جیکی عنقریب شادی کرنے والے ہیں۔“ انہوں نے شادی میں شرکت کرنے کی ایڈوانس دعوت بھی دی مگر وہ یہ سب سن ہی کہاں رہا تھا۔ رہے سہے اعصاب بھی شادی کا سن کر جھنجھ کے رہ گئے تھے۔ اس کی دلچسپی نہ دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ اس کو شاید کچھ برا لگا ہے۔ اس کی شاید طبیعت خراب ہے۔ ماریا نے پوچھا۔ ”مسٹر ظفر...... آر یو او کے؟“ ماریا کی پیش کی گئی انرجی ڈرنک پی کر، وہ خود کو بامشکل سنبھال کر اتنا ہی کہہ سکا۔ ”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“

☆☆☆

یہ اگلا دن تھا۔ وہ دوبارہ ہوٹل میں موجود تھے۔ ظفر کی طبیعت خراب تھی۔ اس کا ٹمپریچر ہائی تھا۔ احسان نے اسے میڈیسن دی تھی، اب وہ بیڈ پر نیم دراز سوچوں میں گم تھا۔ احسان ماریا کے بارے میں ظفر سے جان چکا تھا کہ عنقریب اس کی شادی ہونے والی ہے۔ وہ خود بھی ظفر کی یہ حالت دیکھ کر...... پریشان ہو گئے تھے۔ اور بخار میں [illegible] افراد بیمار ہوں تو ان میں سے ایک [illegible] چاہتے ہوئے بھی اپنی بیماری خفیہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔“ ان دونوں کے مابین بھی تو ایک گھر کے افراد والا...... ہی تو تعلق تھا۔ ظفر کو گہرا صدمہ پہنچا تھا، جبکہ احسان کی ظفر کی بگڑی طبیعت دیکھ کر اکثر خود کی طبیعت بھی بگڑنے لگتی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے یہ سب کنٹرول کر پاتے تھے۔ ظفر میڈیسن لینے کے بعد اب چونکہ کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے احسان نے کہا...... کہ باہر چلتے ہیں آج کچھ گھومیں پھریں گے۔ ورنہ تو ظفر نے رات کو ہی کہہ دیا تھا کہ وہ واپس پاکستان جانے کا ارادہ کر چکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ تیار ہو کر کوریڈور سے گزرتے ہوئے ہوٹل سے باہر جا رہے تھے۔

وہ ابھی نیچے کاؤنٹر کے پاس سے گزرتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ ماریا کو ہوٹل میں اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ چونک سے گئے۔ ماریا کو دیکھ کر وہ جیسے ایک لمحے کے لیے پتھر سے ہو گئے۔ ان کے جسم ساکت، نگاہیں متحیر اور زبانیں خاموش ہو گئیں۔ ماریا نے مشرقی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس کے ہلکے براؤن اور سیاہ بالوں کے ساتھ ہلکا گلابی لباس اس امریکن لڑکی پر پوری طرح سے جچ رہا تھا۔

”ہائے......“ ماریا نے انہیں باہر جاتا ہوا دیکھ لیا، وہ فوراً مسکراتے ہوئے تیزی سے ان کی طرف لپکی۔ ”اوہ! آپ کہیں جا رہے تھے؟“

”ہاں! ذرا گھومنے پھرنے کا ارادہ تھا۔“ ظفر نے بجھا بجھا سا جواب دیا، اسے ماریا اور جیکی کی شادی والی بات یاد آ گئی تھی۔

”اوہ! گڈ...... اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“

”پہلے سے بہتر ہے۔“ ظفر نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

احسان نے کہا۔ ”آیئے روم میں چلتے ہیں۔“

وہ دونوں بھی ذرا سی اوں کر کے احسان کے ساتھ ہوٹل میں واپس جانے لگے۔ ماریا نے ہچکچاہٹ سے کہا۔ ”وہ میں آپ کے پاس ہی آ رہی تھی، مجھے لگا تھا کہ شاید آپ کی طبیعت اب بھی خراب ہوگی۔“

”نہیں تو میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔“ ظفر نے کہا۔ ”ویسے آپ کو میرے لیے یہاں آنے کی تکلیف نہیں کرنی چاہیے تھی۔“

وہ ہلکے سے مسکرانے لگی۔ ”نہیں...... نہیں ایسی بات نہیں، آپ تو بہت خاص ہیں ہمارے لیے۔ ایک طرح سے آپ ہمارے مہمان بھی ہیں۔“

اتنی دیر میں وہ واپس کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ احسان نے کہا۔ ”ابھی تو آپ ہماری مہمان ہیں۔“ احسان کی بات سن کر ان دونوں کے چہرے پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ ماریا کا یوں اس کی عیادت کو آنا...... ظفر کی روح تک کو ایک گہرا سکون پہنچا گیا تھا۔ ظفر کو ایک دم سے کل والی تمام باتیں بھول گئی تھیں، اگر یاد بھی تھیں تو اس نے فراموش کر دی تھیں۔

ان تینوں کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ احسان نے متانت بھرے لہجے میں کہا۔ ”ظفر یہاں گھومنا پھرنا چاہتا ہے مگر میرا ابھی یہ شہر اچھے سے دیکھا ہوا نہیں ہے۔“

احسان کی اس بات سے ظفر کا دل سرشاری سے جھوم اٹھا۔ وہ سمجھ گیا کہ احسان نے کس لحاظ سے یہ بات کی ہے۔ ماریا بھی ان کا مطلب سمجھ گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”نو پرابلم...... آپ لوگ میرے ساتھ گھومنے جائیں گے۔ میں شہر کے تمام خاص مقامات کی آپ کو سیر کرواؤں گی۔“

”نہیں نہیں...... آپ کو زحمت ہوگی۔“ ظفر نے

https://www.urdutubes.com/

خلاف توقع منع کرنے کی کوشش کی۔ مگر ماریا تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو ابھی چلتے ہیں...... ویسے بھی آپ ابھی گھومنے کے لیے ہی جارہے تھے، میرے پاس تو گاڑی بھی ہے۔''

تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی میں تھے۔ ماریا کے پاس خوبصورت شیورلیٹ کار تھی۔ ماریا ڈرائیونگ سیٹ پر تھی اور ظفر اس کے ساتھ فرنٹ پر...... جبکہ احسان پیچھے نیم دراز ہوکر سونے کی کوشش میں مصروف ہوچکے تھے۔

ظفر کے لیے یہ یادگار لمحات تھے۔ وہ اس کے ساتھ تھا، جسے دل آشوب سمجھتا تھا۔ یہ ان کے لیے ایک یادگار دن ہونے والا تھا۔ یہ خوبصورت شیورلیٹ کار ماریا کو جیکی نے پچھلے دنوں گفٹ کی تھی۔ ماریا نے پوچھا۔ ''تو پھر کہاں جانے کا ارادہ ہے جناب کا؟''

ظفر کو واشنگٹن میں قابلِ ذکر چیز صرف وائٹ ہاؤس کا نام یاد تھا۔ ''مجھے تو اس شہر میں صرف وائٹ ہاؤس کا نام یاد ہے۔'' ظفر نے انگلش میں ہی جواب دیا۔ ''اگر کوئی اور قابلِ ذکر مقامات ہیں تو تم ہی بہتر رہنمائی کرسکتی ہو۔''

وہ ہنسنے لگی۔ ''تو پھر ریڈی ہوجاؤ۔ آج یو کی پارٹی ہو جائے گی۔''

وہ وائٹ ہاؤس سے ہوکے آنے کے بعد...... نیشنل ائر اینڈ اسپیس میوزیم میں تھے۔ وہ خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ احسان بھی خوش تھا۔ ان کے لیے یہ تفریح اور خوشی گاڈ گفٹ تھی کیونکہ ایسے پل زندگانی میں بار بار کہاں ملنے والے تھے۔ ظفر جیسے ہواؤں میں اڑ رہا تھا، ایک امریکن گرل اس پر مہربان ہورہی تھی۔ ہاں! وہ لڑکی جسے وہ دل و جان سے چاہنے لگا تھا۔ وہ دونوں میوزیم میں گھومتے ہوئے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف چوری چھپے دیکھنے لگتے تھے۔ ماریا کے دل میں بھی ظفر کے لیے ان دو دنوں میں ہی کچھ محبت جاگ چکی تھی۔ اس محبت کے جاگنے کی ایک وجہ ظفر کے سینے میں جمی کا دل بھی تھا۔ وہ اب اپنے دل میں ظفر کے لیے بہت جگہ محسوس کرنے لگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ یہاں ظفر کے ساتھ آن موجود ہوئی تھی۔ وہ تھوڑا سا جیکی سے خوفزدہ تھی مگر ان خوبصورت لمحوں میں اس نے جیکی کو بھی نظر انداز کیا ہوا تھا۔ وہ دونوں احسان سے آگے تھے۔ احسان تھوڑا بہت یہ سوچ کر پریشان ہوا تھا کہ ''آخر اس لو اسٹوری کا اختتام کیا ہوگا۔'' مگر وہ ایسی پریشانیاں خود پر زیادہ دیر حاوی رکھنے والا بندہ نہیں تھا۔ اب وہ بھی ان کے ساتھ بھرپور انجوائے کررہا تھا۔

ماریا کے سیل فون نے رنگ کیا تو وہ چونک کر رک سے گئے۔ کال سن کر وہ تھوڑا پریشان ہوگئی تھی۔ ظفر نے اس کی پریشانی بھانپ کر پوچھا۔ ''خیریت تو ہے؟''

''ہاں! وہ جیکی کا فون تھا۔''

''اوہ! کیا کہا اس نے؟''

''پوچھ رہا تھا کہ کہاں ہوں۔'' وہ سر جھٹک کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''اس کو پتا چل گیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''اوہ! پھر کیا کہا اس نے؟''

''کچھ نہیں...... شاید وہ غصے میں تھا۔''

احسان آہستہ سے ان کے قریب آگیا تھا۔ یہ سن کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ ظفر نے کہا۔ ''تو کیا پھر تم جارہی ہو؟''

''ارے! نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ ہنسنے لگی۔ ''اگنور کرو۔''

وہ ایزی ہوگئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ پھر سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

☆☆☆

ماریا نے کال کاٹ دی تھی۔ جیکی آگ بگولا ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ظفر میں دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ اس وقت ایک کار ورکشاپ میں موجود تھا جو ایک طرح سے کاروں کا شوروم بھی تھا۔ ورکشاپ میں کئی نئی و پرانی اسپورٹس کاریں موجود تھیں۔ وہ اس وقت شوروم کے [illegible] ریوالونگ [illegible] باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا سیل فون آہستہ سے ٹیبل پر پٹخ دیا اور سوچنے لگا، ظفر کے بارے میں جلد ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ وہ حیران تھا کہ کیا پیوندکاری کے مریض اتنے صحت مند ہوسکتے ہیں جتنا ظفر صحت مند تھا۔ اسی دوران وہ ایک بار پھر سیل فون اٹھا کر کسی کو کال کرنے لگا۔ کال پر کسی کو ہدایت دے کر وہ مطمئن ہوگیا۔ اسے اب رپورٹ کا انتظار تھا۔

☆☆☆

احسان کی بائیں آنکھ پھڑک رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی چھٹی حس انہیں خبردار کررہی تھی۔ وہ کچھ خطرہ محسوس کرنے لگے تھے۔ ایسا ان کے ساتھ پہلے بھی کئی بار ہوچکا تھا کہ وہ بائیں آنکھ کے پھڑکنے سے بارہا خبردار ہوکر خطرناک حالات سے بچے تھے۔ وہ اس وقت نیشنل مال میں تھے۔ ماریا اور ظفر اس سے چند قدم آگے چل رہے تھے جبکہ وہ حسبِ سابق ان سے کچھ فاصلہ برقرار رکھے ہوئے تھے۔ احسان نے نامحسوس انداز میں آس پاس خطرے کو

محسوس کرنے کے لیے نظر دوڑائی تو وہ چونک گئے۔ انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا مگر...... وہ خطرہ بھانپ چکا تھا۔ ان کے بالکل پیچھے وہ تین چار امریکن لڑکے تھے، جو نہ جانے کہاں سے تیزی سے بڑھتے ہوئے ان کے پیچھے چلے آرہے تھے۔ ان کا انداز مشکوک تھا۔ وہ کاؤبوائے اسٹائل میں تھے، ان کے ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔ وہ احسان کے پاس سے گزرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ انہوں نے احسان کو نظر انداز کردیا تھا، وہ ظفر اور ماریا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ احسان انہیں خبردار کرنا چاہتا تھا مگر وہ ایسا نہ کر سکے...... کیونکہ وہ ان کے سر پر پہنچ چکے تھے۔ ظفر اور ماریا ان لڑکوں کو دیکھ کر رک سے گئے۔ ماریا خوفزدہ ہوچکی تھی۔ وہ ان کے گرد گھومنے لگے۔ ''ہے...... بے بی...... ہاؤ آر یو؟'' وہ ماریا کو چھیڑ رہے تھے۔ ظفر ان کی حرکت سے حیران رہ گیا۔ ایسا لگا جیسے وہ ان سے لڑ پڑے گا مگر اس دوران احسان ان کے پاس پہنچ چکے تھے۔ احسان کو پاس دیکھ کر وہ غنڈے چونک سے گئے۔ احسان سخت لہجے میں بولے۔

''ہے...... واٹس پرابلم بوائز؟''

ان کی تکرار دیکھ کر آس پاس موجود لوگ بھی متوجہ ہو رہے تھے۔ [illegible]

''بہت بڑی پرابلم ہے۔'' اس کے کہنے کے انداز میں استحکام تھا۔ ''یہ لڑکی ہمارے ساتھ جائے گی۔'' اس نے آگے بڑھ کر ماریا کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ ڈر کر ظفر کے پیچھے ہوگئی۔

وہ باقی تین غنڈوں کا لیڈر لگ رہا تھا۔ وہ ایک باڈی بلڈر ٹائپ تھا۔ اس کے گلے میں سونے کی چین تھی جبکہ اس کے ہاتھوں میں دندانے دار کوئی سفید باکسنگ رِنگ نظر آرہی تھی، جو کہ فلموں میں اسٹریٹ فائٹرز، غنڈوں کے ہاتھوں میں نظر آتی تھی۔ احسان نارمل انداز میں کھڑے تھے، جبکہ ان کے چہرے پر غصے کے آثار واضح تھے۔ اس لیڈر نے آگے بڑھنا چاہا تو احسان نے اسے روک دیا۔

''اسٹاپ...... تم اسے نہیں لے جاسکتے، پہلے بتاؤ کیا ہے؟ ہم اسے یہاں حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

وہ رک گیا۔ اس نے اپنی ٹی شرٹ کے نیچے سے [illegible] موجودگی کو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نہیں سمجھتا کیا آپ ہمیں روک سکتے ہیں۔''

ریوالور دیکھ کر ظفر تھوڑا سہم سا گیا مگر احسان ابھی بھی نارمل انداز میں کھڑے تھے، جیسے یہ سب ان کے لیے معمول کی بات ہو۔ وہ ذرا تیز لہجے میں بولے۔ ''رکو! میں نے ایک بار کہہ دیا ہے کہ آپ انہیں بنا کسی وجہ کے نہیں لے جاسکتے...... ورنہ آپ میرے بارے میں کچھ جانتے نہیں ہیں؟''

لیڈر تلملا اٹھا۔ ''دھت تیری......'' وہ شیر کی طرح دھاڑتا ہوا احسان کی طرف لپکا۔ ''تو تم بتاؤ کہ میں کون ہوں؟'' اس نے تیزی سے پاس ہوکر یک بارگی مُکا لہرا کر احسان پر حملہ کردیا۔ مگر یہ کیا! وہ اس حملے کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ انہوں نے ایک ہاتھ سے اس کا مکا روک کر اسی ہاتھ سے پھرتی سے اس کا ہاتھ مروڑ دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے پر جوابی مکا جڑ دیا۔ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر دوسرے غنڈے احسان کی طرف لپک رہے تھے۔ اسی پھرتی سے اس نے پاس آنے والے دوسرے غنڈے کی طرف نیچے سے ٹانگ چلائی تو وہ سیدھی اس کی ناف پر لگی۔ لیڈر کا ہاتھ ابھی تک احسان مروڑے ہوئے تھے اسی لیے اگلے لمحے اسی پھرتی سے انہوں نے دوسرے ہاتھ سے لیڈر کا ریوالور نکال لیا تھا۔ یہ سارا کھیل بس پندرہ بیس سیکنڈ میں ہی اختتام پذیر ہوگیا تھا۔ احسان کے ہاتھ میں اب غنڈوں کے لیڈر کا خوبصورت ریوالور لہرا رہا تھا۔ لیڈر اور اس کا ایک مشٹنڈا زمین پر لوٹ پوٹ ہورہے تھے۔ ریوالور دیکھ کر باقی دو غنڈے رک گئے مگر احسان نہیں رکا۔ اس نے بالکل پاس موجود تیسرے کے منہ پر بھی زوردار مکا جڑ دیا اور چوتھے کی طرف بھی ایک ٹانگ رسید کردی۔

ظفر اور ماریا ابھی تک ہونقوں کی طرح منہ بنائے کھڑے سمجھنے کی کوشش میں مصروف تھے کہ آخر یہ ہوا کیا ہے؟ وہ سوچ رہے تھے کہ کیا یہ کسی فلم کی شوٹنگ کا منظر تھا۔ مگر یہ تو حقیقت تھی، ایسا ہوچکا تھا۔ کسی افسانوی منظر کو آج انہوں نے حقیقت میں بھی دیکھ لیا تھا۔ مگر سب سے حیران کن بات یہ کہ اس حقیقت کا ہیرو کوئی اور نہیں بلکہ احسان تھا، ایک پچاس پچپن سالہ بوڑھا آدمی۔

ظفر تیزی سے سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ہوا تھا؟ انکل نے یہ سب کیسے کیا تھا؟ کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟ ہاں! ایسا بھی ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں بالی ووڈ فلم کے مناظر گھومنے لگے۔

احسان نے گولیاں نکال کر ریوالور نیچے پھینک دیا۔ اب وہ مسکراتے ہوئے ان کے پاس آگئے، جبکہ غنڈے اب بھی نیچے ہی لوٹ پوٹ ہورہے تھے...... بالکل کسی فلمی

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

منظر کی طرح۔ "چلو......" احسان بولے تو وہ دونوں چونک پڑے تھوڑی ہی دیر بعد وہ وہاں سے جا رہے تھے۔ جبکہ پیچھے موجود تماشائی عوام کے لیے دلچسپ منظر تھا۔

نیشنل مال، نیشنل پارک میں سیکیورٹی کے لیے کچھ پولیس کے اہلکار بھی موجود تھے۔ جنہوں نے یہ چند لمحوں کا سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اب وہ غیر قانونی طور پر پارک میں اسلحہ لے کر آنے کے لیے ان غنڈوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال رہے تھے۔ جبکہ انہوں نے احسان سے کوئی گفت و شنید نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ تو نیشنل مال میں آنے والے سیاحوں کے لیے سیکیورٹی کی ناقص صورتِ حال پر پشیمان تھے اور احسان کو جاتے ہوئے احترام کی نظروں سے دیکھ رہے تھے...... جس نے ان کے نزدیک آج ایک شہری کی غنڈوں سے جان بچائی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ شیورلیٹ کار میں بیٹھے وہاں سے نکل آئے تھے۔ احسان غنڈوں کو زیر کر کے ان سے یہ نہیں پوچھ سکا تھا کہ وہ ماریا کو کیوں اغوا کرنا چاہتے تھے۔ وہ چاہ کر بھی وہاں یہ نہیں پوچھنا چاہتے تھے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ وہ امریکن نہیں ہیں...... اور نہ ہی یہ پاکستان ہے کہ وہ غنڈوں سے سب کے سامنے یہ اگلوا لیں گے کہ وہ یہ کیوں کرنا چاہتے تھے؟ کس کے لیے کرنا چاہتے تھے؟

جب وہ روڈ پر کافی دور نکل آئے تو ظفر کے ذہن میں پھر سے فائٹ والے مناظر گھومنے لگے۔ وہ ایک دم سے پُرجوش ہو گیا۔ "او مائی گاڈ...... واؤ انکل۔ یو، یو، ہو...... یہ مارا وہ مارا۔" وہ خوشی سے شیورلیٹ کار کے اندر ہی اپنے ہاتھ احسان کی طرح گھمانے لگا۔ احسان اس کو یوں اشارے کرتے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ "ارے ارے...... دھیرے سے کاکے۔"

"یہ یہ...... کے...... کیا تھا انکل؟" وہ تیزی سے اگلی سیٹ پھلانگتے ہوئے پیچھے احسان کی طرف آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

شیورلیٹ کار خوبصورت سڑک پر سے دوڑ رہی تھی۔ اس وقت بھی ڈرائیونگ سیٹ پر ماریا تھی۔ وہ بھی ظفر کی یہ حرکت دیکھ کر مسکرانے لگی۔ وہ تو خود حیران تھی کہ یہ سب آخر کیا تھا؟ اسے کس نے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایسا تو اس کے ساتھ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کی کسی سے دشمنی رہی تھی۔ سب سے حیران اسے احسان کی فائٹ نے کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا پاکستانی اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ پچاس سالہ زندگی گزرنے کے باوجود بھی ناقابلِ یقین حد تک ایسا کر سکتے ہیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ احسان کا تعلق شاید پاکستان آرمی سے رہا ہو گا اور وہ ٹھیک ہی سوچ رہی تھی۔

احسان مسکرانے لگے۔ "کچھ نہیں پیارے...... تمہاری طرح وہ ذرا جوانی میں تھوڑا سا مارشل آرٹ سیکھنے کی دھن سوار ہوئی تھی۔"

وہ ظفر کو باور کروا رہے تھے کہ وہ بھی تو پچھلے دنوں...... پیوندکاری کے فوراً بعد جم جاتا رہا ہے۔ ایسا کچھ وہ بھی جوانی میں کرتے رہے ہیں۔

"واؤ...... مارشل آرٹ۔ پھر تو آپ کو ہمیں انہی دنوں بتا دینا چاہیے تھا ناں انکل...... جب ہم جم جانے لگے تھے۔"

"ارے یار...... اب وہ بات کہاں ہم میں۔" انہوں نے شوخی سے کہا۔ "اصل بات یہ کہ میں آرمی میں رہا تھا کچھ عرصہ۔"

"واؤ...... آرمی میں مطلب؟"

"مطلب لیفٹیننٹ میجر تھا میں......"

"اوں...... لیفٹیننٹ میجر! واؤ، پھر کیا ہوا تھا؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"پھر چھوڑ دیا تھا۔"

"کیوں چھوڑ دیا تھا؟" وہ بچوں کی طرح [illegible] سوال پوچھے جا رہا تھا۔

"بتاؤں گا کسی دن......" وہ سیٹ کی پشت پر نیم دراز ہو کر تھکاوٹ دور کرنے لگے۔

☆☆☆

جیکی ایک بار پھر سے آگ بگولہ تھا۔ وہ اسکاچ کے گلاس پہ گلاس چڑھائے جا رہا تھا۔ بے چینی اور غصہ پوری طرح اس کے چہرے سے ہویدا تھا۔ وہ اس وقت بھی اپنے اڈے یعنی شوروم کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے کال پر جو رپورٹ اسے ملی تھی، اس رپورٹ نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ بوڑھا کون تھا؟ جس نے تن تنہا چار افراد کی پٹائی کر دی تھی۔ تن تنہا اور پچاس پچپن سالہ بوڑھے آدمی کا لفظ اس کے سینے میں اسکاچ کی کڑواہٹ کے ساتھ پوری طرح گھل رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گا۔ اگر احسان ابھی اس کے سامنے آ جاتا تو وہ بنا کسی تردد کے اپنے اعشاریہ تین آٹھ کی ساری گولیاں اس پر داغ دیتا۔ اسے تو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہوا تھا کہ وہ بوڑھا ظفر کا ہی

سیکریٹری ہے۔ اس کے ذہن میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر کیا کرے؟ جیکی بھی ان جذباتی لوگوں میں سے تھا جو ذرا سی بات پر بھی، کسی کی جان لینے سے نہیں ہچکچاتے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس واقعے سے تو ماریا ظفر کی طرف اور بھی زیادہ اٹریکٹ ہو گئی ہو گی۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے اپنی پینٹ کی جیب سے سیل فون نکال لیا اور کسی کو کال کرنے لگا۔

دوسری ہی بیل پر کال اٹینڈ کر لی گئی۔ وہ اس کا دوست رینالڈ اسکائی تھا۔

اس نے چھوٹتے ہی کہا۔ "ہیلو! ہائے...... جیک...... واؤ ڈیئر، آج بڑے عرصے بعد یاد کیا۔"

"ہائے رینالڈ! کیسے ہو؟ مجھے تم سے ایک کام تھا ڈیئر۔"

"کام تو پھر جلدی بتاؤ یار...... یہ مجھے تمہاری آواز میں کچھ تلخی کیوں لگ رہی ہے؟ خیر تو ہے ناں جیک؟" وہ اسے ہمیشہ جیک ہی بلاتا تھا۔ وہ سی آئی اے میں تھا۔

"خیر نہیں ہے...... وہ سالہ پاکستانی......" اس نے مطلب کی بات کی۔

"پاکستانی...... میں کچھ سمجھا نہیں؟ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں تم [illegible] پاکستانی کا کچھ کر سکتے ہو؟ وہ سالہ میری گرل فرینڈ پر ڈورے ڈال رہا ہے۔"

"کیا تم ماریا کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں ہاں! میں ماریا کی بات کر رہا ہوں۔" وہ حلق کے بل چیخ کر بولا۔

"جیک مجھے لگ رہا ہے کہ تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے؟" وہ بھانپ چکا تھا کہ وہ بہت اکھڑا ہوا ہے۔

"میں ٹھیک ہوں...... تم بس یہ بتاؤ کہ اس باسٹرڈ کے لیے کچھ کر رہے ہو کہ نہیں؟" وہ اب بھی چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"ہاں میں چیک کرتا ہوں اسے...... تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ؟" جیکی اسے ظفر کے بارے میں بتانے لگا۔

☆☆☆

ماریا نے ان دونوں کو ہوٹل کے باہر چھوڑ دیا تھا۔ وہ واپس بار میں جانا چاہتی تھی کیونکہ ابھی شام ہونے کو آئی تھی۔ مگر ظفر کے کہنے پر وہ ان کے روم میں چلی آئی۔ وہ دونوں اوپر کمرے میں چلے گئے تھے مگر احسان باہر ہی موجود تھا۔ وہ وہیں شیورلیٹ کے پاس ٹیک لگا کر کھڑا رہ گیا۔ ہوٹل کے اس انڈر گراؤنڈ پارکنگ ایریا میں اور بھی کئی گاڑیاں موجود تھیں۔ وہ ان کے ساتھ روم میں جان بوجھ کر ہی نہیں گیا تھا۔ وہ موجودہ حالات پر اکیلے میں کچھ غور و فکر کرنا چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ماریا کے اغوا کی کوشش محض اتفاق نہیں ہو سکتا، اس کے پیچھے ضرور کچھ گہرے عوامل پوشیدہ ہوں گے۔ اگر ایسا ہے تو ایسے عوامل اب اور زیادہ خطرناک بن کر ان کے سامنے آئیں گے اور وہ بہت نقصان دہ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ جیسے جیسے اس بارے میں غور کرتا جا رہا تھا، اس کے کان کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ سوچنے لگا، یا تو ظفر کو ماریا کے حوالے سے خبردار کرنا پڑے گا کہ وہ اس کا خیال دل سے نکال دے اور واپس پاکستان چلے۔ ورنہ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو انہیں بہت حد تک مدد درکار ہو گی۔ انہیں سیکیورٹی کے سخت انتظامات درکار ہوں گے۔ اور سب سے بڑھ کر انہیں امریکن گورنمنٹ سے سفارتی مدد بھی حاصل کرنا ہو گی۔ ورنہ اس طرح کے معاملات میں وہ دہشت گردی کے الزام میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے چنگل میں پھنس کر ہمیشہ کے لیے قصۂ ماضی بن جاتے۔ اگر وہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے درمیان ایک بار پھنس جاتے تو وہ کیا، پاکستان کی پوری گورنمنٹ بھی انہیں نہیں بچا سکتی تھی، الٹا وہ خود پاکستان حکومت کے لیے وبالِ جان بن سکتے تھے کہ یہ پاکستانی دہشت گرد ہیں...... پاکستانی ایجنٹ ہیں۔

احسان کو گزشتہ رات والی ظفر کی بات بھی یاد آئی، جب اس نے مایوسی، شکستہ دل سے پاکستان واپس جانے کی بات کی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ماریا کو کوسنے لگا کہ کاش وہ صبح یہاں آتی ہی نہ...... اب تو ظفر واپس ہرگز نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اس کے نزدیک آج والے واقعے کے بعد سے ماریا کو ابھی بھی خطرہ لاحق تھا اور اس خطرے کی نوعیت پہلے والے سے بڑھ کر ہی ہو سکتی تھی، اب ان حالات میں کچھ بھی ہو ظفر ماریا کو یوں تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ اب کس طرح وہ ظفر کو ماریا کا خیال چھوڑ کر پاکستان واپس چلنے پر آمادہ کرے۔ اس کے ذہن میں ایک ترکیب بھی آئی مگر وہ ترکیب کے ناکام ہونے سے پہلے ہی متبادل انتظام کرنا چاہتا تھا۔ احسان کا سوچنے کا یہ انداز بالکل فوجی ہی تھا۔ وہ اب فوج میں تو نہیں تھا مگر اس کے تعلقات اب بھی کئی پاکستانی اداروں سے تھے۔ اس نے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

کوٹ کی جیب سے اپنا سیل فون نکالا اور امریکا میں موجود پاکستانی سفارتخانے کے ایک دوست کا نمبر ڈائل کر دیا۔

ظفر اور ماریا ہوٹل کے کمرے میں تھے۔ وہ دونوں اندر بیٹھے کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے آج والے وقوعہ پر ہی بات چیت کر رہے تھے۔ احسان ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ظفر سوچ رہا تھا کہ وہ نیچے ہی کہیں موجود ہوگا اور کوئی نہ کوئی کام ہی کر رہا ہوگا، یا شاید اس نے ہم دونوں کو کھل کر، کچھ بات کرنے کا موقع دیا ہوگا۔ احسان کا کمرے میں موجود نہ ہونا اس کے لیے خوش کن تھا۔ وہ ماریا سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ جیکی سے شادی کرنے والی ہے پھر بھی دل کی بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہاں سے جانے کے بعد اس کے دل میں کوئی پھانس نہ رہے۔ وہ ماریا کے بھی دل کی بات جان کر جائے، چاہے اس بات سے اسے کتنا ہی گہرا صدمہ کیوں نہ پہنچے۔ مگر وہ کلیئر ہو کر ہی جانا چاہتا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر ماریا سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ماریا اک بات پوچھوں...... اگر مائنڈ نہ کرو تو؟“

”شیور...... پوچھ سکتے ہو، میں بھلا کیوں مائنڈ کروں گی؟“ وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی۔ اس کی مسکراہٹ بہت متاثر کن تھی۔

”کیا تم جیکی سے محبت کرتی ہو؟“

وہ چونکی۔ ”اوہ! کیا...... سچ بتاؤں؟“

”ہاں!“

”نہیں...... میں اسے بس تھوڑا بہت...... پسند کرتی ہوں۔“ اس نے سچ بتادیا۔

”اوہ!“ ظفر کو انجانی خوشی کا احساس ہوا۔ ”تو کیا تم صرف تھوڑی سی پسند کی بنیاد پر اس سے شادی کر رہی ہو؟“

”نہیں تو...... وہ تو......“ وہ کچھ سوچ کر رک گئی۔

”مطلب...... کیا؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

وہ کچھ سوچ کر سچ بتانے لگی۔ ”میں نے تحفظ کے احساس کے لیے اس سے شادی کی ہامی بھری تھی۔“

”تحفظ کے احساس کے لیے؟“ وہ حیران رہ گیا۔ ”میں کچھ سمجھا نہیں؟“

اگلے لمحے ماریا نے جو کچھ بتایا، وہ اس کے لیے بہت حیران کن تھا۔ ماریا نے بتایا کہ ”جمی کے بعد وہ عدم تحفظ کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ چونکہ دولت مند ہو گئی تھی اور ایک بار کی مالک بھی بن گئی تھی اس لیے وہ اکیلی رہنا بہت خطرناک سمجھنے لگی تھی۔ اس کے مطابق چاہے یہ آزاد معاشرہ سہی مگر کچھ بھی ہو اکیلی عورت ہر جگہ خطرے میں ہوتی ہے۔ اس کی طرف کئی للچائی نظریں اٹھتی ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے ساتھ کام کرنے والے کئی ساتھی مردوں اور جمی کے دوستوں نے اسے اکیلی جان کر اور کچھ دولت کی خاطر پیش قدمی کرنا چاہی تھی اور مایوس ہونے پر کچھ نے تو...... نازیبا جملے بھی کسے تھے۔ اہم بات یہ کہ جمی کا اور اس کا تعلق تو رہا ہی امریکا کی لوئر کلاس سے تھا۔ لوئر کلاس جو امریکا میں جرم کی جڑ تھی۔“ ماریا نے کچھ اور بھی بتایا تھا۔ مگر ظفر سب کچھ سمجھ چکا تھا۔

اس نے ہنکارا بھر کر اس کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ ”ہونہہ...... تم نے صحیح کیا ماریا۔ اگر تمہاری جگہ میں بھی ہوتا تو ایسا ہی کرتا۔“

ماریا کا یہ سب بتانا ظفر کو بھی اب ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بھی اب اس کی ذات میں گہری دلچسپی لے چکی ہے۔ وہ اب اس حوالے سے، کافی پُرامید ہو چکا تھا۔ ماریا بھی اس کی حمایت سے خوش ہوگئی۔ ”تھینکس...... ظفر!“

وہ دونوں صوفوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ان کے درمیان ٹیبل تھی جس پر کولڈ ڈرنک کی بوتل اور دو تین شیشے کے خالی گلاس رکھے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ماریا نے ابھی تک وہی پاکستانی ڈریس یعنی ہلکا گلابی فراک ہی پہنا ہوا تھا۔ ظفر سوچنے لگا۔ ”آہ! ماریا کتنی حسین ہے۔ اس نے آج شاید میری خاطر ہی ایک [illegible] فراک پہنا ہوا ہے [illegible] رہا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حسن دیکھنے والے کی نظر میں ہوتا ہے مگر ماریا تو واقعی حسین ہے۔ یہ ماریا ہی تھی جس کی خاطر جمی نے اپنے جسم کی چیر پھاڑ کروا کر اپنا دل بیچ دیا تھا۔ وہی دل جس نے اسے ایک نئی زندگی دی ہے۔ آہ! ماریا کی خاطر کتنے لوگ پاگل ہوئے ہوں گے۔ وہ جوں جوں سوچتا جا رہا تھا ماریا کے لیے اس کی محبت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ میں ماریا سے اپنی محبت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا اور میں آج، ابھی اپنی محبت کا اظہار کروں گا۔ آج کل میرا دل کسی بھی بات کو کہنے سے نہیں ڈرتا، شاید گزشتہ زندگی میں دل کی بات کرنے سے پہلے میں بہت ڈرتا، بہت بار سوچتا مگر اب ایسی بات کہنے میں مجھ پر کوئی خوف طاری نہیں ہوتا، کوئی جھجک نہیں ہوتی۔ اسے یاد آیا کہ فلائٹ میں بھی تو میں نے ائرہوسٹس کو آنکھ ماردی تھی۔ مجھے تو اب بس ڈر ہے تو اس بات کا...... کہ کہیں ماریا منع نہ کر دے۔ خیر کچھ بھی ہو آج، ابھی دل کی بات کہنے کا موقع ہے اور میں ابھی ضرور کہوں گا۔ کہتے ہیں کہ یورپین لڑکیاں محبت کا جواب ہاں یا نہ میں

دینے میں دیر نہیں لگاتیں اگر مناسب موقع اور جگہ دیکھ کر ان سے محبت کا اظہار کیا جائے۔

ماریا بھی سوچ رہی تھی کہ ”ظفر بہت حسین ہے۔ یہ ایشین ہے اور ایشین لوگوں میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ میرا دل بھی اس کے لیے بے قرار ہو رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ بھی مجھے بہت چاہتا ہے ورنہ یہ کیوں میری شادی کی بات سن کر بیمار پڑ گیا تھا اور اس کے جسم میں تو جمی کا دل بھی دھڑک رہا ہے۔ شاید میری سوچیں ہمیشہ اس کی طرف جمی کی وجہ سے بھی جاتی ہیں اور کیوں نہ جائیں آخر جمی نے میری خاطر اپنے اعضا بیچ دیے تھے۔“

ماریا میز پر کہنی ٹکائے اور ہاتھوں پر اپنی ٹھوڑی رکھے، ظفر کی طرف دیکھتے ہوئے خیالات کی وادی میں سرگرداں بالکل کسی ایشین دوشیزہ کی طرح ہی نظر آرہی تھی۔ جب ظفر نے اسے ڈرنک کا گلاس بنا کر پیش کیا تو وہ ذرا چونک گئی۔ ظفر کو اس کے یوں خیالات میں گم ہونے کا احساس نہیں ہوسکا تھا کیوں کہ وہ تو خود بھی ڈرنک بناتے ہوئے ماریا کے خیالوں میں گم رہا تھا۔

ڈرنک پیش کر کے ظفر نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ”ماریا...... آج میں تم سے اپنے دل کی بات کرنا چاہتا ہوں۔“

[illegible] ہے۔ مگر وہ خاموش رہی۔ وہ اس کی طرف گہری سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے لحہ بھر توقف کے بعد پھر کہا۔ ”میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں ماریا...... میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔“ اس کی آواز خمار آلود ہو گئی تھی۔ ”میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں...... ماریا کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟“

وہ اپنے دل کی بات کھل کر کہہ چکا تھا۔ ماریا اس کی طرف دیکھتے ہوئے گم صم تھی۔ اسے سوجھ ہی نہ رہا تھا کہ کیا جواب دے؟ آخر اس نے دل کڑا کر کے کہا۔ ”ظفر تم بہت اچھے ہو...... میں تمہیں پسند کرتی ہوں لیکن......“

”لیکن...... کیا؟“ وہ ڈر گیا۔

”جیکی نے بھی یہ سب مجھ سے کہا تھا اور میں نے اس سے شادی کی ہامی بھر لی تھی۔“

”تو کیا تم اس سے شادی کرو گی؟“

”پتا نہیں......“ وہ ظفر کو مایوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”پتا نہیں مطلب؟“

”کچھ کہہ نہیں سکتی......“ اس نے سوچا کہ بتا دے کہ وہ اب جیکی سے شادی نہیں کرے گی مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس پر ایکا ایکی جیکی کے حوالے سے خوف طاری ہوا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں موجود جیکی کی پہنائی گئی منگنی کی انگوٹھی کو دیکھنے لگی۔ وہ دونوں ابھی تک ایک دوسرے کے ہاتھ کو نرمی سے پکڑے ہوئے تھے۔

”میں انتظار کروں گا ماریا، اگر تم اب نہیں بتانا چاہتی تو نہ بتاؤ۔“ ظفر پُرامید تھا۔ ”مگر مجھے امید ہے کہ تم جیکی سے شادی نہیں کرو گی۔“

اسی وقت دروازہ ناک ہو کر آہستہ سے کھل گیا تو وہ دونوں چونک گئے۔

احسان نے قریباً تیس منٹ، امریکا میں موجود پاکستانی سفارت خانے کے ایک دوست سے بات کی تھی اور اس کے توسط سے سیکیورٹی کے خدشات کے پیش نظر امریکن گورنمنٹ سے مدد کی درخواست کی تھی۔ اس کے دوست نے یقین دہانی کروائی تھی کہ اس کا کام ہوجائے گا۔ احسان اب مطمئن تھا کہ کسی مسئلے میں پڑنے پر اب وہ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے بچ سکتے ہیں۔ احسان نے ان کو اس ہوٹل کا ایڈریس بھی نوٹ کروا دیا تھا۔ اس کے مطابق شاید اگلے دن تک ان کی سیکیورٹی کے لیے کوئی ذمے دار امریکن اہلکار، باڈی گارڈ کے طور پر تعینات کر دیا جاتا۔

احسان پوری طرح سے مطمئن تھے اب وہ صرف پہلے ظفر کو ماریا کا خیال دل سے نکالنے کے لیے کچھ سمجھا کر دیکھنا چاہتے تھے ورنہ متبادل حل وہ تیار کر چکے تھے۔ تھوڑی سی باہر مٹرگشت کر کے...... وہ اندر روم کی طرف بڑھ گئے۔

انہوں نے پہلے دروازہ ناک کیا مگر پھر وہ خود ہی کھول کر اندر داخل ہو گئے کیونکہ دروازہ لاک نہیں تھا۔ اندر وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے موجود تھے اور چونک کر اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ”ہائے جینٹل مین...... کوئی پارٹی وغیرہ تو نہیں ہو رہی؟“ انہوں نے شوخی سے کہا۔ ”اگر ایسا ہے تو میں ابھی واپس جاتا ہوں۔“

”نہیں نہیں انکل، بس ایسے ہی ہم کچھ باتیں کر رہے تھے۔“ احسان کی بات سے وہ دونوں بھی مسکرانے لگے۔ ظفر کو لگا شاید انکل باہر ہی موجود ان کی باتیں سن رہے تھے اور اب انہوں نے بروقت انٹری ماری تھی مگر یہ صرف وقتی خیال تھا۔

”وہ میں ذرا منیجر سے کچھ باتیں کرنے لگ گیا تھا۔“ انہوں نے بات بنائی۔

وہ تینوں مسکرانے لگے۔ ماریا اس دوران اٹھ کھڑی

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ہوئی۔ اسے بہت دیر ہو چکی تھی۔ باہر شام کے سائے دھندلکے میں بدل چکے تھے۔

☆☆☆

ماریا کے اپنے بار میں جانے کے بعد وہ دونوں وہیں بیٹھے رہ گئے۔ احسان نے ماریا سے کہا بھی تھا کہ اس کی سیکیورٹی کی خاطر وہ اسے ڈراپ کرآتے ہیں مگر وہ نہیں مانی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیو ہے وہ خود چلی جائے گی، اور ایسا اب کچھ نہیں ہوگا جیسا آج نیشنل مال میں ہوا تھا۔ ظفر ماریا کے ساتھ جانا چاہتا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر رک گیا کہ اب کچھ نہیں ہوگا۔ وہ دونوں تھکے ہوئے تھے اور اب صوفوں پر نیم دراز تھے۔ اب جب فرصت کے لمحے میسر آئے تو احسان کا ہاتھ درد کرنے لگا تھا۔ درد معمولی تھا مگر پھر بھی اس نے ہاتھ پر رومال نکال کر باندھ لیا۔ یہ وہی ہاتھ تھا جس سے آج اس نے غنڈوں کی دھلائی کر ڈالی تھی۔ ظفر رومال باندھتا دیکھ چکا تھا۔ وہ بولا۔ ''اوہ! کیا ہوا انکل خیر تو ہے؟''

''ہاں پیارے خیر ہی ہے۔ یہ تھوڑا درد کر رہا تھا۔ اصل میں پریکٹس ہی نہیں تھی۔ ورنہ پہلے تو دیوار پر مکا مارنے سے بھی درد نہیں ہوتا تھا۔'' وہ دھیمے لہجے میں اپنے جوانی کے دنوں کو یاد کرتے ہوئے بولے۔

''ہونہہ! پہلے کیا لوہے کے ہاتھ تھے جن پر دیوار بھی اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔''

''آہا! کچھ ایسا ہی سمجھو پیارے۔ ان دنوں کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔'' وہ ہاتھ کو سہلاتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھر کر بولے۔

''ہم، گڈ۔''

''خیر تم سناؤ؟ اب پاکستان جانے کا کب ارادہ ہے؟'' وہ اسے اصل ٹریک پر لانے کی کوشش کرتے ہوئے بولے۔

''ارادہ کب ہونا ہے۔'' وہ شوخی سے بولا۔ ''جب دل کیا اسی وقت چلے چلیں گے۔''

''اچھا! ماریا کے بارے میں کیا ارادے ہیں؟''

''ارادے تو وہی، شادی کے ہیں اگر وہ راضی ہو جائے۔''

''راضی مطلب؟''

''میں نے اسے پروپوز کیا ہے انکل۔''

وہ چونکے۔ ''پروپوز...... کب؟'' وہ حیران رہ گئے کہ ظفر نے پروپوز بھی کرلیا۔

''آج، آپ کے آنے سے کچھ پہلے۔'' وہ ماریا کو پروپوز کرنے والے لمحات کے خیالوں میں کھو گیا۔

''اوہو! کیا بنا پھر؟''

''ابھی جواب نہیں دیا اس نے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے۔''

''ہونہہ! پسند تو میں بھی، تمہیں بہت کرتا ہوں۔'' انہوں نے ہنکارا بھرا اور سنجیدگی سے بولے۔ ''مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم شادی کرلیں۔ پسند اور محبت میں بہت فرق ہوتا ہے پیارے۔ میری مانو تو چھوڑو یہ سب، بس بہت ہو گیا ہے۔ یہ پیار و یار کے چکر وہاں مناسب رہتے ہیں جہاں کچھ حاصل ہونے کی امید بھی ہو۔ یار تم خود کیوں نہیں سمجھتے، سوچتے یہ پاکستان نہیں ہے۔ تم دونوں کا مذہب بھی ایک نہیں ہے۔ کیوں خود کے دشمن بننے کی کوشش کر رہے ہو؟ کیا تم ایک غیر مسلم لڑکی کے ساتھ پوری زندگی گزار و گے۔ وہ لڑکی جس کی شاید اگلے مہینے کسی اور سے شادی بھی طے ہو چکی ہے۔ خود سوچو یار! کیا تم اسے پاکستان لے جا سکو گے؟ کیا امریکن گورنمنٹ ایسا کرنے دے گی؟ کیا شادی کے بعد تمہارا اس ملک میں ہی سیٹل ہونے کا ارادہ ہے۔'' احسان بولا تو بولتا ہی چلا گیا۔ ظفر خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔

وہ سیریس ہو کر سوچنے لگا تھا اور [illegible] ہوتا جا [illegible] احسان ٹھیک [illegible] کہہ رہا ہے۔ ماریا غیر مذہب ہے۔ غیر ملکی ہے۔ ہاں! وہ غیر ہی تو ہے۔ مگر یہ تاثر تھوڑی ہی دیر کے لیے تھا۔ وہ ماریا کا خیال کر کے پھر سے سب بھول گیا۔ کہ کچھ بھی ہو وہ اس سے محبت کرتا ہے اور محبت کا رشتہ کچھ نہیں دیکھتا، ذات پات، رنگ نسل کچھ بھی نہیں۔ بس یہ رشتہ خود ہی بن جاتا ہے۔ محبت کرنے والے غیر نہیں ہوتے۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں انکل۔'' وہ جذباتی لہجے میں بولا۔ ''مگر محبت کا رشتہ تو کچھ نہیں دیکھتا۔ کچھ بھی ہو میں صرف اس سے محبت کرتا ہوں، اس کے ملک، مذہب سے نہیں۔ مجھے آج کل صرف وہی اچھی لگتی ہے اور کچھ بھی اچھا نہیں لگتا...... یہاں تک کہ آپ بھی......'' وہ اندھا دھند اور بھی پتا نہیں کیا کچھ کہتا چلا گیا اسے خود کو بھی پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کچھ کہتا جا رہا ہے؟ مگر احسان اتنا ہی سن کر گم صم رہ گئے کہ آخر یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا اس کا دماغ چل گیا ہے؟ یہاں تک کہ اس نے میرے خلاف بھی کہہ دیا ہے کہ وہ بھی اسے اب اچھے نہیں لگتے، ان سے باتیں کرنا بھی اسے اچھا نہیں

لگتا۔ کیا یہ وہ خود سے بول رہا ہے؟ یا کسی عاشق کی زبان بول رہا ہے؟

وہ سوچنے لگے کچھ بھی ہو یہ بگڑ رہا ہے۔ یہ اب نہیں سنبھلے گا۔ ایک باپ کے مقام شخص کو یہ کہنا، ہاں! اس شخص کو یہ کہنا جو اس کا گہرا دوست، رازدار غرض سب کچھ ہے کہ وہ اسے اچھا نہیں لگتا۔ ایک ٹریجڈی ہو گئی تھی۔ وہ سوچنے لگے بس بہت ہو گیا۔ اب اگر یہ ایک دن اور بھی یہاں رہا، یہ تو ماریا کی خاطر مرنے مارنے پر بھی تل جائے گا۔ اسے میں اب واپس پاکستان لے کے ہی جاؤں گا اور کل ہی۔

''بس بہت ہو گیا پیارے، تم بگڑ رہے ہو۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولے۔ ''میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم کل ہی جارہے ہیں پاکستان۔ تم اب یہاں...... ایک دن بھی نہیں رہو گے۔''

''پاکستان، پاکستان...... کیا ہے آخر پاکستان میں انکل؟'' وہ ایک بیک ہی بگڑا ہوا تھا۔ ''میں نہیں جارہا پاکستان...... بس۔''

''ارے باؤلا ہو گیا ہے کیا؟ یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' وہ حیرانی سے بولے۔

''صحیح کہہ رہا ہوں۔'' وہ تیز لہجے میں بولا۔ ''میں [illegible] اور یہیں سیٹل [illegible]''

احسان کو اس کا لہجہ سخت ناگوار گزرا تھا۔ اس لہجے میں بات کرنے سے احسان کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے بدلا تھا۔ وہ پہلی بار ہی ایسے لہجے میں بات کر رہا تھا۔ اس کے لہجے سے احسان کو یہ بھی لگا تھا کہ جیسے وہ کسی ادنیٰ ملازم سے مخاطب ہو۔ مگر احسان اسے بچپنا سمجھ کر اگنور کرتے ہوئے کہا تو ان کے لہجے میں بھی اب ایک تحکم تھا۔ ایک باپ کی سی حکمرانی تھی۔ ''تم ماریا سے شادی نہیں کرو گے ظفر! یہ میں کہہ رہا ہوں۔ ہم صبح ہی واپس پاکستان چلیں گے۔''

''میں نہیں جاؤں گا پاکستان۔'' وہ ضد پر آمادہ تھا۔ ''میں ماریا کے جواب کا انتظار کروں گا۔ مجھے پتا ہے اس کا جواب ہاں میں ہوگا۔''

''ارے سچ میں، کیا تم باؤلے ہی ہو گئے ہو، کیا؟ میں کچھ کہہ رہا ہوں، کیا وہ سنائی نہیں دے رہا؟'' وہ اسے آخری بار سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولے۔ ''آخر تم سمجھ کیوں نہیں رہے؟ یہ سب بہت خطرناک ہوگا ظفر۔ بہت خطرناک۔''

''میں کسی خطرے سے نہیں ڈرتا۔ جو ہوگا میں وہ اکیلا، خود ہی بھگت لوں گا۔'' وہ حسب سابق تیز لہجے میں بول رہا تھا جیسے ایک دم نشے میں ہو۔ ''آپ جانا چاہتے ہیں تو جائیں پاکستان مگر میں نہیں جاؤں گا۔''

احسان سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ان کا ہیٹ سامنے ٹیبل پر پڑا تھا۔ وہ سوچنے لگے کہ لگتا سچ سچ یہ نشے میں ہے اور واقعی یہ پیار کا ہی نشہ ہے، بلکہ عشق کا بھوت ہے جو اس کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ وہ سوچنے لگے کہ ٹھیک ہے جو کرتا ہے یہ خود ہی کرے میں تو آج اس کے لیے کوئی ادنیٰ سا ملازم ہی ہو گیا۔ اس لیے وہ بولے تو تھوڑا رنجیدہ تھے۔ ''چلو ٹھیک ہے پیارے میں جا رہا ہوں۔ آج تم نے ویسے بھی مجھے میری عزت دکھا دی۔ میرے بعد اگر وہ راضی ہو تو...... تم اس سے شوق سے شادی کرنا۔'' آخری فقرہ انہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا مگر وہ ظفر کے تن بدن میں آگ سا لگا گیا۔ وہ پہلے ہی ہتھے سے...... اکھڑا ہوا تھا اب کچھ اور اکھڑ گیا۔

''بس انکل، بہت ہو گیا۔ ماریا کے لیے اب ایک لفظ بھی...... میں سننا پسند نہیں کروں گا۔ آپ بے شک شوق سے جایئے...... میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں۔''

حد ہو گئی تھی۔ احسان کا بی پی ایک دم سے ہائی ہو گیا تھا۔ وہ فوراً باہر نکل گئے۔ وہ اپنی سخت بے عزتی محسوس کر رہے تھے۔ جسے وہ اپنی جان سے زیادہ چاہتے تھے اسی نے آج اسے نظروں سے گرا دیا تھا۔ وہ نیچے کوریڈور سے ہوتے ہوئے ہوٹل سے ہی باہر، روڈ پر نکل گئے۔ ان سے اب کچھ سوچا بھی نہ جا رہا تھا۔ بس آنکھوں کے آگے ایک چادر سی تنی ہوئی تھی۔ وہ ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ بی پی کے مریضوں کے ساتھ تو ویسے بھی یہ ہوتا ہے کہ انہیں بعض اوقات اچھی باتیں بھی بہت بری لگنے لگتی ہیں۔ اب بھی ان کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی۔

ظفر کو کچھ احساس نہ تھا کہ وہ کیا کچھ کہہ چکا ہے۔ اسے احساس ہوتا بھی تو کیسے، وہ ماریا کو پروپوز کرنے سے پہلے تھوڑی سی امریکن شراب چکھ چکا تھا۔ وہ پروپوز کرنے سے پہلے پینا چاہتا تھا کہ اس سے وہ اچھے سے پروپوز کر سکے گا۔ مگر وہ صرف چکھنے تک ہی محدود رہا تھا کیونکہ چکھنے کے بعد ہی وہ ناگواری سے پینے کا ارادہ بدل چکا تھا۔ مگر کبھی نہ پینے والوں کے لیے تو صرف چکھنا ہی بہت بھاری گزرتا ہے۔ پتا نہیں وہ کیسی عجیب و غریب شراب تھی کہ وہ اپنے حواس آہستہ آہستہ سے کھوتا چلا گیا تھا۔ احسان کے جانے کے بعد وہ صوفے پر نیم دراز ہوا تو فوراً ہی غشی میں چلا گیا۔ اب اس

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

کے اٹھنے کی...... صبح ہی امید کی جاسکتی تھی۔

رات کے نو بجے سڑک پر گاڑیوں اور دور و نزدیک فلک بوس عمارتوں سے چھلکتی خوبصورت روشنیوں کے...... خوبصورت مناظر کو نظر انداز کیے ہوئے احسان فٹ پاتھ پر چلتے چلتے...... بہت دور نکل آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سڑک کنارے موجود ایک بہت بڑے میڈیکل اسٹور سے بی پی کی گولیاں لے رہے تھے۔

☆☆☆

ماریا کی شیورلیٹ کار کے نیچے ٹریکر لگا ہوا تھا، جو ماریا کو کار گفٹ کرنے سے پہلے ہی جیکی نے لگایا تھا۔ وہ اسی ٹریکر کی بدولت اکثر ماریا کی سرگرمیوں پر نظر رکھتا رہا تھا۔ اسی کے ذریعے اس کی لوکیشن معلوم کر کے جیکی نے غنڈوں کو بتائی تھی۔ اب بھی وہ ماریا کا ایک ہوٹل میں کافی وقت گزارنے کے بعد وہاں سے اپنے بار کی طرف جانا ٹریس کر چکا تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ اس ہوٹل میں ظفر... ٹھہرا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیوں وہ ظفر کو پہلی ہی نظر دیکھنے کے بعد سے گہری نفرت محسوس کرنے لگا تھا۔ یہی نفرت... تھی جس کی وجہ سے آج اس نے ماریا کے اغوا کی آڑ میں ظفر کی پٹائی کے لیے غنڈے بھیجے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ماریا کو اغوا سے بچانے کی بدولت ظفر ضرور مزاحمت کرے گا اور یہی مزاحمت اس کے لیے بھاری پڑ جائے گی۔ غنڈے اس کی پٹائی کر کے بھاگ جائیں گے۔ مگر غنڈوں کا ایک خبطی بوڑھے کے ہاتھوں خود ہی پٹ جانا ظفر کے لیے اس کی نفرت میں اور بھی اضافہ کر گیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ظفر سے اتنی نفرت کیوں محسوس کرتا ہے۔ وہ ان چند ٹیڑھے امریکن لوگوں میں سے تھا جو سمجھتے تھے کہ وہ سپر پاور ہیں اور ان سے ایک معمولی ملک کا باشندہ دوستی رکھنے کا بھی روادار نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بار میں ماریا کے پاس جا رہا تھا۔

ماریا بار میں موجود تھی۔ وہ بہت تھک چکی تھی۔ وہ اپنے روم میں صوفے پر نیم دراز آج ہونے والے واقعات پر غور کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ آج کا دن اس کے لیے بہت ہنگامہ خیز گزرا تھا۔ صبح ظفر کی عیادت کو جانا، پھر ان کے ساتھ شہر کے مختلف مقامات کی سیر کرنا، جیکی کا کال پہ ناراض ہونا، اس کے اغوا کی ناکام کوشش اور ظفر کا اظہارِ محبت کرنا وغیرہ سب کچھ اس کے لیے ایک ٹریجڈی رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس کے اغوا کی کوشش محض اتفاق ہی ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے ذہن میں جیکی کے حوالے سے ایک پھانس رہ گئی تھی کہ اسے کیسے پتا چلا تھا کہ وہ ظفر کے ساتھ ہے۔ کیا وہ اس کی نگرانی کروا رہا تھا؟ مگر یہ بھی اس کے نزدیک ایک مفروضہ ہی تھا۔ شاید جیکی نے انہیں اتفاقاً کار میں جاتے دیکھ لیا ہو۔ وہ جیکی کو نظرانداز کر کے ظفر کے بارے میں سوچنے لگی کہ کیا وہ اس کا پروپوزل قبول کر پائے گی؟ کیا ان کا میل ہو پائے گا؟ کیا وہ جیکی کی منگنی کی انگوٹھی واپس کر پائے گی؟ کیا جیکی خوشی سے پیچھے ہٹ جائے گا؟ اور ظفر تو پاکستانی ہونے کے علاوہ مسلم بھی ہے جب کہ وہ کرسچین۔ آج نہیں تو کل، کیا ظفر اسے بعد میں اسلام قبول کرنے کے لیے اصرار کرے گا؟ وہ سوچنے لگی۔ ہاں! ظفر تو ضرور اسے اسلام قبول کرنے کے لیے کہے گا۔ مگر کیا وہ ایسا کر سکے گی؟

وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ دروازہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ یہ جیکی تھا۔ اس نے جیکی کی طرف دیکھا مگر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا، وہ بس ذرا سا صوفے پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ بار میں پہنچنے کے بعد ہلکا سا ڈنر کر چکی تھی اور اب اس نے کپڑے بھی چینج کر لیے تھے۔ باہر بار میں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ رات کے وقت بار میں رش کافی بڑھ جاتا تھا۔ مگر یہ سب اس کے لیے معمول کی بات تھی، کام کرنے کے لیے ورکرز موجود تھے۔ وہ اکثر فری ہی ہوتی تھی اور ان معمول کی سرگرمیوں سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا ورنہ وہ بس کبھی کبھی انجوائے کرنے کی خاطر ہی بار ٹینڈر پر موجود رہتی تھی۔ جیکی نے بار میں داخل ہوتے ہی [illegible] بارٹینڈر سے اس کا پوچھا تھا [illegible] میں ہی آیا تھا۔

جیکی اس کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ ماریا سے کسی حد تک بدظن ہو چکا تھا، اسے ماریا پر...... بہت غصہ تھا مگر اس وقت اس نے اپنے تاثرات چھپائے ہوئے تھے۔

''آج پورا دن تم بار میں نہیں تھیں ماریا۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے کال کی تو تم نے کاٹ دی۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ تم ظفر کی ذات میں دلچسپی لے رہی ہو؟'' اس کے لہجے میں ناگواری کی بو واضح تھی۔

وہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے سے تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ بیزاری سے بولی۔ ''میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

''اوہو! اب طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ پھنکارتے ہوئے بولا۔ ''تم بہانے بنا رہی ہو ماریا۔ تم مجھ سے دور ہو رہی ہو؟''

''تم غلط سمجھ رہے ہو جیکی۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ جھلا کر بولی۔ ''میں صرف جمی کی وجہ سے اس کے پاس گئی تھی۔''

''جمی کی وجہ سے، وہ جمی جو مر چکا......''

''زبان سنبھال کے بات کرو جیکی۔'' وہ بپھر گئی۔ ''میرے لیے سب سے اہم جمی ہے اور بعد میں باقی......'' وہ اب بھی جمی سے گہری الفت کرتی تھی۔ اور آخر وہ کیوں نہ کرتی جمی ہی تو اس کے لیے سب کچھ رہا تھا۔ اور جمی کو دنیا چھوڑے ابھی عرصہ ہی کتنا ہوا تھا، ظفر میں بھی دلچسپی لینے کی اہم وجہ جمی کا دل ہی تو رہا تھا۔

''ہم شادی کرنے والے ہیں ماریا...... کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں؟'' ماریا کا غصہ دیکھ کر وہ تھوڑا سنبھل کر بولا۔ ''کہ میں پوچھوں کہ تم اس سالے...... پاکستانی کے ساتھ پورا دن گزار کر آئی ہو۔''

''اس کا نام ظفر ہے اور وہ بہت اچھا انسان ہے۔''

''ہاں! وہ کمینہ ظفر...... میں اسے پسند نہیں کرتا۔'' وہ [illegible] کر بولا۔ ظفر کا نام سن کر اس کی نفرت ایک دم سے عود کر آئی تھی۔

ماریا کے اچانک تیور بدل گئے۔ ''تم حد سے بڑھ رہے ہو مسٹر جیکی، ابھی ہماری شادی نہیں ہوئی۔'' وہ سخت لہجے میں بولی۔ ''اور تم ابھی سے میرے معاملات میں ٹانگ اڑانا شروع [illegible] تم سے [illegible] بتا چاہتی ہوں کہ [illegible]''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ چونک گیا۔

''ہمارے بیچ کچھ نہیں رہا جیکی...... آئی ایم سوری۔'' اس نے منگنی کی انگوٹھی اتار کر میز پر لڑھکا دی۔

وہ دھماکا کر چکی تھی۔ ''کیا تم مذاق کر رہی ہو؟'' اس نے کہا۔

''نہیں! مذاق نہیں ہے۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''تم مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو؟'' وہ حیران تھا کہ یہ سب کیا ہے؟

''ہاں! آخر تم ہوتے کون ہو مجھ سے ایسی باتیں کرنے والے کہ میں جہاں بھی جاؤں جس کے ساتھ بھی جاؤں؟'' وہ سخت اشتعال میں آ گئی تھی کیونکہ اس نے ظفر کو بھی گالیاں دی تھیں۔

جیکی کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ماریا نے اچانک منگنی توڑ کر دھماکا کر دیا تھا۔

ماریا وہاں سے اٹھ کر باہر کی طرف جانے لگی۔ جیکی نے اسے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ ''رکو! تمہیں بُرا لگا؟ آئی ایم سوری......''

سب بہت مہنگا ہے...... چلو، باہر چل کر ہوا کھاتے ہیں

''تم ایک گھٹیا انسان ہو جیکی، چلو چھوڑو مجھے......'' وہ ہاتھ چھڑا کر اپنے کمرے سے باہر نکل گئی۔ جیکی وہیں بیٹھا رہ گیا۔ وہ ماریا سے محبت کرتا تھا۔ اسے کسی دوسرے کے ساتھ دیکھنا اسے گوارا نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی اٹھ کر وہاں سے جا رہا تھا۔ اس کے دل میں ظفر کے لیے نفرت میں کچھ اور اضافہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

صبح جلد ہی ظفر کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس کے سر میں ہلکا سا درد ہو رہا تھا۔ وہ ساری رات صوفے پر ہی سویا رہا تھا۔ وہ آہستہ سے صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے کمرے میں نظر دوڑائی تو دونوں بیڈ خالی نظر آئے۔ وہ سمجھا کہ شاید احسان نیچے چلے گئے ہوں گے۔ وہ اٹھا اور واش روم میں گھس گیا، اس نے منہ پر ابھی دو تین چھینٹے مارے ہی تھے کہ اچانک اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اسے رات والی تلخ باتیں یاد آئی تھیں۔ وہ یک بیک گم صم رہ گیا۔ وہ بہت دکھی ہو گیا تھا کہ اس نے کیسے احسان سے تلخ باتیں کہہ دی تھیں؟ پھر کیسے وہ دل برداشتہ ہو کر وہاں سے چلے گئے تھے؟ وہ واش روم سے باہر آ کر سر تھام کر بیٹھ گیا کہ اس نے انکل کو ایسی باتیں کیوں کر سنائیں۔ کیا وہ ایسا کر سکتا تھا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ پھر اٹھا اور اس نے فریج سے کولڈ ڈرنک نکالی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ڈرنک پیتے ہوئے پھر سے رات والے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اسے اب خود پر غصہ آنے لگا تھا کہ آخر کیوں؟ آخر کیوں یہ سب ہوا؟

تھوڑی دیر بعد وہ جلدی سے کپڑے تبدیل کر کے نیچے، احسان کو تلاش کرنے جا رہا تھا۔ وہ اپنا پیٹ ہلکا پھلکا

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

محسوس کر رہا تھا کیونکہ رات کو بھی وہ ڈنر نہیں کر پایا تھا۔
لفٹ سے نیچے جاتے ہوئے اسے خیال آیا کہ پتا نہیں انکل کا اب کیا حال ہوگا؟ رات بھر وہ کہاں رہے ہوں گے؟ کیا اب وہ انہیں منا سکے گا؟ کیا پتا اب وہ کہاں ہوں گے؟ وہ جیسے جیسے سوچتا جارہا تھا، ویسے ویسے غم زدہ اور خود پر غصہ ہوتا جارہا تھا۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا جارہا تھا۔ ''ہائے انکل! یہ میں نے کیا کر دیا۔'' ان لمحات میں اسے ماریا کا بھی، خیال تک نہ آیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ عشق کا بھوت چند لمحوں کے لیے اتر چکا ہے۔ وہ نیچے پہنچ کر، تیزی سے کوریڈور سے ہوتا ہوا ہوٹل کے باہر جانے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ بھاگتا ہوا باہر سڑک کی طرف جارہا ہے۔ ہوٹل کے گیٹ کے پاس ہی پھولوں کے گلدان رکھے تھے۔ اچانک کسی گلدان سے اسے ٹھوکر لگی تو وہ الٹ کر گرنے لگا۔ مگر باہر سے آنے والے ایک امریکن آدمی نے اسے سنبھال لیا۔ ''ہے مسٹر...... سنبھل کر نہیں چل سکتے کیا؟'' وہ سنبھل کر ''سوری سوری'' کرتا پھر سے باہر جانے لگا۔
احسان نے رات کو ایک میڈیکل اسٹور سے بی پی کی گولیاں لی تھیں۔ گولیاں لے کر وہ اسٹور کے باہر ہی پڑی بینچ پر بیٹھے رہ گئے۔ اس وقت رات کے قریباً ساڑھے نو کا وقت تھا۔ چند لمحوں بعد ان کی طبیعت سنبھلنا شروع ہوگئی۔ وہ ظفر کے حوالے سے خاصے آزردہ تھے۔ مگر ذہن کے نہاں خانوں میں یہ خیال بھی موجود تھا کہ یہ سب اس نے نشے میں کیا ہوگا۔ اس وقت چونکہ ظفر صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور خود احسان کا بی پی بھی ہائی ہو رہا تھا اس لیے انہیں اچھے سے ادراک نہ ہوسکا تھا کہ ظفر شاید نشے میں ہے۔ اگر وہ چل رہا ہوتا تو اس کے لڑکھڑانے سے پتا چل جاتا۔ وہ خیالات کی وادی میں سرگرداں، وہیں بینچ پر نیم دراز کافی دیر بیٹھے رہے۔ قریباً رات کے بارہ ایک بجے کے درمیان کچھ سوچ کر وہ وہاں سے واپس ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئے۔
ہوٹل کے باہر ہی ساری رات انہوں نے گزار دی تھی۔ صبح صبح وہ ہوٹل میں کاؤنٹر کے پاس پڑی بینچوں پر موجود تھے جب انہوں نے ظفر کو تیزی سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ گیٹ کے پاس سے ٹھوکر کھانے کے بعد پھر سے باہر نکل گیا تھا۔ یہ ایسے جلدی میں کہاں جارہا ہے؟ وہ بھی آہستہ سے یہ دیکھنے کہ وہ کہاں جارہا ہے؟ اس کے پیچھے باہر نکل آئے۔
ظفر نے روڈ پر آکر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی...... پھر کچھ سوچ کر اس نے جیب سے سیل فون نکال لیا۔ اسے اچانک ہی احسان سے کال پر بات کرنے کا خیال آیا تھا۔ اسمارٹ فون پر نمبر ملاتے ہوئے وہ آگے روڈ کے ساتھ شمال کی طرف بڑھنے لگا۔
ابھی پہلی ہی بیل پہنچ پائی تھی کہ روڈ پر جنوب کی طرف سے تیزی سے آتی ایک گاڑی کے وہیل چرچرائے اور وہ ایک دم سے رک گئی۔ اگلے چند لمحوں میں ظفر کو کسی نے زبردستی اس میں کھینچ لیا تھا۔ وہ اغوا کیا جا چکا تھا۔
احسان کے سیل فون کی بیل بجی تھی۔ انہوں نے کوٹ کی جیب سے سیل فون نکال کر دیکھا تو ظفر کی کال تھی۔ وہ ہوٹل سے باہر آچکے تھے۔ وہ ظفر کو چلتے چلتے کسی کو کال ملاتے بھی دیکھ چکے تھے۔ اب جب اس نے اسے کال کی تھی تو وہ چونک گئے کہ خیر تو ہے یہ تو مجھے ہی کال کر رہا ہے، کیا یہ صرف مجھے ہی ڈھونڈنے کے لیے تیزی سے جارہا تھا؟ یا کوئی اور معاملہ ہے مگر جب انہوں نے کال اٹینڈ کرنے سے پہلے ظفر کی طرف دیکھا تو جس جگہ وہ موجود تھا، وہ جگہ اب خالی تھی۔ اس جگہ کے پاس ایک وین موجود تھی جو نہ جانے کہاں سے تیزی سے آئی تھی۔ اسی دوران وین ایک جھٹکے کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھنے لگی تھی۔ وہ حیران رہ گئے کہ کیا ظفر اس وین میں خود بیٹھا ہے؟ یا اسے بٹھایا گیا ہے۔ اگلے لمحے وہ کسی حد تک معاملہ سمجھ چکے تھے کہ کچھ بھی ہو معاملہ سیریس ہے۔ وہ تیزی سے ہوٹل کی سیڑھیاں اترے اور دوڑ کر روڈ کے دوسری طرف موجود ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ اگلے لمحے وہ بھی تیزی سے [illegible] جارہے تھے جس [illegible] ظفر کو [illegible] لایا گیا تھا۔ وین وہاں سے بہت دور ایک ہیولے کی شکل میں نظر آرہی تھی۔

☆☆☆

سی آئی اے ایجنٹ سام میک کو دو پاکستانی افراد کی سیکیورٹی کے خدشات کے پیشِ نظر، ان کی حفاظت کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ ایجنٹ سام ایک ذمے دار آفیسر تھا، اس کی عمر تیس پینتیس کے درمیان تھی۔ وہ صبح صبح ہی اس ہوٹل میں آن وارد ہوا تھا جہاں پاکستانیوں کے ٹھہرنے کا اسے ایڈریس دیا گیا تھا۔ اسے ان پاکستانیوں کے نام بھی بتائے گئے تھے، ظفر علی اور احسان۔ وہ اس وقت ہوٹل میں کاؤنٹر پر موجود تھا۔ کاؤنٹر بوائے کے معلومات دینے سے انکار کرنے پر، جب اس نے اپنا سروس کارڈ دکھا کر ان کے کمرے کا پوچھا...... تو وہ مستعدی سے ان کے روم کے بارے میں بتانے لگا۔
کاؤنٹر بوائے احسان کو شکل سے پہچانتا تھا۔ اسی وقت احسان باہر کی طرف تیزی سے جارہے تھے۔ اتفاقاً

کاؤنٹر بوائے کی ان پر نظر پڑ گئی۔ وہ فوراً ایجنٹ سام سے بولا۔ ''سر یہ رہے وہ پاکستانی، احسان۔''
ایجنٹ سام چونکا۔ اسی دوران احسان باہر جا چکے تھے۔ وہ ''ہونہہ!'' کرتا ہوا خود بھی احسان کے پیچھے لپکا۔ اس کے باہر نکلنے تک احسان ایک ٹیکسی میں بیٹھ چکے تھے۔ اسی دوران ٹیکسی تیزی سے روڈ پر شمال کی طرف چل پڑی۔
ایجنٹ سام کے پاس ہیوی بائیک تھی۔ وہ فوراً اپنی بائیک کی طرف بڑھا جو باہر ہی پارک تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی تیزی سے ہیلمٹ لگائے، اپنی بائیک پر احسان کے پیچھے جارہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ احسان اتنی تیزی سے اب کہاں جارہے ہیں؟ اور وہ دوسرا پاکستانی کہاں ہے؟

☆☆☆

ماریا چرچ میں تھی۔ وہ ظفر کے لیے اور اپنے لیے دعا مانگ رہی تھی۔ وہ بہت دنوں بعد چرچ... آئی تھی اس لیے دعا مانگتے ہوئے اس کے دل کو ایک عجیب طرح کا سکون مل رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب ہر روز چرچ میں دعا مانگنے کے لیے آئے گی۔ رات کو جیکی کے ساتھ اس کا بریک اپ ہو چکا تھا۔ اب وہ ظفر اور اپنی شادی کے لیے دعا مانگ رہی تھی۔
تھوڑی دیر بعد وہ چرچ سے باہر نکلی تو خود کو بہت پُر اعتماد محسوس کر رہی تھی [illegible] اب ظفر [illegible] [illegible] کہ اب وہ اس کے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہے۔ اس نے پرس سے اپنا سیل فون نکالا اور ظفر کا نمبر ملانے ہی والی تھی مگر پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نا، وہ پھر سے ہوٹل ہی چلی جائے جہاں ظفر موجود ہے۔
تھوڑی دیر بعد وہ جیکی والی شیورلیٹ کار میں ہوٹل کی طرف جارہی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ آج یہ کار وہ ظفر کے ساتھ جاکر جیکی کو واپس کر دے گی۔
ماریا ابھی ہوٹل سے چند میل دور ہی تھی کہ ایک جگہ اسے مجبوراً رکنا پڑا۔ اس کے سامنے بہت کریہہ منظر چل رہا تھا۔ قریباً سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر سخت اسٹریٹ فائرنگ ہو رہی تھی۔ لوگ بھاگتے اور چھپتے پھر رہے تھے۔ بالکل سامنے نہتے شہریوں کو نشانہ بنایا جارہا تھا۔ کشادہ خوبصورت سڑک پر، دو تین لاشیں خون میں لت پت بکھری پڑی تھیں۔ وہ دور سے ہی یہ منظر دیکھ کر، اندر سے لرز سی گئی۔ ٹارگٹ کلنگ وغیرہ کے ٹکراؤ کے ایسے مناظر اس نے ٹی وی پر کئی مرتبہ دیکھے تھے۔ مگر اس مرتبہ وہ چشم دید گواہ بن گئی تھی۔ یہ سب اس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ اس نے

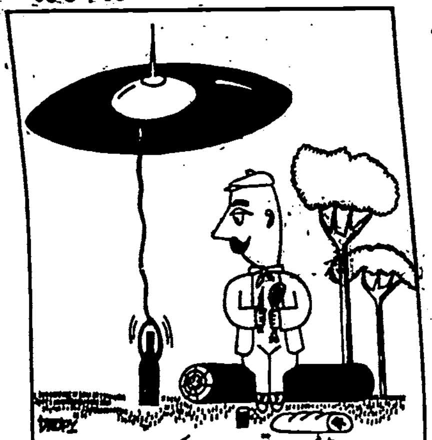
جیتے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

غور سے اس فائر زدن کی طرف دیکھا تو چونک گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ فائرنگ کسی دہشت گردی کا پیش خیمہ ہے۔ کیونکہ فائرنگ کرنے والے نقاب پوش، صرف دو افراد تھے۔ جو ایک سیاہ وین کی آڑ میں نہتے لوگوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔ ان کی مخالف پارٹی، کوئی نہیں تھی۔ یہ سب صرف دہشت گردی کی کارروائی ہی تھی۔
ماریا ایک امن پسند امریکن شہری تھی۔ اگلے لمحے وہ ایک خطرناک فیصلہ کرتے ہوئے گاڑی آہستہ سے آگے بڑھا چکی تھی۔ وہ کچھ کرنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ اگلے لمحے وہ ایک محفوظ فاصلے پر رک کر اپنے قیمتی اسمارٹ فون سے اس فائرنگ کی ویڈیو بنانے لگی۔
اسی دوران فائرنگ بند ہوگئی۔ فائرنگ بند کر کے وہ دونوں تیزی سے سیمنٹ کے بلاک کے پیچھے موجود اس شخص کی طرف بڑھے تھے، جو وہاں چھپا ہوا تھا۔ یہ ساری کارروائی چند لمحوں میں ہی پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ مگر اس کے بعد والے مناظر نے ماریا کی روح تک کو لرزا دیا تھا۔ وہ حیران رہ گئی تھی۔

☆☆☆

ظفر کو اچانک ہی وین میں، کسی نے تیزی سے کھینچ لیا تھا۔ اگلے لمحے اس کے سر پر کسی نے ریوالور رکھ دیا۔ ''مسٹر...... اگر زندگی چاہتے ہو تو آواز نہیں، ورنہ......''
اسی دوران وین تیزی سے چل پڑی۔ ظفر خاموش بیٹھا رہ گیا۔ وہ مزاحمت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے سر پر ریوالور لگا تھا مگر ان لوگوں نے اس کے ہاتھ اور آنکھوں پر پٹی باندھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ وہ بہت پُر اعتماد

https://www.urdutubes.com/

تھے۔ ظفر حیران رہ گیا کہ انہوں نے میرے ہاتھوں اور
آنکھوں پر پٹی کیوں نہیں باندھی؟ کیا یہ اتنے پروفیشنل ہیں کہ
اس سے مزاحمت کی توقع ہی نہیں کر رہے یا اتنے بے وقوف۔
وین تیزی سے دوڑی جا رہی تھی۔ وین میں مختلف قسم
کے سراغرسانی کے آلات لگے ہوئے تھے اور کچھ اسلحہ وغیرہ
بھی نظر آ رہا تھا۔ ظفر سمجھ گیا کہ یہ...... شاید کسی خاص قسم کے
خوفناک گینگ کی گاڑی ہے، یا شاید کسی خفیہ ایجنسی کی۔
گاڑی میں تین افراد تھے۔ ڈرائیور اگلے حصے میں تھا جو نظر
ہی نہیں آ رہا تھا، جبکہ اس کے پہلو بہ پہلو صرف دو افراد تھے
جو سادہ پینٹ کوٹ میں تھے۔ انہوں نے اغوا کرنے کے
فوراً بعد، تسلی کے لیے...... صرف اس کی تلاشی لی تھی۔
ہوٹل سے چند میل دور آنے کے بعد وین ایک جھٹکے
سے ایک سگنل کے پاس، بیچ سڑک پر رک گئی۔ اغوا
کنندگان نے ظفر کو تیزی سے نیچے دھکیلا اور خود بھی نیچے اتر
آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ اگلے لمحے وہ
اپنے چہروں پر ماسک چڑھا کر اسٹریٹ فائرنگ کرنے
لگے۔ ظفر کو آزاد چھوڑ کر وہ اس کی طرف سے غافل ہو گئے
تھے۔ وہ بیچ سڑک پر اندھا دھند، نہتے بے گناہ شہریوں کو
نشانہ بنانے لگے تھے۔ بھاگم بھاگ اور چیخوں کی آوازوں
میں منظر بہت کریہہ ہو گیا تھا۔ اگلے چند سیکنڈ میں دو تین بے
گناہ شہریوں کی خون میں لت پت لاشیں نیچے پڑی تھیں۔
ظفر اس دوران بدک کر روڈ کنارے موجود سیمنٹ کے
بلاک کی آڑ میں جا گھسا۔ اغوا کنندگان دہشت گردی کی
کارروائی کرنے میں مشغول رہے۔ انہوں نے جان بوجھ کر
ظفر کو نظر انداز کیا ہوا تھا۔
سب چند لمحوں کا کھیل تھا۔ فائرنگ بند کر کے وہ پھر
سے ظفر کی طرف بڑھے۔ انہوں نے ظفر کو بلاک کے پیچھے
سے نکال لیا۔ اگلے لمحے وہ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی
ڈالے واپس وین میں لے جا رہے تھے۔ وین میں لے جا
کر انہوں نے دونوں ریوالور اس کے ہاتھوں میں زبردستی
دبا کر، ان پر اس کے فنگر پرنٹس ثبت کر دیے۔
اعشاریہ تین آٹھ کے دونوں ریوالورز پر اب ظفر کی
انگلیوں کے نشانات تھے۔ وہ ایک گہری سازش کا شکار ہو
چکا تھا۔ ظفر کو جب ہتھکڑی ڈالی گئی تھی...... وہ اسی وقت
سمجھ گیا تھا کہ یہ سب کیا تھا؟ سب کھیل اس کے سامنے عیاں
ہو چکا تھا۔ ان کے ہتھکڑی ڈالنے پر ایک دم سے ظفر کا جسم
ساکت، نگاہیں متحیر اور زبان خاموش ہو چکی تھی۔ اس کا منہ
ہونقوں کی طرح کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ ان دونوں دہشت

گردوں کا تعلق امریکا کے کسی حساس ادارے سے تھا۔
ان کے بیٹھتے ہی وین پھر سے جھٹکا لے کر چلنے لگی۔
ظفر ابھی تک بے یقینی کی کیفیت کا شکار تھا۔ وین کے چلتے ہی
ایمبولینس اور پولیس کے تیز سائرن سنائی دینے لگے تھے۔
پولیس موقع واردات پر اب پہنچ رہی تھی۔
احسان نے جس طرح کے خدشات کے بارے میں
سوچ کر پاکستانی سفارت خانے سے مدد طلب کی تھی، آخرکار کم
وبیش وہی ہو گیا تھا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ظفر کو ہتھکڑی
ڈال کر، اسی وین میں واپس دھکیلا جا رہا تھا...... جس کا پیچھا
کرتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ انہیں یہ سمجھنے میں
دیر نہیں لگی تھی کہ آخر ہوا کیا ہے۔ وہ دور سڑک پر عام شہریوں
کی لاشیں دیکھ چکے تھے۔ حالانکہ انہیں وہاں پہنچنے میں ذرا
تاخیر ہو چکی تھی مگر پھر بھی وہ یقین سے کہہ سکتے تھے کہ یہ سب
ظفر نہیں کر سکتا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ اسے بُرے طریقے سے
پھنسایا گیا ہے۔ ان حالات میں ان کا ذہن تیزی سے
حالات کا احاطہ کر رہا تھا۔
وین کو واپسی کے راستے، اسی طرف آتا دیکھ کر احسان
کا ذہن تیزی سے ایک بار پھر حالات کا تجزیہ کرنے لگا۔
انہیں جلد ہی کچھ کرنا تھا۔ آخرکار وہ کچھ کرنے کی ٹھان چکے
تھے۔ اگلے لمحے وہ بلا خوف وخطر وین کو روکنے کے لیے،
جلدی سے ٹیکسی سے اتر کر...... روڈ پر اس کے ... آ
وہ خالی ہاتھ ... وین کو ... چکے تھے۔ کچھ بھی
ہو وہ ظفر کو یوں گہری سازش کا شکار ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔
وین کو روکنے کے لیے سڑک کے بیچوں بیچ، یوں خالی ہاتھ آنا
ان کے پاگل پن کو ہی ظاہر کر رہا تھا۔ مگر وہ یہ بھول چکے تھے
کہ وہ خالی ہاتھ ہیں اور ایک طرح سے اپنی جان بھی خطرے
میں ڈال رہے ہیں۔ انہیں بس احساس تھا تو یہ کہ، بس وین کو
ابھی روکنا ہے اور ظفر کو جیسے بھی ہو بچانا ہے۔ انہیں اب
ایمبولینس اور پولیس کا تیز سائرن بھی قریب سے قریب تر آتا
سنائی دے رہا تھا۔ مگر وہ وین تو پولیس کے آنے سے پہلے ہی
نکلی جا رہی تھی۔ وین میں موجود کسی حساس ادارے کے......
ان دہشت گرد نما اہلکاروں نے...... احسان کا یوں وین کو
روکنے کے لیے، اچانک سامنے آنا دیکھ لیا تھا۔
ان کے دیکھ لینے کے بعد اب احسان خود بھی سخت
خطرے میں تھے۔ اگلے لمحے وین ان کے سر پر آ گئی تھی۔
ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ان کو کچل کر آگے نکل جائے گی۔
دفعتاً ان کے بہت نزدیک آنے پر وین اچانک
لہرائی اور احسان کے پاس سے بغیر کسی گزند کے تیزی سے

https://www.urdutubes.com/

گزر گئی۔ وین نے رکنے کے بجائے اور احسان کو کچلنے کے
بجائے بروقت راستہ بدلا تھا۔ اگلے لمحے وہ پھر سے تیزی
سے آگے جا رہی تھی۔ وین کے گزرنے کے فوراً بعد، احسان
کو احساس ہوا کہ وین تو بغیر رکے گزر گئی ہے۔ وہ فوراً کچھ
سوچ کر ٹیکسی کی طرف دوبارہ لپکے۔ انہیں اب اندازہ ہو رہا
تھا کہ انہوں نے... کتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔
وہ ٹیکسی میں بیٹھے ہی تھے کہ اسی دوران ان کے پاس
سے ایمبولینس اور دو پولیس کی کاریں تیزی سے، آگے موقع
واردات کی جانب گزرتی چلی گئیں۔
ایجنٹ سام احسان کے رکنے پر...... خود بھی اس سے
مناسب فاصلے پر رک گیا تھا۔ اس نے بھی دور سے ہی دیکھ
لیا تھا کہ دو افراد کسی کو ہتھکڑی لگائے وین میں ڈال رہے
ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ وین اسی طرف بڑھ رہی تھی،
جب احسان نے وین کے آگے آ کر اسے روکنے کی کوشش کی
تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ وین والے اسی کے پیٹی بند بھائی،
یعنی کسی حساس ادارے کے ہی اہلکار ہو سکتے ہیں اور جس کو
انہوں نے ہتھکڑی لگا کر وین میں ڈالا تھا، وہ اس کے
نزدیک دوسرا پاکستانی ہی ہو سکتا تھا۔ ورنہ کیونکر احسان ان کا
راستہ روکنے کی کوشش کرتے۔
ایجنٹ سام کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وین اب
... پاس سے
ایک ایمبولینس اور دو پولیس کی گاڑیاں بھی تیزی سے گزر گئی
تھیں۔ اگلے لمحے وہ بھی کچھ سوچتے ہوئے تیزی سے اپنی
ہیوی بائیک سے نیچے اترا، اور اس نے خود بھی احسان والی
حرکت دہرا ڈالی۔ وہ اب خود اس وین کو روکنا چاہتا تھا۔ اس
نے روڈ پر پہنچتے ہی تیزی سے اپنا ہیلمٹ اتار کر...... اپنا
سروس کارڈ نکالا اور اسے ہاتھ کھڑا کر کے اوپر لہرا دیا۔ یہ کسی
بھی گاڑی کو قانونی طریقے سے روکنے کا عندیہ تھا۔ وہ جانتا
تھا کہ کارڈ دکھانے سے کوئی بھی گاڑی ہو...... ضرور رکتی
ہے۔ ویسے بھی اس کے روکنے کا انداز چغلی کھا رہا تھا کہ وہ
کوئی پولیس لائن کا ہی افسر ہو سکتا ہے۔
اگلے لمحے وین اس کے پاس آتے ہی ایک جھٹکے سے
رک گئی۔ اسی دوران تیزی سے وین کا سلائڈنگ ڈور کھلا
اور اس میں ظفر کے ساتھ بیٹھے دہشت گرد نما اہلکاروں میں
سے ایک اہلکار پھرتی سے نیچے اترا...... اترنے والا ایجنٹ
سام کو جانتا تھا۔ وہ کچھ عرصہ اس کے ساتھ کام بھی کر چکا تھا
اور ایجنٹ سام کی پوشیدہ صلاحیتوں کا معترف بھی تھا۔
”ہے...... آفیسر رینالڈ، یہ آپ ہیں۔“ ایجنٹ سام

دل وجاں اور...

اسے پہچانتا تھا اس لیے مسکراتے ہوئے بولا۔
”ہائے سام! تم اور یہاں......“ اسے سام کی
مداخلت سخت ناگوار گزری تھی مگر پھر بھی اس نے جبراً
مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یقین نہیں آ رہا کہ ہماری دوبارہ
ملاقات ہوئی۔“ اس نے مصافحہ کیا۔
”ہوں! آفیسر رینالڈ، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم
اسے کس لیے لے کے جا رہے ہو؟“ اس کا اشارہ ظفر کی
طرف تھا۔
رینالڈ چونک گیا۔ وہ ذرا سنبھل کر بولا۔
”سوری...... یہ انفارمیشن تو میں نہیں دے سکتا۔ بہتر ہے،
ہمیں اب جانا ہوگا۔“ وہ پلٹ کر واپس جانے لگا۔
یہ وہی لمحہ تھا جب احسان ٹیکسی پر وہاں پہنچ گئے۔ وہ
تیزی سے ٹیکسی سے اتر کر، بلا خوف وخطر ان کی طرف
بڑھے۔
”رکو! تم یہ بھول رہے ہو رینالڈ کہ میرا تعلق، اب بھی
سی آئی اے سے ہے۔“ سام نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔
وہ رک گیا مگر پلٹا نہیں۔ ”ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم
نے اس دہشت گرد کو اسٹریٹ فائرنگ کرتے ہوئے پکڑا
ہے۔“ وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ”بہتر ہوگا کہ تم اس سیریس
معاملے میں ٹانگ مت اڑاؤ۔“
ظفر وین کے اندر سے ہی ایجنٹ سام کی آواز سن چکا
تھا مگر اب کی بار اس کے ہاتھ بندھے ہونے کے علاوہ،
چہرے پر بھی غلاف چڑھایا جا چکا تھا۔ وہ ایجنٹ سام کی
آواز سن کر چونکا تھا کہ یہ جو کوئی بھی ہے، اس کی مدد کر سکتا
ہے۔ مگر وہ مزاحمت کرنے کے بجائے صرف کسمسا کر رہ گیا۔
”ہونہہ!“ ایجنٹ سام نے وین کے اندر موجود مبینہ

دہشت گرد، نقاب پوش ظفر کی طرف دیکھ کر ہنکارا بھرا۔ ''ٹھیک ہے مگر تم اسے کہاں لے جا رہے ہو؟ کیا یہ پاکستانی ہے؟''

رینالڈ پاکستانی کا سن کر پھر سے چونک گیا۔ ''ہاں! پاکستانی ہے مگر تمہیں کیسے پتا؟''

اسی دوران احسان کو پاس دیکھ کر وہ دونوں چونکے۔ ایجنٹ سام پہچان چکا تھا کہ یہ وہی دوسرا پاکستانی ہے جس کا پیچھا کرتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچا ہے۔ مگر رینالڈ نہیں جانتا تھا کہ ظفر کے ساتھ کوئی دوسرا پاکستانی بھی ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی احسان کا حلیہ کسی امریکن کا ہی نظر آتا تھا۔ احسان نے پاس آ کر ایجنٹ سام سے ہی مخاطب ہو کر انگلش میں پوچھا۔ ''سر کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ انہیں کس وجہ سے لے کے جا رہے ہیں؟'' ان کا اشارہ بھی ظفر کی طرف تھا۔

بالکل پاس سے احسان کی آواز سن کر ظفر اندر سے جھوم اٹھا تھا۔ وہ حیران رہ گیا کہ انکل یہاں کیسے؟ مگر کچھ بھی ہو اب اس کے اندر موجود خوف ایک دم سے ختم ہو گیا تھا۔ اس کے منہ پر ٹیپ چپکی تھی جبکہ اوپر نقاب چڑھا ہوا تھا۔ اس نے احسان کو متوجہ کرنے کے لیے تیزی سے غوں غاں کی آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔ مگر ابھی کوئی بھی اس کی طرف توجہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''آفیسر رینالڈ! میں معذرت کے ساتھ کہنا چاہوں گا کہ یہ میرا کیس ہے۔'' ایجنٹ سام نے اچانک دھماکا کیا۔ ''اگر آپ انہیں ہیڈ کوارٹر... لے کے جا رہے ہیں تو مجھے بھی چلنا ہوگا۔''

رینالڈ کو جھٹکا سا لگا، وہ پھنس رہا تھا۔ ''لیکن......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں...... مجھے آج صبح ہی ہیڈ کوارٹر سے، ان دونوں پاکستانیوں کی سیکیورٹی کی خاطر بھیجا گیا تھا۔'' اس نے احسان کو دوسرا پاکستانی ظاہر کیا۔ ''بہتر ہوگا کہ تم اس معاملے کے شواہد مجھے دے کر، دستبردار ہو جاؤ۔''

رینالڈ کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دوسرا پاکستانی احسان ہی ہے۔ وہ حیران رہ گیا کہ دوسرے پاکستانی کا تو اسے بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ دوسرے پاکستانی اور ایجنٹ سام کی مداخلت اب سارا معاملہ چوپٹ کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ ان سب کو یہیں ختم کر دے مگر وہ جانتا تھا کہ اب یہ اس کے بس کی بات نہیں رہی۔ اول تو وہ اب ایسا کر نہیں سکتا تھا، اگر فرض کرے کہ وہ ایسا کرتا تھا تو ایجنٹ سام کوئی عام اہلکار نہیں تھا۔ وہ محکمے میں اب بھی ہیرو کے نام سے مشہور تھا۔ رینالڈ بُری طرح سے پھنس چکا تھا۔ وہ دل ہی دل میں جیکی کو گالیاں دے رہا تھا جس کی وجہ سے وہ اس معاملے میں داخل ہوا تھا۔ جیکی رات کو پھر سے آگ بگولہ تھا۔ اس نے رینالڈ کو دوبارہ کال پر، صبح ہی ظفر کا معاملہ کلیئر کرنے کے لیے اس سے درخواست کے علاوہ، ایک بڑی رقم کی پیش کش بھی کی تھی۔ وہ دوستی کے ناتے جیکی کے لیے یہ کام فری میں بھی کر دیتا مگر رقم کی پیش کش سے تو اس کی باچھیں کھل گئی تھیں، رقم کے علاوہ اگر وہ ظفر کو کسی کیس میں پھنسا کر ہیڈ کوارٹر پیش کرتا تو اس کی مراعات میں اضافہ اور شاید ترقی کے امکانات بھی بن جاتے۔ رینالڈ کا کریکٹر سی آئی اے میں...... ویسے بھی کوئی اتنا پاکیزہ نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے مطلب کے کاموں میں ہی ہاتھ ڈالتا تھا۔ اس نے سوچا بھاڑ میں جائے جیکی، اگر اس پر کوئی آنچ آئی تو وہ اس کا نام بک دے گا۔ ایسا پہلی بار ہی ہوا تھا کہ اس نے کسی کام کو...... بغیر پوری انفارمیشن کے سرانجام دیا تھا۔

رینالڈ کچھ سوچ کر بولا۔ ''ٹھیک ہے ایجنٹ سام کہ اگر یہ کیس تمہیں پہلے سے ہی دیا گیا ہے تو میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا۔ شواہد کے لیے اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ ہم یہاں سے گزر رہے تھے کہ اس پاکستانی کو ہم نے اسٹریٹ فائرنگ کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا......''

''رکیے!'' احسان نے مداخلت کی۔ ''یہ جھوٹ ہے۔ ظفر ایسا نہیں کر سکتا، اسے تو اغوا کر کے......''

''[illegible] احسان! [illegible] آپ [illegible] ہیڈ کوارٹر جا رہے ہیں۔'' ایجنٹ سام اسٹریٹ فائرنگ، پولیس اور ایمبولینس کی گاڑیوں کو جاتا دیکھ کر کسی حد تک رینالڈ کی بات کا پہلے ہی یقین کر چکا تھا۔ اس نے احسان سے تیز لہجے میں کہا۔ ''آپ ہیڈ کوارٹر جا کر ہی اپنی صفائی پیش کر سکتے ہیں۔''

رینالڈ احسان کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں نفرت سے مسکرایا۔ اسی دوران ایک پولیس کی گاڑی ان کے پاس آ کر رکی۔ اس میں سے ایک پولیس سارجنٹ برآمد ہوا۔ یہ وہی گاڑی تھی جو موقعِ واردات سے ہو کر ہی آ رہی تھی۔ پولیس آفیسر کو دیکھ کر وہ چونکے۔ وہ انہی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ پولیس آفیسر نے وین کے اندر ہتھکڑی میں جکڑے ظفر کی طرف نظر دوڑائی، وہ تھوڑا سمجھ چکا تھا کہ یہ کسی حساس ادارے کے لوگ ہیں۔

پولیس آفیسر کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ایجنٹ سام اس کی طرف بڑھا۔ ''ہے...... آفیسر۔'' اس نے پھر سے اپنا کارڈ نکال لیا تھا۔ ''یہ ہمارا کیس ہے۔ کیا تم ہمیں اس واقعے کی تفصیل دے سکتے ہو؟''

کارڈ دیکھ کر پولیس والا مرعوب ہو گیا۔ ''یس سر...... شیور......'' وہ بتانے لگا۔ ''موقعِ واردات پر تین لاشیں موجود ہیں۔ ابھی تک تو ہم ابتدائی تفتیش کرنے میں مصروف ہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے، اس واقعے کا چشم دید گواہ تو کوئی نہیں مگر کچھ لوگوں نے مجرم کو ہتھکڑی لگا دیکھا تھا جب اسے وین میں ڈالا جا رہا تھا......''

''ٹھیک ہے آفیسر اب ہمیں جلدی...... یہاں سے جانا ہوگا۔'' ایجنٹ سام پولیس والے کو تیزی سے سمجھانے لگا۔ ''تم ابھی اس واقعے کو میڈیا سے دور رکھو گے اور سب کو یہی بتاؤ گے کہ یہ گینگ تصادم تھا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے جا رہے تھے۔ احسان کو بھی وین میں ڈال دیا گیا تھا، مگر اسے ہتھکڑی نہیں لگائی گئی تھی۔ رینالڈ ایجنٹ سام کی ہیوی بائیک پر وین کے پیچھے تھا...... جبکہ ایجنٹ سام وین میں تھا۔

☆☆☆

ماریا نے اسٹریٹ فائرنگ کی ویڈیو بنالی تھی۔ اس نے ظفر کو بھی پہچان لیا تھا جب اسے ہتھکڑی ڈال کر وین میں ڈالا جا رہا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ وین کے چلنے کے بعد وہ بھی آہستہ سے وین کا تعاقب کرنے لگی۔ اس نے احسان کا وین کو روکنے کے لیے آگے آنا بھی دیکھ لیا تھا۔ یہ سب اس کے [illegible] کچھ سمجھ نہیں [illegible] پائی [illegible] جب بعد میں، وین والے ایک آفیسر نے روکا تھا تو وہ بھی اپنی گاڑی کو مناسب فاصلے پر روک چکی تھی۔ وہ ابھی سامنے نہیں آنا چاہتی تھی۔ اس نے گاڑی فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی دوسری خالی گاڑیوں کے ساتھ روکی تھی اس لیے اس کی گاڑی پر کسی کا شک نہیں گیا تھا۔ اگلے لمحے وہ دیکھ چکی تھی کہ اب احسان کو بھی وین میں ڈال دیا گیا ہے۔ وین کے چلنے کے بعد وہ پھر سے اس کا تعاقب کرنے لگی۔

☆☆☆

سی آئی اے کے عارضی ہیڈ کوارٹر کے تفتیشی روم میں ایجنٹ سام...... ظفر اور احسان سے علیحدہ علیحدہ تفتیش کرتے ہوئے تمام واقعات سن رہا تھا۔ ظفر نے ایجنٹ سام کو احسان کو تلاش کرنے کے لیے...... ہوٹل سے باہر آنے کے بعد سے لے کر تمام واقعات، اس کے گوش گزار دیے تھے۔

احسان نے بھی ظفر کا پیچھا کرنے کے بعد سے...... تمام واقعات سچ سچ دہرا دیے تھے۔ دونوں سے اکیلے بیان لیے جانے کے علاوہ بھی، بیان متضاد نہیں تھا۔ مگر پھر بھی نہ جانے کیوں ایجنٹ سام کو ان بیانات سے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ آخرکار اس نے سچ اگلوانے کے لیے ٹارچر روم میں تفتیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہی وقت تھا جب وہ انہیں ٹارچر روم میں لے کے جانے والا تھا...... کہ کسی نے آ کر اسے اطلاع دی کہ سی آئی اے کے ہیڈ چیف نے اسے بلایا ہے۔ وہ انہیں وہیں چھوڑ کر بلانے والے کے ساتھ چلا گیا۔

ایجنٹ سام آفس میں داخل ہوا تو دم بخود رہ گیا۔ اگلا منظر اس کے لیے بہت بھیانک تھا۔ آفس میں موجود تمام سی آئی اے کے اہلکاروں کی نظریں کمپیوٹر اسکرین پر جمی تھیں۔ جس پر آج کے ہی اسٹریٹ فائرنگ والے مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ دو نقاب پوش افراد بیچ سڑک پر نہتے شہریوں کو اندھادھند نشانہ بنا رہے تھے۔ ویڈیو میں ایک شخص کو سیمنٹ کے بلاکوں کے پیچھے چھپا ہوا بھی دکھایا جا رہا تھا۔ اگلے منظر میں سیمنٹ کے بلاکوں کے پیچھے ہی چھپے شخص کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگائی جا رہی تھی۔

ویڈیو دیکھ کر ایجنٹ سام کے ہوش اڑ گئے تھے۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ آخر ہوا کیا تھا؟ وہ سمجھ گیا تھا کہ ظفر کو واقعی میں پھنسایا گیا تھا۔ وہ اب اپنے آپ سے نادم ہو رہا تھا کہ اس نے سب کچھ سامنے ہوتے ہوئے بھی یقین کیوں نہیں کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جن کی سیکیورٹی کی ذمے داری اسے سونپی گئی تھی...... اسی نے خود ان کو یہاں پہنچا دیا تھا۔ اگر وہ اس وقت ہی حالات کا اچھے سے تدارک کر لیتا تو یہ سب نہ ہوتا۔ یہی وقت تھا جب اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا۔ وہ سمجھ گیا کہ ابھی تک ایجنٹ رینالڈ آفس کیوں نہیں پہنچا؟ رینالڈ شاید پہلے سے ہی جان گیا تھا کہ اب یہ سازش جلد ہی بے نقاب ہو جائے گی۔ ویسے بھی اس سازش کا ماسٹر مائنڈ تو وہی رہا تھا۔ ہیڈ کوارٹر کے دفتر میں موجود سی آئی اے کے تمام اہلکاروں کا سر شرم سے جھک گیا تھا...... کیونکہ یہ حرکت کسی گینگ، مافیا کے آدمی نے نہیں بلکہ سی آئی اے کے افسر نے ہی کی تھی مگر کس وجہ سے کی تھی، وہ یہ وجہ نہیں جان پائے تھے۔ اب وہ یہ وجہ جلد ہی جاننا چاہتے تھے۔ اگلے لمحے رینالڈ کو ڈھونڈنے اور گرفتار کرنے کے احکامات صادر کیے جا چکے تھے۔

☆☆☆

ماریا پچھلے قریباً ڈھائی تین گھنٹوں سے سی آئی اے کے عارضی ہیڈ کوارٹر سے تھوڑا فاصلے پر موجود تھی۔ وہ وین کا پیچھا کرتے ہوئے ہی یہاں تک پہنچی تھی۔ وہ راستے میں ایک جگہ حیران ہوئی تھی جب ہیوی بائیک پر موجود رینالڈ نے اچانک راستہ بدل لیا تھا۔ وہ ایک سگنل پر رکنے کے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

بعد سے وین کی مخالف سمت میں چلا گیا تھا۔

ماریا نے دو گھنٹے پہلے ہی وہ ویڈیو ہیڈ کوارٹر میں کسی طرح پہنچا دی تھی جو اس نے اسٹریٹ فائرنگ کے دوران اپنے اسمارٹ فون سے شوٹ کی تھی۔ اب وہ باہر موجود اس انتظار میں تھی کہ اس ویڈیو کا کیا ری ایکٹ ہوتا ہے؟ وہ جانتی تھی کہ ظفر کو پھنسایا گیا تھا۔ میموری کارڈ کی صورت میں ویڈیو بھیجنے کے بعد اب اسے ظفر اور احسان کی رہائی کا انتظار تھا۔ مگر یہ انتظار طویل سے طویل تر ہوتا جارہا تھا۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اگر تھوڑی دیر اور...... سی آئی اے ہیڈ کوارٹر سے ان دونوں کو نہیں چھوڑا جاتا تو وہ یہ ویڈیو بعد میں نیوز چینل والوں کو دے کر سی آئی اے والوں کا بھانڈا پھوڑ دے گی۔ وہ انہی سوچوں میں گم...... ہیڈ کوارٹر کی آمد و رفت والے راستے پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ آخر کار اس کا انتظار لاحاصل نہ رہا۔

ایجنٹ سام کے ساتھ مسکراتے ہوئے...... پُروقار انداز میں چلتے ہوئے وہ دونوں گیٹ سے برآمد ہو رہے تھے۔ ان دونوں کو یوں باعزت چلتا دیکھ کر اور مسکراتا دیکھ کر وہ خود بھی اندر سے کھل اٹھی۔ وہ اس وقت جیلی کی خوبصورت شیورلیٹ کار کے ساتھ لگی اس انداز میں کھڑی تھی کہ جیسے کوئی شکاری اپنے شکار کے انتظار میں گھات لگائے کھڑا ہوتا ہے۔ ظفر اور احسان ایجنٹ سام کے ساتھ ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہی وقت تھا جب چلتے چلتے ظفر کی نظر پارکنگ لاٹ سے تھوڑا باہر، روڈ کنارے موجود کھڑی شیورلیٹ کار پر پڑی۔ وہ چونکہ پیچھے چل رہا تھا اس لیے وہ ایک لمحے کے لیے رک سا گیا۔ اس کا دل ایک انجانے احساس سے دھڑکا تھا۔ اگلے لمحے شیورلیٹ سے ٹیک لگائے وہ ماریا کو دیکھ چکا تھا۔

☆☆☆

یہ سہ پہر کا وقت تھا۔ وہ ماریا کے ساتھ شیورلیٹ کار میں تھے۔ شیورلیٹ کار کا طاقتور اسپورٹس انجن، آج ردھم سے کچھ زیادہ ہی پھنکار رہا تھا۔ انجن کا یوں پھنکارنا کسی کی خوشی یا غصے کو ہی ظاہر کرتا ہے، مگر اس وقت ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ماریا بہت خوش تھی۔ ظفر اور احسان ایک بہت بُرے کیس میں پھنسنے کے بعد صرف اسی کی وجہ سے باعزت بری کیے جا چکے تھے۔ فرنٹ سیٹ پر ماریا کے ساتھ اب کی بار بھی ظفر براجمان تھا۔ جبکہ احسان حسب سابق پیچھے بیٹھے نیم دراز تھے۔ شیورلیٹ کار کے پیچھے سی آئی اے کی ایک لینڈ کروزر گاڑی بھی آرہی تھی جو ایجنٹ سام ڈرائیو کر رہا تھا۔ یہ لینڈ کروزر گاڑی اور ایجنٹ سام...... ظفر اور احسان کی سیکیورٹی کے لیے تھی۔ جب تک وہ امریکا میں تھے......

حقیقت آشکار ہونے کے بعد ایجنٹ سام شرمندہ ہو گیا تھا۔ اس نے یہ شرمندگی مٹانے کے لیے ظفر اور احسان کو ہیڈ کوارٹر کے بہترین روم میں لا کر ان سے معذرت کے ساتھ لنچ بھی کیا تھا۔ اب وہ ان کے امریکا میں رہنے تک...... ان کا باڈی گارڈ بھی بن چکا تھا۔ وہ سب ماریا کے ممنون تھے جس نے ان گھمبیر حالات سے پردہ اٹھانے کے لیے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

وہ اب واپس، ماریا کے کہنے پر...... اس کے بار کی طرف جارہے تھے۔ ظفر اندر سے بہت شرمندہ تھا۔ وہ احسان سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ اس نے کار میں ہی احسان کی طرف مڑ کر دیکھا تو وہ چہرے پر ہیٹ پھیلائے خیالات میں گم نظر آئے۔ ظفر نے کچھ سوچا اور پھر فوراً ہی فرنٹ سیٹ پھلانگتے ہوئے احسان کے ساتھ پچھلی نشست پر جا بیٹھا۔ شیورلیٹ کار آہستہ سے چلتی جارہی تھی۔ ماریا نے ظفر کی حرکت نوٹ کی تھی مگر وہ صرف معنی خیز نظروں سے مسکرا کر رہ گئی۔

احسان بھی شاید بھانپ چکے تھے کہ ظفر سیٹ پھلانگ کر پیچھے اس کے ساتھ آ بیٹھا ہے مگر انہوں نے بھی کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ پہلے کی طرح ہی نیم دراز رہے۔

ظفر پیچھے آچکا تھا، اس نے احسان کے چہرے سے آہستہ سے ہیٹ ہٹا دیا اور دھیرے [illegible]

احسان [illegible] تھوڑا سا نیم وا کر کے ظفر کی طرف دیکھا اور پھر سے آنکھیں بند کرتے ہوئے نرمی سے بولے۔ ”جی......“

”انکل، کیا آپ ناراض ہیں؟“

”ہوں!“ انہوں نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

ظفر شرمندہ ہو گیا مگر وہ انہیں منانا چاہتا تھا۔ اس نے پیار سے احسان کی...... تھوڑی پکڑ کر آہستہ سے ان کا چہرہ...... اپنی طرف سیدھا کیا۔ انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور ظفر کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ ”آئی ایم ویری سوری انکل۔“

ظفر اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے سسک پڑا۔ وہ رو رہا تھا۔ احسان نے اس کی طرف دیکھا تو اسے روتا دیکھ کر وہ بھی اندر سے پسیج کر رہ گئے۔ انہوں نے اسے گلے سے لگا لیا اور تھپکی دینے لگے۔ ”اِٹس او کے...... اِٹس او کے نو پرابلم پیارے...... نو پرابلم۔“

بے دست و پا

سید شکیل کاظمی

راستہ شروع کرو تو منزل دور نظر آتی ہے... مگر ہمت... لگن اور استقلال ہو تو منزل تک پہنچنا ممکن ہو جاتا ہے... شدید سے شدید احساس اور جذبہ ناممکن کو ممکن تر بنا دیتا ہے... جذبات اور احساسات سے گندھی کہانی کے عجیب و غریب رنگ... کرداروں کی ایسی مثلث جو ایک دوسرے سے جدا ہوتے تو مثلث ٹوٹ جاتی... ان میں سے کوئی بھی اپنی جگہ چھوڑنے کو تیار نہ تھا... ہر ایک کو اس کے جذبے کی شدت جکڑے ہوئے تھی...

حصولِ زر کے ساتھ حصولِ عشق کے معاملات۔ ایک تیکھا سرورق

”میں شاید مر چکا ہوں۔“ میرے دماغ میں سوال ابھرا۔

میرے دماغ نے فوراً اس خیال کی نفی کی......

یہ احساس کافی جاں فزا تھا کہ میں دماغی طور پر مکمل بیدار ہوں۔ بے شک یہ ایک خوش آئند بات تھی۔ لیکن دوسرا احساس میرے لیے زہرِ قاتل تھا۔ میں اپنے جسم کو حرکت دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں سن سکتا تھا، دیکھ سکتا تھا مگر بول سکتا تھا اور نہ ہی کوئی حرکت کر سکتا تھا۔ ایک مفلوج

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

اور بے حس و حرکت جسم جو ایک شاہکار اور بے داغ بستر پر پڑا ہو۔

میں یقیناً اپنے رقیب کے قہر کا نشانہ بن چکا تھا۔ اس سے کچھ بھی بعید نہیں تھا...... کیونکہ وہ ڈاکٹر کے بھیس میں ایک درندہ صفت انسان تھا۔

"مجھے خون خرابا بالکل پسند نہیں...... یہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں......" مجھے ڈاکٹر دانیال کی آواز سنائی دی اور میرے بدترین اندیشوں کی تصدیق ہو گئی۔ میں اسی کے مشقِ ستم کا نشانہ بنا تھا۔

وہ میری آنکھوں کی رسائی سے دور تھا لیکن اسی کمرے میں موجود تھا۔ پھر وہ اچانک میری آنکھوں کے سامنے آیا۔

وہی وجیہہ اور سرخ و سپید رنگت والا انسان۔ اس پر چوڑے شانے، نیلی آنکھیں اور سنہری مائل گھنگھریالے بال، وہ یونان کے کسی قدیم دیوتا کا عکس نظر آتا تھا۔ ڈاکٹر دانیال واقعی وجاہت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا اور بلا کا حُسن پرست بھی تھا...... اسے اپنی وجاہت، گفتگو اور علم تینوں سے بیک وقت کام لینا آتا تھا۔

میں بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا۔ سوچنے اور سانس لینے کے سوا میں کوئی قابلِ ذکر کام نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں مسلسل سوچ رہا تھا۔ میری سوچ میں ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر دانیال نے اپنی سحرزدہ آواز سے دراڑ ڈالی......

"میرے دوست حارث! تم خود کو اس وقت کیسا محسوس کر رہے ہو؟" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا......

"ہاں! جانتا ہوں تم بتا نہیں سکتے۔ لیکن میں بخوبی سمجھ سکتا ہوں تمہاری حالت کیا ہے...... کیونکہ تمہیں اس حالت میں لانے کا ذمے دار میں جو ہوں۔ میں تشدد کا قائل نہیں ہوں۔ میں ایک نفیس اور لطیف جذبے رکھنے والا انسان ہوں۔ مجھے انسان کی ظاہری خوبصورتی بہت پسند ہے۔ تم بھی اچھے خاصے خوش شکل انسان ہو۔ اور میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ تمہارا چہرہ لہولہان ہو جائے اور اس پر جابجا چوٹوں کے نشان نظر آئیں...... اُف...... کتنا تکلیف دہ منظر ہوگا وہ میرے لیے...... تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔"

ڈاکٹر دانیال کی خودکلامی جاری تھی۔ کیونکہ میں اسے جواب دینے کے قابل نہیں تھا...... وہ لمحہ بھر کے لیے رکا اور پھر گویا ہوا......

"تہمینہ؟...... صرف ایک لڑکی کی خاطر تم اتنا تردد کر رہے ہو۔ تمہیں اپنی زندگی سے محبت ہونی چاہیے۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو تمہارا واحد رشتے دار تمہارا چھوٹا بھائی وارث بالکل لاوارث ہو جائے گا...... اس کے متعلق سوچو...... تم جانتے ہو، میں نے یہ سب کیوں کیا؟ صرف اس لیے کہ تمہیں اچھے طریقے سے سمجھا سکوں۔ ورنہ بھائی جان تو کسی اور طریقے سے سمجھانے کو کہہ رہے تھے۔"

ڈاکٹر دانیال مسلسل میرے سامنے کھڑا ہو کر تقریر جھاڑ رہا تھا......

"تم یقیناً سوچ رہے ہو گے کہ ایسے مفلوج کس طرح ہو گئے۔ تمہارا اعصابی نظام وقتی طور پر ناکارہ ہو چکا ہے۔ تم صرف سگنل وصول کر سکتے ہو لیکن ان پر ردِعمل نہیں دے سکتے......"

واقعی میری یہی حالت تھی ورنہ میں ایسا ردِعمل دیتا کہ اس کی نسلیں یاد کرتیں...... یہ میری بے بسی کا نقطۂ عروج تھا...... ڈاکٹر دانیال اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا......

"پانچ سی سی کا ایک انجکشن آدمی کو چوبیس سے اڑتالیس گھنٹے تک ایسے ہی مفلوج کر دیتا ہے۔ اسے "ڈیتھ سیرم" کہتے ہیں۔ یہ افریقہ کے جنگلات میں ایک مخصوص قسم کے پھول سے کشید کیا جاتا ہے اور پھر اس پر کچھ مزید کیمیاگری کی جاتی ہے۔ اگر اس کی مقدار بڑھا دی جائے یعنی دس سی سی کے لگ بھگ ہو جائے تو یہ مدت طویل ہو کر ایک مہینے تک چلی جاتی ہے۔ [illegible] سی کر دیا جائے تو [illegible] کی ساری زندگی اسی حالت میں گزر جاتی ہے۔"

میری آنکھیں پھٹنے کے قریب آ گئیں...... ڈاکٹر دانیال نے مجھے شاید ساری زندگی کے لیے مفلوج کر دیا تھا...... یا خدایا...... میری آنکھوں سے شاید آنسو بہنے لگ گئے۔ کیونکہ مجھے اپنی نظر میں دھندلاہٹ پیدا ہوتی دکھائی دی...... اتنی بے بسی کی موت۔ کیا یہی میرا مقدر تھا؟ ڈاکٹر دانیال نے شاید میری حالت دیکھ لی تھی۔

"نہیں میرے دوست تم بالکل پریشان نہیں ہو۔ یہ صرف پانچ سی سی کا ڈوز ہے۔ تم کل شام سے پہلے پہلے دوبارہ اپنے قدموں پر چل سکو گے۔ تمہیں اتنا وقت صرف اس لیے دیا ہے تاکہ اچھی طرح سوچ سکو۔ امید ہے تم ایک بہتر فیصلہ لو گے اور تہمینہ کو اپنی زندگی سے بالکل بھلا دو گے...... میں اسے ایک شاندار مستقبل دوں گا...... ویسے بھی سنا ہے محبت کرنے والے تو اتنی بات پر بھی خوش ہو جاتے ہیں کہ ان کا محبوب اچھی اور بہتر زندگی گزار رہا ہے...... میں اس کی زندگی کے ساتھ نہیں کھیل رہا۔ حالانکہ چاہوں تو

میرے لیے یہ بہت آسان ہے لیکن میں اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا ہوں۔ ایک اچھی اور عزت دار زندگی...... اس سے بہتر بھلا کیا ہوگا۔"

میں نے ایک لمبا سانس لیا۔ پانچ سی سی کا سن کر میرے سارے وجود میں جیسے ایک طمانیت کی لہر دوڑ گئی تھی لیکن میں وہ لہر محسوس کرنے سے قاصر تھا۔ ڈاکٹر دانیال مجھے تہمینہ سے دست بردار ہونے کا کہہ رہا تھا۔

کون تہمینہ؟...... وہی جو میری زندگی بن چکی تھی۔ اپنے چھوٹے بھائی وارث کے سوا اگر دنیا میں کسی انسان کی مجھے پروا تھی تو وہ صرف تہمینہ ہی تھی لیکن میں تہمینہ سے دست بردار کیسے ہو سکتا تھا؟ میں ہونا بھی چاہتا تو تہمینہ ایسا کبھی نہ ہونے دیتی...... وہ جتنی جذباتی اور معصوم تھی اس سے کچھ بعید نہیں تھا وہ خود کو کوئی نقصان پہنچا لیتی...... میں یہ سب باتیں ڈاکٹر دانیال سے کہنا چاہتا تھا لیکن میری زبان میرے اختیار میں نہیں تھی۔ میں مجسم بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"تم جانتے ہو اسے ڈیتھ سیرم کیوں کہا جاتا ہے؟ حالانکہ یہ انسان کو مارتا نہیں صرف مفلوج کرتا ہے۔ یہ ابھی تک کی میڈیکل سائنس کی تاریخ کا سب سے انوکھا زہر ہے جس کا کوئی سراغ نہیں [illegible] اس زہر کا شکار ہونے والا ابھی [illegible] نا ممکن ہے۔ ویسے بھی میری طرح کے مشہور اور نامور ڈاکٹر ایسے مریض کو ایک دو ماہ سے زیادہ اٹینڈ ہی نہیں کرتے۔ جب وہ دیکھتے ہیں گھر والے مایوس ہو گئے ہیں اور پیسے خرچ کرنے کے موڈ میں نہیں تو مریض کو زندگی سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ گھر والے بھی سکون کا سانس لیتے ہیں اور ڈاکٹرز بھی...... یہ ایک طبی سمجھوتا ہوتا ہے...... کوئی پوسٹ مارٹم نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی اور مسئلہ۔ تمام امور بخوبی انجام پا جاتے ہیں۔ سب سے اہم مرحلہ "ڈیتھ سیرم" کو حاصل کرنا ہے۔ یہ ایک نادر فارمولا ہے جو ذاتی مقاصد کے لیے ہرگز دستیاب نہیں۔ مگر اسے انتہائی خطیر رقم کے عوض حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مجھے یہ غیر قانونی طور پر منگوانا پڑا اس لیے مجھے کافی تگڑی رقم خرچ کرنی پڑی ہے لیکن اس کے نتائج حیرت انگیز ہیں اور مجھے یہ سودا بالکل مہنگا نہیں لگ رہا۔ اسے قانونی طور پر صرف سرکاری ایجنسیوں کے لوگ ہی منگوا سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ صرف تم کو اس لیے بتایا ہے کہ تم بھی میری محبت کی شدت کو محسوس کرو۔ میں بھی تہمینہ سے بے انتہا محبت کرتا ہوں...... اگر میں اس کے لیے اتنا کچھ کر سکتا ہوں تو خود سوچو میں اسے کتنا پیار دوں گا کتنا خوش رکھوں گا۔ یہ میرا طریقہ تھا۔ اور میں نے تمہیں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ کل جب تم یہاں سے چلے جاؤ گے یہ تم پر منحصر ہوگا کہ تم دوبارہ ہم دونوں کے درمیان آتے ہو یا نہیں۔ کیونکہ کل کے بعد میری ذمے داری ختم ہو جائے گی۔ پھر تمہارے ساتھ میں نہیں بلکہ بھائی عارب خان خود معاملات حل کریں گے۔ اور یقین کرو تمہیں ان کا طریقہ بالکل پسند نہیں آئے گا۔"

ڈاکٹر دانیال اپنی بات مکمل کرتے ہوئے میرے انتہائی قریب آ گیا۔ مجھے شدت سے اپنے مفلوج ہونے کا احساس ہوا۔ ورنہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس کی گردن دبوچ لوں اور انجام کی پروا نہ کروں۔ آج کم از کم وہ یا میں اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے چلے جائیں۔ جو زندہ بچ جائے تہمینہ اس کی ہو جائے لیکن میں یہ صرف سوچ ہی سکتا تھا۔

ڈاکٹر دانیال نے اپنی بات مکمل کی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں اکیلا کمرے میں لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ آنکھوں اور دماغ کے سوا مجھے اپنے جسم کے کسی حصے کی موجودگی کا احساس نہیں تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ منحوس لمحات چلنے لگے جب میری اور تہمینہ کی محبت کو ڈاکٹر دانیال کی نظر لگ گئی تھی......

☆☆☆

قریباً ایک سال پہلے کی بات ہے۔ ہفتے کے پہلے روز میں دفتر کے لیے جلدی گھر سے نکل آیا تھا۔ راستے میں ابھی اسکول اور کالج وین یا دفاتر جانے والے لوگوں کا رش نہیں ہوا تھا۔

صاف ستھرا روڈ تھا۔ میں مزے سے موٹر سائیکل چلاتا ہوا دفتر کی جانب جا رہا تھا کہ اچانک میری موٹر سائیکل کے سامنے تہمینہ آ گئی۔

میں چونکہ انتہائی کم رفتار سے چلا رہا تھا اس لیے فوراً موٹر سائیکل روک لی۔

"لگتا ہے آپ کو مرنے کی زیادہ جلدی ہے محترمہ...... لیکن برائے مہربانی کوئی اور شخص تلاش کریں۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں......"

"معاف کیجیے گا...... اصل میں دوسری طرف میرے کالج کی بس گزر رہی تھی تو میں جلدی میں سڑک پار کرنے کے چکر میں آپ کو دیکھ نہیں سکی۔"

"اس طرف کونسا کالج ہے بھلا؟" میں نے مخالف سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سارا شہر میرا دیکھا بھالا تھا

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

اس لیے میں نے فوراً جھوٹ پکڑنے کی کوشش کی......

''نرسنگ کالج...... یہ ایک پرائیویٹ نرسنگ کالج ہے۔ وہیں جانا تھا مگر اب گاڑی نکل گئی۔'' اُس نے بے بسی سے کہا۔

پھر مجھے یاد آیا کہ اس طرف واقعی ایک نرسنگ کالج تھا جو غیر سرکاری عمارت میں تھا۔ اب تصدیق ہونے کے بعد میں نے غور سے دیکھا تو مجھے لگا صبح جلدی آنے کا ازالہ ہو گیا۔ سفید رنگ کا یونیفارم اور اس کے اوپر سفید رنگ کا اسکارف تھا جس کے اردگرد نیلے رنگ کا ربن لگا ہوا تھا۔ وہ اس سفید پیراہن میں کسی اور ہی دنیا کی مخلوق محسوس ہوئی۔

اس نے میرا انہماک توڑا......

''اب اجازت دیں تو میں جاؤں؟ میں پہلے ہی کافی لیٹ ہو چکی ہوں۔'' اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔ اسے میرا یوں گھور کر دیکھنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

''اور اگر اجازت نہ دوں تو؟''

''میں پھر بھی جاؤں گی۔ میں کوئی آپ کی پابند نہیں۔ بس ازراہِ اخلاق پوچھ لیا تھا......''

''میں آپ کو کہیں چھوڑ دوں؟''

''جی آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں...... شکریہ......'' اس نے غصے سے کہا اور پیر پٹختی ہوئی سڑک کی دوسری طرف چلی گئی۔

میں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور دفتر کی جانب روانہ ہو گیا۔

دفتر میں سارا دن وہ میرے خیالوں میں آتی رہی۔ مجھے چونکہ... اس کا نام نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ اس لیے میں نے اسے بے نام حسینہ کا ٹائٹل دے دیا اور دل ہی دل میں بہت خوشی محسوس کی...... وہ دن ایسے ہی گزر گیا۔

اگلے دن میں پھر جلدی بیدار ہو گیا۔ میرے ذہن سے کل والی ملاقات نہیں نکل رہی تھی۔ اگر میں جلدی جاتا تو امید تھی بے نام حسینہ سے ملاقات ہو سکتی تھی۔ میں نے جلدی جلدی تیاری کی اور گھر سے نکل پڑا۔

مگر اس مقررہ جگہ پہنچ کر مجھے مایوسی ہوئی۔ تہمینہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ یقیناً سڑک کے اسی جانب سے آتی تھی جہاں اس وقت میں کھڑا تھا۔ کیونکہ یہ سڑک پار کرنے کے بعد وہ دوسری طرف سے اس نرسنگ کالج کی بس پکڑتی تھی۔

میرے دفتر جانے میں ابھی کافی وقت تھا اسی لیے میں نے اسی جگہ رک کر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ خوش قسمتی سے میرا انتظار طویل نہیں ہوا اور تقریباً دس منٹ کے بعد مجھے وہ دکھائی دی۔ آج اس کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔ وہ یقیناً آج بھی لیٹ ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کا اُڑا ہوا رنگ دیکھ کر میں نے سڑک کی دوسری جانب نگاہ دوڑائی تو ایک بس وہاں سے جاتی ہوئی نظر آئی جس پر نرسنگ کالج کا نام لکھا ہوا تھا۔

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی سڑک کی طرف آئی۔ لیکن بس جانے کی وجہ سے وہ وہیں رک گئی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے سائے دیکھ کر مجھے بہت ترس آیا۔ میں نے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور اس کے قریب جا کر رک گیا۔

اس نے کن انکھیوں سے مجھے دیکھا...... پہلی نظر میں اس نے مجھے نہیں پہچانا تھا کیونکہ میں نے کل واپس جاتے ہوئے اپنی بڑھی ہوئی شیو اور بال دونوں کی حالت سیلون سے درست کروالی تھی۔

''آپ آج پھر لیٹ ہو گئیں ہیں شاید......'' میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''آپ میرا پیچھا کرتے ہیں کیا؟'' وہ مجھ پر پھٹ پڑی...... کالج کی بس چھوٹنے کا غصہ مجھ پر اتارنے لگی۔

''نہیں محترمہ' یہ میرا روز کا راستہ ہے۔ رُکا تو میں اس لیے تھا کہ کہیں آپ آج دوبارہ ٹکرانے کی کوشش نہ فرما دیں...... کیونکہ آج بھی آپ کی بس نکل چکی ہے......''

[illegible]

اچانک روہانسی ہو گئی......

''پلیز مجھے کالج تک چھوڑ دیں......'' اس نے بے بسی سے کہا۔

میرے تو جیسے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں......

''جی کیوں نہیں، آپ تشریف رکھیں......'' میں نے فوراً کہا۔

وہ جلدی سے موٹر سائیکل پر بیٹھ گئی۔ میں نے آگے سے یوٹرن لیا اور مخالف سمت میں موٹر سائیکل دوڑا دی......

تقریباً پندرہ بیس منٹ کی مسافت پر وہ نرسنگ کالج آ گیا جو اس کی منزل تھی۔ اس نے اتر کر میرا شکریہ ادا کیا اور کہا

''میرا آج پہلا پیپر ہے...... یہ ہمارے فائنل ہیں اگر میں لیٹ ہو جاتی تو شاید کینسل کر دی جاتی — آپ کا بہت شکریہ......''

''کوئی بات نہیں مس آسیہ...... مجھے آپ کی مدد کر کے اچھا لگا۔ اسی بہانے کچھ دیر ہی سہی ہم ساتھ تو تھے......''

میں نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

''کون آسیہ؟ میرا نام تہمینہ ہے......'' وہ گڑبڑا کر بولی۔

''جی! بس نام ہی پوچھنا تھا...... سیدھی طرح آپ بتانے والوں میں سے لگتی نہیں تھیں اس لیے ایسا کہا......''

''اسمارٹ ہونا اچھی بات ہے لیکن ہر جگہ اس سے کام نہیں چلتا۔'' اس کے چہرے پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

میں نے اُس کے چہرے پر شکن کے بجائے مسکراہٹ دیکھی تو میرا دل خوشی سے ناچنے لگا۔

''اچھا اب میرے پیپر کا وقت ہو رہا ہے۔ اللہ حافظ۔'' اس نے کہا اور کالج کی طرف بڑھ گئی۔

میں اس سے مزید کچھ کہنے کی آرزو لیے کھڑا کا کھڑا رہ گیا...... آخر بے دلی سے موٹر سائیکل کا رخ دفتر کی طرف کر لیا۔

دفتر پہنچ کر میرا دل دفتر اور کام دونوں سے بالکل اُچاٹ ہو گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میری کوئی بہت اہم چیز کھو گئی ہے۔ میرے ساتھیوں نے بھی یہ تبدیلی نوٹ کی بلکہ ایک دوست نے تو مجھے گھر جانے کا کہہ دیا کیونکہ اسے میری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ وہ دن بہت [illegible]

☆☆☆

میرے روز مرہ کے معمولات، ترجیحات اور مصروفیات اچانک تبدیل ہو گئی تھیں۔ میں گھر میں نہ ٹکنے والا انسان دو دن سے گھر میں لیٹا ہوا تھا۔ کیونکہ درمیان میں ایک اتوار کی چھٹی تھی اور پچھلے چار دن سے مسلسل مجھے تہمینہ دکھائی نہیں دی۔ اس دن نہ تو مجھے دفتر جانا تھا اور یقیناً تہمینہ کی بھی اس دن چھٹی تھی۔ اس لیے اسے دیکھنے یا ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہونے لگا کہ میرا گھر سے نکلنے کا صرف ایک مقصد ہے، تہمینہ کو دیکھنے جانا۔ اس کے علاوہ گھر سے نکلنا میرے لیے ایک غیر ضروری فعل بن کر رہ گیا تھا...... یہاں تک کہ وارث نے اس تبدیلی کو بہت شدت سے نوٹ کیا۔

''بھائی جان آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟ آپ کل سے اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے ہیں۔ کھانا بھی بہت کم کھایا ہے......'' وارث نے پریشانی سے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہوں میں۔ بس کچھ سستی سی ہے شاید کام کی زیادتی کی وجہ سے...... تم سناؤ تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے......'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''جی سب اچھا ہے...... پڑھائی بھی ایک دم فرسٹ کلاس جا رہی ہے۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

پڑھائی کے معاملے میں وہ اچھا تھا لیکن صرف بے پروا تھا اس لیے پڑھائی کے ذکر سے وہ کنی کتراتا تھا۔

پیر کا دن طلوع ہوا تو میں نے اپنی نئی تبدیل شدہ زندگی کے مطابق بہت جلدی تیار ہو کر دفتر کی راہ لی۔ آج میں نے اپنے حلیے پر بھی خاصی توجہ دی تھی۔ میں نے تہمینہ کی بس کے آنے کا وقت نوٹ کر لیا تھا۔ وہ سات بجے کا وقت ہوتا تھا جب تہمینہ کی بس نکلتی تھی۔ اس لحاظ سے تہمینہ کو پانچ دس منٹ پہلے وہاں موجود ہونا چاہیے تھا۔

مجھے اب یہ بات کافی معیوب محسوس ہو رہی تھی کہ میں تہمینہ کا تعاقب کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھے ہمیشہ ایسے لڑکوں سے بہت نفرت رہی ہے۔ لیکن اب میں.... نے سات بجے سے تیس منٹ پہلے اس بس اسٹاپ کے قریب جا کر موٹر سائیکل روک دی۔ مجھے وہاں کھڑے ابھی تھوڑا وقت ہی ہوا تھا کہ تہمینہ آتی دکھائی دی۔

میری تمام تر حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئیں۔ میں نے جلدی سے سر پر ہیلمٹ پہن کر اپنی شناخت چھپانے کی کوشش کی۔

تہمینہ بڑے پُروقار انداز میں چلتی ہوئی فٹ پاتھ سے سڑک پر اتری۔ وہ دو رویہ سڑک تھی اس کے باوجود تہمینہ نے سڑک پار کرنے سے پہلے دونوں جانب دیکھا۔

ایک لمحے کو مجھے محسوس ہوا وہ مجھے پہچان گئی ہے۔ لیکن وہ مجھے نظر انداز کرتے ہوئے سڑک کی دوسری جانب چلی گئی۔ آج وہ بس سے پہلے یہاں پہنچ چکی تھی اس لیے لیٹ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

تہمینہ کی بس نکلی تو میں نے بھی بے دلی سے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور دفتر کی جانب چل پڑا۔ اب پورے چوبیس گھنٹے مزید انتظار کی سولی پر لٹکتے رہنا تھا...... میں خود پر بہت حیران ہو رہا تھا کہ مجھے اچانک کیا ہو گیا ہے۔ میں اس قدر کسی چیز کو سنجیدہ لینے والا انسان نہیں تھا۔ لیکن تہمینہ مجھے مجبور کر رہی تھی کہ میں اسے سنجیدگی سے سوچوں اور اس کے قریب آنے کی کوشش کروں۔

یہ اگلے دن کی بات ہے۔ تقریباً وہی وقت تھا اور وہی جگہ۔ میں اپنی موٹر سائیکل ایک بل بورڈ کے سائے میں کھڑا کر کے تہمینہ کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ آج پھر لیٹ ہو چکی تھی کیونکہ اس کی بس کو میں گزرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

"بہت بے پروا لڑکی ہے۔ ہمیشہ لیٹ ہو جاتی ہے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

اسی لمحے وہ بوکھلائی ہوئی سڑک کی دوسری جانب سے نکلی اور تیر کی طرح میرے پاس آگئی......

"جلدی کریں...... مجھے پہنچنا ہے کالج۔ لیٹ ہوگئی تو پیپر رہ جائے گا......" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

میں گڑبڑا گیا کیونکہ میں ہنوز ہیلمٹ پہنے ہوئے تھا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا میں یہاں کھڑا ہوں۔" میں نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"جب آپ روز یہاں کھڑے ہو کر حاضری لگوائیں گے تو پتا چل ہی جائے گا نا۔"

"کیا مطلب؟ روز کون کھڑا ہوتا ہے یہاں؟" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا اور موٹر سائیکل کا رخ اس کے کالج کی جانب موڑ دیا۔ وہ تسلی سے میرے پیچھے بیٹھ گئی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے کہ ہیلمٹ پہن لینے سے بندے کی شناخت چھپ جاتی ہے؟"

"پھر تو کافی تیز نظر ہے آپ کی محترمہ۔"

"نظر بھی تیز ہے اور تھوڑی سی عقل بھی ہے کہ چہرہ تو ہیلمٹ میں چھپ جاتا ہے موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ پر بھی کوئی پردہ ڈال دیتے تو شاید کام بن جاتا......"

"اوہ! اب سمجھا کہ آپ نے مجھے نہیں بلکہ میری موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ سے مجھے پہچانا۔ حیرت ہے آپ تو کوئی جاسوس ٹائپ لڑکی لگتی ہیں......"

"جاسوس نہیں محتاط کہیں...... آپ کی موٹر سائیکل کا نمبر میں نے اسی دن نوٹ کر لیا تھا جس دن پہلی دفعہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر کالج گئی تھی اور میسج پر اپنی کالج کی ایک دوست کو بھی بتا دیا تھا......"

"اس کی کوئی خاص وجہ......"

"جی! ہمارے پیارے ملک کے حالات...... بس یہی ایک وجہ ہے۔ ایک جوان لڑکی کسی بھی ایرے غیرے کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چلی جائے اور اگر اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہو جائے تو کسی کو تو علم ہونا چاہیے......"

"اچھا جی؟...... ایرے غیرے لوگوں کے ساتھ دوبارہ موٹر سائیکل پر بیٹھنا تو اچھی بات نہیں۔" میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

تب تک اُس کے کالج کا مین گیٹ آچکا تھا۔

"میں نے اس دن کے متعلق کہا تھا اور اگر ایرا غیرا سمجھتی تو دوبارہ کبھی نہ بیٹھتی......"

اس نے شکوہ کناں نظروں سے مجھے دیکھا اور کالج جانے والی دوسری لڑکیوں کے ساتھ بھیڑ میں گم ہوگئی۔

☆☆☆

اس سے صرف چند دن بعد ہم ایک آئس کریم پارلر میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اس کے چہرے کا رنگ اتنا سرخ ہو چکا تھا کہ جیسے ابھی لہو ٹپک پڑے۔

وہ شرم و حیا سے اپنے آپ میں سمٹتی جا رہی تھی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے...... پلیز جلدی کریں، مجھے کالج چھوڑ دیں......" اس نے لجاجت سے کہا۔

"آئس کریم تو پوری کھا لو......" ہم ایک عوامی تفریحی سینٹر کے آئس کریم پارلر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے یہی ڈر تھا کہ اس کا کوئی جاننے والا اسے یہاں دیکھ لے گا۔ اگر ایسا ہو گیا تو وہ گھر میں اپنی بوڑھی ماں کو کیا جواب دے گی...... کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جرم کے پاداش میں وہ نرسنگ کی ڈگری لینے سے محروم رہ جائے۔ کیونکہ اس کی بوڑھی ماں کا ہر حرف اس کے لیے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے نرس بننے کی خواہش میں ایک بڑا عنصر اس کی بوڑھی اور بیمار ماں تھی۔

ہم نے جلدی سے آئس کریم ختم کی اور اس کے کالج کی جانب روانہ ہو گئے۔

یہ بس چند دنوں کی بات تھی ہم اس قدر قریب آگئے تھے کہ ایک دوسرے کو دیکھے بنا دن گزارنا محال ہو گیا تھا لیکن ہماری [illegible] صرف ایک دوسرے کو دیکھنے اور بات کرنے تک محدود تھی اور ہم دونوں ہی بلحاظ فطرت اسی قبیل کے بندے تھے۔

ہماری یہ معصوم سی پریم کہانی چل رہی تھی۔ اسی دوران تہمینہ نے اچھے نمبروں کے ساتھ نرسنگ کا امتحان پاس کر لیا۔ اب اس کی ایک ہی ضد تھی کہ میں اس کی بوڑھی ماں سے مل لوں......

آخر ایک نیم سرد دوپہر کو میں نے یہ معرکہ بھی سرانجام دے دیا۔

اس کی بوڑھی ماں نے صرف اتنا کہا تھا......

"پتر! میری دھی بہت معصوم ہے...... اسے دنیا کا پتا نہیں۔ سوہنے رب کا واسطہ ہے کبھی اسے دھوکا نہ دینا...... میں تو اور چار دن زندہ رہ لوں گی لیکن میری دھی کی زندگی اجڑ جائے گی......"

ماں جی نے یہ بات بڑے سیدھے انداز میں کہی تھی لیکن اس میں دنیا جہان کا کرب شامل تھا۔ اس لہجے میں ایک ماں کی مامتا اور اپنی اولاد کا درد خاص طور پر جب وہ

بیٹی بھی ہو، شامل تھا اور ایسے ہی کئی ایک تحفظات بھی تھے۔

میں نے سادہ اور مضبوط لہجے میں ماں جی کو یقین دلایا کہ ان کی بیٹی اب محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ اسے کسی سرکاری اسپتال سے جوائننگ لیٹر ملتے ہی ہم شادی کی تیاری شروع کر دیں گے۔

ماں جی نے اپنی بات کا پاس رکھا اور چند ماہ بعد ہی وہ تہمینہ کو چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

بھری دنیا میں وہ اپنی اکلوتی اولاد تہمینہ کو اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔ کسی حد تک وہ پُرسکون ہو گئی تھیں کہ ان کے بعد ان کی بیٹی اکیلی دنیا کا سامنا نہیں کرے گی بلکہ اس کے ساتھ میرے جیسا ایک مضبوط سہارا موجود ہوگا۔

تہمینہ کے لیے یہ سانحہ بہت بڑا تھا۔ وہ ایک ہفتے تک بالکل گم صم رہی۔ محلے کے بزرگوں اور عورتوں نے اس کی دلجوئی کی کوشش کی۔ اس دوران میں نے ان سے اپنا تعارف اس کے منگیتر طور پر کروا دیا تھا۔ اس لیے لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ماں جی کے چہلم کے بعد فوراً اس سے شادی کر لوں تا کہ اس کا دکھ بانٹ سکوں۔

ماں جی کی موت کے بعد ایک ماہ تک تہمینہ ذہنی و قلبی طور پر [illegible] لیکن پھر [illegible] زندگی کی جانب آنا شروع ہوئی۔

https://www.urdutubes.com/

ایسی ہی ایک بر فیلی شام کو اس نے مجھ سے ایک سوال کیا......

"حارث تم مجھ سے شادی کرو گے نا......" اس کے لہجے میں خوف پوشیدہ تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟ تم سے شادی نہیں کروں گا تو اور کس سے کروں گا؟ تمہیں میری نیت پر کوئی شک ہے؟"

"نہیں مجھے کوئی شک نہیں لیکن اس پوری دنیا میں اب اماں کے بعد صرف ایک تمہارے ساتھ ہی میرا تعلق ہے...... مجھے نہیں علم میرا کوئی رشتے دار ہے یا نہیں...... بس اماں نے بتایا تھا ہم کسی دیہی علاقے سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ میری اماں اور ابا نے پسند کی شادی کی تھی۔ ان کی برادری نے ان کا حقہ پانی بند کر کے ان کو گاؤں بدر کر دیا تھا۔ ابا نے یہاں آکر تیس سال محنت کی اور یہ تین مرلے کا ایک گھر بنایا اور ایک سال سے بھی کم عرصہ اس میں رہے پھر ہمیں چھوڑ گئے۔ اماں نے اچھے وقتوں میں ابا کی کمائی سے کچھ بچت کر کے رکھی تھی۔ وہ انہوں نے ایک سود سے پاک اسلامی بینک میں فکس ڈیپازٹ کروا دی...... بہت لوگوں نے کہا یہ صرف نام کا ڈھکوسلا ہے ورنہ اس پر ملنے والا نفع بھی سود ہی ہے۔ اس سے بہتر ہے وہ پیسے نکال کر کوئی اور کاروبار کر لے۔ لیکن اماں کو پتا تھا وہ اکیلی جان تھیں اور میری پرورش اور پڑھائی کا خرچہ وہ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے پورا نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ کاروبار کی الف ب بھی ان کو نہیں پتا تھا۔ بس یہ ارد گرد وہ لوگ تھے جو وہ پیسہ ہضم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں ان سب لوگوں کو کہہ دیا کہ وہ اپنی بیٹی کا مستقبل سنوارنا چاہتی ہیں۔ وہ کبھی نہیں چاہیں گی کہ کل مجھے کچھ ہو جائے اور لوگ ان کی بیٹی کو زندہ رہنے کے لیے جسم فروشی پر مجبور کر دیں تب اس کے لیے وہ سب حلال ہو گا جو تم لوگ مجھے حلال حرام سکھا رہے ہو......"

تہمینہ نے تھوڑا توقف کیا اور پھر گویا ہوئی۔ "اب میں اس تین مرلے مکان اور چند لاکھ روپیہ کی اکیلی مالک ہوں اور چند دن تک میری سرکاری اسپتال میں نوکری بھی لگ جائے گی...... اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے، پیسے کی یا کوئی اور لالچ ہے تو پلیز ابھی بتا دو۔ میں بینک سے سارے پیسے نکال کر تم کو دے دوں گی۔ اب میں اس پر حلال منافع یا سود نہیں لوں گی...... کیونکہ میری اپنی نوکری لگ جائے گی، میرا گزارا ہو جائے گا...... لیکن زندگی کے کسی موڑ پر تم نے مجھے دھوکا دیا یا مجھے لگا تم نے میرے ساتھ کھیل کھیلا ہے تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گی اس لیے جو فیصلہ کرنا ہے سوچ سمجھ کر کر لینا......"

میں اُسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے لگا تھا وہ ابھی دنیا کا سرد و گرم نہیں جانتی...... ابھی اس کے عام لڑکیوں کی طرح خواب ہوں گے۔ کوئی سپنوں کا شہزادہ، اچھے کپڑے، میک اپ، جیولری اور کھانا پینا...... اس سے آگے بھلا وہ کہاں سوچتی ہوگی؟

لیکن اس نے میرے سارے اندازوں کو ایک جھٹکے میں زمیں بوس کر دیا۔ میں جذباتی ہو گیا اور میں نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے۔

"تہمینہ! میں کوئی دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن یہ یاد رکھنا میں ساری زندگی تم کو کبھی دھوکا نہیں دوں گا۔ میری ادھوری زندگی میں ایک صرف تمہاری کمی تھی جو اب پوری ہو چکی ہے۔ ہم جلد ہی شادی کر کے ایک دوسرے کے دکھوں اور محرومیوں کا مداوا کریں گے...... بس مجھ پر بھروسا رکھنا۔"

میری آنکھوں میں نمی دیکھ کر تہمینہ کو میرے جذبات کی صداقت کا یقین آگیا۔ وہ میرے بازوؤں کے حلقے میں

Digitized by Google

آ کر سمٹ گئی گویا اسے اپنے تحفظ کا یقین ہو چکا تھا۔

☆☆☆

پورے دس دن بعد وہ سرکاری اسپتال میں بطور اسٹاف نرس اپنی ڈیوٹی جوائن کر چکی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا ایک یادگار دن تھا اس لیے ہم دونوں نے اس دن کو بہت خاص بنایا۔ ایک ساتھ رات کا کھانا کھایا اور ایک سینما میں رات دیر تک فلم دیکھی۔ اس کے اندر ابھی بھی ایک چھوٹی سی بچی چھپی ہوئی تھی۔ جو اس طرح کے موقع پر اکثر باہر آجایا کرتی تھی...... ماں جی کی وفات کے بعد آج وہ اتنا کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

میں اسے دیکھ کر ہی خوش تھا۔ اور مجھے اب واقعی فکر ہونے لگی۔ میں نے گھر کی حالت ذرا بہتر کرنا شروع کر دی تھی۔ کیونکہ میں اور وارث دونوں بالکل ویسے ہی رہتے تھے جیسے کنوارے لڑکے ہاسٹلز میں رہتے ہیں۔ ہر طرف بے ترتیبی نمایاں تھی لیکن چند دن سے میں نے گھر پر توجہ دینی شروع کر دی تھی۔

''چلیں بھابی جان کی وجہ سے کچھ تو بہتری آئی ہمارے گھر میں......'' وارث نے شرارتاً کہا۔

''رک جا۔ وہ گھر آئے گی تو سب سے پہلے تمہاری بہتری پر توجہ دے گی۔ جو بھنگیوں جیسا حلیہ بنائے پھرتے ہو......''

''بھائی جان، مجھ سے پہلے وہ آپ کو ہی مشقِ ستم بنائیں گی۔ پریشان مت ہوں......''

''لگ جائے گا پتا کون مشقِ ستم بنتا ہے؟'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

ہم دونوں بھائیوں میں اکثر تہمینہ کو لے کر ہلکی پھلکی گفتگو چلتی رہتی تھی۔ وارث مجھے تہمینہ کے حوالے سے تنگ کرتا تھا اور اچھا لگنے کے باوجود میں اسے ڈانٹ کر منع کیا کرتا۔

زندگی بہت اچھی جا رہی تھی۔ کیونکہ منزل اور راستہ دونوں ایک ساتھ ہی سامنے آگئے تھے اس لیے میری زندگی کے وہ دن انتہائی یادگار تھے۔

تہمینہ اپنے کام میں اتنا مگن ہو چکی تھی جیسے وہ بنی ہی اس لیے ہو...... اس نے اپنے اکیلے پن اور رشتوں سے دوری کا مداوا مریضوں کی خدمت میں ڈھونڈ لیا تھا۔ وہ ہر ایک کی آنکھ کا تارا بن چکی تھی۔ دوسرا اس کی سادگی اور ملکوتی حُسن...... دیکھنے والے اسے دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتے تھے۔ اور آتے جاتے ہوئے کوئی نہ کوئی فقرہ کس دیتے لیکن وہ ساری دنیا سے بے نیاز دکھائی دیتی تھی۔ لوگ کیا کہتے ہیں، لوگ کیا سوچتے ہیں وہ ان چیزوں پر دھیان نہیں دیتی تھی۔ اُسے اپنے کام سے عشق تھا اور وہ اِسے پیشے سے زیادہ جنون سمجھ کر نبھا رہی تھی۔

وہ مہینے میں دو ہفتے ڈبل شفٹ میں کام کرتی تھی۔ اس نے خود کو مصروف رکھنے کا ایک بہترین حل ڈھونڈ لیا تھا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے ہماری ملاقاتیں ذرا کم ہونے لگی تھیں لیکن اس سے ہماری محبت اور چاہت میں ذرّہ برابر فرق نہیں آیا۔

ایک دو بار میں نے گلہ کیا تو اس نے کہا......

''حارث! مجھے اس کام میں بہت سکون ملتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں اپنے اماں اور ابا کی خدمت کر رہی ہوں...... خالی گھر مجھے کاٹنے کو دوڑتا ہے...... تم بھی اپنا گھر ابھی ٹھیک کروا رہے ہو۔ اس لیے ہم فوری شادی نہیں کر سکتے۔ اب تو میں نے آئی سی یو میں ڈیوٹی کے لیے بھی درخواست دے دی ہے۔ تو جب تک شادی نہیں ہوتی، مجھے اجازت دو کہ میں ان لوگوں کی خدمت کر سکوں۔ شادی کے بعد تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میرا وعدہ۔''

''جی شادی کے بعد اس مریضِ عشق پر ہی توجہ دینی پڑے گی۔ ورنہ مرض بڑھتا ہی جائے گا......'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

لیکن پھر ہماری محبت کو زمانے کی نظر لگ گئی...... ہماری پریم کہانی میں ایک عدد ولن کی کمی تھی جو ڈاکٹر دانیال کی صورت میں مکمل ہو گئی۔

☆☆☆

ڈاکٹر دانیال فارن کوالیفائیڈ تھا۔ اس لیے اسپتال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اسے ایمرجنسی شعبے کا انچارج بنا دیا گیا۔ ایک اس کی تعلیم اور تجربہ، دوسری چیز اس کا سیاسی پس منظر بہت مضبوط تھا۔ اس نے چند ہفتوں میں ہی پورے اسپتال میں اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا۔

وہ اتنا وجیہہ تھا کہ اس کی ساتھی خواتین ڈاکٹر اسے حسرت اور مرد حضرات حسد کے ساتھ دیکھ کر آہیں بھرتے تھے۔ اسٹاف روم میں نرسوں سے لے کر ڈاکٹر اور وارڈ بوائے تک سب کی زباں پر اسی کا چرچا تھا۔

وہ ان سب باتوں سے پوری طرح واقف تھا۔ اسے اپنی وجاہت اور قابلیت پر پورا یقین تھا اس لیے جب وہ کسی لڑکی کی طرف تھوڑی سی توجہ دیتا، وہ پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آگرتی...... وہ ایک فاتح تھا۔ اس

کی ہر نئی تسخیر اس کی گزشتہ فتوحات کو ماند کر دیتی تھی۔ وہ بھونرا صفت تھا اور چمن میں کھلنے والے ہر پھول پر اپنا حق سمجھتا تھا۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ تہمینہ کا ملکوتی حُسن اور سادگی اس کی نظروں سے چھپی رہتی...... یہیں سے اس معصیت بھری گھڑی کا آغاز ہوا۔

اس دن ڈاکٹر دانیال نے خصوصی طور پر تہمینہ کی ڈیوٹی اپنے ساتھ لگائی تھی۔ انچارج ہونے کی وجہ سے یہ اس کے لیے ایک بہت عام سی بات تھی۔ ڈاکٹر دانیال نے اپنی خوبصورت شخصیت اور باتوں سے تہمینہ کو کریدنے کی کوشش کی لیکن وہاں ایک واضح گریز اور بے نیازی کا احساس پا کر اس کی انا کو شدید ضرب لگی۔

ڈاکٹر دانیال خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایک مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی لڑکی جو ایک معمولی اسٹاف نرس کے طور پر کام کرتی ہے، اسے اس طرح نظر انداز کرے گی۔

یہی بات اس کی ضد بن گئی کہ وہ ہر حال میں تہمینہ کو حاصل کر کے رہے گا۔

اس کی وجاہت، مضبوط سیاسی اور معاشی بیک گراؤنڈ [illegible] یقہ واردات بدل لیا۔ تہمینہ کو اپنے دفتر بلا کر اس نے بلا تمہید کہا۔

https://www.urdutubes.com/

''تہمینہ...... شاید تمہیں عجیب لگے یا مجھے تم غلط سمجھو، لیکن یہ سچ ہے مجھے تم سے محبت ہو چکی ہے...... اور میں تمہارے بغیر اب اپنی زندگی کو ادھورا تصور کرتا ہوں......''

تہمینہ کے اندر ایک بہت بڑا زلزلہ نمودار ہوا۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کمالِ سادگی سے صرف اتنا کہا۔

''بہت شکریہ سر! لیکن میں اب کسی کی منگیتر ہوں اور یہ میری پسند کی منگنی ہے......''

وہ صرف اتنا کہہ کر اس کے دفتر سے نکل آئی۔

☆☆☆

تہمینہ اس کے دل و دماغ پر بُری طرح سوار ہو چکی تھی۔ لوگوں نے ڈاکٹر دانیال کو پہلی مرتبہ اپنے جونیئر اسٹاف پر چلّاتے ہوئے دیکھا۔ اس کی شیو کئی دن تک بڑھی رہتی۔ لیکن یہ محبت نہیں تھی۔ بلکہ اس کی شکستہ انا کا ردِعمل تھا، وہ بھی ایک معمولی سی لڑکی کی بدولت...... وہ جب تک اس سے حساب بے باق نہ کر لیتا چین سے بیٹھنے والا نہیں تھا......

اس کا بڑا بھائی عارب خان ایک پُراثر سیاسی شخصیت تھا۔ اس کی پہنچ اور سیاست دونوں سے علاقہ پناہ مانگتا تھا اور کبھی کوئی اس کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اپنے علاقے کا بے تاج بادشاہ تھا۔

تنگ آ کر ڈاکٹر دانیال نے اپنی اس اُلجھن کا ذکر عارب خان سے کیا...... عارب خان نے حسبِ عادت کہا۔

''کل رات ہی اس لڑکی کو اٹھا کر یہاں لے آتے ہیں...... ساری پریشانی ... دور ہو جائے گی۔''

لیکن ڈاکٹر دانیال جیسا نفاست پسند اور حُسن پرست انسان اس طریقے کے حق میں بالکل نہیں تھا۔ وہ تہمینہ کو اس کی مرضی سے حاصل کرنا چاہتا تھا کہ وہ خوشی سے نہ سہی لیکن خود ہی اسے اپنا آپ سونپ دے۔ تاکہ اس کی زخمی انا کی تسکین ہو سکے۔

یہاں اس کا ذہن میری طرف سوچنے پر مجبور ہوا۔ چونکہ میں تہمینہ کا منگیتر ہونے کا دعوے دار تھا اور جلد یا بدیر ہم شادی کرنے والے تھے۔

ڈاکٹر دانیال نے ہر طرح سے تسلی کر لی تھی لیکن اسے تہمینہ کی کوئی کمزوری نہیں ملی تھی جس کا وہ استعمال کر کے اسے مجبور کر سکتا۔ لہٰذا اس کے لیے سب سے آسان ٹارگٹ میں ثابت ہوا۔ اس نے تہمینہ سے کہا۔

''میں تمہارے منگیتر سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں سر؟ آپ کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

''میں اس خوش نصیب کو دیکھنا چاہتا ہوں جس کی قسمت نے اسے بیٹھے بٹھائے تم جیسی دولت عطا کر دی......''

''معذرت سر! لیکن میں یہ ضروری نہیں سمجھتی...... ویسے بھی وہ فارغ نہیں۔ پرائیویٹ نوکری کرتا ہے۔''

''چلو میں خود ہی کسی دن مل لوں گا......'' ڈاکٹر دانیال نے تہمینہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

تہمینہ نے پہلے مجھے کبھی اس کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی میرا ردِعمل شدید بھی ہوگا اور شاید بچکانا بھی...... کیونکہ میں اسے پاگل پن کی حد تک چاہتا تھا۔ اس لیے میں ڈاکٹر دانیال سے اُلجھنے سے گریز نہ کرتا مگر تہمینہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر دانیال کی حیثیت و مرتبہ کیا ہے اور کیا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس نے مجھے ان سب معاملات سے دور رکھا تھا۔

مگر اب حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ ڈاکٹر دانیال مجھ تک پہنچتا، تہمینہ نے مجھے اعتماد میں لے کر

Digitized by Google

اور بہت ساری قسمیں دے کر ساری بات بتادی۔

ہم اس وقت ایک نئے ریسٹورنٹ کے کارنر ٹیبل کی نیم تدھم روشنی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود تہمینہ کو میرے چہرے کی سرخی بہت واضح دکھائی دی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بہت سی قسمیں دیں اور وعدے لیے کہ میں کوئی انتقامی کارروائی نہ کروں۔ اور اگر وہ ملنے کی کوشش کرے بھی تو اس سے نہ ملوں...... کیونکہ ہم ان سے نہیں اُلجھ سکتے وغیرہ وغیرہ۔

میں نے بہت مشکل سے اپنے اندرونی خلفشار پر قابو پایا اور تہمینہ کو یقین دہانی کروائی کہ جیسا وہ کہے گی ویسا ہی کروں گا...... وہ قدرے مطمئن نظر آنے لگی۔

☆☆☆

میری اور تہمینہ کی ملاقات کے تیسرے روز ہی مجھے دفتر میں سیکیورٹی گارڈ نے مطلع کیا کہ جنرل منیجر صاحب نے طلب کیا ہے۔ یہ میری نوکری کا پہلا واقعہ تھا کہ مجھے ڈائریکٹ جنرل منیجر صاحب نے طلب کیا ہو۔ میں دل ہی دل میں ان دنوں ہونے والی چھوٹی موٹی غلطیوں کا سوچنے لگا۔ چند منٹ بعد میں جنرل منیجر اجمل باجوہ صاحب کے کمرے میں تھا۔ وہاں ایک عدد اور شخص بیٹھا تھا جس کی وجاہت اور پرسنالٹی میں کوئی کلام نہیں تھا۔

''آؤ حارث! کیسے ہو؟ کام کیسا چل رہا ہے؟'' باجوہ صاحب نے رسماً پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے سر! سب اچھا چل رہا ہے......''

''اِن سے ملو...... یہ ڈاکٹر دانیال خان ہیں...... ہمارے بہت پرانے کرم فرما عارب خان صاحب کے بھائی......''

اچانک مجھے ایسا لگا کمرے کی چھت میرے سر پر آن گری ہے...... اور یہ کمرا گھوم رہا ہے...... مجھے باجوہ صاحب کی آواز کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو ڈاکٹر دانیال نے مسکراتے ہوئے میری طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہوا تھا۔

میں نے بے خودی کے عالم میں ڈاکٹر دانیال سے مصافحہ کیا— اس کا ہاتھ نرم اور گداز تھا...... میں نے لاشعوری طور پر اس کا ہاتھ تھوڑا زیادہ دبا دیا— جب میں نے اس کا ہاتھ چھوڑا تو اس کی زرد ہوئی انگلیوں میں دوبارہ خون کی روانی شروع ہو گئی۔ اسے میری یہ جرأت بہت گراں گزری لیکن وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''یہ تم سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں...... میں ذرا ایک میٹنگ کے لیے جا رہا ہوں۔ امید ہے ڈاکٹر صاحب کو تم اچھی کمپنی دو گے......'' باجوہ صاحب نے ہم دونوں کو تنہائی فراہم کرنے کا اچھا بہانہ تراشا تھا۔

باجوہ صاحب کے جاتے ہی ڈاکٹر دانیال کی نیلی اور سرد آنکھیں مجھ سے ٹکرائیں۔ ایک لمحے کو مجھے وہاں نفرت، غصہ اور حقارت نظر آئی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے انتہائی بے تکلفی سے کہا۔

''یار! بہت سخت جان ہو تم۔ قسم سے میرا ہاتھ ابھی تک دکھ رہا ہے......''

''مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟'' میں نے اس کی بے تکلفی کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''شاید تم جانتے ہو...... اور اگر نہیں جانتے تو اب جان لو......''

''پہیلیاں نہ سناؤ...... جو کہنا ہے صاف صاف کہو......''

''صاف بات تو پھر ایک ہی ہے...... تم جیسا انسان تہمینہ کو کیا دے سکتا ہے؟ صرف چند ہزار کی نوکری کرنے والا انسان اپنے معاشی مسائل حل کرے گا یا اس کی خواہشیں پوری کرے گا...... بہتر تو یہی ہے تم خود سوچو کیا تہمینہ جیسی لڑکی کو تمہاری اس نچلے درجے کی زندگی میں شامل ہونا چاہیے؟ [illegible]''

''ڈاکٹر دانیال! یہاں کوئی فلم نہیں چل رہی کہ تم اپنی دولت کی چمک دمک دکھا کر مجھے یا تہمینہ کو ورغلا لو گے...... اور نہ ہی کوئی خوف یا لالچ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر سکتا ہے...... میں اسے کیا دے سکتا ہوں اور وہ میرے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے...... یہ سب ہم ایک دوسرے کو بہت پہلے سے بتا چکے ہیں اس لیے بہتر ہوگا تم آئندہ ہم دونوں سے دور رہو۔''

''ارے یار! تم تو خاصے جذباتی انسان ہو لیکن میرے دوست! جذبات کے ساتھ زندگی نہیں گزرتی...... کیا تم نہیں چاہتے کہ تہمینہ کی زندگی کسی شہزادی کی طرح گزرے۔ تمہارے سر پر بھی تو کافی ذمے داری ہے۔ تمہارا چھوٹا بھائی...... کیا نام ہے اس کا...... ہاں وارث...... اس کی تعلیم اور شادی۔ کہیں وہ کالج میں کسی غلط سرگرمی میں پڑ کر اپنی جان گنوا بیٹھا تو؟ تمہیں ٹھنڈے دل کے ساتھ سب سوچنا چاہیے......''

میں اس کی بات سن کر اندر تک لرز گیا۔ وہ میرے متعلق سب جانتا تھا اور وہ جو امکانات ظاہر کر رہا تھا، ان سب امکانات کو حقیقت کی شکل دینے میں اسے کوئی دقت پیش نہ آتی۔ میری نظروں میں اپنے چھوٹے بھائی وارث کا سراپا گھوم گیا...... میری کُل کائنات ہی تہمینہ اور وارث تھے۔ ان کے سوا میں اور کیا سوچ سکتا تھا لیکن میں نے خود کو کمزور ظاہر کیے بنا ڈاکٹر دانیال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر وارث یا تہمینہ کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو میں تم پر یہ زمین تنگ کر دوں گا ڈاکٹر۔ میرے پاس کھونے کے لیے بس یہی دو رشتے ہیں۔ اور تم نے ان دونوں میں سے کسی کو چھیننے کی کوشش کی تو میں تمہاری زندگی کو قابلِ رحم بنا دوں گا......''

''نہیں دوست! میں ان کو نقصان پہنچانے کے حق میں بالکل نہیں...... یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں تم سب کا بھلا چاہتا ہوں...... ورنہ بھائی جان عارب کو تم جانتے ہو۔ وہ شام ہونے سے پہلے پہلے مجھے وہ سب فراہم کر سکتے ہیں جس کی مجھے خواہش ہو...... لیکن میں تہمینہ سے محبت کرتا ہوں۔ سچی محبت...... اس لیے میں تم کو رضاکارانہ طور پر پیچھے ہٹنے کا کہہ رہا ہوں......''

اس کے لہجے میں فرعونیت بھری ہوئی تھی کہ وہ کسی چیز کو بھی شام سے پہلے حاصل کر سکتا ہے......

[illegible] تہمینہ کو نہیں...... یہ بات یاد رکھنا......'' میں نے غصے سے کہا اور دفتر سے باہر آ گیا۔ میرا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اسی لیے میں نے اسی وقت چھٹی کی اور گھر آ گیا۔

اگلے دن آفس جاتے ہوئے میری موٹر سائیکل ساتھ جاتی ایک کار سے ٹکرائی۔ مجھے معمولی سی چوٹ آئی تھی لیکن پتا نہیں کس نے ایک ایمبولینس بلا لی۔ انہوں نے مجھے اسٹریچر پر لٹا کر انجکشن لگایا اور میں فوراً نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

میری آنکھ کھلی تو میں اس حالت میں تھا...... جو ابھی تک مجھ پر طاری تھی...... یعنی میں ابھی تک مفلوج بدن کے ساتھ اس سفید اور بے داغ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔

مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ وقت ایک جگہ رک گیا ہے۔ ذہن میں چلنے والے سارے واقعات اب آپس میں گڈمڈ ہونا شروع ہو گئے تھے...... پھر شاید میں دوبارہ نیند کی وادی میں داخل ہو رہا تھا۔

☆☆☆

میں غنودگی کے عالم میں تھا جب مجھے ایسا لگا کوئی میرے سر پر بہت شفقت سے ہاتھ پھیر رہا ہے۔ میں نے اپنی آنکھیں نیم وا کیں تو مجھے ایک دھندلا سا عکس دکھائی دیا۔ میں نے کوشش سے اس دھندلے عکس کو فوکس کیا تو مجھے تہمینہ کا پریشان چہرہ دکھائی دیا۔

''تہمینہ...... تم...... یہاں...... کیسے؟'' میں نے بمشکل کہا، میری توانائی اور تمام تر حسیات ابھی بحال نہیں ہوئی تھیں۔

''آرام سے لیٹے رہو...... تمہارا شاید ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا — وہ تو اچھا ہوا کہ جس گاڑی کے ساتھ تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا۔ اس نے خود تمہیں اسپتال پہنچا کر ہمیں اطلاع کر دی۔ تم کل شام سے بے ہوش پڑے تھے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا......'' وہ انتہائی فکرمند لہجے میں بول رہی تھی۔

''وارث کہاں ہے؟'' میں نے اس سے فوراً سوال کیا۔

''باہر لابی میں بیٹھا ہے۔ کل شام سے حرام ہے اگر اس نے کھانے کے نام پر ایک لقمہ بھی لیا ہو...... ابھی جا کر بھیجتی ہوں اسے۔ خود ہی اسے سمجھا دینا۔''

وہ یہ کہہ کر باہر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد میں نے وارث کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔

اس کے بال بکھرے ہوئے اور بے ترتیب تھے' آنکھیں بھی سرخ تھیں۔ وہ یقیناً رات بھر جاگتا رہا تھا۔

''یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے تم نے؟...... کہیں عشق کے چکر میں تو نہیں پڑ گئے یار......'' میری حالت اب کافی بہتر ہو گئی تھی۔ اس لیے میں نے اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے ایسا بے تکلفانہ لہجہ اپنایا۔

''بھائی! آپ کو پتا ہے نا کہ آپ میرے لیے کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ پوری دنیا میں آپ کے سوا میرا کون ہے؟ لیکن آپ اتنی بے احتیاطی کے ساتھ کیوں بائیک چلاتے ہیں؟'' وہ روہانسے لہجے میں بولا۔

''تم بھی کیا لڑکیوں کی طرح فکرمند ہو رہے ہو...... روڈ پر آتے جاتے چھوٹے موٹے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔'' اسے یہ کہہ تو دیا تھا لیکن مجھے وہ وقت یاد آیا جب میں مفلوج ہو کر بستر پر پڑا تھا۔

میں نے غیر اختیاری طور پر اپنے ہاتھ پیر ہلا کر دیکھے۔ وہ میری مرضی اور ارادے کے مطابق ہل رہے تھے۔ میں نے سکون کا سانس لیا...... اس وقت میں بول بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر تہمینہ اور وارث دونوں کے ساتھ میں

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

نے تھوڑی بہت گفتگو کی تھی مگر اس وقت میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی — وہ سب یاد آتے ہی میں نے اپنی تسلی کرنا ضروری سمجھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد تہمینہ پھر آ گئی۔ وارث بھی کمرے میں تھا۔ وہ دونوں مجھے احتیاط سے بائیک چلانے اور پتا نہیں کیا کیا کرنے کی نصیحتیں اور مشورے دے رہے تھے لیکن میرا ذہن تب سے صرف ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ ہم ڈاکٹر دانیال کی شیطانی نظروں سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں — ہم یہ شہر چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے...... اور بالفرض محال ایسا کرتے بھی تو مجھے نوکری اور تہمینہ دونوں سے ہاتھ دھونے پڑتے اور اس کے باوجود جلد یا بدیر ان کے شکنجے میں آ جاتے —

میں نے اسپتال کے بستر پر لیٹے لیٹے ایک بہت بڑا فیصلہ لیا۔ یہ ایک بہت بڑا فیصلہ تھا۔ مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ تہمینہ اس بات پر راضی ہو گی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

اس لیے میں نے خود کو تہمینہ کے ممکنہ ردِعمل کے لیے تیار کر لیا تھا۔ مجھے ان دونوں کی باتیں بیک گراؤنڈ میں چلتی مدھم موسیقی کی طرح محسوس ہو رہی تھیں۔ سب سے مشکل اور آخری مرحلہ تہمینہ اور وارث سے بات کرنے کا تھا...... لیکن اس سے پہلے مجھے ایک دفعہ ڈاکٹر دانیال سے ملاقات کرنی تھی۔

☆☆☆

مجھے اسی سہ پہر اسپتال سے چھٹی مل گئی تھی۔ وارث اور تہمینہ دونوں میرے ساتھ گھر آ گئے تھے۔ میرے سر اور کندھے پر معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا تھا کہ میرا ایکسیڈنٹ حقیقی لگے...... میں نے تہمینہ اور وارث کو بالکل ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ میرے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھا — شام سے کچھ دیر پہلے تہمینہ اسپتال واپس چلی گئی، وہ آج نائٹ شفٹ میں کام کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر دانیال سے کیسے اور کہاں ملوں؟...... لیکن میری مشکل خود ہی آسان ہو گئی۔ مجھے موبائل پر ایک اجنبی نمبر سے کال آ رہی تھی۔

میں نے فون اٹھایا تو دوسری طرف ڈاکٹر دانیال تھا۔

"کیسے ہو دوست...... امید ہے اچھا محسوس کر رہے ہو گے......"

"میں ٹھیک ہوں۔ مجھے آج ہی تم سے ملنا ہے، بتاؤ کہاں ملو گے؟"

"دیکھو! اگر غصے میں ہو تو یہ ملاقات پھر کسی وقت پر رکھ لیتے ہیں...... کیونکہ میں نہیں چاہتا تمہاری بلاوجہ درگت بنے......" ڈاکٹر دانیال نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ مجھے کوئی غصہ نہیں...... بس میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ سارا معاملہ جلد از جلد ختم ہو جائے......"

"بہت خوب! یہ تم نے سمجھ داری کی بات کی ہے۔ ایسا کرو میرے پرائیویٹ کلینک آ جاؤ...... میں کچھ ہی دیر میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

ڈاکٹر دانیال نے اپنے کلینک کا پتا بتایا...... میں بائیک نکال رہا تھا کہ وارث آ گیا۔

"بھائی! آپ پھر بائیک پر کہیں جا رہے ہیں۔ آج ہی تو واپس آئے ہیں اسپتال سے۔ کچھ دن تو آرام کریں۔"

"تم لوگوں کے آرام کی خاطر ہی جا رہا ہوں...... بے فکر رہو میں جلدی واپس آ جاؤں گا......"

یہ کہہ کر میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور گھر سے نکل گیا۔ میرا رخ ڈاکٹر دانیال کے کلینک کی طرف تھا۔ ڈاکٹر دانیال کا کلینک میری توقع کے عین مطابق کلینک کم اور کسی ماڈلنگ ایجنسی کا دفتر معلوم ہو رہا تھا...... ویسے بھی وہ کلینک [illegible]
محل... شاید بتا دیا گیا۔ اس لیے گیٹ پر نام بتاتے ہی اس نے مجھے سامنے کے بجائے ایک بغلی دروازے سے اندر بھیج دیا......

یہ کمرا ڈاکٹر دانیال کے خصوصی مہمانوں کے لیے آراستہ تھا۔ آج میں بھی اس کا ایک مہمان تھا خصوصی نہ سہی عمومی ہی سہی...... وہ بیس منٹ کی تاخیر کے بعد کمرے میں داخل ہوا۔

"حارث...... میرے دوست کیسے ہو...... تمہیں انتظار کرنا پڑا۔ مجھے افسوس ہے لیکن مجھے تھوڑا ضروری کام تھا......" اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

اس کی مصروفیت شرٹ کے کالر پر لگی لپ اسٹک اور شرٹ کے بٹنوں میں الجھے لمبے بالوں سے صاف پتا چل رہی تھی...... ایک لمحے کو میں اپنے فیصلے پر ڈگمگایا لیکن پھر مجھ پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو اسپتال کے بیڈ پر لیٹے لیٹے ہوئی تھی...... میں اس فیصلے پر ہر صورت قائم رہنا چاہتا تھا......

"ڈاکٹر دانیال! تم نے مجھ سے میری زندگی سے وہ

چیز مانگی ہے جس کے بنا میرا وجود کچھ بھی نہیں...... لیکن میں اس بے رحم دنیا میں اکیلا اور بے یار و مددگار ہوں — میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔ لیکن میری کچھ شرائط ہیں......" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا......

"ہاں ضرور۔ تم اپنی شرائط بتاؤ۔ مجھے امید ہے تم کوئی بے وقوفی کی بات نہیں کرو گے اور جہاں تک ہو سکا میں تمہاری ساری شرائط اور تحفظات کو دور کرنے کی کوشش کروں گا......" اپنی فتح سامنے نظر آنے پر وہ ایک دم ہی ایک نفیس اور مہذب انسان بن گیا۔

ہم دو گھنٹے تک مسلسل اسی کمرے میں اپنے درمیان ہونے والے معاہدے کی تمام شقوں پر بحث کرتے رہے...... کچھ پر ڈاکٹر دانیال نے اعتراض کرنا چاہا۔ لیکن میں ہر طرح کے اعتراضات کا سوچ کر آیا تھا...... اس لیے تقریباً میری ساری شرائط اس نے مان لیں...... اس نے وعدہ کیا کہ اگلے ایک ہفتے کے اندر اندر اسے ان سب شرائط پر عمل ہوتا بھی نظر آ جائے گا۔

میں بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے اٹھا۔ میری آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے لیکن میں نے ڈاکٹر دانیال کے سامنے خود کو کمزور ظاہر نہیں کیا۔ سڑک پر آتے ہی [illegible] تھا...... اور ساتھ ہی ایک ہاتھ سے اپنے آنسو بھی پونچھتا جاتا تھا...... میں نے شاید اپنی زندگی کا سب سے بھیانک اور سخت ترین فیصلہ کیا تھا۔

☆☆☆

تھپڑ کی شدت اور آواز اتنی زیادہ تھی کہ دوسرے کمرے میں موجود وارث بھاگتا ہوا آ گیا۔

"کیا ہوا بھائی؟ بھابی یہ سب کیا ہے......" اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں کیونکہ یہ تھپڑ کسی اور کو نہیں بلکہ مجھے مارا گیا تھا اور ہاتھ ابھی تک گال پر موجود تھا۔

یہ تہمینہ کا ردِعمل تھا...... مجھے اس سے بھی زیادہ کی توقع تھی۔ لیکن وہ پہیلی جیسی لڑکی تھی شاید۔ جس کو میں آج تک نہیں سمجھ پایا تھا۔ اس نے وارث کے سوال کو نظرانداز کیا اور اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر روتی ہوئی چلی گئی۔

وارث اس کے پیچھے جانے لگا تو میں نے روک لیا۔

"اس کے پیچھے مت جاؤ۔ وہ اب نہیں آئے گی......"

"کیوں بھائی؟ ایسی کیا بات ہو گئی...... اگر آپ دونوں کے درمیان کچھ اختلاف ہوا بھی ہے تو میں وہ سب کچھ ٹھیک کر دوں گا...... بھابی کو کسی بھی طرح منا کے لے آؤں گا......"

"کہہ دیا نا کہ وہ اب نہیں آئے گی اس لیے تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو...... تمہیں ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔" میں نے غصے سے کہا۔

وہ وہاں سے جانے پر آمادہ نہیں تھا لیکن میرا بدلا ہوا رویّہ اور لہجہ دونوں کارگر ثابت ہوئے۔ وہ غصے سے پیر پٹختا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

مجھے ایک دم ایسے محسوس ہوا جیسے میرا آدھا وجود کوئی ساتھ لے گیا ہو۔ اور شاید ہوا بھی یہی تھا...... تہمینہ اب مجھے اپنے وجود کا حصہ ہی محسوس ہونے لگی تھی لیکن اچانک اس کو اپنی زندگی سے الگ ہوتا دیکھ کر مجھے اپنا آپ ادھورا لگ رہا تھا لیکن میرے پاس اس کے سوا کوئی اور حل بھی نہیں تھا۔ یہی ایک صورت تھی جس سے ہم دونوں کی زندگیاں برباد ہونے سے بچ سکتی تھیں اور وارث کا مستقبل محفوظ ہو سکتا تھا......

تہمینہ کے جانے کے ٹھیک تین دن بعد وارث کو ملٹری اکیڈمی میں ٹیسٹ کے لیے بلا لیا گیا۔ چند دن پہلے اس کا رزلٹ آیا تھا اور وہ اپنی تمام تر بے پروائی کے باوجود اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اپنے شوق کے مطابق آرمی آفیسر بننے کے لیے وہ ملٹری اکیڈمی اپلائی کر چکا تھا۔ شاید پہلے میں اس کو کسی اور شعبے میں جانے کا کہتا کیونکہ اس کے اخراجات اور گھر سے دوری میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔ مگر اب تو مجھے اس کے لیے یہی شعبہ سب سے زیادہ موزوں نظر آ رہا تھا اس لیے میں نے اس کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ اکیڈمی جانے سے پہلے وارث میرے پاس آیا اور بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"بھائی! مجھے یقین ہے آپ نے ہمیشہ میرے بھلے کے لیے ہی سب کچھ کیا ہے...... لیکن خدا کے لیے کسی طرح تہمینہ بھابی کو واپس لے آئیں...... میں وعدہ کرتا ہوں دل لگا کر پڑھوں گا......"

"وارث! ہو سکتا ہے کچھ دن تک میں ملک سے باہر چلا جاؤں لیکن میں مسلسل رابطے میں رہوں گا۔ مجھے ایک اچھی جاب کی آفر ہوئی ہے۔ اسی لیے میں — تمہیں ملٹری اکیڈمی جانے دے رہا ہوں...... تم بس دھیان سے اپنا کورس اور ٹریننگ مکمل کرنا...... اللہ نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا......" میں نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

سچ تو یہ تھا وارث کو رخصت کر کے میری آدھی

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

پریشانی ختم ہوچکی تھی۔
پھر دوسرے ہفتے میرے پاسپورٹ پر ایک خلیجی ملک کا ویزا لگ گیا۔ مجھے پاسپورٹ اور ٹکٹ دونوں ایک لفافے میں بذریعہ کوریئر ملے تھے۔
میں نے اپنا بینک اکاؤنٹ چیک کیا...... یہ وہ اکاؤنٹ تھا جس میں دفتر کی طرف سے ماہانہ تنخواہ آتی تھی لیکن اب یہ میرے ذاتی استعمال میں بھی رہتا تھا۔
میرے بینک اکاؤنٹ میں ایک خطیر رقم موجود تھی...... جس سے وارث کے اخراجات اور بہت ساری دوسری پریشانیاں ختم ہوسکتی تھیں۔
میں نے اگلے دن دفتر جا کر اپنا فوری استعفا پیش کر دیا...... اس لیے مجھے ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ نہیں ملی۔ لیکن اس کی پروا کسے تھی...... البتہ میرے باقی واجبات ان کی طرف بقایا تھے جو کہ تمام جانچ پڑتال کے بعد میرے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیے جاتے۔
میرا ٹکٹ پانچ دن بعد کا تھا۔ میں نے جانے سے پہلے وارث سے ایک ملاقات کی اور ایک مرتبہ پھر اسے سمجھایا کہ اب یہی ملٹری اکیڈمی تمہارا گھر ہے۔ اور جب میں چھٹی آیا کروں گا تب ہی تم اس ہاسٹل سے باہر کسی دوسرے شہر جایا کرو گے...... وہ کافی حیران اور جزبز ہوا لیکن میری بات ماننے کے سوا اس کے پاس کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔
میرے اندر شدت سے یہ طلب اٹھ رہی تھی کہ ملک چھوڑنے سے پہلے ایک دفعہ تہمینہ سے مل لوں۔ اگر مل نہ سکوں تو صرف دور سے ہی سہی لیکن ایک دفعہ اسے جی بھر کے دیکھ لوں...... لیکن میں صرف ایسا سوچ ہی سکا تھا۔
روانگی کے دن میں اپنا مختصر سا سامان لے کر ائرپورٹ لاؤنج میں تھا۔ جب مجھے ڈاکٹر دانیال کی کال موصول ہوئی......
''کیوں دوست، تم نے دیکھا میں نے اپنے وعدے کا پاس رکھا...... جو تم نے کہا وہ سب کر دیا......''
''میں نے بھی تو اپنا وعدہ پورا کیا ہے...... اپنی زبان کی لاج رکھی ہے اور اپنی محبت کی قربانی دی ہے......''
''ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔ تم ایک اصول پسند انسان ہو۔ مجھے بہت اچھا لگا کہ تم نے ایک بہتر فیصلہ کیا...... اب تہمینہ کو ایک شاندار زندگی ملے گی اور وہ ہمیشہ خوش رہے گی......'' ڈاکٹر دانیال نے پھر میرے سینے کا درد چھیڑ دیا۔
''دانیال! اپنے وعدے پر قائم رہنا اور اسے ہمیشہ خوش رکھنا۔ اللہ حافظ......'' اس بار میں نے اسے ڈاکٹر نہیں کہا تھا...... اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا فون بند کر دیا۔
چند منٹ بعد میں جہاز میں سوار ہو چکا تھا۔ رن وے پر دوڑتے جہاز کی کھڑکی سے میں روشنیوں کے ہجوم کو دیکھ رہا تھا...... پھر جہاز کو ایک جھٹکا لگا اور وہ ہوا میں محوِ پرواز ہو گیا۔

☆☆☆

میرا ویزا تین سال کا تھا۔ میں تین سال سے پہلے پاکستان...... واپس نہیں آسکتا تھا۔ کیونکہ نوکری پر حاضر ہوتے ہی میرا پاسپورٹ معاہدے کے مطابق لے لیا جاتا...... پھر تین سال بعد مجھے چار ماہ کی رخصت عنایت ہوتی...... جس میں کمپنی کی طرف سے تنخواہ اور یک طرفہ ٹکٹ شامل ہوتا...... تمام خلیجی ممالک میں کم و بیش تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ یہی قوانین رائج تھے۔ ڈاکٹر دانیال نے اپنی طرف سے میری۔ واپسی کے تمام دروازے بند کر دیے تھے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک دانیال اور تہمینہ شادی کے بندھن میں بندھ جاتے۔
دو دن میں نے صرف آرام کرنے میں گزار دیے...... دو دن بعد جا کر میں نے اپنے دفتر [illegible] رپورٹ دی۔ [illegible] پاسپورٹ اور دیگر ضروری چیزیں قبضے میں لے لی گئیں۔ جبکہ مجھے انتظارگاہ میں بٹھا دیا گیا...... تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ایک خوش پوش اور خوب رُو حسینہ نے مجھے انگریزی میں مخاطب کیا۔
''مسٹر حارث! یہ آپ کا سروس کارڈ ہے جو آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا ہوگا۔ یہ آپ کو کسی بھی قسم کی پریشانی اور مشکل سے دور رکھے گا...... اب آیئے! میں آپ کو آپ کی ڈیسک دکھا دوں......''
اس کے لیڈیز کوٹ پر لنڈا اجونز کا بیج آویزاں تھا...... وہ ہیومن ریسورسز میں ایگزیکٹو کے عہدے پر متعین تھی...... میں خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔
میری ڈیسک ایک ڈربے کی طرح چار ضرب چار کا ایک کیبن تھا۔ جس میں ایک عدد کمپیوٹر اور چند فائلیں موجود تھیں۔
لنڈا نے مجھے کافی تفصیل کے ساتھ کام کے متعلق بریفنگ دی پھر...... وہ مجھے میرے موجودہ سپروائزر کے پاس لے گئی۔ سپروائزر ایک گیم تھیم انڈین تھا...... اس کا نام

https://www.urdutubes.com/

سورج کمار تھا اور وہ اس کمپنی میں پچھلے پانچ سال سے تھا۔ اس کی آنکھوں میں ازلی حقارت نظر آئی جو ایک تعصب پرستی میں جلا انڈین میں ہونی چاہیے تھی۔ اس نے مجھے دوٹوک الفاظ میں سمجھا دیا تھا کہ کام میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی کوئی غیر ضروری چھٹی ملے گی۔
میں نے ''جی بہتر'' کہنے پر ہی اکتفا کیا۔
اپنے سپروائزر سے ملنے کے بعد میں واپس کیبن میں آ کر بیٹھ گیا۔ میرے اردگرد کیبن میں موجود لوگوں نے رسماً مجھے خوش آمدید کہا۔ میں نے بھی اخلاقاً سب کا شکریہ ادا کیا پھر میں سارا دن فائلوں کے انبار میں گم ہو گیا...... میرے لیے فی الحال ایک یہی جائے پناہ تھی...... کیونکہ میری آنکھوں کے سامنے بار بار تہمینہ کا چہرہ آ رہا تھا...... اس کی آنکھوں میں بے شمار آنسو تھے اور وہ آنکھیں مجھ سے بس ایک ہی سوال کر رہی تھیں۔
''حارث! تم مجھے اکیلا چھوڑ کر اتنی دور کیوں چلے آئے؟''
اس بات کا جواب وہ بھی جانتی تھی اور میں بھی...... یہ ہماری قسمت کا پھیر تھا کہ ساری زندگی ساتھ رہنے کی قسمیں کھانے والے ایک دوسرے سے اتنے فاصلے پر چلے گئے۔
[illegible] تھا...... اور اس کمپنی میں چھٹی کے بعد دس منٹ مزید کام بھی اوورٹائم تصور کیا جاتا تھا۔ مجھے گھر جانے کی بالکل جلدی نہیں ہوتی تھی اس لیے میں مسلسل دس سے بارہ گھنٹے دفتر میں کام کرتا رہتا تھا— مجھ پر پیسا کمانے کا جنون سوار ہو چکا تھا۔
اسی طرح تقریباً دو ماہ گزر گئے۔
اس دوران ڈاکٹر دانیال نے اپنے طور پر میرے سپروائزر اور منیجر سے میرے رویّے اور کام کے متعلق تصدیق کر لی تھی— اسے یہی ڈر تھا کہ میں کسی بھی وقت شاید سب کچھ چھوڑ کر واپس پاکستان بھاگ جاؤں گا...... اور پاکستان آتے ہی تہمینہ کو ورغلا لوں گا۔
میرے یہاں چند دوست بن چکے تھے جن میں محمود نامی لڑکا میرے ساتھ والے کیبن میں تھا...... جبکہ بادل سنگھ میرا روم میٹ تھا۔ اس کے علاوہ بھی دوستوں سے گپ شپ تھی مگر میرا زیادہ وقت ان دونوں کے ساتھ گزرتا تھا۔
''اتنے پیسے کما کر کیا کرے گا یار؟'' محمود مجھے اکثر چھیڑتا تھا۔
''یار پیسے کے بنا کوئی زندگی نہیں...... پیسا ہی آج کی سب سے بڑی سچائی اور طاقت ہے۔ مجھے بھی طاقتور بننا ہے اور اس کے لیے میں پیسے کماؤں گا......'' میرا ہمیشہ یہی جواب ہوتا۔
ایک دن بادل سنگھ نے کہا ''یار تو اتنا پیسہ کماتا ہے مگر تجھے کبھی خرچ کرتے نہیں دیکھا۔ نہ تو گھر کسی کو بھیجتا ہے...... کھانا پینا، رہائش سب تجھے کمپنی نے دی ہوئی ہے...... لیکن اس کے علاوہ تجھے کبھی کچھ خرچ کرتے نہیں دیکھا...... کون سا جوگ لے لیا ہے تو نے؟''
''جوگ نہیں سردار جی، اپنی ذات سے انتقام لے رہا ہوں...... کیوں لے رہا ہوں بس یہ کبھی مت پوچھنا......'' ہم سب روم میٹ اسے بے تکلفی سے سردار جی ہی کہتے تھے۔
سردار جی کی یہاں اچھی خاصی جان پہچان تھی۔ اس ملک میں آئے اسے دس سال سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا تھا۔ وہ یہاں کی سب مشہور و معروف اور غیر معروف جگہوں کو جانتا تھا...... اس کے علاوہ اس کے دوست، رشتے دار اور دوسرے تعلق کے لوگ بھی مختلف ممالک میں قیام پذیر تھے......
کون سی چیز کہاں دستیاب ہوگی اُسے سب علم تھا۔ قانونی اور غیر قانونی سبھی طریقوں پر اسے ملکہ حاصل تھا...... وہ ایک نادرِ روزگار شخص تھا...... میری اس سے دوستی کی شاید وجہ بھی یہی بنی تھی۔ وہ چراغ کے جن کی طرح مسائل کو حل کرنے کا ہنر رکھتا تھا۔
محمود وہاں انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ایک معاون انجینئر کے طور پر کام کر رہا تھا...... وہ اپنے شعبے میں کمالِ مہارت رکھتا تھا۔
یہ دونوں ہی میرے لیے بہت اہمیت کے حامل لوگ تھے— میں زیادہ دوست بنانے کا کبھی قائل نہیں رہا تھا لیکن یہاں سب سے الگ تھلگ رہنا بھی ممکن نہیں تھا اور اس طرح انسان مشکوک ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ میرے چند دوست ہوں جو کسی مشکل وقت میں میرے کام آسکیں۔
بادل سنگھ اور محمود اس لحاظ سے میرے خاص دوست تھے۔ کیونکہ آگے چل کر یہی دونوں میرے کام آسکتے تھے۔ لیکن مجھے نہیں پتا تھا اس سے پہلے ہی قسمت نے میرے لیے ایک اور امتحان کھڑا کر دیا تھا۔

☆☆☆

ہفتے کے پہلے دن میں تیار ہو کر ابھی اپنے فلیٹ سے نکل ہی رہا تھا کہ مجھے پولیس (شرطہ) کار دکھائی دی۔ کار

سے دو اہلکار اتر کر سیدھا میری طرف آئے اور عربی میں میرا نام دریافت کیا۔ پھر میرا سروس کارڈ طلب کیا اور ساری معلومات کی تصدیق کرنے کے بعد مجھے گاڑی میں ساتھ بٹھا کر دارالشرطہ یعنی پولیس اسٹیشن لے گئے۔ میں نے دبا دبا احتجاج کیا کیونکہ جو بھی تھا بہرحال میں خارجی تھا اور یہاں میرے حقوق کسی تیسرے درجے کے شہری کے برابر تھے۔ اس لیے میں اس آنے والی افتاد پر دل ہی دل میں غور کرنے لگا...... کیونکہ مجھے اس خلیجی ملک میں آئے ہوئے تین ماہ ہونے والے تھے۔

آخرکار ایک گھنٹا بیٹھنے کے بعد مجھے ایک تفتیشی کمرے نما کیبن میں لے جایا گیا...... وہاں ایک عدد پاکستانی یا انڈین موجود تھا جو شاید مترجم کی خدمات انجام دینے کے لیے بلایا گیا تھا...... ان تین ماہ کے اندر میں نے کافی زیادہ عربی بول چال سیکھ لی تھی۔ لیکن تفتیشی مراحل کے لیے روزمرہ والی عربی بول چال سے اپنا مافی الضمیر بیان کرنا میرے لیے شاید مشکل تھا...... یہی سوچ کر غالباً پولیس والوں نے اپنی اور میری سہولت کے لیے مترجم کو زحمت دی تھی۔ اپنی سہولت میں ازراہِ تفنن کہہ رہا ہوں ورنہ تیسرے درجے کا شہری اور سہولت۔ دونوں باتوں میں بہت تضاد ہے۔

خیر ایک اہلکار نے عربی میں ایک مختصر سی تقریر کی جس میں مجھے چند ایک نکات کے سوا ساری بات سمجھ آگئی۔ لیکن میں نے مترجم کو موقع دیا تاکہ صورتِ حال مزید واضح ہو جائے۔

مترجم نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے اس عربی کا اردو میں ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔

”مسٹر حارث!! آپ پر الزام ہے کہ آپ غیر قانونی پناہ گزینوں سے میل جول رکھتے ہیں اور شاید ان کی یہاں آمدورفت میں مددگار ہیں...... اس کے علاوہ آپ کا تعلق مبینہ طور پر منشیات فروشوں کے ساتھ بھی ہے۔ کیا آپ ان الزامات کو درست مانتے ہیں یا ان کی تردید کرتے ہیں؟...... تردید کی صورت میں آپ کو ٹھوس ثبوت اور شواہد پیش کرنے پڑیں گے۔ ورنہ آپ کو گرفتار کر کے عدالت میں مزید کارروائی کے لیے پیش کر دیا جائے گا۔“

مترجم اتنی بات کہہ کر جواب طلب نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا...... جبکہ میری حالت یہ تھی کہ مجھے زمین گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی...... کیونکہ غیر قانونی تارکینِ وطن تک تو شاید مجھے تسلی رہتی لیکن منشیات فروشی کا سن کر میرے ماتھے پر بار بار پسینہ نمودار ہو رہا تھا۔ اگر دس فیصد بھی میرے خلاف کوئی ثبوت جاتا تو میری گردن اُڑانے میں وہ ایک پل کی بھی تاخیر نہ کرتے۔

میں نے اپنی خشک زبان سے بمشکل کہا۔ ”مجھے اپنے روم میٹ اور کسی وکیل کی ضرورت ہے۔ میں ان کی موجودگی میں اپنا بیان ریکارڈ کراؤں گا......“

مترجم نے یہی بات عربی میں میرے تفتیشی افسر کے گوش گزار کر دی۔

تفتیشی افسر نے ایک نگاہِ غلط مجھ پر ڈالی۔ جیسے اسے مکمل یقین ہو کہ میں ملزم نہیں بلکہ مجرم ہوں لیکن وہ چند ساعتوں کے لیے اس کیبن سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

اس دوران مترجم جس کا نام مجھے بعدازاں عبدالخالق معلوم ہوا تھا، میرے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

”تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں۔ اگر تم کسی غیر قانونی کام میں ملوث ہو تو فوراً بتا دو ورنہ یہ لوگ جس قدر سفاک ہیں تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں۔ اور یہ مغربی ممالک والی باتیں یہاں نہ دہراؤ کہ میں وکیل کی موجودگی میں بیان دوں گا...... اس بات کی وجہ سے تمہارے مجرم ہونے کے زیادہ آثار لگ رہے ہیں۔ وہ تمہارا تفتیشی افسر کسی وکیل کا بندوبست [illegible] نے [illegible] لینے گیا ہے کہ تمہیں عدالت میں پیش کر کے سزا دلوا سکے۔ کیونکہ تم تفتیش میں اس کے ساتھ تعاون نہیں کر رہے......“ عبدالخالق اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

”کیا......؟“ مجھ پر ایک بار پھر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

”یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔ وکیل طلب کرنا تو میرا ایک بنیادی حق ہے۔ اور میں کسی مزید قانونی الجھن سے بچنے کے لیے یہ مطالبہ کر رہا ہوں...... یہ یک طرفہ انصاف ہے......“ میں نے احتجاج کیا۔

”ہاں یک طرفہ انصاف ہے لیکن صرف تمہاری نظر میں...... نہ قانون کی نظر میں اور نہ ہی یہاں کی حکومت کی نظر میں...... یہاں تم اپنے وکیل خود ہو۔ اس لیے خود ہی اپنا مقدمہ لڑو......“

”کیا واقعی مجھے وکیل کرنے کی اجازت نہیں؟“

”اجازت ہو بھی تو کیا فرق پڑتا ہے...... تمہارے ساتھ ایک سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ تم عرب نہیں...... اور دوسرا تم پاکستان کے شہری ہو......“

عبدالخالق کے چہرے پر میں نے اذیت کے آثار دیکھے تھے۔ وہ بھی یقیناً خارجی تھا۔ کبھی اسے بھی کم و بیش ایسے ہی مسائل پیش آئے ہوں گے...... اب وہ ان آزمائشوں سے گزر چکا تھا...... لیکن بے رحم ماضی اس کے چہرے پر تفکرات اور ناآسودگی کے گہرے نقوش چھوڑ گیا تھا......

مجھے اپنے سامنے قید اور موت دونوں ہی نظر آ رہی تھیں لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا...... اس وقت بادل سنگھ کا آنا مجھے کسی غیبی امداد سے کم نہیں لگا۔

اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا جسے شاید میں سرسری طور پر جانتا تھا۔ اسے سب حریری کہتے تھے...... وہ ایک سرائے نما ہوٹل کا مالک تھا جہاں میں ایک دو بار بادل سنگھ کے ساتھ ہی گیا تھا...... اس کے مطابق وہ جگہ منشیات فروشوں اور غیر قانونی تارکینِ وطن کے لیے ایک جنت کی حیثیت رکھتی تھی۔

وہ اپنے عرب ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھاتا تھا...... دوسرا وہ حکام اور قانون کے رکھوالوں کی تمام دلچسپیاں ملحوظ خاطر رکھتا تھا...... یہی وجہ تھی کہ وہ بڑی آزادی اور اطمینان کے ساتھ غیر قانونی تارکینِ وطن کی پشت پناہی کرتا اور ان سے بیگار میں کام لیتا تھا...... البتہ منشیات فروشوں سے کھل [illegible] کرتا تھا۔

میرے لیے یہ بہت حیرانی کی بات تھی کہ حریری خود چل کر میرے لیے یہاں تک آیا ہے۔

”کیسے ہو عزیزی حارث؟“ حریری نے کیبن میں آ کر کہا...... اس کے ساتھ وہی تفتیشی افسر تھا جس کے چہرے پر اب تناؤ کی کیفیت نہیں تھی۔

”آپ کی موجودگی میں بہتر محسوس کر رہا ہوں محترم!......“ میرے لہجے میں اب اطمینان جھلک رہا تھا......

”جبار الناصر رمادی کو کسی نے پاکستان سے یہ غلط خبر دی تھی کہ تم کسی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث ہو اس لیے تمہیں حراست میں لے کر تفتیش کی جائے۔“ جبار الناصر رمادی میرے تفتیشی افسر کا نام تھا۔ وہ پاکستانیوں کے حق میں بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔ اس لیے خبر دینے کے لیے خصوصاً اس کا انتخاب کیا گیا تھا۔

حریری کی ضمانت پر مجھے تقریباً چار گھنٹے بعد... دارالشرطہ سے رہائی نصیب ہوئی۔ بادل سنگھ مجھے فلیٹ کے بجائے دفتر لے گیا۔ میرا سروس کارڈ واپس کر دیا گیا تھا۔

میرے ساتھیوں اور باقی لوگوں نے رسماً مزاج پُرسی اور تاسف کا اظہار کیا۔ کیونکہ ان سب کے نزدیک میں ایک اچھا، مہذب اور بااخلاق انسان تھا جو اس طرح کی مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہو سکتا...... سپروائزر اور منیجر سے بھی مختصر سی ملاقات ہو گئی تھی۔ انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر میں کسی بھی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث ہوا تو وہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر مجھے پولیس کے حوالے کر دیں گے اور لاتعلقی بھی اختیار کر لیں گے۔

”اب بتا یار، یہ سارا چکر کیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے تیرا وہ کچھ لگنا ڈاکٹر اس میں ملوث ہے۔ ورنہ تم پر منشیات فروشی کے الزام کی کیا تُک تھی؟“ بادل سنگھ نے دفتر پہنچتے ہی کہا۔ اس کے ساتھ ہی محمود بھی آ گیا تھا۔

”سردار جی! پہلے آپ بتاؤ آپ کو کیسے پتا چلا کہ مجھے پولیس نے پکڑ لیا ہے۔ اور آپ نے حریری کو میری ضمانت کے لیے کیسے قائل کر لیا۔ جہاں تک میں نے سنا ہے وہ پیسے اور مطلب کے بغیر سگے باپ کو بھی نہیں پہچانتا...... رہی بات کہ کس نے مخبری کی، وہ بھی وقت آنے پر پتا لگ ہی جائے گا......“ میں نے سردار جی سے الٹا سوال کر دیا۔

”آج صبح جب تمہیں شرطے کار میں بٹھا کر لے جا رہے تھے میں نے دیکھ لیا تھا...... پہلے تو میں دفتر آیا کہ ان سے مدد لے سکوں مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا...... پھر مجھے حریری کا خیال آیا...... لیکن ظاہر ہے حریری اپنے کسی فائدے کے بغیر ہماری مدد کیوں کرتا...... لیکن اس نے بنا کسی لالچ یا شرط کے تمہاری ضمانت لینے کی آمادگی ظاہر کر دی......“

بادل سے زیادہ میں حیران ہوا تھا۔ کیونکہ حریری کو جتنا میں جانتا تھا، اس سے بغیر کسی غرض کے کوئی فائدہ ملنا محال تھا۔

”سردار جی! میرے خیال ہے میں جو ایک دو دفعہ آپ کے ساتھ حریری کے سرائے نما ہوٹل پر گیا تھا...... اسی وجہ سے میں ان لوگوں کی نظروں میں آ گیا۔ حالانکہ آپ نے بتایا بھی تھا کہ حریری کس قبیل سے تعلق رکھتا ہے......“ میں نے سوچتے ہوئے کہا...... اور یہی عین حقیقت بھی تھی...... میری یہ سرگرمیاں مقامی انٹیلی جنس کو مشکوک لگی تھیں اور اوپر سے میرے خلاف کسی نے شکایت کر کے ان کے شکوک کو مزید ہوا دے دی تھی۔

”اچھا حارث! مجھے یاد آیا۔ حریری نے کہا تھا کچھ

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

دن ٹھہر کر تم میرے پاس چکر لگانا اور حارث کو بھی ساتھ لے کر آنا۔'' سردار جی نے کہا۔

''مجھے معلوم تھا۔ وہ لالچی بڈھا کسی نہ کسی قسم کا مطالبہ ضرور کرے گا۔ اب دیکھ لینا جب تم وہاں جاؤ گے وہ تمہیں کسی مالی یا عملی تعاون کی درخواست کرے گا...... لیکن ظاہر ہے وہ درخواست نہیں حکم ہو گا...... بدشکل گدھ۔ اونہہ......'' محمود نے نفرت سے کہا۔

''چھوڑ دیار! جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا...... فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ مجھے ڈی پورٹ نہیں کیا گیا اور نہ ہی مجھ پر کوئی جرم ثابت ہوا ہے...... اس لیے اتنا ہی غنیمت ہے کہ میں آزاد ہوں......''

☆☆☆

چند روز کے بعد میں نے بادل سنگھ کے ساتھ حریری کے ہوٹل کا رخ کیا...... اس نے ہم دونوں کو دور سے دیکھتے ہی بلند آواز میں پکارنا شروع کر دیا۔

''اہلاً وسہلاً عزیزی حارث اور عزیز از جان بادل سنگھ! حریری کے اس غریب خانے پر آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔''

''میں انتہائی مشکور ہو محترم حریری کہ آپ نے میری ضمانت دی۔ ورنہ شاید میں ابھی تک سلاخوں کے پیچھے ہوتا۔'' میں عاجزی سے بولا۔

''بھئی ہم دوستوں کے دوست ہیں مسافر ۔ پہلے بھی ایک دو دفعہ ہمیں تم اس سرائے میں نظر آئے تھے اور تب سے ہی ہمارے دل میں تمہارے لیے ایک نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔ تم ایک شریف النفس انسان معلوم ہوتے ہو......'' حریری نے کہا اور اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

یہ ایک مستطیل کمرا تھا۔ جس کے فرش پر بیش قیمت ایرانی قالین بچھا ہوا تھا ۔ کمرے کی چاروں دیواریں منقش تھیں اور اُن کے آگے گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے...... اگر میں لاہور میں یہ سب دیکھتا تو گمان ہوتا کہ کسی مجرے کی محفل میں ہوں لیکن یہ مقامی عرب دستور تھا......

میزبان کا تکیہ اور آسن باقی لوگوں سے نسبتاً اونچا تھا۔ جیسے منصبِ صدارت کے لیے مخصوص کی گئی جگہ ہو۔ حریری نے اندر داخل ہوتے ہی ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر خود سب اونچے آسن پر براجمان ہو گیا۔

''کیا پینا پسند کرو گے؟ اس غریب خانے میں تمہیں دنیا کے ہر قسم کے مشروب میسر ہوں گے......'' حریری نے سوال کیا۔

''بادام کا شربت...... اگر آسانی سے دستیاب ہو تو۔'' یہ میرا انتخاب تھا۔

جبکہ بادل سنگھ نے اس پیشکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مقامی مشروب طلب کر لیا جو کہ کھجور سے کشید کیا جاتا ہے۔

حریری نے ہم دونوں کی فرمائش پوری کر دی۔

مشروبات سے فارغ ہوئے تھے کہ حریری نے مجھے اپنے مزید قریب بلا لیا۔

''حارث!! تمہارا نام بہت اچھا ہے۔ یہ ہمارے یہاں کے مشہور ناموں میں سے ایک ہے۔ اس نام کے بہت شہ سوار اور پہلوان گزرے ہیں...... یہ نام ظاہر کرتا ہے کہ تمہارے اندر کتنی ہمت اور طاقت ہے۔ تم ایک بہادر انسان ہو۔ اسی وجہ سے میں تمہاری ضمانت لینے پر مجبور ہوا...... کیونکہ مجھے لگتا ہے تم میری مدد کر سکتے ہو......'' حریری نے رازدارانہ لہجے میں کہا......

'آخر اس کی زبان پہ اصل مدعا آ ہی گیا۔' میں نے دل میں سوچا۔

''آقائے حریری! اگر میں آپ کے کسی کام آ سکا تو یہ میرے لیے خوش قسمتی ہو گی......'' میں نے انکساری سے کہا۔

''شاباش بہادر! مجھے تم [illegible]'' حریری نے [illegible] بھرے لہجے میں کہا......

بادل سنگھ بھی اب متوجہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ بلی بالآخر تھیلے سے باہر آنے لگی تھی۔

''میری ایک انتہائی ذاتی اور ضروری چیز ہے جو میں بحفاظت اپنے ایک دیرینہ دوست تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ لیکن تم جانتے ہو اگر قانونی طریقے سے بھیجنے کی کوشش کی تو شاید اسے ضبط کر لیا جائے۔ اس کی حیثیت ایک تاریخی ورثے کی سی ہے۔ میں اسے سیدھی طرح نہیں بھجوا سکتا۔ یہ دو قدیم تلواریں ہیں جو ایک لکڑی کے صندوق میں بند ہیں...... یہ برائے فروخت ہرگز نہیں تھیں لیکن میرے ایک افغان دوست جلال خان کو یہ پسند آ گئیں۔ وہ خود ایک جنگجو قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور اسے قبائل کے جنگ و جدال والے قصے کہانیاں بہت پسند ہیں...... ان تلواروں سے قبائل کے کچھ قصے منسوب ہیں۔ یہ دونوں تلواریں وہاں کے ایک نامور بہادر سے منسوب ہیں۔ اسے جبل یعنی پہاڑ کا خطاب ملا تھا۔ ضارب الجبل...... اس کی بہادری میں کوئی کلام نہیں تھا۔ وہ کبھی ڈھال استعمال نہیں کرتا تھا۔ اس کے

دونوں ہاتھوں میں تلواریں ہوتی تھیں اور وہ ان سے ہی ڈھال کا کام لیتا اور حملے بھی کرتا تھا ۔ اس کی یہ مہارت اور یگانگت اسے دوسروں سے ممتاز کر گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے ایک جیسی مہارت اور رفتار کے ساتھ تلوار چلاتا تھا۔ دشمن اس کے قریب جانے سے گھبراتے تھے لیکن اسے دھوکے سے قہوے میں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا اور اس کی دونوں تلواروں کو کند کر کے ایک لکڑی کے صندوق میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ ضارب کے دشمنوں نے اس دن فتح کا جشن منایا تھا۔ وہ جشن میں مصروف تھے کہ ضارب کے ایک جگری دوست نے وہ لکڑی کا صندوق چرا لیا...... پھر عرصہ دراز تک یہ اس کے پاس محفوظ رہا۔ اس طرح چلتے چلتے یہ صندوق مجھ تک پہنچ گیا۔ مجھے یہاں کے شیوخ اور عرب سرداروں نے لاکھوں اور کروڑوں کی آفر کی لیکن میں نے ٹھکرا دیا...... لیکن میری قسمت کہ میرے سب سے قریبی دوست جلال خان کا دل ان تلواروں پر آ گیا۔ اس نے مجھے زبردستی دس لاکھ امریکی ڈالر مالیت کے جواہرات دے کر اسے اپنے نام کر لیا۔ اب تین ماہ ہو چکے ہیں میں اس تک اس کی امانت نہیں پہنچا سکا۔ مسئلہ وہی جو میں تم کو بتا چکا ہوں۔''

حریری کی یہ دیومالائی طرز کی کہانی ختم ہوئی تو میں [illegible]

''آقائے حریری، میں کیا کر سکتا ہوں اس سلسلے میں۔ جبکہ آپ بہتر جانتے ہیں میں یہاں خود اجنبی ہوں...... کاش میرا کوئی ایسا دوست یا تعلق ہوتا میں آپ کی یہ امانت اس کے سپرد کروا دیتا......''

''تم اجنبی نہیں رہے میرے عزیز...... اب حریری تمہارا دوست ہے......''

''یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھے آپ جیسے خوش خصال انسان کی دوستی نصیب ہوئی......'' میں حریری کو اسی کے سکوں میں جواب دے رہا تھا۔

''میں نے اپنے طور پر تھوڑی بہت تحقیق اور کام کیا ہے۔ اس لیے میرے خیال میں تم اس کام کے لیے ہر طرح سے اہل ہو۔'' حریری نے ایک سماعت شکن انکشاف کیا۔

بادل سنگھ اور میں ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔

''لیکن میرے محترم، میں کیسے اہل ہو سکتا ہوں...... جب کہ مجھے تین سال سے پہلے یہ ملک چھوڑنے کی اجازت نہیں......'' میں ابھی تک بے یقینی کے عالم میں تھا۔

''مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم کن مسائل سے دوچار ہو...... اس کے باوجود اگر میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے تو اس کا مطلب ہے میرے انتظامات اور معلومات ہر طرح سے مکمل ہیں ۔ اچھا ہوتا تمہارا دوست محمود بھی ساتھ ہوتا...... لیکن اسے تو میں نے دعوت ہی نہیں دی تھی...... پھر بھی یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ بادل سنگھ اور محمود دونوں کو ہی تمہاری مدد کرنی ہو گی۔ اس طرح سے میرا بنایا ہوا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے اور میں اپنے دوست کی نظروں میں سرخرو ہو سکتا ہوں......''

حریری کی باتیں میرے دماغ کے بالکل اوپر سے گزر رہی تھیں۔

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کا بنایا ہوا منصوبہ کیا ہے؟ تاکہ ہم لوگ اس پر کوئی غور و فکر کر سکیں......'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں! کیوں نہیں...... مجھے امید ہے تمہیں بھی یہ منصوبہ کافی پسند آئے گا...... اور تم آسانی سے اس کے لیے ہاں کر دو گے......''

حریری نے کہا تو میں سمجھ گیا کہ انکار کی گنجائش بالکل نہیں۔ ورنہ ہو سکتا ہے اس دفعہ میں کسی واضح اور ناقابلِ تردید ثبوت کے ساتھ شرطوں کے ہاتھ لگ جاتا...... حریری کے عیار دماغ سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ ان دنوں میں زندگی سے بہت بیزار ہو چکا تھا کیونکہ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور میری چشمِ تصور تہمینہ کو ڈاکٹر دانیال کی دلہن بنا دیکھ رہی تھی۔ اس لیے میں نے حریری کا کام کرنے کی ہامی بھر لی تھی۔ حالانکہ کہ عام حالات میں حریری سے کبھی بلیک میل نہ ہوتا چاہے میری ساری زندگی کال کوٹھری میں گزر جاتی یا میری گردن مار دی جاتی...... لیکن اب میں نے اپنی زندگی کے ساتھ ایک جُوا کھیلنے کی ٹھان لی تھی۔

حریری نے کچھ توقف کیا اور پھر اپنا منصوبہ ہمارے گوش گزار کر دیا۔

☆☆☆

یہ ایک سادہ منصوبہ ہرگز نہیں تھا۔ میرے دونوں دوست بادل سنگھ اور محمود اس میں پوری طرح شامل تھے۔ ورنہ یہ منصوبہ کبھی تکمیل تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ حریری کا ہوم ورک واقعی مکمل تھا۔ اس نے ایک نقطہ بھی فراموش نہیں کیا تھا...... حریری نے جو منصوبہ بنایا تھا، وہ کچھ اس طرح سے تھا۔

چند دن بعد دفتر میں میرا پیر سیڑھیوں سے پھسل جاتا

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ہے اور میرے دماغ میں ایک کافی گہری چوٹ لگ جاتی ہے...... یہ چوٹ میرے دماغ کے اندرونی حصوں کو شدید نقصان پہنچاتی ہے جس کی وجہ سے میں کومے میں چلا جاتا...... مجھے کم از کم دو ہفتے تک اس اسپتال میں کومے میں رہنا تھا۔ حریری نے یہ مہلت سات آٹھ دن رکھی تھی۔ لیکن میں نے احتیاطاً اسے پندرہ دن کروالیا تھا۔ کیونکہ میں ایک اَن دیکھے جال میں قدم رکھنے جا رہا تھا۔

اسپتال میں حریری نے ایک متعلقہ ڈاکٹر، دو نرسوں اور متعلقہ افسر کو اپنے ساتھ شامل کرلیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے میری کمپنی میں بھی اپنا کرشمہ دکھایا تھا۔ میرا جنرل منیجر بھی اب حریری کے ہاتھ میں تھا۔ اب یہ اس نے پیسے سے کیا تھا یا بلیک میل کرکے۔ یہ وہی بہتر جانتا تھا لیکن وہ سب حریری کے اعتماد کے لوگ تھے۔ اس کے بعد محمود اور بادل سنگھ کا کام تھا۔ یعنی بادل سنگھ ہر روز میری عیادت کے لیے آتا اور یہی تاثر دیتا کہ میری حالت میں بتدریج کوئی تبدیلی نہیں آئی...... جب کہ محمود چھٹی کرنے کے بعد میری جگہ رات کو بستر پر میری کمی پورا کرتا۔ یہ سلسلہ چند دن کا تھا لیکن اسباب پندرہ دن کے لیے موجود تھے۔ اس دوران حریری مجھے غیر قانونی طریقے سے سرحد پار ایک پڑوسی ملک میں داخل کرواتا۔ جہاں سے میں ایک اور نئی وجود میں آنے والی ریاست سے ہوتے ہوئے افغانستان پہنچتا۔ افغانستان پہنچنے کے بعد جلال خان کی ذمے داری تھی۔ وہ مجھے کیسے محفوظ طریقے سے وہاں اپنے پاس لاتا ہے اور پھر بحفاظت واپسی کو یقینی بناتا ہے۔ میرا واپسی کا راستہ نہایت مختصر تھا...... کیونکہ مجھے اس دفعہ دو ملکوں کے بجائے سیدھا واپس آنا تھا۔ جانے کے لیے دوسرا راستہ تلواروں کی حفاظت اور رازداری کے لیے چنا گیا تھا۔

حریری نے ان تلواروں کی جو کہانی سنائی تھی، میرے نزدیک وہ بالکل احمقانہ اور خودساختہ کہانی تھی۔ جس کا حقیقت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں اس کہانی کو اس کے بوڑھے دماغ کی خرافات سمجھ رہا تھا...... مگر اب یہ سارے انتظامات اور احتیاط دیکھ کر مجھے یہ سب سچ محسوس ہونے لگا تھا۔ میں یہاں اسپتال اور کمپنی کے ریکارڈ کے مطابق پندرہ دن تک اسپتال میں کومے کی حالت میں موجود رہتا...... یعنی میرا اس ملک سے ایک لمحے کے لیے بھی غیاب ثابت نہیں ہونا تھا اور یہی حریری اور میری منشا تھی۔ ان پندرہ دنوں میں مجھے جلال خان کو یہ تلواریں سونپ کر واپس آنا تھا۔ اس طرح حریری کا احسان بھی اتر جاتا اور میری گلوخلاصی بھی ممکن ہو جاتی۔ محمود اور بادل سنگھ دونوں پوری طرح میری مدد کے لیے تیار تھے۔ میں ان کے خلوص اور محبت کا مقروض ہو چکا تھا۔

☆☆☆

یہ چار دن بعد کا واقعہ ہے۔

دفتر میں کھانے اور نماز کا وقفہ ہوا تو میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح نیچے والے فلور کی طرف چل دیا۔ وہاں کیفے ٹیریا اور ایک عدد کشادہ مسجد بھی تھی۔

میں نے اردگرد کا جائزہ لیا اور گرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ مجھے اس کام میں ذرا بھی مہارت حاصل نہیں تھی لیکن مجھے یہ ایسے کرنا تھا کہ کسی کو اس پر کوئی شک نہ ہو...... آخرکار مجھے وہ لمحہ میسر آ گیا۔ کیفے ٹیریا میں کوئی اسٹیل کا برتن ٹائلوں سے مزین فرش پر گرا۔ اس کی تیز اور گونجتی ہوئی آواز نے چند لمحوں کے لیے سب کی سماعت اور بصارت کو اپنی طرف متوجہ کیا...... میرے لیے اتنا وقت کافی تھا۔ میں سات آٹھ سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا کیفے ٹیریا کے دروازے کے سامنے گر گیا — بادل سنگھ اور محمود مجھ سے تھوڑے فاصلے پر موجود تھے۔ بادل سنگھ بھاگ کر میرے قریب آیا جبکہ محمود نے ایمبولینس کو فون کر دیا۔ یہ فون حقیقت میں ان نرسوں اور ڈاکٹر کو کیا گیا تھا جن کی خدمات حریری نے حاصل کی تھیں...... ایمبولینس کا انتظام بھی اس میں شامل تھا۔ لڑھکنے سے مجھے زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ البتہ ایک گھٹنا اور کمر کا ایک حصہ مضروب لگ رہا تھا۔ وہاں رہ رہ کر درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود پر قابو پایا تھا۔ کیونکہ میرے اردگرد دفتر کے لوگ اکٹھے ہو چکے تھے اور میری حالت کے متعلق بادل سنگھ سے پوچھ رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے مجھے فرسٹ ایڈ دینے کی کوشش کی تو اس نے ان کو منع کر دیا۔ آخرکار دس منٹ کے بعد مجھے محمود کی آواز سنائی دی۔

”اِدھر آئیں! اسے آرام سے اسٹریچر پر لٹائیں۔ مجھے لگتا ہے اس کے دماغ پر گہری چوٹ لگی ہے......“ محمود نے کہا۔

اس کے فوراً بعد ہی چار مضبوط ہاتھوں نے مجھے اسٹریچر پر منتقل کیا...... چونکہ میری آنکھیں مسلسل بند تھیں اس لیے میں دیکھنے سے قاصر تھا...... مجھے بذریعہ لفٹ گراؤنڈ فلور پر لے جایا گیا۔ پھر وہاں سے ایمبولینس میں منتقل کیا گیا۔ بادل سنگھ میرے ساتھ تھا جبکہ محمود دفتر میں ہی رک گیا تھا۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

ایمبولینس کے حرکت میں آنے کے بعد بادل سنگھ نے کہا۔

''ہاں بھئی شہزادے! کھول لے انکھیاں۔ اب تو محفوظ اور سندر ہاتھوں میں ہے......''

میں نے آنکھیں کھولیں تو نرس میرے گھٹنے کا معائنہ کررہی تھی۔ کیونکہ اس جگہ سے میری پتلون کو کافی گہری رگڑ لگی تھی...... یعنی میرا درد بے جا نہیں تھا۔

''ذرا میری کمر کا بھی مشاہدہ کر وا لینا سردار جی!......'' میں نے لیٹے لیٹے کہا۔

''لگتا ہے تجھے کافی بھیتر (اندر) چوٹیں لگ گئی ہیں...... یا سندر ہاتھ دیکھ کر دل مچل رہا ہے......'' بادل سنگھ نے شرارت سے کہا۔

لیکن اگلے ہی لمحے میرے چہرے کی حالت دیکھ کر اس نے نرس کو میری کمر کا معائنہ کرنے کا کہا۔ نرس کوئی غیر ملکی تھی شاید فلپائنی یا تھائی...... اسے ہندی، اردو اور پنجابی سمجھ نہیں آتی تھی۔ اس لیے بادل سنگھ اتنی بے تکلفی سے اس کے متعلق باتیں کررہا تھا۔

میری کمر پر حسب توقع ایک بڑی رگڑ موجود تھی۔ نرس کے نرم و گداز ہاتھوں نے بڑے ماہرانہ انداز میں میری کمر اور گھٹنے کے زخم کو صاف کیا اور تب ایک درد کش اسپرے کرنے کے بعد کریم لگادی۔ اس کریم سے مجھے جلن کا احساس کم ہوا اور زخموں میں ٹھنڈک محسوس ہوئی......

اتنی دیر میں ایمبولینس مذکورہ اسپتال پہنچ چکی تھی۔ مجھے ایک دفعہ پھر بے ہوش ہونے کی اداکاری کرنی تھی اس لیے میں نے دوبارہ اپنی آنکھیں میچ لیں...... آخرکار مجھے اس کمرے میں پہنچادیا گیا جو میرے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ یہاں سب کچھ پہلے سے ہی تیار تھا۔ میرے تمام ضروری ٹیسٹ، ایم آر آئی، ایکسرے جو کہ میرے بالکل نہیں تھے۔ سب کچھ موجود تھا۔ یہ کل صبح میرے دفتر میں دکھا دیے جاتے تاکہ ان کا شک رفع ہوسکے۔ ویسے بھی جنرل منیجر اور حریری کے درمیان ڈیل ہوچکی تھی۔ یہ صرف خانہ پری اور قانونی کارروائی کے لیے تھا۔

شام سے ذرا پہلے حریری مجھ سے ملنے چلا آیا۔ میں ابھی تک اسی بستر پر موجود تھا۔ یعنی اسپتال کے بیڈ پر...... حریری کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔ ایک کے ہاتھ میں لکڑی کا ایک منقش لیکن قدیم صندوق تھا۔ یہ چپٹا اور لمبا تھا...... اس پر عربی کے کسی قدیم رسم الخط میں ''ضارب الجبل'' لکھا ہوا تھا۔

حریری نے اس صندوق کو میرے سامنے لاکر رکھ دیا...... پھر اس نے جیب سے ایک چابی نکالی جو کافی عجیب ساخت کی تھی...... اس کے ایک سرے پر ایک عدد انسانی کھوپڑی بنی تھی جبکہ دوسری طرف ریڑھ کی ہڈی کی طرح ایک چار انچ لمبا لوہے کا حصہ تھا جس پر جابجا دندانے بنے ہوئے تھے۔ یہ وہ حصہ تھا جو صندوق کا قفل کھولتا...... حریری نے بڑی احتیاط سے وہ چابی صندوق میں داخل کی اور اسے چار دفعہ دائیں گھمایا اور پھر ایک دفعہ بائیں...... ایک کھٹکے کی آواز سنائی دی۔ یہ اعلان تھا کہ صندوق اب مقفل نہیں تھا۔

''یہ صندوق صرف راس الکلید سے کھلتا ہے۔ یہ اس صندوق بنانے والے کاریگر کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے...... اس نے اس کی صرف دو کلیدیں یعنی چابیاں بنائی تھیں۔ ایک چابی میرے پاس ہے جبکہ دوسری چابی میں پہلے ہی جلال خان کو دے چکا ہوں...... ''راس الکلید'' اس چابی کو کہتے ہیں۔'' اس نے صندوق میں لگی چابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر صندوق کو کھولا تو سامنے دونوں تلواریں پہلو بہ پہلو پڑی نظر آئیں۔ وہ ایک شاندار نظارہ تھا ایک مبہوت کردینے والی جھلک [illegible] کی داستان [illegible] تلوار دوسری تلوار سے تھوڑی چھوٹی تھی۔ دونوں تلواریں بے نیام تھیں...... میں نے جھجکتے ہوئے ان کا سرد اور آہن زدہ لمس محسوس کیا...... میرے پورے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی...... حریری کی دیومالائی باتیں بالکل سچ نکلی تھیں۔ ان دونوں تلواروں کی دھاریں کند کردی گئی تھیں اس لیے مجھے ان پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کسی احتیاط کا مظاہرہ نہیں کرنا پڑا......

''مجھے کب نکلنا ہوگا آقائے حریری!......'' میں نے کسی چھوٹے بچے کی طرح اپنا اشتیاق ظاہر کیا۔

''عین ممکن ہے تمہیں کل صبح منہ اندھیرے یہاں سے لے جایا جائے۔ تمہیں ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ میں نے تمہاری محویت اور جوش دیکھا ہے...... یہ تلواریں ہیں ہی ایسی۔ کوئی بھی ان کے سحر میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ شکر کرو کہ یہ اب کند ہیں۔ وگرنہ کہا جاتا ہے ضارب کی ضرب سے یہ پتھر کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ لیکن یاد رہے یہ امانت ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔ تمہارا سفر ہر طرح سے

محفوظ ہوگا اس لیے تمہیں کسی قسم کی پریشانی محسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے لیے دعاگو ہوں گا عزیزی حارث! خدا حافظ......''

حریری نے مجھ سے مصافحہ کیا اور اپنے دونوں کارندوں کے ساتھ میرے کمرے سے باہر نکل گیا۔ تلواروں کا وہ صندوق بھی اسی کے ہمراہ تھا۔ شاید وہ روانگی کے وقت ہی مجھے دیا جانا تھا۔ اب مجھے اس کی اہمیت کا ٹھیک سے اندازہ ہورہا تھا...... میرے تصور میں ریگستان، سمندر اور جنگلات آرہے تھے۔ کیونکہ غیر قانونی تارکین وطن سے اکثر یہی قصے سنے تھے۔ میں نے آنے والے ایڈونچر یا افتاد کے لیے خود کو تیار کرنا شروع کردیا۔

☆☆☆

انسان جیسا سوچتا ہے ویسا وقوع پذیر بھی ہو، یہ ضروری نہیں۔ پچھلے کچھ عرصے سے میرے ساتھ تو اکثر اوقات ایسا ہی ہوتا آرہا تھا۔ خصوصاً جب سے میری زندگی میں ڈاکٹر دانیال کا منحوس سایہ پڑا تھا لیکن اس دفعہ مجھے انتہائی خوشی ہوئی تھی کہ میں نے جیسا سوچا ویسا ہرگز نہیں ہوا...... مجھے اگلی صبح حریری کے لوگ لینے آگئے۔

وہ ایک کالے شیشوں والی طاقتور جیپ تھی۔ حریری کے بھیجے ہوئے دونوں ہرکارے اگلی نشستوں پر براجمان ہو [illegible] پیچھے والی نشست سنبھال لی۔ صبح کاذب کے آثار ابھی باقی تھے۔ اس لیے اطراف میں ایک مقدس خاموشی کی چادر سی پھیلی ہوئی تھی۔ ہماری جیپ سبک خرامی سے آبادی کے درمیان کشادہ سڑک پر چلتی رہی۔ جیسے ہی ہم نے آبادی کو خیرباد کہا، جیپ کو گویا پر لگ گئے۔

جیپ کا طاقتور انجن گرج رہا تھا اور جیپ ہوا سے باتیں کرتی ہوئی سڑک پر گرد کے بادل تخلیق کررہی تھی۔ یہ سڑک بارڈر کی طرف جاتی تھی اور آبادی سے کافی باہر تھی۔ اس لیے میں نے اس پر گرد کے بادل دیکھے تھے۔ ورنہ پورے ملک میں سڑکیں آئینے کی طرح صاف اور شفاف تھیں۔

یہ سفر قریباً چار گھنٹے جاری رہا۔ اس دوران ہم دو چیک پوسٹوں سے بھی گزرے۔ مگر کسی نے جیپ کی تلاشی یا کوئی کاغذات چیک کرنے کا تکلف محسوس نہیں کیا۔ اب ہم ایک بین الاقوامی بارڈر کے پاس پہنچ گئے تھے۔ یہاں لازم تھا کہ کچھ جانچ پڑتال کرنے کے بعد ہمیں آگے جانے دیا جاتا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ میرے ساتھ آنے والے ایک شخص نے چیک پوسٹ کے انچارج کو ایک عدد ڈبا تھمایا۔ اس نے ڈبے کو ہلا کر اپنے کسی اندازے کی تصدیق کی۔

پھر وہ دونوں باہم بغل گیر ہوئے اور ہماری جیپ بارڈر کے دوسری طرف نکل گئی۔ دوسری طرف والی چیک پوسٹ والوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا...... ہاں اتنا فرق ضرور پڑا کہ انہوں نے گاڑی اور اس شخص کے کاغذات طلب کیے۔

یہ بارڈر اتنی آسانی سے پار ہوجائے گا، مجھے ذرا بھی امید نہیں تھی۔ بارڈر سے تقریباً پچاس کلومیٹر مزید سفر کرنے کے بعد ایک قصبے میں ہمارا سفر ختم ہوا۔ وہاں سے میرے دونوں ہم سفر خاموشی سے مجھے ایک اور شخص کو سونپ کر واپس چل دیے۔

''ہمارا سفر اب کل صبح شروع ہوگا۔ تم تب تک آرام کرسکتے ہو۔'' میرے نئے میزبان نے شستہ انگریزی میں کہا۔

اگلے دن سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہی ہمارا سفر شروع ہوچکا تھا۔ خلاف توقع مجھے ایک کم طاقتور اور قدرے پرانی جیپ میں ایک ڈرائیور کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ جبکہ میرا میزبان اور اس کے باقی ساتھی دو عدد نئی اور طاقتور ترین انجن والی جیپوں کے ساتھ ہم سے آگے چل رہے تھے۔ مجھے توہین محسوس ہوئی لیکن میرے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔

اپنے نئے میزبان کی اس دور اندیشی کا قائل تب ہوا جب نئی وجود میں آنے والی ریاست کے بارڈر پر ان کی دونوں نئی جیپوں کو بارڈر کی سیکیورٹی فورس نے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ ہم کافی تاخیر سے وہاں پہنچے تھے کیونکہ ہماری جیپ کا انجن کمزور اور چھوٹا تھا...... ہم کو بھی بارڈر کی سیکیورٹی فورس نے روک لیا۔ میری جیپ کے ڈرائیور نے ان کی مقامی زبان میں ان سے چند منٹ گفتگو کی اور پھر وہاں موجود اہلکاروں نے جیپ کی سرسری تلاشی اور ہمارے کاغذات کی جانچ پڑتال کی...... اب ہم جانے کے لیے آزاد تھے۔

مجھے ایک خوشگوار حیرت ہوئی۔ میرا میزبان میری طرف دبی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے حصے کا کام بخوبی انجام دیا تھا...... لیکن مجھے فوراً ہی تلواروں کا خیال آیا۔ میں نے عقبی نشستوں کی طرف دیکھا۔ پھر یاد آیا کہ تلاشی کے دوران بھی اہلکاروں کو کچھ نظر نہیں آیا تو پھر

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

تلواریں کہاں رکھی ہیں۔
یہ سوال جتنا سادہ تھا، اتنا ہی خطرناک بھی...... حریری کے کینے اور غضب سے میں واقف تھا اور جلال خان پتا نہیں میرا کیا حال کرتا۔ میرا ماتھا پسینے سے شرابور ہو گیا...... جیپ کے ڈرائیور نے غالباً یہ بات محسوس کرلی تھی۔

''بے فکر رہو۔ تلواریں ہمارے پاس ہیں اور محفوظ ہیں۔ یہ تمہیں افغان بارڈر پر مل جائیں گی......'' ڈرائیور نے مجھ پر انکشاف کیا۔

''کہاں ہیں تلواریں؟......'' میری جیسے جان میں جان آگئی۔

''جیپ کے ڈیش بورڈ کی ڈیکوریشن لکڑی میں پوشیدہ ہیں اور اسی ڈیش بورڈ میں مزید کچھ کاریگری کر کے وہاں ایک خفیہ خانہ بنایا گیا ہے۔ یہ تلواروں کے چھوٹے صندوق کے سائز کے برابر ہے۔ بادی النظر میں یہ ڈیش بورڈ کا حصہ ہی محسوس ہوتا ہے...... لیکن ایک خاص ترتیب سے اسے الگ کرنے سے صندوق باہر آجاتا ہے...... اس لیے تمہیں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں......'' ڈرائیور نے تفصیل سے بتایا۔

میرے کندھوں سے جیسے منوں بوجھ ہلکا ہو گیا۔ میں نے اپنی نشست کو لمبا کیا اور آنکھیں میچ لیں۔ یہ سفر ابھی مزید چھ سات گھنٹے تک جاری رہنے والا تھا۔

☆☆☆

میں جلال خان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ روایتی افغان تھا۔ گہری نیلی آنکھیں، سفید اور سنہری لمبے بال اور سرخ انگارا چہرہ...... اس نے سر پر ایک بڑی نیلگوں پگڑی باندھ رکھی تھی۔

میں کل رات کے کسی پہر یہاں پہنچ گیا تھا۔ افغان بارڈر نہایت آسانی سے پار ہو گیا تھا۔ یہ جلال خان کا علاقہ تھا اس لیے ہمیں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میرا ڈرائیور مجھے چھوڑ کر واپس جا چکا تھا۔

''کیوں حارث خاناں! سفر میں کوئی مصیبت تو نہیں ہوا؟'' جلال خان نے اردو میں کہا۔

اس کے لہجے اور ادائیگی نے مجھے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

''نہیں جلال خان! میرا سفر بہت اچھا گزرا ہے۔ میں صحیح سلامت یہاں موجود ہوں......''

''تیرے کو زندگی پیاری نہیں...... مہمان نہ ہوتا تو تیری گردن کاٹ دیتا۔ تو خان بابا کا نام لیتا ہے۔'' ایک نوجوان لڑکے نے میرا گریبان پکڑ لیا۔

میں اس اچانک افتاد سے گھبرا گیا لیکن جلال خان نے پشتو میں اس نوجوان کو کچھ کہا۔ جس میں مجھے صرف جمشید ہی سمجھ آیا تھا۔ یہ غالباً اس کا نام تھا۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔

''مجھے افسوس ہے خان بابا!! میں یہاں کی روایتوں اور طریقوں سے واقف نہیں......'' میں نے خوف اور عاجزی بھرے لہجے میں کہا۔

''جمشید خان کو معاف کرنا...... وہ جوشیلا نوجون ہے لیکن دل کا بُرا نہیں...... اسے مہمانوں کے ساتھ اچھے سے پیش آنا سیکھنا ہوگا۔ تم آرام کرو حارث خاناں! کھانے پر ملاقات ہوتی ہے......'' جلال خان نے بیٹھے بٹھائے مجھے بھی خان بنا دیا تھا۔ لیکن اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔ وہ مہمان نواز اور روایت پسند سردار تھا۔

میں نے سفر کی تکان اتارنے کے لیے غسل کو ترجیح دی۔ اس گرم علاقے میں ٹھنڈے اور فرحت بخش پانی سے نہانا کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ میں نے تسلی سے نہا کر کپڑے تبدیل کیے اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد کھانے کے دسترخوان پر موجود تھا۔

جمشید خان بھی دسترخوان پر موجود تھا۔ وہاں سالم دنبے، بھی، چاول اور کئی شکار [illegible] کا گوشت موجود تھا۔ [illegible] سنہری داڑھی پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اس نے جمشید خان کو دیکھ کر گردن ہلائی۔

جمشید خان اٹھ کر میری طرف آیا۔ میرا خون ایک دفعہ پھر رگوں میں منجمد ہونے لگا۔ مجھے لڑنے لڑانے یا مرنے مارنے سے خوف نہیں آتا تھا لیکن یہاں اجنبی ملک میں اجنبی لوگوں کے درمیان بے یارومددگار مرنا مجھے بالکل پسند نہیں تھا۔ جمشید خان تیزی سے میرے قریب بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''یارا ہم کو معاف کردو! تم امارا مہمان ہے اور ام نے تمہارا گریبان پکڑا...... ہم سے غلطی ہوگئی...... تم جو بولو گے ام کرے گا۔ ام کو معافی دے دو بس......'' جمشید خان نے اپنی بات مکمل کی تو میری سانس میں سانس آئی۔

''معافی تو مجھے مانگنی چاہیے تھی۔ میں نے بے ادبی کی لیکن خان بابا کا بڑا پن ہے کہ انہوں نے مجھے مہمان سمجھ کر میری عزت بڑھائی ہے...... تم بھائی کی طرح ہو جمشید خان۔ میں نے معاف کیا اب تم بھی مجھے معاف کردو......''

یہ کہہ کر جمشید خان اور میں...... باہم بغل گیر ہو گئے۔ وہاں بیٹھے لوگوں نے ہوائی فائرنگ کر کے ہماری حوصلہ افزائی کی۔

''خان بابا! آپ کو آپ کی امانت مل گئی۔ وہ تلواریں واقعی آپ جیسے سردار کے پاس ہی اچھی لگتی ہیں۔ بہادر اور جنگجو سردار کے پاس...... میرے سر سے یہ بوجھ اتر گیا۔ اب میں چند دن سکون سے گزارنے کے بعد واپس چلا جاؤں گا......'' کھانا کھانے کے دوران میں نے جلال خان سے رسمی گفتگو کی۔

''ہاہاہا...... کونسی تلواریں...... لگتا ہے بس بوڑھے عرب نے تم کو بھی کوئی قصہ سنایا ہے...... ایک تو اسے یہودیوں کا فلمیں دیکھنے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ پھر وہ لوگوں کو ان کے قصے بنا کر سناتا رہتا ہے......'' جلال خان نے انکشاف کیا۔

''کیا مطلب خان بابا؟ یہ ضارب الجبل کی دو مشہور تلواریں نہیں جو صندوق میں یہاں تک آئی ہیں؟'' مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔

''حارث خاناں!! یہ تلواریں ضارب کی ہی ہیں۔ لیکن ضارب الجبل کی نہیں...... ضارب الحریری کی...... اس لالچی بڈھے کی...... اس کا پورا نام ضارب الحریری ہے...... اس پر میرا قرض باقی تھا۔ اگر وہ ادا نہ کرتا تو دنیا [illegible] دیتا...... اس صندوق میں وہ نوادر ہے جو اس نے دھوکے سے حاصل کیے تھے۔ وہ نوادر میرے قبیلے کی امانت ہیں...... لیکن اس نے دھوکے سے وہ مجھ سے حاصل کر لیے تھے۔ میں نے اسے تین ماہ کی مہلت دی تھی۔ اگر وہ یہ واپس نہ کرتا تھا تو میں اسے دنیا کے کسی بھی کونے سے نکال کر عبرت کا نشان بنا دیتا...... اس کی سرشت میں دھوکا ہے۔ اس نے تم کو بھی دھوکے سے یہاں بھیجا ہے...... ایک قصہ سنا کر...... بُرا ہو اس لالچی بوڑھے کا...... لیکن تم ہمارا مہمان ہے اب...... تمہاری حفاظت اور واپسی ہمارے ذمے ہے اس لیے تم پریشان نہیں ہونا۔

''خان بابا یعنی وہ دونوں تلواریں عام سی تلواریں ہیں؟''

''ہاں تو اور کیا۔ دیکھا نہیں کسی کباڑیے کی دکان کا مال ہو جیسے۔ نہ کوئی رنگ نہ دھار۔ کند تلواریں۔ یہ تو گھاس بھی نہیں کاٹ سکتیں......''

میری یہ حالت تھی جیسے میں دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہوں لیکن میں نے اپنی شرمندگی پر قابو پایا...... جو بھی تھا بہرحال میں نے حریری کا کام مکمل کر دیا تھا...... اس لیے حریری مجھے کسی انتقامی کارروائی کا نشانہ نہیں بنا سکتا تھا۔ باقی جلال خان اور حریری کا آپس میں کیا معاملہ تھا، یہ دونوں کا سردرد تھا۔

مجھے اب اپنی واپسی کی فکر تھی لیکن میرے پاس وقت کی کوئی کمی نہیں تھی اس لیے میں نے اس بہادر افغان سردار کی میزبانی کا لطف اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ جمشید خان سے بھی میرے تعلقات اچھے ہو گئے تھے۔

☆☆☆

آخرکار میں اس یادگار سفر سے واپسی کے مراحل میں تھا۔ جلال خان واقعی مہمان نواز تھا۔ اس نے اور جمشید خان نے میزبانی کا حق ادا کر دیا۔

میں اسپتال سے اپنی روانگی کے چودھویں روز دوبارہ اسی اسپتال میں موجود تھا۔ میں چند دن پہلے بھی آسکتا تھا لیکن پندرہ دن کا جو مجھے وقت ملا تھا اس کو میں بھرپور انداز میں گزارنا چاہتا تھا۔ میرے واپس آتے ہی حریری مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اس پر ظاہر نہیں کیا کہ اس کی خرافاتی کہانی اور اس کے خودساختہ قصوں کی ساری حقیقت مجھے پتا لگ چکی ہے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے مجھ پر بھروسا کرتے ہوئے اتنا اہم کام مجھے سونپا...... جواب میں حریری نے وہ کیا جس کی توقع نہیں تھی۔ اس نے مجھے ایک خطیر رقم بطور تحفہ دی کہ میں نے اس کی امانت اس کے دوست کے سپرد کر دی ہے۔ سردار جی اور محمود دونوں اس یادگار اور سنسنی خیز سفر کی داستان سننے کے لیے بے چین تھے۔ میں نے ان کو کافی حد تک سفر اور ساتھ پیش آنے والے واقعات کی تفصیل سنا دی۔ لیکن حریری کے جھوٹ سمیت چند اور باتیں حذف کر گیا...... میں چاہتا تھا وہ یہی سمجھیں کہ یہ ایک پُرخطر مہم تھی جو میں کامیابی سے مکمل کر کے لوٹا ہوں۔

اس کے بعد حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہوئے۔ مجھے حریری کا دستِ شفقت حاصل ہونے کی وجہ سے دفتر اور رہائش کے دوران کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں ہوا۔ ایک دفعہ میرے سپروائزر سورج کمار کے ساتھ میری اَن بن ہوگئی۔ وہ مجھے یہاں سے نکالنے یا کسی اور شعبے میں بھیجنے کا خواہاں تھا لیکن حریری کو مطلع کرنے کے بعد نہ صرف سورج کمار کو نوکری سے نکال دیا گیا بلکہ اسے ایک ماہ میں ملک چھوڑنے کا نوٹس بھی مل گیا تھا۔ محمود اکثر طنز کرتا...... ''بہت اوپر اُڑ رہا ہے یار! تھوڑا دھیان رکھ کہیں ٹھوکر نہ لگ

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

جائے......" لیکن میں نے اب یہ سوچنا چھوڑ دیا تھا...... مجھے اپنے عروج یا زوال کی فکر نہیں رہی تھی۔ بس مجھے کسی طرح تین سال پورے کرنے تھے۔

☆☆☆

آخر وقت پَر لگا کر اُڑ گیا...... تین سال کیسے گزرے، یہ مجھے بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔

ائرپورٹ پر بادل سنگھ اور محمود دونوں مجھے چھوڑنے آئے۔ میں نے بادل سنگھ کو لاہور آنے کی دعوت دی...... کیونکہ میرا واپس اس خلیجی ملک میں آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اور محمود تو جب بھی چھٹی آتا، اس سے ضرور ملاقات ہوتی...... ان دونوں نے بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مجھے رخصت کیا...... طیارے میں سوار ہوا تو مجھے اَن گنت سوچوں اور وسوسوں نے گھیر لیا۔ ان سب کا تعلق وارث، تہمینہ اور ڈاکٹر دانیال کے متعلق ہی تھا۔ میں نے ان سوچوں کو سر جھٹک کر دور کیا اور اپنی فضائی میزبان کی خوبصورتی کو سراہا۔ جو میرے قریب والے مسافر کو بیلٹ باندھنے کا طریقہ سمجھا رہی تھی۔ جہاز کے رن وے پر دوڑتے ہی میں نے آنکھیں موند لیں۔

جب پائلٹ نے منزل پر پہنچنے کا اعلان کیا تو ایک دفعہ پھر میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ یہ لاہور کا انٹرنیشنل ائرپورٹ تھا۔ طیارے نے جیسے ہی رن وے کو چھوا، ایک خفیف سا جھٹکا محسوس ہوا...... اس کے بعد کافی طویل چیکنگ اور دیگر خانہ پُری کے امور انجام دے کر میں بین الاقوامی آمد والے خصوصی راستے سے باہر نکل آیا۔ وارث کا بے حد اصرار تھا کہ وہ مجھے لینے آئے گا لیکن میں نے اسے منع کر دیا تھا۔ میری نظریں پارکنگ اور ٹیکسی اسٹینڈ کے اردگرد گردش کر رہی تھیں کہ مجھے تہمینہ نظر آئی۔ میرا خون کنپٹیوں میں گردش کرنے لگا۔ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں آیا کہ میں واپس اندر کی طرف بھاگ جاؤں۔ لیکن یہ ایک وقتی کیفیت تھی...... میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پایا اور تہمینہ کی جانب چل دیا۔ وہ اپنی شاندار گاڑی کے قریب کھڑی تھی۔ تین سال کے اندر اس میں کوئی فرق نہیں آیا تھا سوائے اس کے وہ اب مزید خوبصورت لگنے لگی تھی۔ یا پھر میری نظر کی پیاس تھی جو مجھے ایسا دکھا رہی تھی۔

اچانک اس کی مجھ پر نظر پڑی...... ایک لمحے کے لیے وہ ٹھٹک گئی لیکن پھر اس کے چہرے پر متانت بھری مسکراہٹ چھا گئی۔

"کیسی ہو تہمینہ۔ تمہیں دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ تم اب بھی ویسی ہی ہو سادہ مگر خوبصورت......"

"سفر کیسا گزرا؟ باقی باتیں گھر پہنچ کر کریں گے...... وارث تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔" تہمینہ نے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

"سفر تو یادگار ہو گیا...... کیونکہ فضائی میزبان نے میزبانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی......"

تہمینہ نے جس غصے اور غضب کی نگاہ سے دیکھا، مجھے یقین ہو گیا کہ آج بھی اس کی محبت میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوئی...... میرے لیے یہ جذبہ اور محبت، دنیا کی تمام دولت اور آسائشوں سے بڑھ کر تھا۔ تہمینہ نے گاڑی کا رخ گھر کی جانب کیا جہاں وارث ہم دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔

وارث بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ چارج لے چکا تھا۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ میں اس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ میں شامل ہو سکوں لیکن میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ بہر حال اب وہ ایک فوجی جوان تھا۔ جو ڈسپلن اور قاعدے کے معاملے میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ اسی لیے میں اسے فوج میں بھیجنے کے حق میں تھا...... تاکہ وہ ایک منظم اور با مقصد زندگی گزارے...... اور آج میرے خوا[illegible] تھی۔ [illegible] خوبصورت اور بے مثال کردار کی مالک لڑکی میری شریکِ حیات بننے والی تھی...... اس سے زیادہ اچھی زندگی اور کیا ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

ایک سال بعد......

میں اس وقت اپنے گھر میں لیٹا ہوا تھا جب محمود نے کال کر کے بتایا کہ وہ اور سردار جی دونوں لاہور مجھ سے ملنے آ رہے ہیں۔ پاکستان آنے کے بعد وہ دونوں مسلسل میرے رابطے میں تھے۔ مجھے یہ توقع تھی کہ عنقریب سردار جی نہ سہی محمود ضرور مجھ سے ملنے آئے گا۔ لیکن بادل سنگھ کا سن کر مجھے دلی مسرت ہوئی۔ سردار جی کا شاید پروگرام نہ بنتا لیکن میں نے دونوں کو پہلے اپنی شادی اور پھر اپنے بیٹے جلال کی تصویریں بھیجیں تو بادل سنگھ سے بھی رہا نہیں گیا۔ اس نے جیسے تیسے اپنے تعلقات استعمال کر کے پاکستان کا ویزا لگوا لیا تھا اور محمود کے ساتھ ہی چھٹی گزارنے بھارتی پنجاب کے بجائے پاکستانی پنجاب آ گیا۔ تہمینہ جانتی تھی کہ یہ دونوں میرے بہت قریبی دوست ہیں جن کی مدد اور اخلاقی

https://www.urdutubes.com/

تعاون کی وجہ سے ہم دونوں ایک ہو سکے تھے۔

اگلے چند دن بعد وہ میرے پاس لاہور موجود تھے۔ میں نے وارث کو بھی اطلاع کر دی تھی کہ وہ بھی اس موقع پر چھٹی لے کر آ جائے...... کیونکہ جلال ایک ماہ کا ہونے والا تھا۔ اور ابھی تک اس کے چاچو نے اپنے بھتیجے کے رُوبرو درشن نہیں کیے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ دن کی دس پندرہ تصاویر اپنے فون پر ضرور منگواتا تھا۔

محمود اور بادل سنگھ میرے، تہمینہ اور جلال کے لیے بے شمار تحفے۔ تحائف لائے تھے۔ اس کے علاوہ وارث کو بھی انہوں کافی قابلِ ذکر تحائف دیے تھے جو اس کی شخصیت یعنی ایک آفیسر کو سُوٹ کرتے تھے۔ مجھے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ بادل سنگھ اپنی ساری بچت ختم کرنے کے موڈ میں ہے۔

"میں لاہور، کرتار پور اور ننکانہ صاحب کا کونا کونا دیکھوں اور گھوموں گا...... میری بڑی حسرت تھی کہ واہگرو مجھے ننکانہ صاحب متھا ٹیکنے کے لیے بلائے...... اور لاہور کی تو بات ہی نرالی ہے لالے۔ لگتا ہے جیسے انسان اپنے ہی گھر میں ہے۔ مجھے پورا یقین ہے دنیا کے کسی کونے کا انسان بھی اگر لاہور آئے گا تو اسے یہ اجنبی محسوس نہیں ہوگا۔ گرو کی بڑی کرپا ہو گئی ہے جار[illegible] ئے۔ زندگی میں مجھے یہاں آنے کا [illegible] بادل سنگھ [illegible] ں جیسے جا رہا تھا۔ اس کی خوشی قابلِ دید تھی۔ محمود بھی اپنے وطن کی فضاؤں میں کافی مسرور نظر آ رہا تھا۔ میں ان کو گیسٹ روم کی طرف لے آیا تا کہ وہ سفر کی تکان دور کر لیں اور فریش ہو جائیں...... شام کا وقت ہونے والا تھا۔ پھر ہم ایک ساتھ کھانا کھاتے۔ یہ شام کا کھانا میرے لیے زندگی کے ان چند انمول لمحوں میں سے تھا جن کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ میری زندگی کا اثاثہ اور میرے صحیح معنوں میں سب اپنے میرے ساتھ موجود تھے۔ میں دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا اور اپنے گناہوں اور کوتاہیوں پر بخشش طلب کر رہا تھا کہ ان خوشیوں کو پھر کسی ڈاکٹر دانیال جیسے انسان کی نظر نہ لگے۔

تہمینہ کا اصرار تھا کہ کھانا وہ پکائے گی لیکن اس کی طبیعت جلال کی پیدائش کے بعد ابھی تک ٹھیک سے سنبھلی نہیں تھی۔ کمزوری کی وجہ سے کبھی چکر آ جاتے یا کبھی بلڈ پریشر کم زیادہ ہو جاتا تھا اس لیے میں نے اسے منع کر دیا تھا۔ ویسے بھی بادل سنگھ جتنا خوش خوراک تھا اس کے لیے میں نے لاہور کے مشہور کھابے لانے کو ہی ترجیح دی اور میری یہ عقل مندی بہت کام آئی...... ایک تو بادل سنگھ نے جی بھر کر کھایا۔ محمود نے بھی مقدور بھر اس کا ساتھ دیا۔ لیکن ہم سب بادل سنگھ سے ہار گئے تھے۔ وہ کھانے کی تعریف کے ساتھ ساتھ لاہور اور لاہور کے لوگوں کی تعریف کے پُل باندھتا رہا...... وہ شام ایک یادگار شام تھی...... جب کھانا ختم ہوا تو ہم سب پر کسل مندی طاری ہو چکی تھی۔ ہم لان میں ہی کرسیوں پر پاؤں پھیلا کر لیے ہو گئے۔ باتوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ وہ دونوں ایک سال میں ہونے والے زندگی کے اہم واقعات اور باتیں بتا رہے تھے لیکن اصل میں وہ میری کہانی سننے کے زیادہ مشتاق تھے...... باتوں ہی باتوں میں محمود نے کہا۔

"تو جانتا ہے تیرے واپس آنے کے ایک ماہ بعد حریری کے سرائے پر چھاپا پڑا تھا...... وہ جبار الناصر رمادی تجھے یاد ہے۔ تیرا تفتیشی افسر...... یہ سب ان کی سرکردگی میں ہوا۔ وہاں پانچ کلو سے زیادہ ہیروئین اور چند ایسے کاغذات ملے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ حریری یہاں صرف غیر قانونی تارکینِ وطن ہی کو نہیں بلکہ جاسوسوں کو بھی پناہ دیتا تھا۔ اس کے خلاف بہت مضبوط کیس تیار ہوا تھا۔ اب پتا نہیں اس کو کسی اور ملک بھیج دیا ہے یا اس کی گردن مار دی ہے...... ہمیں ابھی تک اس کا علم نہیں ہو سکا۔ ہاں وہ منظر سے ضرور غائب ہو گیا ہے ہمیشہ کے لیے......"

"کافی دلچسپ خبر ہے اور جہاں تک میری معلومات ہیں، حریری ابھی تک زندہ ہے...... کیونکہ وہاں کے ادارے اس کا سارا نیٹ ورک پکڑنے کے چکر میں ہیں۔ اس کے بعد وہ اس عفریت سے ہمیشہ کے لیے جان چھڑا لیں گے......" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ان دونوں کے حیرت سے منہ کھل گئے۔ دونوں کی زبان پر ایک ہی سوال تھا

"یہ ساری باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

ان سب کا جواب دینے ہی میں نے ان کو یہاں بلایا تھا...... اور اسی لیے انہوں نے اتنا لمبا سفر طے کیا تھا۔ تو یہ کیسے ممکن تھا میں ان کی تشنگی دور نہ کرتا۔

پھر میں نے ان کے انتظار کو طول دینا مناسب نہ سمجھا...... میری مختصر سی رُوداد شروع ہو گئی...... جو کچھ یوں تھی......

☆☆☆

"کہتے ہیں ڈوبتا ہوا انسان ہاتھ پاؤں ضرور مارتا ہے۔ تاکہ اسے کوئی سہارا مل سکے، چاہے وہ تنکے کا ہی کیوں نہ

Digitized by Google

ہو۔ میری زندگی کے سب سے اہم موڑ پر جب مجھ سے میری زندگی اور محبت دونوں دور جا رہی تھیں، مجھے ایک فیصلہ کرنے کو کہا گیا...... ایک ایسا فیصلہ جس میں تکرار کا مطلب صرف اور صرف اپنی بربادی ہوتا۔ اس لیے میں نے ڈاکٹر دانیال کی باتوں اور مطالبات کو تسلیم کر لیا۔ اس پر تہمینہ کو حاصل کرنے کی جستجو اور دُھن سوار تھی، اس میں بہہ کر وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھا لیکن اس کی نفسیاتی کجی اسے زبردستی کرنے سے روکے ہوئے تھی۔ وہ تہمینہ کو اس کی مرضی سے حاصل کرنا چاہتا تھا کہ وہ خود کو کسی پلیٹ میں سجا کر اسے پیش کر دے اور وہ خوب شکم سیر ہو کر اپنی ہوس کی بھوک مٹا سکے۔

میرے ساتھ ”ڈیتھ سیرم“ کا خوفناک تجربہ کرنے کے بعد ڈاکٹر دانیال نے اپنے مذموم مقاصد کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ پھر جتنا وقت میں اس حالت میں رہا، اس مسئلے کا مکمل اور جامع حل سوچتا رہا...... کیونکہ میرے پاس وقت ہی وقت تھا۔ آخر کار میں نے ایک پُرخطر اور انتہائی رِسکی منصوبہ ترتیب دیا جو کہ قابلِ عمل بھی تھا...... وہ یہی تھا کہ ڈاکٹر دانیال کی بات مان لی جائے اور اس کے لیے گراؤنڈ صاف کر دیا جائے۔ دوسرا مجھے وارث کی بہت فکر تھی اس لیے میں نے اپنی طرف سے چند مفاد پرستی پر مبنی مطالبات کی ایک لسٹ تیار کی جس میں ڈاکٹر دانیال کو خود غرضی اور لالچ کی جھلک دکھائی دے۔ ان میں سے ہی وارث کے لیے ملٹری اکیڈمی میں داخلے اور ہاسٹل اخراجات بھی منظور کروا لیے تھے۔ کیونکہ دانیال کے بڑے بھائی عارب خان کے اس سطح تک اچھے تعلقات تھے۔ دوسرے مطالبات میں پیسہ اور کچھ جائیداد بھی شامل تھی۔ پھر ڈاکٹر دانیال نے میرے سامنے یہ شرط رکھی کہ میں اس شہر سے کہیں دور چلا جاؤں۔ میں نے اس کی مشکل آسان کر دی اور کہا کہ وہ میرے ملک سے باہر جانے کا اگر بندوبست کر دے تو شہر کیا میں ملک ہی چھوڑ جاؤں گا۔ ڈاکٹر دانیال میرے بچھائے ہوئے جال میں قدم رکھ چکا تھا۔ ایک تو وہ مجھے موقع پرست سمجھ رہا تھا دوسرا عارب خان کا چھوٹا بھائی ہونے کی نسبت سے اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ میں اس کے ساتھ کوئی گیم کھیل سکوں گا۔ وہ مکمل اطمینان کے ساتھ مجھے تہمینہ کی زندگی سے باہر کرنے کے چکر میں تھا۔ یہی اس کی بھول تھی کہ میں تہمینہ کی زندگی سے دور جا سکتا ہوں۔ اب میرا سب سے اہم اور سنگین مطالبہ یہ تھا کہ دانیال شادی کو کم از کم چھ ماہ تک رُوک کر رکھے۔ ڈاکٹر دانیال اپنے تمام تر وسائل اور طاقت کے باوجود اس مطالبے کو پورا کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ لیکن اسے قائل کرنے کے لیے مجھے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرنی پڑیں۔ تہمینہ کی ماں کی وفات اور مجھ سے اچانک الگ ہونے کے صدمات وغیرہ وغیرہ۔ اسے خود کو تیار کرنے کے لیے وقت چاہیے ہوگا...... اس طرح کی بہت سی باتوں کے بعد بالآخر وہ یہ بھی مان ہی گیا۔

پھر اگلا مرحلہ تہمینہ کو منانے کا تھا۔ اور جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ تہمینہ کسی صورت نہیں مان رہی تھی۔ اس کے مطابق یہ سب دیوانے کا خواب ہے ورنہ ڈاکٹر دانیال اور اس کے بھائی عارب خان کو دھوکا دینا ممکن ہی نہیں۔ مگر اُسے میری ضد اور استقامت کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑ گئے۔

اس کے بعد کے حالات تیزی سے بدلے۔ میں تم لوگوں کے پاس پہنچ گیا اور ڈاکٹر دانیال کی نظر میں پاکستان سے تین سال کے لیے دور ہو گیا۔ میں نے ایک ہفتے میں ہی دیکھ لیا تھا کہ تم دونوں ہی ایسے انسان ہو جو مستقبل میں میری کسی نہ کسی طور مدد ضرور کرو گے۔ میں نے دانیال سے چھ ماہ کا کہا تھا لیکن میرا ٹارگٹ چار ماہ کا تھا۔ پھر مجھے سردار جی کے توسط سے حریری جیسی شخصیت کا معلوم ہوا۔ حریری کی سرائے میں دو تین دفعہ جانے سے مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اسے کسی نئے کیریئر کی ضرورت ہے۔ جو اس کے خاص سامان کی افغانستان ترسیل کر سکے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے مجھے ایک ترکیب سوجھی۔ [illegible] کر دی۔ پھر جب میں پولیس کسٹڈی میں تھا تو میرا ابھی ارادہ تھا کہ تم لوگوں کو حریری سے ضمانت لینے کا کہوں گا۔ مگر سردار جی مجھ سے دو ہاتھ آگے نکلے اور حریری کو خود ہی ساتھ لے کر آ گئے...... جب حریری کا شکریہ ادا کرنے گئے تھے تب ہی میں نے اس کے سرائے میں چند ایک خاص بندوں سے کہا تھا کہ میں افغانستان میں بہت دفعہ آتا جاتا رہا ہوں۔ اور مجھے افغان لوگوں کی نفسیات پر عبور حاصل ہے۔ ہوا میں چلایا ہوا تیر نشانے پر لگ گیا۔ حریری کا میں احسان مند تو تھا ہی پھر افغانستان سے تعلق کا ایک شوشہ چھوڑ دیا تھا اس لیے اُسے فیصلہ کرنا آسان ہو گیا کہ مطلوبہ بندہ مل گیا ہے۔

حریری نے میرا ڈالا ہوا چارا نگل لیا۔ اس نے مجھ پر احسان جتا کر اپنا کام نکلوانے کا منصوبہ بنایا۔ حالانکہ یہ اس کا نہیں میرا منصوبہ تھا کہ وہ مجھ سے یہ کام کروائے۔ ورنہ میں شاید تہمینہ تک پہنچتے پہنچتے بہت دیر کر دیتا......

باقی سارے معاملات ٹھیک تھے۔ افغانستان تک مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ وہاں جلال خان کی میزبانی میں مجھے ہر قسم کی آسائش حاصل تھی۔ لیکن دوسرے ہی دن

میں نے جمشید خان سے ایک فرمائش کر دی...... جمشید خان اپنی بدتمیزی کا قرض اتارنا چاہتا تھا۔ اس نے جلال خان سے میری فرمائش پوری کرنے کی سفارش کی......

جلال خان میری اس عجیب و غریب فرمائش پر بہت حیران ہوا مگر اس کے لیے یہ مشکل نہیں تھا...... میں نے پوری قیمت ادا کرنے کی حامی بھری تھی۔ مگر جلال خان صرف اتنی ہی رقم لینے پر آمادہ ہوا جتنی اسے اس کام کے لیے درکار تھی...... اور جمشید خان کو اضافی طور پر میرے ہمراہ گائیڈ اور مددگار کے طور پر روانہ کر دیا گیا۔ افغانستان میں قیام کے چھٹے روز ہم دونوں طورخم بارڈر پار کر کے پاکستان میں داخل ہو چکے تھے...... میرے حلیے میں خاطر خواہ تبدیلی کی گئی تھی۔ میرے بال سرخ ہو چکے تھے جبکہ آنکھوں پر ہلکے سبز رنگ کے لینز موجود تھے۔ میں بھی ایک افغانی باشندہ لگ رہا تھا۔ میرے کاغذات بھی ہر طرح سے مکمل تھے۔ اس لیے ہمیں پاکستان داخل ہونے میں کوئی پریشانی محسوس نہیں ہوئی۔

میں نے اپنے منصوبے کے مطابق تین دن میں اپنا کام مکمل کرنا تھا۔ اب باقی چیزوں کے انتظام میں جمشید خان نے وہ پھرتی دکھائی کہ میری عقل دنگ رہ گئی۔ ان سب کاموں کے لیے پیسہ پانی کی طرح بہانا پڑا لیکن اس کی پروا کس کو تھی......

[illegible] دانیال کے متعلق ضروری معلومات اکٹھی کر چکا تھا۔ ہم اس وقت اسی شہر میں موجود تھے جہاں ڈاکٹر دانیال موجود تھا اور تہمینہ بھی...... آخر کار تیسرے روز ڈاکٹر دانیال کی گاڑی کو ایک ٹرک نے ٹکر مار دی۔ یہ ٹکر صرف ایسے زاویے سے ماری گئی تھی کہ اسے معمولی چوٹیں ہی آئیں۔ ٹرک ڈرائیور جمشید خان کا پرانا کرم فرما تھا۔ اس نے یہ کام مفت میں کر دیا تھا۔ بلکہ وہ تو سیدھا سیدھا اسے اوپر پہنچانے کا کہہ رہا تھا۔ لیکن میں نے اسے صاف منع کر دیا کیونکہ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا تھا...... اسی وقت وہاں موجود بندوں میں سے ایک نے ایمبولینس منگوائی...... ایمبولینس بلانے والا بھی ہمارا آدمی تھا اور ایمبولینس لانے والا بھی...... ایمبولینس کے اندر ہی ڈاکٹر دانیال کو ابتدائی طبی امداد دی گئی اور بے ہوشی کی حالت میں اسے شہر کے سب سے اچھے پرائیویٹ اسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ ڈاکٹر دانیال کی چوٹیں زیادہ گہری نہیں تھیں لیکن پھر بھی وہ شیشے کی کرچیاں لگنے سے کافی زیادہ زخمی دکھائی دے رہا تھا...... ہمارا کام یہیں ختم ہو چکا تھا...... اب ہم آرام سے واپس جا سکتے تھے...... اس لیے جمشید خان نے جب میرا ارادہ پوچھا تو میں نے اسے مزید ایک دن اور رکنے کے لیے کہا...... اس نے کوئی پس و پیش نہیں کی۔ جمشید خان اور اس کے کئی رشتے داروں کی پاکستان میں دکانیں اور دیگر کاروبار تھے۔ اس لیے اردو بولنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔

اگلے دن جمشید خان اپنے رشتے داروں اور دوستوں کی طرف نکل گیا۔ جبکہ میں اسی پرائیویٹ اسپتال میں ڈاکٹر دانیال کی عیادت کرنے پہنچ گیا...... ڈاکٹر دانیال کو انتہائی سیکیورٹی والے علیحدہ کمرے میں رکھا گیا تھا۔ وہاں تک رسائی کسی طور ممکن نہیں تھی لیکن اس اسپتال کا انتخاب ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ اگر میں چاہوں تو اس سے ایک الوداعی ملاقات کر سکوں...... اب وہ پیسے جو یہاں دیے گئے تھے، خلال بھی تو کرنے تھے۔ اس لیے میں اسپتال میں ڈاکٹر دانیال کے کمرے تک بغیر کسی حیل و حجت کے پہنچ چکا تھا......“

یہ کہانی سناتے سناتے میں یہاں تک پہنچ کر رک گیا...... بادل سنگھ اور محمود دونوں میری طرف... حیرت زدہ چہروں کے ساتھ دیکھ رہے تھے......

آخر جب ان سے ضبط نہ ہوا تو بادل سنگھ نے کہا۔

”پھر تو نے اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا؟“

”نہیں، میں چند پرانی باتیں دہرا کر اسے زندہ چھوڑ کر واپس آ گیا تھا... ہاتھ لگائے بغیر......“ میں نے بے نیازی سے کہا۔

”کون سی باتیں؟“ محمود بھی چپ نہ رہ سکا۔

میں نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹر دانیال سے آخری ملاقات کا احوال سنایا۔ جو کچھ یوں تھا۔

”مجھے خون خرابا بالکل پسند نہیں...... یہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں......

میرے دوست دانیال...... تم خود کو اس وقت کیسا محسوس کر رہے ہو......؟“

”ہاں۔ جانتا ہوں تم بتا نہیں سکتے۔ لیکن میں بخوبی سمجھ سکتا ہوں تمہاری حالت کیا ہے...... کیونکہ تمہیں اس حالت میں لانے کا ذمے دار میں جو ہوں۔ میں تشدد کا قائل نہیں ہوں۔ میں ایک نفیس اور لطیف جذبے رکھنے والا انسان ہوں۔ مجھے انسان کی ظاہری خوبصورتی بہت پسند ہے۔ تم بھی اچھے خاصے خوش شکل انسان ہو۔ اور میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ تمہارا چہرہ لہولہان ہو جائے اور اس پر جابجا چوٹوں کے نشان نظر آئیں...... اُف...... کتنا تکلیف دہ

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

منظر ہوگا وہ میرے لیے......تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔"

'پانچ سی سی کا ایک انجکشن آدمی کو چوبیس سے اڑتالیس گھنٹے تک ایسے ہی مفلوج کر دیتا ہے۔ اسے ''ڈیتھ سیرم'' کہتے ہیں۔ یہ افریقہ کے جنگلات میں ایک مخصوص قسم کے پھول سے کشید کیا جاتا ہے اور پھر اس پر کچھ مزید کیمیاگری کی جاتی ہے۔ اگر اس کی مقدار بڑھا دی جائے یعنی دس سی سی کے لگ بھگ ہو جائے تو یہ مدت طویل ہو کر ایک مہینے تک چلی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کو دگنا یا بیس سی سی کر دیا جائے تو انسان کی ساری زندگی اسی حالت میں گزر جاتی ہے۔"

''یہاں میں نے محسوس کیا ڈاکٹر دانیال کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی اور اس کی آنکھیں نم ہو رہی ہیں......وہ یقیناً میری ساری باتیں سن رہا تھا......میں نے پھر مزید کہا......

''تم جانتے ہو اسے ڈیتھ سیرم کیوں کہا جاتا ہے؟ حالانکہ یہ انسان کو مارتا نہیں صرف مفلوج کرتا ہے۔ یہ ابھی تک کی میڈیکل سائنس کی تاریخ کا سب سے انوکھا زہر ہے جس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس زہر کا شکار ہونے والا کبھی تشخیص کے مراحل سے نہیں گزرتا کیونکہ اس کی تشخیص ناممکن ہے۔

ویسے بھی میری طرح کے مشہور اور نامور ڈاکٹر ایسے مریض کو ایک دو ماہ سے زیادہ اٹینڈ ہی نہیں کرتے۔ جب وہ دیکھتے ہیں گھر والے مایوس ہو گئے ہیں اور پیسے خرچ کرنے کے موڈ میں نہیں تو مریض کو زندگی سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ گھر والے بھی سکون کا سانس لیتے ہیں اور ڈاکٹرز بھی...... یہ ایک طبی سمجھوتا ہوتا ہے......کوئی پوسٹ مارٹم نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی اور مسئلہ۔ تمام امور بخوبی انجام پا جاتے ہیں۔ سب سے اہم مرحلہ ''ڈیتھ سیرم'' کو حاصل کرنا ہے۔ یہ ایک نادر فارمولا ہے جو ذاتی مقاصد کے لیے ہرگز دستیاب نہیں مگر اسے انتہائی خطیر رقم کے عوض حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مجھے یہ غیر قانونی طور پر منگوانا پڑا ہے اس لیے مجھے کافی تگڑی رقم خرچ کرنی پڑی ہے لیکن مجھے یہ سودا بالکل مہنگا نہیں لگ رہا۔ یہاں تک تو میں نے تمہاری ہی باتیں تمہارے سامنے دہرا دیں، اب اس میں کچھ اپنی طرف سے ضرور شامل کرنا چاہوں گا......تم نے مجھے پانچ سی سی کی مقدار دی تھی۔ جو چوبیس گھنٹوں کے لیے کافی تھی جبکہ دس سی سی میں یہ ایک ہفتے تک طویل ہو جاتی۔ لیکن تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے صحیح مقدار کے بارے میں بتا دیا تھا......اس لیے میں نے اس کا پورا خیال رکھا۔ یعنی تم کو بیس کے بجائے پچیس سی سی کی خوراک دی گئی ہے کہ تم غلطی سے بھی اپنی زندگی میں دوبارہ کبھی ٹھیک حالت میں نہ آسکو۔ تم سوچ رہے ہوگے کہ ایسا کب ہوا...... ایسا تب ہوا جب ایمبولینس میں تمہیں ابتدائی طبی امدادی جا رہی تھی۔ اسی امداد میں ''ڈیتھ سیرم'' کو شامل کر دیا گیا تھا۔ مجھے پوری امید ہے تمہاری طرح کا ہی کوئی ''قابل ڈاکٹر'' کچھ عرصے بعد ایک ''طبی سمجھوتے'' کے تحت خود تمہیں زندگی کی قید سے آزاد کر دے گا......اور ظاہر ہے تمہارا خون اس کے سر پر ہوگا......تم نے مجھے بے دست و پا کرنے کی کوشش کی لیکن آج تم خود بے دست و پا ہو چکے ہو۔ چند دن کی مزید زندگی مبارک ہو......"

یہ کہہ کر میں وہاں سے نکل آیا اور اگلے دن ہم افغانستان واپس پہنچ چکے تھے۔ ڈیتھ سیرم میں نے جلال خان کے ذریعے ہی حاصل کیا تھا۔ اس نے صرف ڈیتھ سیرم کے عوض رقم لی تھی۔ باقی کسی بھی معاملے میں اس نے میرا پیسہ نہیں لگنے دیا۔ اسی شکر گزار جذبے کے تحت میں نے اپنے بیٹے کا نام اس کے نام پر جلال رکھا ہے۔ میں نے ڈاکٹر دانیال کو اسی کے ہتھیار سے شکست دی تھی......اس نے خود مجھے وہ راہ دکھائی تھی ورنہ میں کبھی اتنا بے داغ [illegible] بنا دیا......

''سیانے ٹھیک کہتے ہیں کہ بندے کو منہ کھولنے سے پہلے سو واری سوچنا چاہیے۔'' بادل سنگھ نے لقمہ دیا۔

''لیکن حریری اور اس کے حالات کا تم کو کیسے لگا؟'' محمود نے اشتیاق سے پوچھا۔

''کیونکہ حریری کو کسی اور نے نہیں بلکہ میں نے پکڑوایا ہے...... جبار الناصر رمادی کو میں وہاں سے واپسی پر اپنا دوست بنا چکا تھا۔ وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ میں حریری کے خلاف ٹھوس ثبوت فراہم کروں کہ وہ منشیات فروشی میں ملوث ہے۔ تاکہ اس کی گردن ماری جا سکے۔ اور آخر مجھے وہ موقع مل ہی گیا۔ اس کے سرائے میں ایک بنگالی کو بڑی رقم دینے کے عوض اس نے مجھے عین وقت پر مخبری کرنے کی ہامی بھر لی...... پھر میں نے پاکستان سے ہی جبار الناصر کو یہ خبر پہنچا دی......اس سے آگے کی کہانی تو پھر تم جانتے ہی ہو......'' میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ میری آنکھوں میں اطمینان اور سرشاری کا عالم تھا جبکہ محمود اور بادل خان کی آنکھیں حیرت کدہ بن چکی تھیں۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google